اصلاحِ انقلابِ امت

ہر شعبۂ زندگی میں مسلمانوں کے بگاڑ کی تشخیص اور اس کا علاج

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

ادارۃ المعارف کراچی

اصلاحِ انقلابِ اُمت

جلد اوّل

مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے میں پھیلی ہوئی کوتاہیوں کی نشان دہی نیز
عبادات، نکاح و طلاق، حقوق العباد اور دیگر معاشرتی معاملات سے متعلق
معاشرے میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کا شریعت کی روشنی میں حکیمانہ علاج

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

ادارۃ المعارف کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

حرفِ آغاز

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

"اصلاحِ انقلابِ امت" حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کی وہ بے نظیر تصنیف ہے جس میں انہوں نے اپنے زمانے کے مطابق زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کی تعلیمات کی توضیح فرمائی ہے۔ مسلمانوں کی عملی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں وہ اپنے دین کی اصل تعلیمات سے دور ہٹتے چلے گئے ہیں، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں عمل کی ان ہی کوتاہیوں کی انتہائی جزرسی کے ساتھ نشان دہی فرمائی ہے اور پھر انہیں دور کرنے کی موثر تدبیریں بتائی ہیں۔

یہ کتاب درحقیقت ایک سلسلۂ مضامین ہے جو دارالعلوم دیوبند کے معروف ماہنامہ "القاسم" میں قسط وار شائع ہوتا رہا، بعد میں اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا گیا۔

احقر نے اپنے ماہنامہ "البلاغ" میں اس سلسلۂ مضامین کی کچھ قسطیں القاسم سے نقل کر کے شائع کی تھیں، اور اس بات کی آرزو تھی کہ یہ مضامین یکجا طور سے کتابی صورت میں شائع ہوں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سینکڑوں تالیفات بار بار شائع ہوتی رہی ہیں، لیکن حیرت ہے کہ ایسی جامع مفصل اور مفید کتاب غالباً صرف ایک بار شائع ہو کر رہ گئی، اور اب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے متوسلین بھی اس کے نام تک سے واقف ہیں۔

اسی دوران احقر کے شیخ و مربی سیدی و سندی حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب دامت برکاتہم نے "اصلاح انقلاب امت" کا ایک نسخہ جناب محمد حنیف اللہ لاری صاحب سے حاصل کر کے احقر کو عطا فرمایا اور حکم دیا کہ اس کی طباعت و اشاعت کا انتظام کیا جائے۔

احقر نے کتاب کا مطالعہ کیا تو اندازہ ہوا کہ موجودہ دور میں اس کو شائع کرنے کے لئے اس پر کچھ کام کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کتاب ایسے دور میں لکھی گئی تھی جب عام مسلمان بھی دینی اصطلاحات اور علمی اسلوب بیان سے پوری طرح مانوس تھے اور اس سے پورا استفادہ کر سکتے تھے، لیکن اب ہماری شامت اعمال سے عوام اس انداز بیان سے بہت نامانوس ہو گئے ہیں، اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ تشریحی حواشی وغیرہ کے ذریعہ اسے بشکل عام فہم بنانے کی کوشش کی جائے۔ دوسرے جدید طرز کے مذاق کے مطابق کتاب میں جا بجا پیراگراف قائم کرنے اور ذیلی عنوانات لگانے کی بھی ضرورت تھی۔

جہاں تک پہلے کام کا تعلق ہے، میں اس کے لئے فرصت کا متلاشی رہا، لیکن جب یہ دیکھا کہ فرصت کی تلاش میں یہ کام ٹلتا جائے گا اور اس طرح یہ ممکن ہے کہ اصل کتاب کی طباعت ہی میں غیر معمولی تاخیر ہو جائے، تو والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم العالی نے حکم دیا کہ اب تسہیل و تشریح کے انتظار میں کتاب کی طباعت کو مؤخر نہ کیا جائے، کتاب ایک مرتبہ وجود میں آگئی تو انشاء اللہ اس پر اس نوعیت کے کام ہوتے رہیں گے۔ چنانچہ اس کام سے صرف نظر کر کے احقر نے صرف دوسرے کام پر اکتفا کرنے کو مناسب سمجھا، اور اس کے لئے برادر عزیز مولوی محمد علی صاحب کو جو آج کل جامعہ تعلیمات اسلامیہ لائلپور میں نظامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں، کتاب حوالہ کر دی۔ انہوں نے پوری کتاب کو نقل کر کے اس کے بیشتر حصے پر پیراگراف قائم کئے، عنوانات لگائے اور بعض مقامات پر مختصر تشریحی حواشی کا اضافہ کیا، پھر وہ اپنی بعض مصروفیات کی بنا پر کام کی تکمیل نہ کر سکے تو میں نے برادر عزیز مولوی عبدالغفار ارکانی صاحب رفیق دارالعلوم کراچی سے اس کام کی تکمیل کرائی، چنانچہ کتاب کا نصف سے زائد حصہ انہوں نے ہی نبٹایا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں صاحبان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

بہرکیف! اب اس کتاب کا پہلا حصہ آپ کے سامنے ہے، انشاء اللہ دوسرا حصہ بھی جلد از جلد پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی، اگرچہ تسہیل و تشریح کا کام اس مرتبہ نہیں ہو سکا، لیکن امید ہے کہ انشاء اللہ کتاب کے بیشتر مباحث عام اردو خواں حضرات پوری طرح سمجھ سکیں گے۔ جہاں دشواری محسوس ہو وہاں کسی اہل علم سے سمجھ لیا جائے گا۔ وما توفیقی الا باللہ۔

احقر

محمد تقی عثمانی

مدیر: ماہنامہ البلاغ

دارالعلوم کراچی ۱۴

فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ
حرفِ آغاز	۳
فہرست	۶
مسلمان کیوں بدل گئے؟	۱۳
متحدین میں انکار کا انقلاب	۱۷
مسلمانوں سے اپیل	۱۹
طریق اصلاح انقلاب	"
مردوں کا دستور العمل	۲۰
عورتوں کا دستور العمل	۲۲
علماء کا دستور العمل	"
ضعفِ ہمت کے ازالہ کی تدبیر	۲۴
تذییل	۲۵
تکمیل	۲۶
سند جوامع اصلاح انقلاب	۲۷
امر اول یعنی کتب دینیہ کا پڑھنا یا پڑھانا یا سننا	"
علم دین کی ضرورت	۲۸
تورات کے مطالعہ سے ممانعت	۲۹
مختصر نصاب	"
امر دوم یعنی علماء دین سے مسئلہ پوچھنا	۳۰
غلطیوں کی اصلاح کا طریق۔	۳۱
استفتاء کے آداب	۳۱
امر سوم یعنی وعظ سننا	۳۲
وعظ سننے کے آداب	"
امر چہارم یعنی اہل کمال کی صحبت	۳۳
بری صحبت کے نقصانات	۳۴
امر پنجم یعنی گھر والوں کو دین پڑھانا۔	"
قرآن مجید کے بارے میں کوتاہیاں	۳۵
قرآن مجید کے معاملے میں کوتاہیاں	"
مکاتب قرآنیہ کی ضرورت اور چندہ کے آداب	۳۶
ورثہ ملنے کے بعد سب سے پہلی دو نیکیاں	۳۷
دشمن کون؟	۳۸
حفظ قرآن سے قوت حافظہ بڑھتی ہے اور علوم معاشیہ میں کام دیتی ہے۔	"
جس چیز کا انسان ارادہ کر لیتا ہے کیسی ہی کسی صورت میں اس کو کر ہی لیتا ہے	۳۹
اہل علم کی کوتاہیاں	۴۰
تصحیح قرآن صرف دو ہفتہ میں	۴۱
امام مقرر کرنے کے آداب	۴۲
مشائخ اور اہل مدارس کیلئے دستور العمل	"

عنوانات	صفحہ
تجوید میں افراط و تفریط	۴۴
حسن صورت اور گانے کا فرق	״
تجوید اور اصلاح الخلق	۴۵
معانیٔ قرآن سے غفلت	۴۶
اہل مدارس کو مشورہ	۴۷
معانیٔ قرآن میں رغبت کرنے والوں کی بے پروائی	۴۸
طریق اصلاح	۴۹
معانیٔ قرآن پر مطلع ہونے کا سہل طریقہ	״
قرآن کے الفاظ و معنی میں کوتاہیاں	״
اصلاح کی ضرورت	۵۰
معانی میں تصرف فاسد	۵۱
آداب تلاوت میں کوتاہیاں	۵۲
تلاوت کے آداب	״
عمل سے غفلت	۵۳
الفاظ و معنی کے آداب میں کوتاہیاں	۵۴
قرآن سے نام نکلوانا ادب کے خلاف ہے۔	۵۵
قرآن سے فال نکالنا	۵۶
قرآن مجید میں تمام علوم ہونے کے معنی	۵۸
فال اور استخارہ کا فرق	״
اسی کے ساتھ اعتقاد باطل کا ہونا	۵۹

عنوانات	صفحہ
قرآن مجید، عملیات اور ناجائز اغراض	۶۱
دست غیب آمل اور تسخیرات ناجائز ہے	۶۳
قرآن مجید کو آلۂ کسب بنانا	۶۴
قرآن میں تحریف	״
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں کوتاہیاں۔	۶۸
جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجددین کا معاملہ	۶۹
اہل اللہ کی صحبت کا التزام ضروری ہے۔	۷۰
اہل صحبت کی کوتاہیاں	״
اپنے کو مقدس اور دوسروں کو کم سمجھنے والوں کی کوتاہیاں۔	۷۱
حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت	۷۳
تہمت سابق	۷۴
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بحیثیت حامل دین ہونے کے۔	״
سب سے زیادہ علیم و مصلح و مبلغ کا مال	۷۵
ہر نعمت نعمت ہے اور مقصود بالذات	۷۷
تابعین کی خلافت کی حقیقت	״
متابعت کی حقیقت	۷۸
حضرات انبیاء علیہم السلام کی شان میں گستاخی	۷۹

عنوانات	صفحہ
رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت جبرئیل علیہ السلام پر	۸۲
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ادب	۸۴
عجیب وغریب واقعہ	۸۵
شب بیداری کرنے والے مستحق ملامت نہیں	۸۶
ضروری تنبیہ	۸۸
نماز کے متعلق کوتاہیاں	۸۹
ترکِ غیبت ہر وقت فرض ہے	۹۰
نماز پڑھنے والوں کی کوتاہیاں	〃
نماز میں بے پرواہی سے بچنے کا طریقہ	۹۱
وقتاً تہجد پر اپنے بدن پر چھڑیاں توڑ ڈالتے تھے۔	۹۲
عورتوں کی بے پرواہی	۹۴
بے پرواہی کا علاج	۹۵
بے نمازیوں کا بہانہ	۹۶
ایک معقول استدلال	۹۷
عقل پرستوں کے سوال اور جواب کا علاج	۹۸
اہل فلسفہ کا دعویٰ اور اس کا رد	〃
اہل تصوف کی تقریر اور اس کا جواب	۹۹
بعض مشائخ میں تاخیرِ صلوٰۃ کی عادت اور اس کا علاج۔	۱۰۰

عنوانات	صفحہ
تخییلِ شیطانی	۱۰۲
تسویلِ نفسانی	〃
علماء میں بھی تاخیرِ صلوٰۃ !	۱۰۳
عورتوں میں نماز کا اہتمام نہ ہونا۔	۱۰۴
حجاج کی نمازوں میں کاہلی و سستی	۱۰۵
نماز کا اثر اور برکت۔	۱۰۶
تعدیل ارکان نہ کرنا۔	۱۰۷
نماز میں امراء کی کوتاہیاں	۱۰۸
خشوع کا فقدان	۱۱۳
خشوع کی حقیقت	۱۱۴
حصولِ خشوع کا طریقہ	〃
متفرق کوتاہیاں	۱۱۵
نا اہل کو امام بنا لینا۔	۱۱۶
علم دین ، سب کا علاج	۱۱۸
وسوسے کفر نہیں۔	〃
روزے کے متعلق کوتاہیاں	۱۲۰
رویت ہلال	〃
کافر کے لئے شہادت کیوں معتبر نہیں۔	۱۲۲
طریق علاج۔	〃
علماء کو مشورہ	۱۲۳
ضروری احتیاط	۱۲۴

عنوانات	صفحہ
روزہ میں تفریط کرنے والوں کا ذکر	۱۲۵
روزہ دوسرے کے حسب کے گھر میں اپنے ذمہ	۱۲۶
روزہ افطار کرنے کے لئے اپنی جگہ	۱۲۷
عادت و عزم سے مشکل سے مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے۔	۱۲۸
عذر اختیاری کا حکم	〃
ایک اور کوتاہی	۱۲۹
بچوں کو روزہ رکھوانے میں غفلت	〃
روزہ میں افراط کرنے والوں کا بیان	۱۳۱
حسرت ناک ماجرا	۱۳۲
روزہ محض نام کا	۱۳۳
ایک اشکال اور اس کا جواب	۱۳۴
شیاطین کے رمضان میں قید ہونے کا مطلب	۱۳۵
سحور یعنی سحری	۱۳۶
سحری میں کوتاہی	۱۳۷
افطار	۱۳۸
تراویح	〃
صدقہ فطر	۱۴۰
نماز عید	۱۴۱
زکوٰۃ کے بارے میں کوتاہیاں	۱۴۳
کون سے مال پر زکوٰۃ واجب ہے	۱۴۵

عنوانات	صفحہ
زکوٰۃ کے حساب میں غلطیاں	۱۴۶
زکوٰۃ کو صحیح مصرف پر نہ دینا۔	۱۴۸
زکوٰۃ سے دنیوی مقاصد کا حصول	۱۵۱
ردی چیزیں زکوٰۃ میں دینا	۱۵۲
دعوت کے ذریعہ زکوٰۃ کا حکم	۱۵۳
ایصال ثواب	۱۵۴
الحاق، صدقہ فطر اور چرم قربانی	〃
حج کے بارے میں کوتاہیاں	۱۵۶
حج کے لئے سفر مدینہ ضروری نہیں	۱۵۸
بھیک مانگ کر حج کرنا	۱۶۰
بغیر محرم کے حج کرنا	۱۶۱
قربانی سے متعلق کوتاہیاں	۱۶۳
قربانی کے عبادت ہونے میں شبہ	۱۶۵
سستی قربانی کی تلاش	۱۶۶
حقوق العباد چھوڑ کر قربانی کرنا	۱۶۷
ناواقفیت سے ہونے والی کوتاہیاں	۱۶۸
بعض دوسری مالی عبادتوں میں کوتاہیاں۔	۱۶۹
وقف کا غلط مصرف میں استعمال	۱۷۲
ساری جائیداد وقف کر دینا۔	۱۷۵
وقف کا انتظام کرنے والوں کی کوتاہیاں	۱۷۸

عنوانات	صفحہ
کفارہ مالیہ کا بیان	۱۷۹
کفارے کے احکام و شرائط کی تفصیل	۱۸۰
بے خبری میں جو کوتاہیاں ہو جائیں ان کا تدارک ضروری ہے	۱۸۱
متعدد قسموں کیلئے ایک کفارہ کافی نہیں	〃
مجلس بہ مجلس کفارہ ادا ہو سکتا ہے	۱۸۲
اگر کسی کے جبر و اکراہ سے قسم توڑ دی اس کا کفارہ بھی واجب ہے	〃
تشبیہ مضمون مذکور بہ حدیث تعلیم نبوی	۱۸۳
خلاصہ مضمون سابق	۱۸۴
اگر زندگی میں کفارہ ادا نہ کر سکا تو کیا کرے	۱۸۵
کفارہ ادا ہونے کیلئے تملیک شرط ہے	۱۸۶
وکیل اگر روزہ رکھدے یا بغیر اجازت مسلم کے کفارہ ادا کر دے تو ادا نہ ہوگا	〃
منت مالی کے متعلق کوتاہیاں	۱۸۷
اگر نذر کو کسی شرط پر معلق کیا تو اس شرط کے وجود سے ایفاء واجب ہوگا چاہے اس شرط کا ارادہ نہ ہو	〃
غیر اللہ کی منت شرک ہے	۱۸۸
تبرک کی کوئی چیز نیک کام میں بھی استعمال کرنا جائز نہیں	〃

عنوانات	صفحہ
بعض وقت شرک مخفی ہوتا ہے	۱۸۹
اعتبار کر دینے سے منت پوری نہیں ہوتی	۱۹۰
نذر میں تمام تخصیصات کا التزام ضروری نہیں	〃
ناجائز فعل کی نذر اور اس کا ایفاء جائز نہیں	۱۹۱
جو چیز ملک میں نہیں ملک کی طرف اضافت کئے بغیر اس میں نذر منعقد نہیں ہوتی	۱۹۲
ایسی چیز کی نذر کرے جو اپنی طاقت سے باہر ہو اگر کر لی تو ایفاء واجب ہوگا	۱۹۳
خلاصہ مضمون سابق	۱۹۴
تتمہ آخر مضمون نذر	۱۹۶
نماز روزہ کے متعلق کوتاہیاں	۱۹۷
اگر کسی کی کچھ نمازیں یا روزے رہ گئے ہوں جو اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکے مرتے وقت فدیہ کی وصیت کرنا ضروری ہے	〃
فدیہ کے بعد دوسرے شخص نمازیں اور روزے قضا نہیں کرنے چاہئیں	۱۹۸
قدرت یا امید قدرت کے ہوتے ہوئے فدیہ دینا درست نہیں	〃
زندگی میں جواز فدیہ کی صورت	۱۹۹
وارثوں کی کوتاہیاں	۲۰۰

عنوانات	صفحہ
صدقہ بہ قواعد شرعیہ کے موافق نہ ہو تو وہ ادا نہیں ہوتا، اس کی ایک مثال	۲۰۰
خلاصہ مضمون سابق	۲۰۱
صدقہ نافلہ کے متعلق کوتاہیاں	۲۰۳
شریعت میں صدقہ نافلہ کا بھی حکم ہے	"
ایک شبہ کا ازالہ	۲۰۵
واجبات کی دو قسمیں	۲۰۶
صدقات نافلہ میں زیادہ غلو کی ضرورت نہیں	۲۰۷
صدقہ صرف اللہ کے نام پر دینا چاہئے، کسی اور کے نام پر دینا شرک ہے	۲۰۸
صدقہ میں ردی اور خراب چیز نہ دینا چاہئے	۲۰۹
وارثوں کو محروم کر کے تمام مال خیرات نہیں کرنا چاہئے	۲۱۰
کوئی تاریخ معین کر کے صدقہ دینا بدعت ہے	"
میت کی کوئی چیز وارثوں کی اجازت کے بغیر صدقہ کرنا درست نہیں	"
مختلف مالی تبرعات کے متعلق کوتاہیاں	۲۱۳
سائل سے بے رخی اور اسے تکلیف نہیں پہنچانا چاہئے بلکہ اسے دیکھ کر اللہ کی نعمت یاد کرنا چاہئے	"
صدقہ دے کر احسان جتلانا ممنوع ہے	۲۱۴

عنوانات	صفحہ
سوال نہ کرنے کے قابل شخص کو سوال کرنا جائز نہیں	۲۱۵
اگر کسی کو تنگی ہو کر قرض مانگنے والے کو قرض دینا چاہئے	۲۱۶
حدیث میں اشارہ عدد کی تخصیص کیوں کی گئی؟	۲۱۸
ایک شبہ کا ازالہ	۲۱۹
نادار کو مہلت دینا قرآن کی رو سے واجب ہے	۲۲۱
رہن کی چیز سے نفع حاصل کرنا سود میں داخل ہے	"
بیع بالوفا کی تحقیق	۲۲۲
کوئی چیز عاریت دینے میں بخل نہ کرنا چاہئے	۲۲۳
بدنی معاملات کے متعلق کوتاہیاں	۲۲۴
حالت مرض میں بھی حتی الامکان نماز کی پابندی ضروری ہے	"
ایک شبہ کا ازالہ	۲۲۶
وضو اور قیام پر قدرت ہوتے ہوئے تیمم سے اور بیٹھ کر نماز نہیں ہوتی	"
حالت مرض میں بھی مریض کا ستر بغیر ضرورت کے دیکھنا جائز نہیں	۲۲۸

عنوانات	صفحہ
ناپاک اور حرام دوا سے پرہیز کرنا چاہیے	۲۲۹
ایک وسوسہ کا ازالہ	"
دعا غلاموں کی طرح کرنی چاہیے نہ کہ شکایت کرنے والوں کی طرح	۲۳۰
صدقہ کے متعلق کوتاہیاں	۲۳۰
وصیت کے متعلق کوتاہی	۲۳۳
حالت نزع میں رونے پیٹنے کی بجائے میت کو کلمہ کی تلقین اور اس کے لئے خاتمہ بالخیر کی دعا کرنی چاہیے۔	"
نامحرم مرد کو مرنے کے بعد بھی دیکھنا جائز نہیں	۲۳۷
اگر عورت مرتے وقت شوہر کو مہر معاف کر دے تو اس کا اعتبار نہیں ہوتا	۲۳۸
حالت بعد الموت	"
اگر میت وصیت نہ کرے تو اس کی نماز روزہ کا فدیہ ترکہ مشترکہ سے نہ دیں۔	۲۳۹
حیلہ اسقاط مروجہ کی تردید	۲۴۰
مردہ دفن کر کے اذان دینے کا ثبوت نہیں	"
اگر میت میں کوئی نماز جنازہ جاننے والا نہ ہو تو کیا کرے۔	"
قبر میں رکھکر میت کے بدن کو ڈھیلہ اچھی طرح کروٹ دے دینا چاہیے	"
میت کا منہ کھول کر زیارت کرانے کی کوئی اصل نہیں۔	۲۴۱
قبر میں عہد نامہ یا شجرہ وغیرہ نہ رکھنا چاہیے۔	"
قبر پختہ کرنا ممنوع ہے	"
لڑکیوں کو میراث نہ دینا ظلم ہے۔	"
بیوہ کو تمام منقولات کی مالک سمجھنا بھی ظلم ہے	"
اگر دلہن میکے یا سسرال میں مر جاوے تو اس کا مال سب ورثہ کو ملے گا۔	۲۴۲
میت پر اگر کسی قسم کا قرض دلیل سے ثابت ہو تو انکار نہ کرنا چاہیے۔	"
اگر میت کا کوئی وارث نابالغ یا غائب ہو تو اس کے آنے تک میراث تقسیم نہیں ہوگی	"
کفن میں میت کی لاش باندھ دینا بدعت ہے	"
شوہر اپنی مردہ بیوی کا منہ دیکھ سکتا ہے اور اس کے جنازہ کو ہاتھ بھی لگا سکتا ہے۔	۲۴۳
تعزیت کرنے کیلئے جنازہ کو دیر کرنا جائز نہیں	"
اگر میت نے کسی خاص شخص سے نماز پڑھانے یا کسی خاص جگہ دفن کرنے کی وصیت کی تو شرعاً ایسی وصیت لازم نہیں ہوتی۔	"

عنوانات	صفحہ
سفر کے معاملہ میں کوتاہیاں	۲۴۴
بلا ضرورت سفر نہیں کرنا چاہئے	"
ایک شبہ کا ازالہ	۲۴۵
ایک اور شبہ کا ازالہ	"
ایک تیسرے شبہ کا ازالہ	۲۴۹
سفر شروع کرنے کے بعد کی کوتاہیاں	۲۵۱
مزدوری کے متعلق کوتاہی	۲۵۳
اختلاف رائے میں مزدور یا مالک کی رضامندی شرط ہے	"
ریل وغیرہ میں حق سے زیادہ اسباب لے جانا جائز نہیں	۲۵۴
سفر میں نماز چھوڑنا دیانت کے خلاف ہے	"
حد سے زیادہ تشدد بھی نہیں کرنا چاہئے	۲۵۶
دو مجذوب صوفیوں کی حکایت	۲۵۷
عارضی قیام کے متعلق کوتاہیاں	"
اگر کسی کے پاس جانا ہو تو اسے پہلے سے اطلاع دینی چاہئے	۲۵۸
مسافر کے گھر کے متعلق کوتاہیاں	۲۵۹
تعلیم نسواں کے متعلق کوتاہیاں	۲۶۱
تعلیم نسواں کے متعلق لوگوں کی تین قسمیں	"
پہلی قسم کے لوگوں کی غلطی اور ان کے شبہات کا جواب	۲۶۲
علوم سے غرض نوکری نہیں ہے	"
دلیل عقلی	۲۶۳
تعلیم نسواں کی فرضیت پر ایک شبہ اور اس کا جواب	۲۶۴
دوسرے طبقہ والوں کے شبہات اور ان کا جواب	۲۶۵
تیسرے طبقہ والوں کی غلطیوں کی نشاندہی	۲۶۶
عورتوں کو دنیوی علوم بلا ضرورت کے نہیں پڑھنے چاہئیں	"
لڑکیوں کے لئے آزاد اور بے باک استانی مقرر نہیں کرنی چاہئے	۲۶۷
لڑکیوں کی تعلیم کا اصل طریقہ	۲۶۸
نصاب تعلیم	"
عورتوں کو لکھنا سکھلانے کے متعلق حکم	۲۷۳
استاد، شاگرد اور ہم جماعت ساتھیوں کے حقوق کے متعلق کوتاہیاں	۲۷۴

عنوانات	صفحہ
متعلمین کی کوتاہیوں کی تفصیل	۲۷۴
حقوق و آداب معلم	۲۷۶
استاد کے ساتھ گفتگو کے آداب ملحوظ رکھنا	۲۷۷
استاد کی خدمت میں بلا اجازت نہ جائے	″
تعلیم دین بھی احسان ہے۔	″
استاد اور شاگرد ایک دوسرے کو مغالطہ میں نہ ڈالے۔	۲۷۸
علم دین پڑھانے والا سب سے زیادہ اکرم	۲۷۹
شاگرد کے بے ڈھنگے سوال پر اگر استاد غصہ کرے تو صبر کرنا چاہئے	۲۸۰
جہاں تک ہو سکے استاد کے ساتھ رہنے کی کوشش کریں۔	″
استاد کی تقریر کے وقت بالکل خاموش رہنا چاہئے۔	۲۸۱
اگر استاد کسی بات پر ناراض ہو تو ان کو خوش کرنا چاہئے۔	″
اہل علم اور استاد کے ساتھ ادب و تواضع سے پیش آنا چاہئے۔	۲۸۲
استاد کے حقوق کے متعلق مختلف کوتاہیاں۔	″
استاد کا حق پورا کرنے کے متعلق ایک عجیب حکایت۔	۲۸۳
کتابوں کا مطالعہ کرنا بھی استاد کے حقوق میں داخل ہے۔	۲۸۴
استاد کی تقریر کے وقت ادھر ادھر نہیں دیکھنا چاہئے۔	″
جہل اور تعنت اور اپنی ذہانت جتلانے کے لئے سوال نہیں کرنا چاہئے۔	″
ایک حکایت۔	۲۸۵
فراغت کے بعد کی کوتاہی	۲۸۶
تنخواہ دینے سے استاد کے حقوق سے سبکدوش نہیں ہوتا	۲۸۷
شاگرد کے حقوق	۲۸۸
شاگرد کے ساتھ نرمی اور ان کی استعداد کی رعایت کرنی چاہئے۔	″
لوگوں کو دینی نفع پہنچانا علماء پر واجب ہے۔	۲۸۹
طلباء کے ساتھ بھلائی کرنے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت	۲۹۰
کسی مقام کی غلط تفسیر کرنا یا کسی سائل کو غلط مسئلہ بتانا جائز نہیں۔	۲۹۱

عنوانات	صفحہ
ایک حکایت	۲۹۱
بغیر علم کے مسئلہ بتانا جائز نہیں	۲۹۳
اگر کوئی بات معلوم نہ ہو تو کہہ دے کہ معلوم نہیں، اپنی طرف سے نہ کہے	"
شاگردوں کے نشاط و شوق باقی رکھنے کی بھی رعایت کرنی چاہیے۔	۲۹۴
طالبوں کا دینی خدمات کا شوق بشاشتِ ایمانی کی علامت ہے۔	۲۹۵
شاگرد کے تین حقوق	"
کبھی کبھی شاگرد سے امتحان بھی لینا چاہیے	۲۹۶
تعلیم میں شاگرد کی استعداد کا لحاظ رکھنا چاہیے۔	۲۹۷
کوئی فن یا کوئی کتاب کسی خاص طالب علم کے لیے مضر ہو تو اس کو اس سے روکنا چاہیے۔	"
شاگردوں کے ساتھ نرمی اور آسانی کا معاملہ کرنا چاہیے۔	۲۹۸
شاگرد کے لیے اللہ تعالیٰ سے علم نافع کی دعا بھی کرنا چاہیے۔	"
شاگرد کی دلجوئی کے متعلق ایک مثال۔	"

عنوانات	صفحہ
اگر کوئی بات غصہ کی صورت میں کہنے سے شاگرد کیلئے بہتر ہو تو اس کی گنجائش ہے	۲۹۹
اگر مصلحت ہو تو تقسیم اوقات اور جماعت بندی کی جا سکتی ہے۔	۳۰۰
اگر استاذ کو کسی ایک بات پر غصہ آ جائے تو دوسری بات پر اس کا اثر نہیں رہنا چاہیے	"
اگر طالب علم کے فہم یا حفظ کی کوئی تدبیر معلوم ہو تو کرنی چاہیے۔	۳۰۱
شاگرد کے سوال کے جواب میں اگر فروگذاشت اور تنبیہ بالکل [illegible]	۳۰۲
ساتھیوں کے حقوق	۳۰۳
ہمسایہ دینی بھائی ہے لہٰذا اس سے بھائیوں جیسا معاملہ کرنا چاہیے۔	"
ساتھیوں کے ساتھ رعایت کرنے کا حکم	۳۰۴
اگر کسی عذر کی بناء پر کوئی ساتھی سبق میں نہ آ سکے تو دوسرے کو چاہیے کہ ناغہ شدہ سبق اس کو تکرار کرا دے۔	"
مجلس میں بعد میں آنے والوں کے متعلق نصیحت۔	۳۰۵
اگر کوئی ساتھی دیر سے آئے تو اس کو بھی جگہ دینا چاہیے۔	۳۰۶

مسلمان کیوں بدل گئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقتصادی حیثیت سے یا اقوام کے اعتبار سے دنیوی انقلاب تو قطع نظر ہو نہیں سکتا، مگر اس سے بحث کرنے کو میں بیکار نہیں سمجھتا، مگر حیثیت مذکورہ سے یہ بحث مقصود نہیں، بلکہ انقلاب دینی سے بحث مقصود ہے۔ اسی کے نسبت اس وقت عرض کرنا چاہتا ہوں۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے! کہ جس مرتبہ کا انقلاب عظیم ہماری امت میں واقع ہوا ہے اس کو دیکھتے ہوئے بے اختیار یہ زبان پر آتا ہے ؎

اے سراپردۂ یثرب بخواب

ترجمہ:- اے روضات! جو مدینہ میں محو خواب ہے۔

خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

ترجمہ:- اٹھیے!! کہ مشرق و مغرب برباد ہوگئے۔

اس انقلاب کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہاتھ میں ایک کتاب تفاصیل احکام شرعیہ کی لے لیجئے اور ایک نظر سے ایک ایک حکم جزئی کو دیکھتے جائیے، اور ایک نظر سے کسی مجمع اہل اسلام

کی ایک ایک حالت کو جو اس جزو کا محل و متعلق ہے۔ دیکھتے جائیے، اور دونوں کو ملاتے جائیے، تو ایک حیرت عظیم ہوگی، کہ ___ یا اللہ! ان حالتوں کے مرتکب کو کیا ان احکام سے کچھ مس معلوم ہوتا ہے ___؟

دین کے یہ اجزاء ہیں:-

(۱) عقائد ___ (۲) دیانات (مثل نماز، روزہ، طلاق، نکاح وغیرہ) ___ (۳) معاملات (مثل بیع وشراء وغیرہ) ___ (۴) معاشرات (مثل طعام، لباس، کلام وسلام وغیرہ) (۵) اخلاق باطنہ (مثل ریاء واخلاص وکبر وتواضع وغیرہ)

عقائد میں مسلمانوں نے غنیمت ہے۔ انکار کا انقلاب، نہیں پیدا کیا، گو ان میں تدیّن کے رنگ میں کچھ تغیر وتبدل ہوا، جس سے وہ حد بدعت میں داخل ہوگئے، اور جس نے اہل باطل کو اس تغیر کی اصلاح کے سبب سے اہل حق کا مخالف بنادیا۔ غرضیکہ نصوص کا انکار نہیں کیا گیا۔ البتہ تاویل باطل کی گئی ___ یہ حالت عام مسلمانوں کی ہے۔!!

متجددین میں انکار کا انقلاب

مگر خاص خاص جدید تعلیم یافتوں نے۔ انکار کا انقلاب، بھی اختیار کیا، بلکہ انکار سے متجاوز ہوکر جمہور کے عقائد کے ساتھ استہزاء اور تمسخر تک پیش آنے لگے، جس پر حافظانِ حدودِ دین نے کفر کا فتویٰ لگایا۔ اور اس فتویٰ کی بدولت دوسری طرف سے ان کو "متعصب" کا لقب عطا ہوا، مگر جو شخص کفر کی حقیقت سمجھے گا، وہ ان علماء کو اس فتویٰ میں نہ صرف معذور بلکہ خود بھی اس میں ان کے ساتھ بالاضطرار اتفاق کرے گا ___ یہ تو پہلے جزو کے انقلاب کی کیفیت تھی۔

(۲) دوسرا جزو ___ دیانات ___ اس میں عام مسلمانوں نے درجۂ بدعت کا بھی تغیر وتبدل نہیں کیا، مگر "ترک واہمال کا انقلاب"، البتہ اختیار کیا، کہ کسی نے نماز روزہ کو اس طرح خیرباد کہا، گویا اس کے ذمہ فرض ہی نہیں، کسی نے نکاح وطلاق کے ساتھ یہی معاملہ کیا کہ عقیدہ میں تو یہی سمجھا کہ مسائل نکاح وطلاق دین میں داخل ہیں۔ ہماری رسم و اختیار پر نہیں ہیں اسی طرح جس طرح علماء دین بتلاتے ہیں۔

اسی لئے احکام دین کے مقابل میں ___ اور احکام مخترع نہیں کئے گئے

مگر عمل

اس کے ساتھ یہ دیکھا کہ جہاں نفس کا غلبہ ہوا، وہاں تنفیذ کے لئے نکاح کا بھی اہتمام نہیں کیا، جہاں کہیں دنیوی ننگ و ناموس کے باقی رکھنے میں مصلحت دنیوی دیکھی، وہاں بوجود طلاق کے بدستور بیوی کو گھر میں رکھا، اور اس سے متمتع ہوتے اور بچے جنواتے رہے۔ اور خصوص خاص جدید تعلیم یافتوں کی زبان کی انکار میں تردد نہیں ہوا۔

بہرحال عام مسلمانوں میں، جزو اول میں انقلاب تغیر ہوا تھا، اور یہاں جزو ثانی میں انقلاب ترک رہا حاصل ہوا ہے۔

معاملات، معاشرات اور اخلاق اجزائے دین ہیں۔

اب رہ گئے بقیہ اجزائے ثلٰثہ۔ معاملات ——— معاشرات ——— اخلاق ——— ان تینوں میں جیسا مذکور ہوا "انقلابوں" سے بڑھ کر انقلاب ہوا ہے، یعنی عوام مسلمانوں نے تو پہلے ہی سے عمر بھی سے ان کو جزو دین نہیں سمجھا، بلکہ دنیوی کارروائی سمجھ کر اس کے دستور العمل کو اپنی رائے و اختیار پر موقوف سمجھا، اور چونکہ اغراض فاسدہ تھیں اور رائے بھی بیچ تھی اس لئے اس کا ثمرہ یہ ہوا کہ ہر ہر حکم شرعی کے مقابلے ایک ایک کارروائی اور ایک ایک رسم اور ایک ایک عادت اختراع کی اور اس مجموعہ کو اپنا دستور العمل قرار دیا اور اس قرار دینے میں ذرا بھی اپنے کو قصور وار خطاوار نہیں سمجھا، بلکہ بعض امور کو باعث فخر و فخر سمجھا۔ اس طرح سے کہ مجموعی حالت کے دیکھنے والے کو یہ گمان ہوتا ہے کہ جیسے کسی نے قصداً ہر ہر حکم ربانی کے مقابلے میں ایک ایک حکم نفسانی مستقل سمجھ کر ایجاد کیا ہو۔

اور یاسپستیانی کی یہ علامت ہے کہ ان امور میں احکام حقہ کے دائرہ سے بہت دور محنت کی جاتی ہے ——— سو درحقیقت یہ انقلاب بہت ہی بڑا انقلاب ہوا ..... کیونکہ اول کے دو انقلابوں میں اجزائے دین کو دین سے خارج نہیں کیا گیا تھا اور ان اجزاء کے مقابلہ میں دوسرے امور کو من حیث الاحسان تجویز کیا گیا تھا گو کہیں کہیں خود انہیں من حیث الدین، اور دوسری جگہ ترک وہ باعتبار تغیر واقع ہوا تھا، اور ان تینوں میں اجزائے دین کو دین سے خارج کر دیا گیا اور بجائے ان اجزاء کے دوسرے احکام اختراع کئے گئے، اور ان مخترعات کو اصل پر ترجیح دی گئی تو ظاہر ہے کہ انقلاب اجزائے ثلٰثہ اخیرہ کا ان انقلابین اولین سے بہت بڑھا ہوا ہے اور اسی وقت میں زیادہ تر اکثر یہی اجزائے ثلٰثہ اخیرہ ہیں۔

کیونکہ اعتقاد کا ثمرہ گو اندر ہے مگر ظاہر نہیں، اور ثمرات کا حصہ خاص خاص واقعات میں ظاہر ہوتا ہے۔ پس وقوع میں آ گیا ہوا اور یہ خلاف تغیر ظاہر ہیں۔ اکثر کی بیں اور ان کی بیں یہ انقلاب عظیم رونما ہے۔

مسلمانو سے اپیل

پس اس بنا پر دیکھنے والوں کو اکثر اعتقادات میں ہر وقت یہ انقلاب عظیم ہی نظر آوے گا، تو جو شخص ہر وقت انقلاب عظیم دیکھے اور پھر یہ دعویٰ بھی سنے کہ ہم پکا مسلمان ہیں، تو وہ سخت تحیر میں واقع ہو جاوے گا کہ یا اللہ! یہ شخص کس مرتبہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہے جو ایسا دعویٰ کرتا ہے؟

مسلمانو! اب بھی یہی حالت پر آپ کو تنبیہ ہوا؟ اگر نہیں ہوا تو انا للہ!! اگر ہوا ہے تو کیا اس کی اصلاح ضروری نہیں ہے؟ اگر ہے، تو کب اصلاح شروع ہوگی؟ کیا ان میں سے کسی چیز کا انتظار ہے؟ ——— شغل مانع ——— مرض معطل ——— موت ——— یا دل جدید اور اس کی تو امید نہیں، قیامت حدیث بعد یا جو مشہور ہے کہ ... کی بات پر جان دو گے، اور امور بالا واقع ہونا مستبعد نہیں بلکہ موت تو یقینی ہے مگر کیا اس وقت کچھ کر سکو گے؟؟

مسلمانو! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی انقلاب کی جس کا اس زمانہ میں وقوع ہو رہا ہے بطور پیشین گوئی کے خبر دی تھی، الناس کابل مائة لا تجد فیها راحلة، یعنی آدمی اونٹوں جیسے ہیں کہ ان میں ایک بھی سواری کے قابل نہیں پاؤ گے، اور وہ زمانہ آخر یہ کا تھا واللہ اعلم و علمہ اتم۔

طریق اصلاح انقلاب

جاننا چاہیے کہ یہ انقلاب ایک روحانی مرض ہے اور جس طرح جسمانی مرض کے خاص اسباب ہوتے ہیں اور ان کی اصلاح و معالجہ ان اسباب کے ازالہ سے ہوتی ہے، اسی طرح اس مرض روحانی انقلاب کے بھی خاص اسباب ہیں اور ان کا ازالہ ہی اس کے صحت و اصلاح کا طریق ہے۔ جب اسباب کی تشخیص اور ان کے ازالہ کی تدبیر جس پر یہی دو امر مرتب ہیں، اہتمام ضروری ہوئے۔

امر اول: یعنی تشخیص اسباب انقلاب۔ اس میں تامل و تدبر و تتبع کرنے سے معظم اسباب دو امر ثابت ہوئے۔

(۱) ایک قلتِ علم یعنی ناواقفی و بے خبری۔

(۲) دوسرا ضعفِ ہمت یعنی قصد و ارادہ کی کمی یا فقدان

سببِ اول سے خود احکامِ ضروریہ و واقعیہ ہی مخفی رہتے ہیں۔ اور سببِ ثانی سے باوجود خبر اور آگاہی کے نوبت عمل کی نہیں آتی۔

امرِ ثالث: یعنی ان اسباب کے ازالہ کی تدبیر۔ اور یہی بڑا امر ہے۔ جس کے لئے توجہ تام و وقت معتد بہ کی سخت احتیاج ہے۔

سو دونوں سببوں میں سے ہر ایک کے ازالہ کی تدبیر جدا ہے۔ پس بے خبری کے ازالہ میں تو معلم اور متعلم یعنی خواص علماء احکام اور عوام و طالبانِ احکام دونوں کو دخل ہے۔ اور ہر ایک کے لئے جداگانہ ضروری دستور العمل ہے۔

مردوں کا دستور العمل

طالبانِ احکام کا دستور العمل یہ ہے کہ ان میں جو زیادہ فارغ ہیں۔ جیسے اہلِ تنعم و اہلِ ثروت، وہ اپنی اولاد کو علومِ دینیہ کے لئے فارغ کر دیں۔ گو ضروریاتِ دنیوی کے لئے لسان ملکی (انگریزی) کی بھی تحصیل کا مضائقہ نہیں، مگر بدرجہ تبعیت سے متجاوز نہ ہونے پاوے۔ یہ اولاد تو یوں درست ہو گئی۔

اور خود کوئی وقت معین کر کے کسی عالم یا کامل الاستعداد طالبِ علم کے پاس جا کر یا اس کو بلا کر، اگر علومِ عربیہ سے مناسبت ہو تو وہ زیادہ بصیرت کا آلہ ہے۔ ورنہ اردو ہی کے مفید اور ضروری رسائل کو کسی محقق کے مشورہ سے تجویز کر کے سبقاً سبقاً، بہتر تو یہی ہے کہ دو تین بار، ورنہ اقل درجہ تحصیل ایک ہی بار پھر مطالعۃً چند بار ان پر عبور کر لیں۔ مگر وہ رسائل ایسے ہوں۔ جن میں سب اجزاء دین کا بیان ہو۔ عقائد — دیانات — معاملات — معاشرت — اخلاقِ باطنہ جن کا ذکر اس سے پہلے مضمون میں بھی ہو چکا ہے۔

اور جن کو معاش کی ضرورت سے زیادہ فراغ نہیں ہے اور وہ حرف شناس ہیں یا بآسانی ہو سکتے ہیں وہ اپنے لئے بھی اور اپنی اولاد کے لئے بھی بجائے علومِ عربیہ کے وہی رسائل دینیہ اردو کے بطور درس طالب علمانہ کے تجویز کر لیں اور پھر بطور مدرسہ کے ان کا بار بار مطالعہ کیا کریں۔ اور جب تک درس کا انتظام نہ ہو سکے بطور خود ہی دو چار ورق روزانہ بالالتزام مطالعہ کر لیا کریں اور جو تتبع غلطی

میں خود رائی سے کام نہ لیں۔ بلکہ نشان بنا کر چھوڑ دیں۔ اور عالم کے میسر ہونے کے وقت اس کی تحقیق کریں۔

اور جو لوگ حرف شناس نہیں ہیں۔ اور نہ با آسانی ہو سکتے ہیں۔ اور نہ کسی اپنے بچوں کو کسی وجہ سے اس کام کے لئے فارغ کر سکتے ہیں۔ وہ ایسا انتظام کریں کہ ہفتہ میں۔ بہتر تو یہ ہے کہ روزانہ ایک ہی روز خاص مجلس علمی کے لئے بالالتزام مقرر کریں۔ اور کوئی عالم یا صحبت یافتہ اہل علم جو ان مسائل کو اچھی طرح سمجھا ہو، تجویز کریں۔ اور اگر کسی عالم سے تجویز کرا لیں، زیادہ احتیاط ہے۔ اور اس روز سب لوگ کسی خاص مقام مسجد وغیرہ میں جمع ہو کر کسی خواندہ فہمیدہ شخص کو بلا کر ایک معین وقت تک (مثلاً ایک گھنٹہ یا آدھا گھنٹہ) ان مسائل کو سنا کریں، اور سمجھا کریں۔ اور اگر ایسا شخص مفت نہ ملے۔ تو اس کی کچھ مالی خدمت کریں۔ اور اس سنانے والے شخص کو جہاں شبہ رہے پنسل وغیرہ سے نشان بنا کر اس وقت اس کو رہنے دیں۔ پھر جب کوئی عالم میسر ہو۔ اس سے حل کریں۔ اور سب مجمع کو پہنچا دیں۔

اور جہاں دیہات وغیرہ میں ایسا شخص نہ ہو۔ تو آپس میں مشروع طریقہ سے چندہ کر کے، اس چندہ سے کوئی ایسا آدمی باہر سے بلا کر رکھ لیں۔ اور یہ طریقہ جاری کریں۔

اور یہ تمام طبقات مذکورین، علاوہ اس تحصیل یا مطالعہ یا سماع مسائل کے، دو امر کا اور بھی التزام رکھیں۔

(۱) ایک یہ کہ اپنے اعمال و حوائج میں جب کوئی امر جس کا حکم معلوم نہ ہو۔ پیش آوے فوراً علماء حقانی سے اس کو دریافت کریں۔ اور اگر بوجہ بُعد کے زبانی نہ پوچھ سکیں۔ تو بذریعہ خط کے تحقیق کریں۔ اگر اوسطاً ایک مسئلہ روزانہ کے حساب سے تقریراً یا تحریراً پوچھ لیا جاوے تو سال بھر میں ساڑھے تین سو سے زائد، اور دس سال میں ساڑھے تین ہزار سے زیادہ مسئلے معلوم ہو سکتے ہیں۔ کہ بعض نام کے یا جدید عالموں کو بھی اتنے مسائل معلوم نہیں، اور کوئی بڑا مشکل کام نہیں ہے۔

(۲) دوسرے اس امر کا التزام رکھیں کہ علماء کی مجلس میں جایا کریں۔ خواہ خاص مجلس ہو جیسے جلسہ ملاقات و زیارت۔ خواہ عام مجلس ہو۔ جیسے جلسہ وعظ و نصیحت، اور جو نیں دل سے

۔۔۔ در کھیں۔ یہ تو مردوں کا انتظام ہوا۔

عورتوں کا دستور العمل

اب عورتیں رہ گئیں، سو یہ مجموعی انتظام متعذر، ان کے لئے اشکال سے خالی نہیں، اس لئے سہل تر ان کے لئے یہ طریق ہے کہ اگر معلمہ عفیفہ دین دار مل جاوے تو کمسن لڑکیوں کو اس کے ذریعہ سے قرآن مجید اور ایسے رسائل کی تعلیم دلا دیں اور ان کے لئے بہشتی زیور کے دس جلد بالکل انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہیں بلکہ بانضمام گیارہویں حصہ کے بہشتی زیور کے مردوں کے لئے بھی کافی ہیں۔ اور اگر کوئی معلمہ ایسی نہ ملے یا کسی لڑکی کو فراغ یا مناسبت نہ ہو قرآن کو بھی بڑی عورتوں کے انتظام میں شامل سمجھا جائے اور وہ انتظام دو ہیں۔

ایک یہ کہ گھر کے مردوں میں سے اگر کوئی خواندہ ہو تو وہ روزانہ کچھ وقت معین کر کے سب گھر والیوں کو اس وقت جمع کر کے رسائل بالالتزام سنایا کریں، سمجھایا کریں بلکہ کچھ ذہن نشین کر دیں۔

دوسرا انتظام یہ ہے کہ گاہ گاہ کسی متورع متبع سنت عالم کا گھر میں وعظ بلا دیا کریں کہ یہ عجیب موثر ہے۔ یہ سب دستور العمل، طالبان احکام کے متعلق ہے۔

علماء کا دستور العمل

اب علماء احکام کا دستور العمل باقی رہا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے   کہ وہ وقتاً فوقتاً اس میں ساعی رہیں کہ عام لوگوں تک احکام پہنچ جاویں اور اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) درس کہ لیجو فن ہیں اس میں علوم مقصودہ کو مقدم اور مہتم بالشان رکھیں۔ وضیعت حتی الامکان طالب علم کو پہلے فارغ کر دیں۔ اگر طالب علم دینی مختصرات یا اردو کے رسائل بھی پڑھے۔ اور اپنے پاس وقت ہو تو ہرگز اس کے درس کو خلاف شان نہ سمجھے۔ طالب علم کے فضول سوال پر اس کو متنبہ کرے، جواب نہ دے۔

(۲) دوسری صورت وعظ ہے جس میں خطاب عام ہے۔ اس میں ضرورت وقت کا لحاظ رکھیں جن امور میں لوگ اس زمانہ میں مبتلا ہوں۔ یا جن ضروریات میں فروگذاشت کرتے ہوں۔ سادہ بیان ہو۔ تب ہی رنگ لائے۔ دوسرے مضامین اگر ہوں تو بالتبع اور بقدر ضرورت ہوں۔ اور یہ ضروری مضامین جمیع ابواب کے ہوں۔ مخصوص عقائد و دیانات پر اقتصار نہ کرے بلکہ معاملات و

معاشرت و اخلاق سے بھی واعظ بحث کرے بلکہ بوجہ متروک ہونے کے یہ مضامین زیادہ اہم ہو گئے ہیں۔ اور وعظ میں بات صاف صاف کہے کہ سننے والوں کی سمجھ میں خوب آجاوے۔ مگر حضرت اس اشتغال سے گریز فرماتے تھے۔ اور وعظ پر عوض نہ لے۔ البتہ اگر وعظ کا ذریعہ ہو تو وہ اور بات ہے۔

③ تیسری صورت جواب ہے استفتاء کا خواہ زبانی سوال ہو یا تحریری ہو۔ اس میں ان امور کا لحاظ رکھے۔

(۱) حتی الامکان جواب میں توقف نہ کرے۔

(۲) لایعنی سوال کا جواب نہ دے بلکہ سائل کو متنبہ کر دے۔

(۳) اگر سوال محتمل دو صورتوں کو ہو تو تفصیل سے جواب نہ دے کیونکہ بعض اوقات سائل دونوں شقوں کا حکم سن کر ایک شق کو اپنے مفید مطلب سمجھ کر سوال میں اسی کا دعویٰ کرنے لگتا ہے جس کی وجہ سے سائل کا یا اس کے مقابل کا ضرر دینی یا دنیوی ہو جاتا ہے۔

(۴) عامی کو دلیل بتلانے کا التزام نہ کرے کہ اکثر اس کے فہم سے خارج ہو گی۔

(۵) ہاں! دوسرے علماء محققین کی سہولت کے لئے اگر دلیل کی طرف اشارہ کر دے یا کوئی عبارت بلا ترجمہ نقل کر دے، مستحسن ہے۔

(۶) اگر قرائن سے معلوم ہو کہ سائل فاسد ہے، اس تحریری جواب کو بھی غلط طریق سے برتے گا یا سمجھنے میں غلطی کرے گا، جواب لکھ کر لکھ دے کہ کسی عالم سے اس جواب کو زبانی حل کرے۔

(۷) اگر قرائن سے معلوم ہو کہ سوال برائے تعنت ہے، جواب نہ دے۔ غرض اہل سے دریغ نہ کرے، نااہل کو منہ نہ لگاوے۔

④ چوتھی صورت تالیف و تصنیف ہے۔ خواہ اشتہار ہو، یا اخبار ہو یا رسالہ و کتاب ہو۔ اس میں بھی ضرورت وقت کا لحاظ اور عبارت میں سلاست اور کفایت کی رعایت ہو۔ اور اگر اللہ تعالیٰ معاش کی کوئی صورت اور سبیل عطا فرما دے تو اپنی تصنیف کی خود تجارت نہ کرے۔

یہاں تک بیان تھا بے فکری کے ازالہ کی تدبیروں کا، آگے بیان ہے ضعف ہمت کی ازالہ کی تدبیر کا۔

ضعفِ ہمت کے ازالہ کی تدبیر، صحبتِ شیوخِ کاملین

تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ امورِ ذیل کو تقویتِ ہمت میں خاص اثر اور دخل ہے۔

ایک ان میں سے صحبت شیوخ کاملین کی ہے، جن کی یہ علامتیں ہیں،

(۱) بقدرِ ضرورت علمِ دین رکھتا ہو۔

(۲) عقائد و اعمال و اخلاق میں شرع کا پابند ہو۔

(۳) دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو۔

(۴) کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو، یہ بھی شعبہ دنیا ہے۔

(۵) کسی شیخ کامل کی صحبت میں چندے رہا ہو۔

(۶) اس زمانے کے منصف علماء و مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں۔

(۷) بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم دیندار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں۔

(۸) اس سے جو لوگ بیعت ہیں، ان میں اکثر کی حالت باعتبار اتباعِ شرع و قلتِ حرص دنیا کے اچھی ہو۔ وہ شیخ تعلیم و تلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو، اور ان کی کوئی بری بات دیکھے یا سنے تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو۔ یہ نہ ہو، کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے۔ اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو۔

(۹) خود بھی وہ ذاکر شاغل ہو۔ اس لئے کہ بدون عمل یا عزمِ عمل، تعلیم میں برکت نہیں ہوتی۔ اور صدورِ کشف و کرامات، اجابتِ دعا و تصرفات لوازمِ شیخت سے نہیں۔

غرض ایسے حضرات کی صحبت، خاص طور پر مؤثر ہے۔ مگر اس صحبت کی تاثیر میں شرط یہ ہے کہ اس میں نیت بھی یہی ہو کہ میرے قلب میں رغبت طاعت اور نفرت معاصی پیدا ہو۔ اور اس کے ساتھ اس کا بھی التزام رہے کہ اپنی کیفیاتِ قلب کی شیخ کو اطلاع دیگر جو معالجہ تجویز فرمایا جائے اس کا پابند ہو۔

دوسرا امر ان میں سے بوقت میسر نہ آنے صحبت کاملین کے اہل اللہ کے، حالات ان کا مطالعہ یا استماع ہے مگر ان سے مقالات متعلقہ اسرار مسائل خاصہ تصوف ہیں،

ان میں ہرگز مشغول نہ ہو۔ بلکہ علوم معاد یعنی تربیت باطن و تہذیب نفس کے بارہ میں جو کچھ ان کے اقوال ہیں۔ وہ سراپا عمل در آمد بنانے کے قابل ہیں۔

تیسرا امر ان میں سے مراقبہ موت و مابعد الموت ہے۔ مراد اس سے ابتدائے نزع روح سے دخول جنت یا نار تک جو احوال پیش آنے والے ہیں۔ مثلاً سوال نکیرین و عذاب و تنعیم قبر و حشر و وزن اعمال و حساب و جزا و عبور صراط وغیرہ۔ سب کو کسی وقت فراغ میں بالالتزام لازمہ کم از کم بیس منٹ سوچا کرے تقویت ہمت میں جن ملکات کا دخل ہے۔ اس مراقبہ سے ان کا کمال پیدا ہو جاوے گا۔ جیسے زہد و خشیت و امثالہا۔

پس یہاں پر بیان ختم ہو گیا۔ یعنی اسباب انقلاب کے ازالہ کی تدبیر کا، پس طریقہ اصلاح مکمل طور پر مشخص ہو گیا۔ وللہ الحمد۔

اور لطف یہ ہے کہ نہایت سہل اور ایسا عام دستور ہے کہ دنیا کے ہر حصہ میں تمام امت با سہولت اپنی اصلاح کر سکتی ہے آگے نفع حاصل کرنے والوں کی توفیق ہے ؎

ما نصیحت بجائے خود کردیم — روزگارے دریں بسر بردیم

ترجمہ: ہم نے اپنی جگہ پر نصیحت کردی — ترجمہ: کتنا عرصہ اس میں صرف کیا

گر نیاید بگوش رغبت کس — بر رسولاں بلاغ باشد و بس

ترجمہ: اگر ہماری یہ نصیحت کسی کو پسند نہ آئے — ترجمہ: تو پیغمبروں کا کام بھی صرف پہنچا دینا ہے

(تذییل)

علماء احکام کے دستور العمل کا تتمہ ایک اور امر بھی ہے۔ یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اس میں بعض مواقع پر غیر علماء بھی شریک ہیں۔ یعنی خاص اپنے متعلقین پر احتساب کرنا جن پر قدرت ہے۔ علماء کے ساتھ مخصوص نہیں۔ البتہ عام احتساب یہ خاص ہے علماء کے ساتھ اور عوام کی تصدی اس کے لئے اکثر موجب فتنہ و عداوت ہو جاتی ہے کیونکہ عوام اکثر احتساب کی حدود بھی نہیں جانتے۔ اس سے خوف لڑائی کی نوبت آ جاتی ہے۔ نیز اکثر عوام نفس کو مہذب کئے ہوئے نہیں ہوتے۔ اور ان کے احتساب میں بجز شر کے

تضاعیف ہوئی ہے۔

اس معنی کے افادہ کے لیے بعض مفسرین نے وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ میں مِن کو تبعیضیہ کہا ہے۔ اور یہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کہیں واجب ہوتا ہے، جہاں فاعل بے خبر ہو یا فاعل پر ہاتھ کی قدرت ہو۔ یا قبول کی پوری توقع ہو، ورنہ مستحب ہے۔

منجملہ اس کے آداب کے یہ ہے کہ اول خلوت میں کہے اور نرمی سے کہے اس کے بعد اگر مصلحت ہو علانیہ کہے اور سختی سے کہے ورنہ اعراض کرے اور دعا کرے۔

منجملہ اس امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے کفار کی تبلیغ بھی ہے۔ خواہ بذریعہ تقریر خواہ بذریعہ تحریر اپنے ملک کے کفار کو بھی اور دوسرے ملک کے کفار کو بھی اور یہ بوجہ عموم شیوع احکام دینیہ کے گو اس وقت واجب نہیں رہا لیکن اگر کوئی ہمت کرے عین عزیمت ہے اور اس غرض کی تحصیل وتکمیل کے لیے اگر ان اقوام کی زبان بھی سیکھ لے تو بشرط خلوص نیت عین طاعت ہے جیسا اس وقت کوئی شخص انگریزی وغیرہ اسی غرض سے حاصل کرنا چاہیے۔

تکمیل

تبلیغ احکام کے متعلقات میں سے ان احکام کی ایک خاص حفاظت بھی ہے۔ یعنی اصول و فروع اسلام پر جو حملے یا آمیزشیں ہیں خواہ وہ اہل کفر ہوں یا اہل بدعت، ان کو دفع کرنا ..... تاکہ طالبان حق شبہات سے محفوظ رہیں۔ اور اس مقصود کے لیے اگر اہل باطل پر ردوقدح کرنے کی حاجت ہو، یا ان سے مناظرہ کرنا مصلحت ہو، اس سے بھی پہلو تہی نہ کرے۔ اور اس زمانہ کا شعب میں مناظرہ اگر مشروع ہے تو اسی غرض سے ورنہ تعصب اس درجہ ترقی پر ہے کہ مناظرہ سے احقاق حق مقصود ہی نہیں رہا۔ اور اس ردوقدح یا مناظرہ کے لیے اگر اہل باطل کے علوم وفنون حاصل کرنا ضروری ہو۔ وہ بھی طاعت ہے۔ جیسے اس وقت سائنس وغیرہ سیکھنا۔

یہاں تک تدبیریں ہیں اصلاح کی اور اس کے بعد بھی بڑی ضرورت دعا و التجا بجناب حق ہے۔

اینہا ہمہ گفتیم ولیک اندر بسیچ
بے عنایات خدا ہیچیم ہیچ

ترجمہ: ہم نے سب کہہ دیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ
ترجمہ: کہ حق تعالیٰ کی عنایتوں اور بخشش کے بغیر ہم ہیچ

بے حنا شیب است حق و ناحق ہے — گر یکے باشد سپید چستی و رقا

ترجمہ کی بہت سے بالوں کے بغیر اگر کوئی — ترجمہ فرشتہ بھی ہوتا ہی کا اعلان کی بیچارہ ہوگا

سدّ موانع اصلاح انقلاب

اس سے متعلق انقلاب امت کی اصلاح کی تدبیر کی تعیین و تفصیل مذکور تھی چونکہ ہر تدبیر پر عمل کرنے کے لئے ، ساتھ اس کے موانع تاثیر سے تحرز بھی واجب ہوتا ہے ۔ جس طرح امراض جسمانی میں پرہیز کی ضرورت سمجھی جاتی ہے ۔ اس لئے ان تدابیر اصلاح کے ساتھ ان امور سے بچنا بھی ضروری ہوگا جو ان کے اثر میں خلل انداز ہیں ۔

بیان اس کا یہ ہے کہ ان تدابیر میں سے بعض علماء کے متعلق تھیں ۔ یہاں ان کے باب میں کلام مقصود نہیں کیونکہ وہ خود جانتے ہیں صرف ان میں جو عوام کے متعلق ہیں ۔ ان پر بقدر ضرورت لکھا جاتا ہے ۔ سو اس باب میں یہ امور بتلائے گئے تھے ۔

(۱) کتب دینیہ کا پڑھنا یا دیکھنا یا سننا ،

(۲) علماء دین سے مسئلہ پوچھنا ،

(۳) وعظ سننا ،

(۴) صحبت اہل کمال

(۵) گھر والوں کو خود پڑھانا یا سنانا یا کسی کے ذریعے سے پڑھوانا ، سنوانا ،

ان امور پنجگانہ میں سے ہر ایک میں بعض لوگ بے احتیاطی کرتے ہیں جو معالجہ مطلوب میں بد پرہیزی کا حکم رکھتی ہیں ۔ بالترتیب ہر ایک کے متعلق مختصراً تنبیہ ضروری ہے ۔

امر اول یعنی کتب دینیہ کا پڑھنا یا دیکھنا یا سننا

اس کے متعلق آج کل بعض بکثرت یہ غلطی کرتے ہیں کہ جو کتاب دین کے نام سے دیکھی یا سنی خواہ اس کا مضمون حق ہو یا باطل خواہ اس کا مصنف ہندو ہو یا عیسائی یا دہری ہو یا مسلمان پھر مسلمان بھی گو صاحب بدعت ہی ہو ——— غرض کچھ تفتیش نہیں کرتے اس کا مطالعہ شروع کر دیتے ہیں ۔

اور ایسے ہی مضامین آ گئے جو کسی مسئلہ کے متعلق اخبارات میں چھپتے رہتے ہیں۔ سو اس میں چند مضرتیں ہیں۔

بعض اوقات بوجہ کم علمی کے یہ ہی امتیاز نہیں ہوتا کہ ان میں کون مضمون صحیح ہے؟ کون غلط؟ کبھی غلط کو صحیح سمجھ کر عقیدہ یا عمل میں خرابی کر بیٹھتے ہیں۔ بعض اوقات پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر غلط ہے مگر بعض مصنفین کا طرز بیان ایسا تلبیس آمیز یا دل آویز ہوتا ہے کہ دیکھنے والا فی الفور اس سے متاثر ہو جاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں اپنے پہلے اعتقاد کو ضعیف اور بے وقعت خیال کر کے بعض دفعہ فوراً اس پہلے کو غلط اور اس دوسرے کو صحیح سمجھ لیتا ہے۔ اور بعض دفعہ اس کو قبول نہیں کرتا مگر متزلزل و متذبذب ہو کر شبہ ہی دل میں رکھتا ہے۔ اور پریشان ہوتا ہے اور کبھی دوسروں سے تحقیق کرنا چاہتا ہے مگر چونکہ اس میں کچھ غموض ہوتا ہے جس کے ادراک کے لئے اس کا علم و ذہن کافی نہیں ہوتا، اس لئے سمجھ میں نہیں آتا اور بے سمجھے یعنی سوال کر کے دوسروں کو پریشان کرتا ہے۔ اپنے فہم کا قصور فہم میں نہیں آتا۔ اور جواب دینے والوں کو جواب سے عاجز سمجھ کر ان کے علم یا اخلاص میں تنگی کا حکم لگا کر ان سے بدگمان ہو جاتا ہے اور بھی انواع مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں۔

عالم دین کی ضرورت

ان سب کا انسداد یہ ہے کہ کوئی کتاب، کوئی رسالہ، کوئی تقریر تا وقتیکہ کسی محقق عالم کو نہ دکھلاؤ۔ اور اس سے رائے نہ لیں، ہرگز نہ دیکھیں۔

اخبارات کے بعض مفاسد اس قسم کے احقر نے ایک مستقل تحریر میں لکھے ہیں، اخبار بینی میں ایک زمانہ میں لکھے تھے۔ جس پر بلا تدبر بعض معترضین نے غل مچایا کہ گویا وہ تحریر لغو پڑھنے کے قابل ہے اس سے یا اس سے یہ ہرگز مقصود نہیں کہ کبھی اخبار یا کسی کتاب کا مطالعہ ہر حالت میں حرام ہے!

مقصود صرف یہ ہے کہ چونکہ ان چیزوں میں بعض اوقات ایسے مفاسد ہوتے ہیں اور ان مفاسد سے بچنا عقلاً اصلاً ہی میں واجب ہے اور بچنا بدون معرفت بعض عالم محقق سے مشورہ لے تو اس کا اتباع ضروری ہوگا۔ افسوس ہے کہ باوجود وضوح اس امر کے پھر اس ممانعت کو تنگ خیالی و تعصب پر محمول فرمایا جاتا ہے۔ کیا کوئی خیر خواہ باپ اپنے بچے کو زہریلی ہوئی مٹھائی کے کھانے سے روکے تو کوئی عاقل، اس باپ کو متعصب یا تنگ خیال کا لقب دے گا؟ یا غایت راحت کے ساتھ اس کو منصف

کہے گا؟ ـــــ اور اگر کوئی کہے کہ ہم خدا نخواستہ صفا و روشن دل ہیں۔ تجربہ کار ہیں جو کسی اور بری چیز کا مجھ کو نہ کے طور پر ان کو دیکھتے ہیں۔

سو اس کا جواب اوپر کی تقریر سے واضح ہو گیا ہے کہ اس استثناء کے لئے علم کامل و فہم وافی چاہئے ہے اور کلام اس کے ناقد[ف] میں ہے۔ و اپنی کا اپنے کو ناقد سمجھنا یہ معتبر نہیں۔ بلکہ کسی عالم ماہر کا بھی کو ناقد کہنا اس کے اثبات کے لئے کافی ہے۔

تورات کے مطالعہ سے ممانعت۔

اور یہی وجہ ہے کہ جناب رسول کریم و نبی حکیم علیہ صلوٰۃ اللہ تعالیٰ و تسلیمہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے راسخ العلم و کامل شخص کو ـــــ تورات کے مطالعہ سے منع فرمایا۔ باوجودیکہ وہ فی نفسہ آسمانی کتاب تھی۔ گو اس میں تحریف بھی ہو گئی تھی، اور پھر مطالعہ بھی تنہا نہ تھا بلکہ خود ...... حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا رہے تھے۔ اور اس میں جو تحریف کا مضمون تھا وہ بیّن ہو جانا ظاہر تھا۔ اس کے بعد کسی ضرر کے ترتب کا احتمال ہی نہ تھا پھر اس مصلحت سے کہ آئندہ کو یہ عمل ان مفاسد کے باب کے مفتوح ہونے کا سبب نہ بن جائے کس سختی سے منع فرمایا؟ اور کیسی ناخوشی ظاہر فرمائی! جیسا کہ حدیث دارمی میں مذکور ہے۔

ان دلائل حسیہ و صحیحہ کے بعد امید ہے کہ اہل انصاف مصلحت تعلیم کو کوئی خدشہ نہ رہا ہوگا۔ اور چونکہ اس تقریر سے وہ کتابیں وغیرہ بھی محذور قرار پائیں جن میں مصالح کے ساتھ بعض مفاسد بھی ہوں۔ تو جن میں صرف مفاسد ہی ہوں، جیسے ناول وغیرہ، جن سے اعمال و اخلاق کا بڑا حصہ نہایت گندہ ہو جاتا ہے۔ ان کا مطالعہ کس طرح جائز سمجھا جائے گا؟ بالخصوص نوجوانوں اور عورتوں کو کیونکہ ایسی کتابیں گھر میں دیکھیں تو ان کو آگ میں جلا دینا چاہئے۔ یہی ان کا حق ادا کرنا ہے۔

مختصر نصاب

اب ذیل میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگوں کے لئے ایک مختصر نصاب، قابل مطالعہ کتب کا تعین کر دیا جائے تاکہ ان میں مشغول رہ کر مذموم کتب سے محفوظ رہیں۔

ف ـــ اس جگہ ناقد سے مراد وہ شخص ہے جو کالی و ناقص کو پہچان سکے ۱۲ - محمد علی عفی عنہ

(۱) بہشتی زیور گیارہ حصے (۲) تعلیم الدین (۳) فروع الایمان (۴) جزاء الاعمال (۵) تبلیغ دین (۶) قصد السبیل (۷) شوق وطن۔ اگر اس سے زیادہ مطول و مفصل کی ضرورت ہو۔ کسی عالم محقق سے دریافت کر لیا جائے۔ تمام ہوا بیان امر اول کا۔

امر دوم: بعض علماء دین سے مسئلہ پوچھنا

اس میں چند غلطیاں کی جاتی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ کیف ما اتفق کسی سے مسئلہ پوچھ لیتے ہیں۔ بعض اوقات تو یہ بھی نہیں تحقیق کرتے کہ یہ شخص واقع میں عالم بھی ہے یا نہیں، یا کسی کا نام سنا۔ مولوی رسمی یا اہل ہوا ہی سے دین کی باتیں پوچھنے لگے اور بعض اوقات عالم ہونا معلوم ہوتا ہے مگر یہ نہیں دیکھتے کہ یہ کس مشرب کا؟ اس عقیدہ کا ہے۔ ایسے شخص کے جواب سے بعض اوقات تو عقیدہ یا عمل میں خرابی ہو جاتی ہے اور بعض اوقات تردد و شبہ میں پڑ کر پریشان ہوتا ہے یا پریشان کرتا ہے۔ جیسا کہ امر اول کے بیان میں گذر چکا ہے۔

(۲) دوسری غلطی یہ کی جاتی ہے کہ ایک مسئلہ کو کئی کئی جگہ پوچھتے ہیں۔ اور بعض اوقات جواب مختلف ملتا ہے تو اس وقت یا تو فیصلہ راجح میں پریشان ہوتے ہیں یا جس میں نفس کی مصلحت ہوتی ہے، اس پر عمل کرتے ہیں اور کبھی اس کی عادت ہو جاتی ہے تو اعتقاد سے یہی مقصود رہتا ہے کہ نفس موافق جواب ملے اور جب تک ایسا جواب نہیں ملتا، برابر اس کی کد و کاوش میں رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ وضع تدین سے بہر حال بعید ہے سراسر اتباع ہوی و تعصب فی الدین ہے۔

(۳) ایک تیسری غلطی اس دوسری غلطی سے پیدا ہوتی ہے کہ بعض اوقات ایک مجیب کا جواب دوسرے مجیب کے سامنے نقل کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ بعض اوقات طبیعت کا رنگ خاص ہوتا ہے۔ بعض اوقات نقل کا سب دیکھ کچھ معاندانہ ہوتا ہے اس لئے کبھی اس مجیب کی زبان سے دوسرے مجیب کی نسبت یا اس کے جواب کی نسبت کوئی نا ملائم لفظ نکل جاتا ہے پھر یہ ناقل یا دوسرا اس مجیب تک اس کو پہنچا دیتا ہے پھر وہ کچھ کہہ دیتا ہے اس کی خبر اس پہلے تک پہنچتی ہے۔ اور بعض دفعہ بلکہ اکثر ان منقولات میں کمی بیشی کچھ لفظی یا معنوی تغیر و تبدل کر دیا جاتا ہے۔ اور اس طور

پھر باہم ایک فساد عظیم ان میں برپا ہو جاتا ہے۔

ایک غلطی یہ ہے کہ غیر ضروری مسئلے پوچھے جاتے ہیں۔

ایک غلطی یہ ہے کہ مسائل کے دلائل دریافت کئے جاتے ہیں جن کے سمجھنے کے لئے علوم درسیہ کی حاجت ہے اور چونکہ سائل کو وہ حاصل نہیں اس لئے دلیل کو سمجھتا نہیں اور اگر اسی خیال سے کوئی مجیب دلیل بتلانے سے انکار کرتا ہے تو اس مجیب غریب کو بد خلقی پر محمول کیا جاتا ہے۔

ایک غلطی یہ کی جاتی ہے کہ کسی سے کسی مسئلہ میں مباحثہ شروع کرتے ہیں۔ پھر اپنی تائید کے لئے فتویٰ حاصل کرتے ہیں اور وہ فتویٰ اپنے مخالف کو دکھا کر اس پر احتجاج کرتے ہیں پھر وہ اپنے موافق فتویٰ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اس طرح خواہ مخواہ باہم جنگ وجدل کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ عوام کو اس میں پڑنا موجب ضرر ہے۔ اگر ان سے کوئی اہل باطل الجھے تو علماء کا حوالہ دیکر اس کو قطع کر دیا جائے۔ اگر غور ہو گی آپ پا لیجئے گا۔

غلطیوں کی اصلاح کا طریق

ان سب غلطیوں کی اصلاح اس سے ہو سکتی ہے کہ اپنا دستور العمل اس باب میں یہ رکھیں کہ جب کوئی ضروری بات پیش آوے، اپنے عمل کرنے کے لئے نہ کہ مباحثہ کے لئے، ایسے شخص سے مسئلہ پوچھیں جس کا معتبر و محقق ہونا کسی ذریعہ سے پہلے معلوم ہو۔ اور اس پر اعتماد و اعتقاد بھی ہو۔ اور دلیل دریافت نہ کریں۔ اور کسی دوسرے عالم سے بلا ضرورت نہ پوچھیں۔ اور اگر باوجود ان سب رعایتوں کے اس کے جواب میں شبہ رہے۔ اور شبہ ناشی ہو تو ایسے ہی صفت کے دوسرے عالم سے پوچھ لیں اور اگر جواب پہلے کے خلاف ہو تو پہلے کا جواب اس کے سامنے اور اس کا جواب پہلے کے سامنے نقل نہ کریں۔ اور جس قول پر قلب مطمئن ہو اس پر عمل کر لیں اور یہی عمل اس حالت میں کریں جبکہ بلا مراجعت دوسرے عالم کے خود بخود جواب اول کے خلاف کوئی جواب اس باب میں گوش زد ہو جائے۔

استفتاء کے آداب

اور اگر استفتاء تحریری ہو۔ تو ان رعایات کے علاوہ اور بھی بعض رعایتوں کا لحاظ رکھیں یعنی

• سوال کی عبارت اور خط بہت صاف ہو۔

- حتی الامکان فضول و غیر متعلق باتیں اس میں نہ لکھیں۔
- اپنا پتہ اور نام صاف لکھیں۔ اگر کئی بار ایک ہی جگہ سے خط جاویں تب بھی ہر خط میں ......
- اپنا پتہ اور نام صاف لکھیں۔ اور جواب کے لیے ٹکٹ ضرور رکھا کریں۔ بلکہ اگر سوال دستی بھی بھیجیں تب بھی جواب کے لئے ٹکٹ رکھدیں اور پتہ بنا ہوا لکھدیں۔ شاید اس وقت جواب مسئلہ کا ذرا سے سوچ کر بعد میں ڈاک میں بھیج دیں گے۔ ورنہ ٹکٹ واپس آ جائے گا۔
- اگر کئی سوال ہوں تو کارڈ پر نہ بھیجا کریں۔ اور کبھی ایسا اتفاق ہو جائے تو ان سوالوں پر نمبر ڈال کر ان کی ایک نقل اپنے پاس بھی رکھ لیں اور مکتوب الیہ کو اطلاع دیدیں کہ ہمارے پاس سوالات کی نقل نمبروار ہے۔ آپ اعادہ سوال کی تکلیف نہ کریں۔ نمبروں کی ترتیب سے صرف جواب لکھدیں۔

امر سوم یعنی وعظ سننا

جس قسم کی غلطیاں امر اول میں کی جاتی ہیں۔ اسی قسم کی غلطیاں وعظ بیان کرنے میں کیونکہ تحریر و تقریر دلالت و احکام و آثار میں متقارب ہیں۔ یعنی لوگ ہر قسم کے واعظوں کا وعظ سن لیتے ہیں۔ اس کے وہی مفاسد ہیں جو امر اول میں تھے اور ان کا وہی انسداد ہے جو مفاسد متعلقہ امر اول کا تھا۔

وعظ سننے کے آداب

جب کوئی واعظ جدید آوے، اپنے شہر یا قریب کے کسی عالم معتبر سے اس واعظ کی حالت پوچھ لیں۔ اگر وہ اطمینان دلاوے تو وعظ سنے، ورنہ نہ سنے کیونکہ بعض واعظ جاہل ہوتے ہیں اور بعض بد مذہب اور ان میں بعض اپنے مدعا کو ذہن میں جما دینے میں ملکہ رکھتے ہیں۔ اور بعض ایسے چالاک ہوتے ہیں کہ اول اول تو مخاطبین کے موافق کہتے ہیں پھر بعد مناسبت و موانست اپنے مسلک کی دعوت شروع کرتے ہیں بقول مولانا رحمۃ اللہ علیہ ؎

زانکہ صیاد آورد بانگ صفیر

شکاری سیمرغ کی آرزو لگا رکھتا ہے

تا گرفتہ مرغ دانہ مرغ کسے

اس سے تو وہ پرندہ کو پکڑ سکے

پس مقتضائے طریقت رکھنا چاہئے سے

دشمن ار چہ دوستانہ گوید ست

دشمن اگرچہ آپ کو دوست خطاب کرکے بولے

دام دان گرچہ زدانہ گوید ست

تو اس کو فریب سمجھو، اگرچہ وہ کہے کہ بھلائی ہے

اور یہ مشورہ اختیار نہ کریں سے

نگفتہ ہر دو از دل گذرد ہر کہ بہ چشم

جو میرے سامنے گذرتا ہے وہ میرے جگر پر ایک گھر بنا جاتا ہے .

من آتش فروش دل دیوانہ خویشم

میں اپنے دل دیوانہ کی آگ بیچنے والا ہوں .

اور اگر باوجود احتیاط کے کوئی بات مشتبہ کان میں پڑ جاوے، علمائے محققین سے اس کی تحقیق کر لیں۔

امر چہارم یعنی اہل کمال کی صحبت

اس میں جو دھوکہ ہوتا ہے وہ بہت عام ہے یعنی جو علامتیں اہل کمال کی شناخت کی ہیں ان کی رعایت نہیں کی جاتی جن کو حضرت نے مضمون سابق میں، قصد السبیل سے نقل کیا ہے اس کا المراد ان علامات کی رعایت ہے۔ چونکہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ سے

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

چونکہ بہت شیطان انسان کی شکل میں ہیں

پس بہر دستے نباید داد دست

پس بُرا مذاکرہ اس سے نہ ملانا چاہئے

بُری صحبت کے نقصانات

اسی کے ذیل میں اس صحبت کی مضرت بھی سمجھ لینا چاہئے جو مستقلاً بنا کر شروع ہو۔ محض دوستی کے طور پر جو شخص دوست بن جائے —— یہی غلطی عظیم ہے تجربہ سے ایک دوست کا اثر طبعاً دوسرے دوست پر ضرور آتا ہے اور مضر اثر جلد آتا ہے۔ اس لئے ارشاد نبوی ہے المرء علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل — (انسان اپنے دوست کے طریقے پر ہوتا ہے۔ چاہئے کہ وہ دیکھ لے کہ کون اس سے دوستی کا تعلق ہے؟) —— البتہ جو معاملات ضرور ہوں وہ مستثنیٰ ہے۔

امر پنجم یعنی گھر والوں کو خود پڑھانا

اس میں جو غلطیاں ہوتی ہیں ان کا مجموعہ امور اربعہ مذکورہ کے بیان میں منتشر طور پر علاج آگیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ گھر والوں کے لئے جو کتابیں تجویز کی جاویں۔ یا جو راستہ چلایا جائے ان میں رعایت امور سابقہ ملحوظ ہوں۔ اور یہ امر تصریح و تخصیص کے ساتھ اس میں قابل ذکر ہے کہ جوان لڑکی کا معلم نامحرم جوان یا میانی عمر کا جائز نہ رکھا جائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

قرآن مجید کے
بارے میں کوتاہیاں

(اصلاح متعلقہ قرآن مجید)

اس سے سابق کے مضامین میں انقلاب و اصلاح کے باب میں جو کلام ہوا تھا۔ وہ مجمل اور کلی طریق پر تھا چونکہ جزئیات خاصہ کو ان پر منطبق کرنا ۔ طلب صادق و فہم صائب کو مقتضی ہے اور ان دونوں کی کمی اکثر طبائع میں مشاہد ہے اس لئے مضمون مذکور کے نفع میں تام ہونے کے لئے اس کی حاجت محسوس ہوئی کہ بعض ایسی جزئیات کو جو کہ مہم و کثیر الوقوع ہیں بطور نمونے مگر بہت مختصر کافی ، اسی سلسلہ میں مفصلاً و متفرقاً بھی بیان کر دیا جاوے ۔ چنانچہ اس مضمون سے اس کا آغاز ہے اور چار ہی ضروری امر ہیں کہ زیادہ حصہ اس سلسلہ کا اعمال ۔ اخلاق ——— معاملات ——— معاشرت سے متعلق ہوگا ۔ اور یوں اتفاقاً کسی عقیدہ سے ۔ وہ طرز پر کوئی بحث آجائے ممکن ہے ۔ اب اس کا سلسلہ شروع کرتا ہوں۔

قرآن مجید کے معاملہ میں کوتاہیاں

قرآن مجید کے معاملہ میں چند کوتاہیاں کی جارہی ہیں۔

ایک یہ کہ بعض لوگ قرآن کے پڑھنے کو قابل اہتمام نہیں سمجھتے ۔ پھر ان میں بھی دو گروہ ہیں۔

یہ ہے کہ ان کا عدم اہتمام محض علامت ہے، یعنی اس کا استحسان یا نافع ہونا ان کے اعتقاد میں ہے مگر بوجہ غفلت کے اشتغال یا دوسری حاجات معاشیہ کے اس کو حاصل نہیں کرتے نہ اپنی اولاد کے لئے اس کی سعی کرتے ہیں اس گروہ کی حالت ایک درجہ میں اخف ہے کیونکہ یہ لوگ ایک امر نافع کے تارک ہیں، کسی امر مضر کے مباشر و مرتکب نہیں، کیونکہ گو بعد قرآن کا پڑھنا مجموع امت کے اعتبار سے بغرض اس کی حفاظت کے فرض علی الکفایہ ہے، البتہ ذرا سا جو جزو بقدر الصلوٰۃ فرض علی العین ہے۔ اور قدر زائد بقدر ما تادی بہ واجب القراءۃ واجب علی العین ہے۔ تو یہ لوگ کسی فرض یا واجب علی العین کے تارک نہیں ہوئے۔ گو ایک برکت سے محروم ہیں اسی وجہ سے ہم نے اس کو کوتاہی کی فہرست میں شمار کیا ہے۔

مکاتب قرآن کی ضرورت اور خدمت کے آداب

علاج: اس کا یہ ہے کہ ان لوگوں کو اس طرف متوجہ کیا جائے۔ اور جتنا ان کا خرچ ضروری سمجھا جائے کسی کی مدد امداد مالی سے اس کا تدارک کیا جائے۔ مثلاً کم از کم ان بچوں ہی کو خوراک و پوشاک کے لئے وظیفہ دیا جائے۔ اور ہر بڑے گاؤں میں ایک ایک مکتب قرآن مجید کا قائم کیا جائے اور وہاں کے گرد و نواح کے دیہات کے بچوں کو اس میں تعلیم دی جائے۔

بڑوں کو بھی جب فرصت میسر ہو تھوڑا وقت اس میں دیا جائے، یہ ممکن ہے کہ جنہوں نے شروع کیا ہے بوجہ قلت مناسبت کے یا بسبب عروض عوارض کے سب ختم نہ کر سکیں۔ لیکن تاہم ایک عدد معتد بہ ختم کرنے والوں کا ان میں سے بھی حاصل ہو جائے گا اور ایسے مکتبوں کا چونکہ خرچ زیادہ نہ ہوگا، اس لئے بیرونی امداد کی طرف مضطر نہ ہوں گے، ہر جگہ کے مکتب کے لئے خود وہاں کے چند صاحبوں کی امداد کافی ہو سکتی ہے مگر اس امداد میں اس کا لحاظ رہے کہ ـــ کسی شخص پر دباؤ ڈال کر یا شرما کر اس سے وصول نہ کیا جائے کہ علاوہ خلاف دین ہونے کے اور بے برکتی کے ایسے چندوں کو ثبات بھی نہیں ہوتا۔

۲۔ دوسرا گروہ وہ ہے کہ ان کے سبب عدم اہتمام کا منشاء سوء عقیدہ ہے یعنی تحصیل الفاظ کو ایک فضول و لایعنی حرکت بلکہ معاش کا مخل سمجھ کر مضر جانتے ہیں اور پڑھنے والوں کی تحقیر

ناحق دماغ خالی کرتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی تلبیس میں ڈالتے ہیں۔

کوئی صاحب کہتے ہیں کہ جب سمجھے نہیں تو طوطے کی طرح پڑھنے سے کیا فائدہ؟ کوئی صاحب کہتے ہیں کہ جب دو سال اس میں صرف ہو گئے یا حفظ کرنے میں دماغ صرف ہو گیا، پھر کسب معاش کے وقت میں گنجائش نہیں ہو گی یا اس میں دماغ کام نہ دے گا۔ کوئی صاحب کہتے ہیں کہ بچوں کو قرآن مجید پڑھانے میں اس کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ لڑکے بے وضو ہاتھ لگاتے ہیں، سپارے پھاڑتے ہیں، انہیں بے تعظیمی سے رکھ دیتے ہیں، اس لئے ادب کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان کو پڑھایا نہ جائے۔ ۔ ۔ ۔ اس قسم کی باتیں ایسے فریب تراشتے ہیں۔

یہ حضرات خود فرمائیں کہ فضول اس کو کہتے ہیں، جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ اور جو شخص خدا کو خدا، رسول کو رسول اور دونوں کے کلام کو صادق مانتا ہے وہ اس کا انکار نہیں کر سکتا ہے۔ کہ فائدہ منحصر نہیں ہے فائدہ دنیویہ میں، پھر معنی اس کے انتفاء سے مطلق کا انتفاء کیسے لازم آیا؟ ۔ ۔ ۔ یہ مسئلہ عقلیہ ہے۔ کہ خاص کا انتفاء مستلزم نہیں ہوتا عام کے انتفاء کو۔

ہر حرف کے بدلہ دس نیکیاں

جب مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے کلام ہدایت فرجام سے ثابت ہے کہ خالی الفاظ پڑھنے سے بھی ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں اور ثابت ہے کہ خالی الفاظ کا پڑھنا بھی عظیم سبب ہے، حق تعالیٰ کی توجہ اور قرب کا،

ہاں! اگر کوئی ان نیکیوں کو اور حق تعالیٰ کی توجہ اور قرب ہی کو فضول میں شمار کرے تو اس کلام پر اس سے گفتگو نہیں ہے۔ ہمارا مخاطب خاص وہ ہی شخص ہے جو خدا اور رسول کی عظمت و صدق کا قائل ہو۔ اور جو اس کا منکر ہو۔ اس کو سمجھانے اس وقت مخاطب بنانے کے قیامت کے روز انشاء اللہ تعالیٰ دکھا کر کہا جائے گا۔ هٰذَا الَّذِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ ومعنیٰ: یہ ہی ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔

احمق کون؟

حضرت نے فرمایا کہ اب پڑھنے والے احمق ہوئے یا ان کو احمق کہنے والے؟ اور اگر اب بھی سمجھ نہ آیا ہو تو لیں یہ ہم کر بات کو ختم کئے جاتے ہیں۔ ان تسخروا منا فانا نسخر منکم کما تسخرون فسوف تعلمون من یاتیہ عذاب یخزیہ ویحل علیہ عذاب مقیم [۳۹] یعنی اگر تم ہنستے ہو ہم سے تو ہم ہنستے ہیں تم سے جیسے تم ہنستے ہو۔ اب جلد جان لو گے کہ کس پر آتا ہے عذاب کہ رسوا کرے اس کو اور اترتا ہے کس پر عذاب دائمی۔

حضرت نے فرمایا کہ جب الفاظ کا فائدہ بدون معانی کے فائدہ کے مستقل بھی ہے تو پھر اس کو محض طوطے کی سی پڑھائی کہنا کیسے صحیح ہے؟ ہم نے بہت سے انگریزی طالب علم دیکھے ہیں کہ وہ اقلیدس کی کسی شکل کا ثبوت نہیں سمجھتے مگر پھر بھی اس کی ساری عبارت یاد کر لیتے ہیں اور امتحان میں عبارت لکھ دیتے ہیں چنانچہ وہ ایسا ہی کرتے ہیں اور پاس ہو جاتے ہیں۔ چونکہ سمجھنے کے علاوہ اس پر بھی بہ نمبر خاص پاس ہو جانے کا مرتب ہوتا ہے۔ ہم نے کسی کو اس پر بیکار ہونے کا حکم لگاتے نہیں دیکھا۔ پھر ان سارے لفظ یاد کی مشق کے دھبے میں دین ہی رہ گیا ہے۔ افسوس! افسوس!

حضرت نے فرمایا کہ کبھی جو دولت کی طلب کے لئے کوئی بڑا سفر انگلستان وغیرہ کی طرف کرتے ہیں یا کبھی دربار میں رسائی کی کوشش کرتے ہیں یا کبھی حاکم اعلیٰ کی خوشنودی و تقرب کی امید میں مالی خرچ یا بار گراں نہیں کیا جاتا؟ تو کیا یہ افسوس کی بات نہیں ہے؟ کہ خدائی رضا و قرب و عنایت کی ترقی کی وقعت نہیں ہے؟ وما قدروا اللہ حق قدرہ۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسا اس کی قدر کا حق تھا۔

حفظ قرآن سے قوت حافظہ بڑھتی ہے اور علوم معاشیہ میں کام دیتی ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ حفظ کرنے میں گو محنت کے ساتھ مشقت ہوتی ہے مگر اس میں دماغ کا زیادہ کام نہیں نہ زیادہ کام ذہانت کا ہے، جیسا کہ ایک ڈاکٹر نے بھی بیان کیا۔ البتہ کسی قدر

ست ہے، قوت حافظہ کا ہے، جو کہ قوی دماغیہ سے ہے۔ موجودہ حکماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ جس قوت سے اعتدال کے ساتھ کام لیا جائے تو وہ اس کی ریاضت ہے اور اس ریاضت سے اس قوت میں ترقی ہوتی ہے۔ سو اس بنا پر حفظ قرآن سے قوت حافظہ بڑھنے کی وجہ سے علوم معاشیہ میں کام دے گی اور اس حافظہ کے بڑھ جانے سے دوسرے علوم میں دوسرا شخص جو کام چھ ماہ میں کر سکتا ہے یہ شخص اتنا کام چار ماہ میں کر سکے گا۔ تو حفظ قرآن میں اتنی مدت بھی صرف نہ ہوگی جتنی کفایت آگے نکل آئے گی .....!!

البتہ جس کو حفظ سے مناسبت ہی نہ ہو، اس کا ذکر نہیں ہے۔ ایسے شخص کے لیے حفظ کرانے کا ہم بھی مشورہ نہیں دیتے۔

یہ عذر تو سب سے زیادہ عجیب ہے کہ قرآن کی بے حرمتی ہوتی ہے کیا یہ حضرات، خدا کو مافی الضمیر پر حاضر و ناظر اعتقاد اور خیال کر کے اس پر قسم کھا سکتے ہیں کہ بچوں کو قرآن نہ پڑھانے کی رائے اس نیت پر مبنی ہے کہ قرآن کی بے حرمتی نہ ہو، کیا خدا سے بھی اپنا اس مخفی بھید کو چھپا سکتے ہیں؟ اگر یہی نیت تھی تو اچھا ہوش و عقل آنے کے بعد کتنے صاحبوں نے تحصیل قرآن کی طرف توجہ کی، بہرحال اس گروہ کی حالت پہلے گروہ سے زیادہ خطرناک ہے۔ خود پڑھنے کا اہتمام نہ کرنا دونوں میں مشترک ہے پس ایک گونہ ہی تو یکی ہوتی ہے۔

دوسری کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ بہت لوگ پڑھتے پڑھاتے ہیں، مگر پڑھ کر پھر اس کا نام تک نہیں لیتے بلکہ ان میں جو ـــــ حافظ ہیں وہ فخر کرتے ہیں کہ ہم نے سال بھر تک کھول کر بھی نہیں دیکھا باوجود اس کے ہم نے رمضان میں سنا دیا۔ ہم نا واقفی کی بھی کوئی حد ہے؟ کہ جو بات عیب کی تھی اس کو ہنر سمجھ کر اس پر فخر کیا جاتا ہے.....!!

جس چیز کا انسان ارادہ کر لیتا ہے کسی نہ کسی صورت میں اس کو کر ہی لیتا ہے۔

ان صاحبوں کو سمجھنا چاہیے کہ مقصود پڑھنے سے تو یہ ہے کہ ہمیشہ اس کی تلاوت سے برکات حاصل کی جائیں، جب یہ نہ ہوا تو پڑھنا نہ پڑھنا برابر ہو گیا۔ بلکہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے۔ اور ایک حدیث میں بھی یہی مضمون آیا ہے کہ قرآن مجید پڑھنے سے اس سے ایسی بے مناسبتی ہو جاتی

ہے کہ پھر یہ تھوڑی نہیں چلتا۔ یہ تو ناظرہ خوانوں کے بھولنے کی حد ہے اور حافظ کے بھولنے کی حد یہ ہے کہ منہ سے پڑھ سکے نہ دیکھ کر ہی ہے اور تفسیرِ قرآن پر حدیثوں میں وعید شدید آئی ہے، اجرت کرتے وقت کی، کی کمائی محنت جو کہ پڑھنے میں برداشت کی تھی۔ اس کے ضائع کر دینے کیلئے دل کیسے گوارا کرتا ہے؟ دوام تلاوت میں بعض لوگ کم فرصتی کا عذر کرتے ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ جس چیز کا اہتمام ادا کرلیتا ہے کسی نہ کسی صورت میں اس کو کر ہی لیتا ہے۔ خاص کر جبکہ کام بھی آسان ہو اور یہ بھی کوئی مشکل کام ہے کہ ۲۴ گھنٹے میں سے آدھا گھنٹہ کلام معبود و محبوب کے ساتھ بھی نسبت رکھتا ہے: مثال کے طور پر اگر ناظرہ خواں ہو تو ایک پارہ اور اگر حافظ ہے تو ایک یا ڈیڑھ پارہ بے تکلف پڑھ لیا کرے اور اتفاقاً ناغہ ہو جانا دوسری بات ہے اس سے زیادہ وقت تو فضولیات و خرافات میں صرف ہو جاتا ہے جس میں نہ نفع دین نہ نفع دنیا۔

کیا توبہ توبہ قرآن مجید کی ان فضولیات کی برابر بھی وقعت نہیں ہے کہ فضولیات کے لئے تو فرصت ہو جایا کرے اور قرآن مجید کے لئے نہیں ہوتی۔

تیسری کوتاہی یہ ہے کہ بعض دوست بھی پڑھتے ہیں مگر اس کی تصحیح کی طرف اصلاً توجہ نہیں فرماتے نہ مخارج کی خبر نہ صفات کا اہتمام نہ نقص و زیادت سے تحاشی۔

کوئی صاحب ض کو صاف مخرج ظ سے ادا کرتے ہیں اور کوئی صاحب مخرج د سے شاید سب ہیں ان کے نزدیک کوئی فرق ہی نہیں، الف کے موقع پر زبر پڑھنا اور زبر کی جگہ الف ملا دینا، بعض کی عادت ہوگئی ہے۔ نہ بے موقع وقف کر دینے سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس سے بعض مواقع پر معنی میں فساد ہو جاتا ہے۔ اگر سانس ٹوٹنے سے اس کی طرف مضطر ہو۔ تو ایسا کرے کہ جس لفظ پر وقف کیا ہے۔ اس کا پھر آگے پڑھنے میں اعادہ کرے۔ البتہ وصل سے یہ فساد لازم نہیں آتا۔

اہل علم کی کوتاہیاں

نہایت افسوس سے کہا جاتا ہے کہ اس کوتاہی میں اہل علم کا نمبر غیر اہل علم سے کچھ بڑھ ہوا ہے، حتیٰ کہ ایک صاحب سورۂ ناس میں ۔ من الجنۃ والناس ۔ کو اس طرح پڑھتے ہیں،

من الجنۃ والناس ۔ پھر جتنے ان میں سب بعد کے امام ہوتے ہیں۔ اس وقت اس غلطی کا اثر دوسروں تک بھی دو طور سے پہنچتا ہے۔

ایک یہ کہ اگر کوئی مقتدی صحیح خواں ہوا۔ تو ان کی نماز ان امام صاحب کے پیچھے نہیں ہوتی اور چونکہ غلط خواں کا حکم صحیح خواں کی نسبت سے آپ کو معلوم ہے بہ نسبت دوسری کے اس لئے اس خاص صورت میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نہ امام کی نماز ہوتی ہے نہ دوسرے مقتدیوں کی پس کتنی بڑی تباہی کی بات ہے۔

دوسرے اس طور سے کہ یہ امام صاحب اگر زمرہ اہل علم ہوئے، تو عوام کی عوام میں شہرت ہے وقعت ہوتی ہے جس کا اثر ایک گونہ علماء کے اتباع واقتداء تک بھی سرایت کر سکتا ہے ہر چند کہ تجوید کے وجوب سے متعلق کلام ہوا و مقتضی تفصیل ہے مگر اتنی قدر میں کسی کو کلام نہیں کہ جس قسم کی غلطیوں کا ذکر اوپر ہوا ہے ان کی تصحیح واجب علی العین ہے جب تک کہ عدم قدرت وعدم مساعدت لسان متحقق نہ ہو جائے۔ جس کی کوئی دلیل یہ ہے کہ بدون اس قدر تصحیح کے قرآن کی عربیت باقی نہیں رہتی اور عربیت بدلالت نصوص لوازم قرآن سے ہے۔ پس اس کے نہ رہنے سے قرآن نہ رہے گا۔ پس اس کی ضرورت میں کیسے اشتباہ ہو سکتا ہے!

اس میں قرآن کی یا عربی کی کیا تخصیص ہے؟ ہر زبان کی صحت اس کے خاص طرز ادا پر موقوف ہے مثلاً لفظ ,,پنکھا،، اور ,,رنگ،، میں اخفا ہے۔ اگر نون کا اظہار کیا جاوے یقیناً لفظ غلط ہو جاوے گا ۔ اور لفظ ,,گنبد،، و ,,دنبہ،، میں قلب ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو یقیناً لفظ غلط ہو جائے گا۔ مگر بات یہ ہے کہ قلوب میں ادراک نہیں رہا۔ علوم آخرت کی رغبت، صرف دنیا کے ہو رہ گئے ہیں رہی انا للہ وانا الیہ راجعون (بقرہ ۱۵۶) (ہم اللہ تعالیٰ ہی کا مال ہیں، اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں)

تصحیح قرآن صرف ورد حفظ سے

کل حروف انتیس ہیں۔ ان میں بعض تو قریب قریب صحیح نکلتے ہیں۔ ان کو مستثنیٰ کرکے جن میں اہتمام کی ضرورت ہے، تقریباً ایک درجن یعنی بارہ ہیں: جیسے ث - ح —

ذ ۔ ز ۔ س ۔ ص ۔ ض ۔ ط ۔ ظ اور جو بالکل دیہاتی ہیں۔ ان کے لئے اتنے ہی اور ہیں جیسے ث ۔ ذ ۔ ش ۔ ع ۔ غ ۔ ف ۔ ق ۔ اگر کسی ماہر کو لاکر مشق کرے ایک گھنٹہ روزانہ مشق کے لئے نکالا جائے تو روزانہ ایک حرف کی ضروری مشق ہو سکتی ہے جس میں ایک ہفتہ اور دیہاتی کے لئے دو ہفتہ کافی ہیں۔ اگر احتیاطاً اس سے دوگنی مدت لی جائے۔ تو آدھا مہینہ اور ایک مہینہ نہایت غایت صرف ہوتا ہے تو کیا دین کی اتنی بڑی ضرورت کے لئے اپنی اتنی بڑی عمر میں سے اتنا حصہ بھی نہیں دے سکتے ہو؟ کتنا بڑا غضب اور ستم ہے؟

اسی طرح تیح اور الف کی مقدار کا فرق: اگر ایک پارہ میں اس کی درستی ہو جائے تو تمام قرآن یکساں ہی تمام کے لئے کافی ہے۔ اگر ایک رکوع روزانہ درست کرلیا جائے تو یہ کام بھی پندرہ بیس روز سے زیادہ کا نہیں ہے۔ پھر بقیہ قرآن کا ہے۔ تھوڑا تھوڑا کرکے کسی ماہر کو سناتا رہنا۔ جو متفرق اوقات میں نہایت سہل ہے زیادہ اطمینان اور احتیاط کی بات ہے۔

بعض لوگوں کو ماہر قراءۃ میسر نہ آنے کا بہانہ ہوتا ہے لیکن وہاں تو اتنی تھوڑی مہارت رکھنے والے اکثر جگہ ایک دو پائے جاتے ہیں اور اگر بالفرض کوئی میسر نہیں تو چند آدمی مل کر کسی ماہر کو بلا کر رکھ سکتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ جہاں کوئی طبیب نہیں رہا۔ بستی والوں نے چندہ کرکے تنخواہ دار طبیب کو رکھا ہے۔ پس فرق دینی ضرورت اور عدم ضرورت سمجھنے کا ہے۔ یا بستی میں سے دو چار ہونہار شخصوں کو سفر میں بھیج کر ماہر بنوا سکتے ہیں۔ حق تعالیٰ کے کلام میں یہ صورت بھی داخل ہے۔ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین (التوبہ ۱۲۰) سو کیوں نہ نکلا ہر فرقہ میں سے ان کا ایک حصہ تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں۔ بلکہ اگر باہر سے کسی ماہر کو بلا کر رکھا جائے یا بستی میں سے کسی کو باہر بھیج کر ماہر بنوایا جائے تو اس میں ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا۔ اور ایسا ہونا بھی چاہئے کہ بچے جس وقت قرآن پڑھیں پڑھنے کے ساتھ ہی اس تصحیح کا اہتمام رہے کیونکہ اس میں کوئی تکلیف ہے کہ غلط یاد کرکے پھر تصحیح کی جائے اگر ابتدا ہی سے صحیح پڑھا جائے۔ پھر بالخصوص زمانہ صبا میں تو یہ صحت ان کے لئے مثل امر طبعی کے ہو جائے اور مشقت کا ایک بڑا حصہ مختصر ہو جائے۔

امام مقرر کرنے کے آداب

اس کا بھی التزام رکھیں کہ جب کبھی کو مسجد میں امام مقرر کریں۔ کسی ماہر کو اس کی متعدد مختلف سورتیں سنوا دی جاویں۔ اگر وہ صحت کی تصدیق نہ کرے تو کسی ماہر کو تلاش کریں۔ اگر ارزاں نہ ملے گراں لا دیں۔

کیسی غضب کی بات ہے؟ کہ ہر ادنیٰ کام کے لئے ذی ہنر اور ذی لیاقت آدمی ڈھونڈا جاتا ہے حتیٰ کہ لوہار۔ معمار۔ سنار۔ پنکھا۔ گانے بجانے والا تک بھی، اور خدا کے روبرو جو سب مخلوق سے وکیل بن کر کھڑا ہوتا ہے وہ چھانٹ کر ایسا رکھا جاتا ہے جس میں نہ کمال نہ جمال، تمام محلہ میں جو ناکارہ۔ اندھا۔ چندھا۔ فاتر الحواس۔ گنوار۔ بے تمیز۔ جاہل۔ بہر غرض جو کسی مصرف کا نہ ہے، اس کو امامت کے لئے انتخاب کیا جاتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (البقرۃ ۱۵۶) ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

مشائخ اور اہل مدارس کیلئے دستور العمل

اہل مدارس اس کا التزام رکھیں کہ جو طالب علم ان کے مدرسہ میں داخل ہونا چاہیں اگر ان کا حفظ ایک جزو دو اجزاء سے زیادہ نہیں، تو ہر درجہ میں ابھی صحت قرآن کو بھی لازمی قرار دیں۔ اور بدون تجربہ صحت یا بعض حالات میں کم از کم وعدہ تصحیح تو ضرور لے لیا جاوے بدون اس کے داخل نہ کریں اور وعدہ کی صورت میں جتنے سبقوں کا وہ مستحق ہے ان میں سے ایک سبق کی جگہ اس تصحیح کو رکھیں اور اس مرحلے کو طے کرنے کے بعد پورے سبقوں کی اجازت دیں۔ اور جن مدارس میں گنجائش ہے ان کو ایک مدرس تجوید کا مدرسہ میں بڑھانا ضروری ہے۔ اس طریق سے یہ فن عام ہو سکتا ہے۔

اسی طرح مشائخ کو چاہیئے کہ اپنے مریدوں کو خصوصی خلفاء کو صحت قرآن پر مجبور کریں۔ کیا ظاہر یا باطن کا مقتدا بنایا جائے؟ اور بچوں سے بھی کم ہو، کیا یہ معیوب نہیں؟

تجوید میں افراط و تفریط

چوتھی کوتاہی یہ ہے کہ بعضے تعلیم تجوید کو بھی ضروری سمجھتے ہیں مگر کاوش اور بہت ہی تنگ و جانچ کرہ جاتے ہیں۔ جیسا اس وقت لوگ فن ــ خط میں الجھنے والے دیکھے جاتے ہیں۔ مگر انشاء اللہ تعالیٰ اور کے نام خاک بھی نہیں۔ بعضے عمل تک پہنچنے کا ارادہ کرتے ہیں مگر اس کی حقیقت سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ یعنی صوت لہجہ کا نام قراءت سمجھ کر اسی کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور یا تو خود کوئی طبعی لہجہ اختراع کرتے ہیں اور یا کسی مشاق کی نقل اتار لیتے ہیں اور تار چڑھاؤ صوت وزن میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ بعضے ضروریات یا مستحسنات قراءۃ بھی فوت ہو جاتے ہیں یعنی حرف گھٹا بڑھا دیتے ہیں۔ یا غنہ یا مد حذف کر دیتے ہیں تاکہ وزن ٹھیک رہے!!

سو اس کی نسبت سرکار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اقرؤا القرآن بلحون العرب واصواتها وایاکم ولحون اهل العشق واهل الکتابین[1] (ترجمہ قرآن شریف کو عرب کے طریقہ اور ان کے لہجہ میں پڑھو عاشقوں اور اہل کتاب کے طریقوں سے بچو)

یعنی ایسے لحن سے منع فرمایا ہے اور اس کو لحون عرب سمجھنا خطا عظیم ہے۔ جیسا شراح حدیث نے تصریح کی ہے بلکہ یہ لحن اہل عشق و اہل کتاب میں داخل ہے جس کو منع فرمایا ہے اور اگر یہ لحن عرب ہوگا تو لحن اہل عشق کون ہوگا؟ پس خود حدیث کے الفاظ تو اس زعم کا تخطیہ کر رہے ہیں۔ اور لہجہ کا اہتمام تجوید میں تفریط ہے اور بعضے حقیقت صحیح سمجھتے ہیں۔ مگر فرش ابحاث کے ایسے متی لعت ہیں کہ اس کا اہتمام بلیغ کرتے ہیں کہ تحسین فوت نہ ہونے پائے اور کسی کو ذرا تحسین صوت کرتا دیکھتے ہیں تو اس پر گانے کا طعن کرتے ہیں اور یہ تجوید میں افراط ہے۔ مثل تفریط مذکور کے یہ بھی نصوص کے خلاف ہے

حسن صوت اور گانے کا فرق

زینوا القرآن باصواتکم اور نیز حدیث [illegible] قرآن شریف کو اپنی آوازوں کے ساتھ زین

[1] مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۹۱ عن حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحوالہ بیہقی ۲۳ محمد علی غفرلہ۔

کرو: اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عرض پر کہ لو علمت انک تستمع لقرائتی لحبرته لك تحبیرا (وغیرہ) (اگر میں جانتا کہ آپ میری قرأۃ سن رہے ہیں تو میں اس کو اور سنوارتا) آپ کا انکار نہ فرمانا حدیث تقریری اس تحسین صوت بالقصد کی مشروعیت و مطلوبیت میں نص صریح ہیں۔ اور یہ ہی ہے وہ تغنی جس کا امر چند حدیثوں میں مروی ہے اور اس میں اور گانے میں فرق ظاہر ہے یعنی گانے میں تو لہجہ مقصود ہوتا ہے اور دوسرے قواعد تابع ہیں۔ اگر لہجہ کے بنانے میں قواعد جاتے رہیں تو پروا نہیں کی جاتی اور تحسین صوت میں قواعد مقصود اور حسن صوت تابع ہے یعنی اگر قواعد کو محفوظ رکھ کر خوش آوازی ہو سکے تو اس کی رعایت کی جاتی ہے ورنہ اس کی پروا نہیں کی جاتی ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔ اور بلا قصد اگر کسی شخص کی قرأۃ کا کوئی جز کسی قاعدہ موسیقی پر بھی طبیعت کے تناسب یا موزونیت کی وجہ سے منطبق ہو جاوے تب بھی وہ گانے میں داخل نہیں، جیسا کہ خود قرآن مجید میں شعر کی جا بجا نفی کی گئی ہے، مگر بعض عبارت یقیناً اوزان شعر پر منطبق ہیں۔

جیسے ثم اقررتم وانتم تشہدون ثم انتم ھؤلاء تقتلون (البقرہ ۸۵) (پھر تم نے اقرار کر لیا اور تم جانتے ہو پھر تم وہ لوگ ہو کہ ویسے ہی خون کرتے ہو آپس میں) فاعلاتن فاعلاتن فاعلات پر منطبق ہے مگر باوجود انطباق، ہرگز اس کے پڑھنے والے کو شعر کا پڑھنے والا نہ کہا جائے گا۔

البتہ اگر بقصد تطبیق پڑھے گا شعر پڑھنے والا، اور قرآن میں ایسا کرنے سے ناجائز فعل کا ارتکاب کرنے والا کہا جائے گا۔ بس یہی علامت لہجہ کی بالقصد تطبیق کے ہے غرض اس چوتھی کوتاہی کی دو جانبیں ہیں۔ تفریط، افراط، دونوں سے بچنا یہ وہ ہے جس کو لحون عرب واصواتہا (عرب کا طریقہ اور ان کی آوازیں) فرمایا گیا ہے۔

تجوید بلا اخلاص ؟

پانچویں کوتاہی یہ کہ بعضے تجوید پر قدرت حاصل کر لیتے ہیں۔ مجالس یا حالت امامت میں جب پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے اس پر عمل بھی کرتے ہیں مگر جب خلوت میں تلاوت بحالت

انفراد میں نماز ادا کرتے ہیں، اس وقت اس کی طرف التفات بھی نہیں کرتے جس سے معلوم ہو کہ قرآن کی تصحیح سے غرض رضائے حق بھی ہے یا رضائے خلق۔ کیا کسی عمل کے لیے ثمرہ کے ترتب کے لیے قوت و استعداد کا مرتبہ کافی ہے؟ یا صدور و فعلیت کی ضرورت ہے؟ کیا تجوید پر صرف قدرت ہونے سے تجوید کے ثمرات مثل ادائے واجب و تحصیل اجر و رضائے حق و ادائے حق حاصل ہوسکتے ہیں؟ یا اس کے عمل و ابراز کی بھی ضرورت ہے؟

کیا کسی عاشق کو محض نسخہ کے یاد کرلینے سے صحت ہوتا ہوا بھی دیکھا ہے؟ یا اس کے استعمال کی بھی ضرورت ہوتی ہے؟ بالخصوص سری نمازوں میں تو غنہ اور مد و اظہار و اخفاء کا تو کیا ذکر ہے، غالباً بلکہ یقیناً مخارج و صفات حروف پر بھی نظر نہیں ہوتی جو کہ لوازم حروف سے ہیں اور وہ نہیں تو حروف نہیں، اور جب حروف نہیں، جو کہ اجزاء لفظ ہیں تو قرآن کی عبارت نہیں جو کہ مرکب تھی، اور جب عبارت نہیں تو قراءت نہیں، تو نماز کہاں؟ فلیتدبر اولو الالباب (یاد رہے غور و فکر کریں) مسئلہ کی بنا عام کو پیش نظر رکھ کر اس پر فتویٰ نہ دیا جاوے یہ دوسری بات ہے مگر ترک واجب کے گناہ سے بچنے کے لئے بھی عموم بلوی کافی ہوسکتا ہے۔ وہ محض نابینا کی (اس کی گنجائش دیتا ہے؟) اور اگر مستحبات سے قطع نظر کی جائے مگر ضروریات کی حفاظت سے تو چارہ نہیں!

معانیٔ قرآن سے غفلت

بعض کوتاہی یہ ہے کہ قرآن کے معنی جاننے کی رغبت جس قدر کم پائی جاتی ہے، قریب قریب نہ ہونے کے ہے، سخت افسوس کی بات ہے! کہ جو اصل جز ہے اسلام کا، جو منبع ہے تمام دینی علوم کا، جو اساس ہے دنیا و دین کے فلاح کا، جو خاص طور پر ہے معاملہ و خطاب کا، اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کی امت کو تدبر و تذکر کا شوق، ہماری اس جمود و خمود کی کوئی انتہا بھی ہے!...... شاید بعض طالب علم نا ذکر تھے کہ ہم کو تو شوق تھا جب ہم نے تفسیر پڑھی سو کہنا تو درست ہے۔ اور نقصان سے کہنا اور بات ہے۔
اگر انصاف سے غور کریں تو اس کا نام رغبت رکھنے سے خود ان کو شرم آوے گی۔ غرض

کرکے بتادیں کہ اگر تفسیر درس میں داخل نہ ہوتی، کیا اس وقت بھی پڑھتے؟ چنانچہ جو کتاب تفسیر کے درس میں داخل ہے۔ اس سے زیادہ بھی کوئی پڑھتا ہے؟ بلکہ اس سے بھی مختصر لینے پر نظر ہوتی ہے۔ مگر آخر سال میں پانچ پارے جلالین کے رہ جاویں تو کیا آئندہ سال یا پھر کبھی موقع پر اس کو پڑھتے ہیں؟ یا سرسری کر کے جلالین ہی ختم کرلی، تو کیا تمام ضروری مضامین پر اس سے عبور ہو گیا؟

کیا مدارک یا ابو السعود یا بیضاوی شریف[2] میں کوئی مضمون جلالین سے زائد نہیں ہے، پھر اس کو کوئی پڑھتا ہے؟ میں سچ کہتا ہوں، اگر جلالین بھی درس میں نہ ہوتی تو اس کو کوئی بھی نہیں پڑھتا، اور جلالین بھی پڑھی تو کیا پڑھی؟ اس کو ختم کرکے اتنی استعداد بھی تو نہ ہوئی کہ اگر جلالین کے خالی غیر مترجم قرآن ان کے ہاتھ میں دیدیا جائے کہ ایک رکوع کا ترجمہ اور ضروری حل کر دو، تو اس کو حل کر سکیں؟ ہرگز نہ کر سکیں گے۔ ہاں جلالین منگا کر دے دو، تو کچھ حل دیکھ کر لیں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کے معنی مقصود حاصل کرنے نہ تھے، بلکہ جلالین مقصود تھی۔ پھر کیا اس کو شوق و رغبت قرآن کہا جا سکتا ہے؟ میری رائے میں خاص اس جزو کو بدون جلالین کے مطلب قرآن نہ بیان کر سکیں گے۔

اہل مدارس کو مشورہ

مناسب یہ ہے کہ اہل مدارس طرز تعلیم میں کچھ ترمیم کریں، جیسے بعض متون بدون شرح کے پڑھائی جاتی ہیں، اسی طرح جلالین سے پہلے قرآن مجید بھی بدون کسی خاص تفسیر کے زبانی حل کے ساتھ پڑھایا جایا کرے[1]۔

یا تو پورا قرآن پہلے پڑھا دیا جائے یا ایسا کریں کہ مثلاً ربع پارہ اول خالی قرآن میں پڑھا دیا پھر اسی قدر جلالین پڑھا دی اور مدرس اپنی سہولت کے لئے خواہ جلالین پاس رکھیں یا اور کوئی بڑی تفسیر، تو طلباء کو اسی طرح پڑھنے میں اسی طرح یاد کرنے کی اور مطالعہ کرکے حل کرنے کی عادت

---

[1] الحمد للہ دار العلوم کراچی میں شروع ہی سے اس مبارک طریق پر کام جاری ہے ۱۲ محمد شفیع غفرلہ

[2] جلالین: مدارک، ابو السعود، بیضاوی، اتقان قرآن شریف کی مشہور تفاسیر ہیں ۱۲ محمد علی

پڑجاوے گی۔

پس اس جزو کا بہت آسانی سے تدارک ہو جاوے گا۔ چونکہ طالبین میں تتبع فنون تفسیر کا مذاق نہیں، اس لیے کم از کم اتنا ان کو ضرور داخل درس کیا جاوے۔ یہ بیان تھا بدفہمی کی کوتاہی کا۔

معانی قرآن میں رغبت کرنے والوں کی بے پروائی۔

ساتویں کوتاہی ان کی ہے، جن کو معانی قرآن کی کسی درجہ میں رغبت ہے...... مگر کوتاہی یہ ہے کہ وہ بدون اس کے، کہ کسی استاد سے یہ فن حاصل کیا ہو یا دوسرے علوم عالیہ مدرسیہ پڑھے ہوں اردو کا کوئی ترجمہ یا تفسیر خرید کر (گو مصنف کا معتبر ہونا بھی محقق نہ ہو یا اس میں احتیاط بھی کی ہو) بطور خود اس کا مطالعہ شروع کر دیتے ہیں۔ پھر ان میں بھی دو قسم کی جماعت ہیں — ایک معتقد عوام کی — دوسرے کچھ انگریزی پڑھ کر یا انگریزی خوانوں کے پاس رہ کر خود اجتہاد کا دعویٰ کرنے والے — مشترک خرابی تو یہ ہے کہ اس حالت میں فہم معانی میں بکثرت غلطیاں رہ جاتی ہیں چنانچہ اس پر واقعات کثیرہ شاہد ہیں۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ

(۱) اول تو ایک زبان جب دوسری زبان میں ترجمہ ہو کر آتی ہے۔ ضرور بعض خصوصیات اصلی رنگ پر نہیں رہتے۔

(۲) دوسرے بہت سے مقامات میں خود اجمال ہے، جو بدون تفصیل کے وجوہ متعددہ کو محتمل ہوتا ہے۔ بعض وجوہ کی تعیین بلا دلیل کر لی جاتی ہیں، جس طرح قانون کی کوئی کتاب اردو کے بڑے فاضل کو دی جائے اور وہ اس کو بیان کرے مگر قانون دان اس کو سن کر بہت جگہ غلطی بتلاوے گا۔

(۳) تیسرے یقیناً فہم قرآن میں بعض دوسرے فنون نقلیہ و عقلیہ کی حاجت ہے، جو شخص ان سے بے خبر ہے وہ قطعاً غلطی میں پڑے گا۔

دوسری جماعت میں بالخصوص یہ خرابی ہے کہ ان کی غلطی پر بھی اگر کوئی مطلع کرے تو اپنے کو اس بتلانے والے سے افضل اور عاقل سمجھ کر اس کی نہیں سنتے اور حقیقت میں جاہل ہیں اس غلطی پر جم جاتے ہیں۔ پھر بعض اوقات بنا فاسد علی الفاسد کے طریق پر دوسرا اور فساد کو اس پر

مسخ کر لیتے ہیں۔

طریق اصلاح

ان دونوں یعنی چھٹی اور ساتویں کوتاہی کے مجموعی کی اصلاح یہ ہے کہ اگر کسی قدر علم یا صحبت علماء کی برکت سے فہم صحیح حرف شناسی حاصل ہو، تب تو کسی محقق عالم سے کوئی ترجمہ یا مختصر یا متوسط تفسیر دریافت کر کے ان ہی عالم سے سبقاً سبقاً تمام قرآن کا ترجمہ یا تفسیر خوب سمجھ کر ختم کر لیں اور جن مقامات میں باوجود سمجھانے کے سمجھ میں نہ آویں، یا کچھ شبہ رہے، اس کے درپے نہ ہوں، بس زبانی مقصد شرعی، اس عالم سے دریافت کر کے اس پر اعتقاد رکھ کر تفتیش چھوڑ دیں۔ اور ایسے مقامات پر نشان بنا دیں۔ پھر جب تلاوت کریں تو تھوڑا سا مطالعہ اس ترجمہ یا تفسیر کا بھی کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس طرح معانی قرآن سے مناسبت بڑھ جاوے گی کہ یاد و فہم دونوں میں سہولت اور ترقی ہوگی اور دونوں میں سہولت اور ترقی ہونے سے طبعاً رغبت بڑھے گی، پھر وہ عمل آسان ہو جاوے گا اور تدبر و عمل میں بھی جن کا ذکر آگے آتا ہے اس سے اعانت ہوگی۔ اور اگر اس قدر استعداد نہیں ہے تو پھر اس کے معانی پر مطلع ہونے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ

معانی قرآن پر مطلع ہونے کا سہل طریقہ

چند اشخاص مل کر، اگر کوئی عالم بلا تنخواہ میسر ہو جاوے تو فبہا، ورنہ تنخواہ پر رکھ کر ان سے استدعا کریں کہ روزانہ یا چوتھے پانچویں روز معین وقت پر ایک یا نصف رکوع کا خلاصہ، مطلب، عام فہم زبان میں بطور وعظ فرما دیا کریں۔ اسی طرح قرآن کو ختم کر دیں۔ اگر ہمت ہو تو پھر دوبارہ شروع کر دیں اور جو شبہ پیدا ہو، اس کو زبانی پوچھیں جو سمجھ میں نہ آوے اس کو چھوڑ دیں اور حکم شرعی پوچھ کر اس پر کاربند رہیں۔

قرآن کے الفاظ و معنی میں کوتاہیاں۔

آٹھویں کوتاہی جو الفاظ و معنی دونوں کے متعلق ہے وہ یہ ہے ـــــ کہ بعضے لوگ الفاظ

یہ معانی کو کسب دنیا کا ذریعہ بناتے ہیں مثلاً

- بعض تراویح میں اجرت پر سناتے ہیں۔
- بعضے مردوں پر پڑھ کر اجرت لیتے ہیں ـــ یہ طلب مال تھا۔
- بعضے تعریف کرانے کی غرض سے مجالس میں یا محافل میں بنا بنا کر پڑھتے ہیں ـــ یہ طلب جاہ ہے، اور یہ سب الفاظ کے ذریعہ سے ہے۔
- بعضے واعظ کہہ کر نذرانہ لیتے ہیں۔ بلکہ پہلے ہی نرخ طے کر لیتے ہیں۔
- بعضے شہرت کے لئے وعظ کہتے ہیں ـــ یہ معانی کے ذریعہ مال یا جاہ کی تحصیل ہے

مسئلہ منصوصہ و اجماعیہ ہے کہ طاعت پر اجرت لینا اور اسی طرح کا ریاء کرنا معصیت ہے البتہ انفاقہ میں تعلیم پر اجرت لینا بجواب متقی ہے اور تدریس پر اجرت لینا منافی عقیدہ میں اعمال الدینیہ ... اسی طرح مسائل میں اگر وعظ کا ذکر ہی ہو اس وقت تنخواہ لینا بھی مستثنیٰ ہے۔ یہ مستثنیٰ اور بعض کتب فقہیہ میں جو مذکور (واعظ) کو کچھ مال لینے کی اجازت لکھی ہے۔ اس کا محمل یہی ہے ورنہ جزئیہ کے کلیہ سے غیر مجتہدین کو کسی جزئیہ کا استثنا کرنا جائز نہیں ہے۔

اصلاح کی ضرورت

اس کی اصلاح میری رائے میں دو ہیں۔

ایک یہ کہ ایسے لوگوں کو کوئی دنیا کا کام بھی سکھلایا جائے تاکہ وہ مضطر ہو کر دین کو عرضہ نہ بنائیں۔ اور اس کے لئے سہل صورت یہ ہے کہ امراء چندہ کر کے جا بجا صنعت و حرفت کے مدرسے کھلوا دیں اور بچپن ہی سے سب کو کوئی نہ کوئی دستکاری ضرور سکھلائی جاوے۔

دوسری یہ کہ جو کسی وجہ سے نہ سیکھیں یا سیکھنے سے معذور ہوں اور کسی شغل و خدمت دین ہی کے لئے فارغ ہوں تو ذی حیثیت لوگوں کو ان کی خدمت کرنی چاہیے تاکہ ان کی ضروری حاجات تو پوری ہوتی رہیں تاکہ ان کی نیت بگڑنے نہ پاوے۔

یہ تو ہی الفاظ و معانی کے متعلق کوتاہی جس میں الفاظ و معانی کو بحال خود باقی رکھ کر اس سے دنیوی غرض حاصل کی گئی۔ اس سے اقبح اور اشنع وہ ہے کہ ایسی اغراض مال و جاہ کے لئے

الفاظ یا معانی میں تحریف کا ارتکاب کیا جائے، جیسے بعض جاہل حفاظ کو دیکھا جاتا ہے کہ امتحان کے طور پر پوچھا کرتے ہیں...... کہ بتاؤ کہ الحمد میں شیطان کا نام کے جگہ آیا ہے؟ پھر خود ارشاد فرماتے ہیں کہ سات جگہ،

- دُبل
- ہُرب
- کنس ملہ
- کنع

اسی طرح سات گنوا دیتے ہیں ــــ جیسے انہوں نے اول کو ترتیب دی ہے۔ الحمدُ کے آخر اور للہ کے اول سے اور ہرب کو للہ کے آخر اور رب العالمین کے اول سے اور کنع کو ایاک کے آخر اور نعبدُ کے اول سے اور کنس کو ایاک کے آخر اور نستعین کے اول سے......

اس کے لغو ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ یہ امر قیاسی تو ہے نہیں، نقل کی ضرورت ہے۔ پس ان سے صحیح نقل کا مطالبہ کافی ہے۔

بچپن میں ایک حافظ صاحب سے سنا تھا کہ بتلاؤ، چکوڑی کہاں آیا ہے؟ پھر فرمایا من قبلک وبالآخرۃ الخ

ایک صاحب نے فرمایا تھا کہ قرآن میں ایک جگہ ہے ادھر اللہ ادھر اللہ، بیچ میں اونٹنی کا بچہ یعنی اس آیت میں فقال لہم رسول اللہ ناقۃ اللہ (الشمس ۱۳) پھر کہا ان کو اللہ کے رسول نے، خبردار رہو! اللہ کی اونٹنی سے) اور بہت سی ایسی خرافات گڑھ رکھی ہیں۔ یہ تصرف فی الالفاظ ہے۔

معانی میں تصرف فاسد

بعضے معانی میں تصرف فاسد کرتے ہیں، جیسے محض بعض لوگ شہرت یا تجارت کے لئے قرآن مجید کا ترجمہ یا تفسیر محض اپنی رائے سے یا اہل زمانہ کے مذاق کے اتباع سے لکھ کر شائع کرتے

ملہ پانچوں نام کیونکہ جیسا نقل اور سنا قرآن میں نہیں ہے ۱۲ مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب مدظلہ

جب دورِ حاضر میں زمانہ میں اس کا مصداقِ عظیم ہو رہا ہے، انہوں نے تو ترجیح کر دی ہے کہ جب تک قرآن عربیہ یعنی مروجہ تفسیریں کو تعداد اُن کی بڑھا، بغیر کتب تفسیر سے طاقت و مہارت نہ ہو تو تفسیر میں کلام الٰہی ہے۔ کیا ان کی تحقیق سے تراجم و تفاسیر کرتے نہیں ہیں؟ بجائے اس کا مصداق ہو کر ضرورت کی حاجت ہوئی ہے

قد طلعت الشمس مغنیک عن زحل

سورج کے ہوتے ہوئے زحل کی کیا ضرورت ہے؟

اس لئے ساتویں کوتاہی کے آخر پر جو مضمون عرض کیا ہے اس کو پھر یاد دلاتا ہوں کہ ——— ایسے مروجہ تفاسیر کی خرابیوں میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

آدابِ تلاوت میں کوتاہیاں

نویں کوتاہی یہ ہے کہ اس کی تلاوت کے وقت اس کے آداب کا لحاظ نہیں کیا جاتا نہایت بے دلی سے، بے رغبتی سے، بے عظمتی سے، جتنا پڑھا ہوا جھٹ پٹ پوچھا تاکہ ختم کر کے بچھ کر بیٹھے ہوئے۔ بالخصوص رمضان میں تو بعض حفاظ ایسا پڑھتے ہیں کہ قرآن کے حقوق بھی فوت ہو جاتے ہیں اور مقتدیوں کے حقوق بھی!

بعض نے تلاوت میں ایک اور طریقہ اختراع کیا ہے کہ ——— ایک نے ایک آیت پڑھی دوسرے نے دوسری، غرض کبھی ایک نے آیت کا ایک ٹکڑا پڑھا اور دوسرے نے پورا کیا، بعض دفعہ سب مل کر گلا ملا کر پڑھتے ہیں اور ہر ایک کی سانس پہلے سے دوسرا آگے بڑھ گیا تو وہ پھر وہاں سے آگے چھوڑ کر آگے سے شریک ہو جاتا ہے۔

یہ سب ظاہر ہے کہ ادب قرآن کو ضائع کرنا ہے اور اس میں تخلیط مع ... کلمات اور خلط بالغیر جو مفاسد عظیمہ ہیں۔

تلاوت کے آداب

تلاوت کے آداب بہت ہیں مگر طریق ذیل انشاء اللہ تعالیٰ سب کا جامع ہے۔

* - جب قرآن پڑھنے کا ارادہ کرے، وضو کرکے رو بقبلہ، اگر سہل ہو، ورنہ جیسے موقع ہو خشوع کے ساتھ بیٹھے۔

* - یہ تصور کرے کہ حق تعالیٰ مجھ کو فرمائش کرتے ہیں کہ تم مجھ کو پڑھ کر سناؤ۔

* - یہ تصور کرے کہ اگر کوئی مخلوق مجھ سے ایسی فرمائش کرتی تو میں کیسا پڑھتا؟ تو حق تعالیٰ کی فرمائش میں اس کی تو زیادہ رعایت چاہیے اور اس کے بعد تلاوت شروع کرے۔

اور جب یہ تصور ضعیف ہو جائے تلاوت بند کرکے اسی مراقبہ کو پھر تازہ کرے، البتہ اگر کثیر تلاوت مقصود ہو اور اتنی ہمت نہ ہو کہ مقید ہو کر بیٹھ سکے تو ان آداب میں تخفیف ہو سکتی ہے۔ مگر تجوید بقدر واجب میں تخفیف جائز نہیں۔

عمل سے غفلت

دوسری کوتاہی یہ ہے کہ بعضے سب طرح کے ادب ادا کر لیتے ہیں مگر جو قرآن سے مقصود عظیم ہے، اور قرآن کا سب سے بڑا حق ہے یعنی — عمل، اس کا کچھ بھی اہتمام نہیں کرتے، چونکہ اس کے اختیاری ہونے کی ضرورت میں کسی کو کلام نہیں اس لئے ہم اس میں تطویل نہیں کرتے۔ البتہ یہ امر قابل تنبیہ ہے کہ عمل کا طریقہ وہی معتبر ہے جو سلف نے بتایا، اور عمل کرنے میں ان سب علوم کو دخل ہے جن کا صحیح و حجت ہونا خود قرآن نے بتایا ہے یعنی حدیث و فقہ و کلام و تفسیر بعض تصوف، جو سلف کے خلاف نہ ہو۔

افسوس! بعضے لوگ اس وقت قرآن کا اتنا ہی حق سمجھتے ہیں کہ اس کی قسم کھالی، بیمار کو اس کی ہوا دے دی، اس سے فال نکال لی، بچہ کا نام نکال لیا، چوری کے شبہ میں لوٹے پر یسین پڑھ کر اس کو گھما دیا، کوئی مر گیا دو چار ختم پڑھوا دیئے۔ یا کہیں کہیں دستور ہے کہ ایک قرآن کے عوض میت کے سارے گناہ فروخت کرا لئے یا تعویذ بنا کر بازو پر باندھ لیا۔

افسوس! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تیئیس سال تک اس کا نزول اور صحابہ و تابعین کی ذات پر عمل بس ان ہی مقاصد کے لئے تھا؟؟

یہ دس کوتاہیاں ہیں جو علوم قرآنیہ کے بیان کی گئیں ہیں میں ایک ہے، کسی میں مشغول کسی

جن کا مجموعہ ... یہ سب متعلق تحسین کے تھیں۔ اب اس کے مقدمات میں سے ایک کتابی اصطلاح کے متعلق
ذکر کر کے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

الفاظ و معنی کے آداب میں کوتاہیاں

دوسرا عیب قرآن مجید کی بے ادبی یہ ہے کہ اس کے الفاظ یا معنی کا ادب بھی ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ جہاں چہ جہری نمازوں میں قرأت امام کی طرف توجہ نہیں کی جاتی حالانکہ امر فاستمعوا ہے (سورہ اعراف ۲۰۴) ذرا اس کی طرف کان نہیں لگاتے رہتا کہ اپنی نماز کے رکوع سجدہ کے لئے پایا ہے، خارج نماز کے تلاوت کرنے والے کی آواز پر اپنے دنیوی مکالمات میں آواز بلند کی جاتی ہے حالانکہ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (سورہ الحجرات ۲) یعنی بلند کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز سے، علماء نے درس حدیث کے وقت رفع صوت کو منع کیا ہے، فضلاً عن القرآن، چہ جائیکہ قرآن کا پڑھنا۔

کوئی پڑھنے والا غلط پڑھتا ہے اس کو بتلایا نہیں جاتا۔ حتیٰ کہ سامعین تراویح اپنے مقتدیوں سے سنتے ہیں اور نہیں ٹوکتے، اور غلطیاں بکثرت رہ جاتی ہیں۔۔۔
بعض حفاظ تراویح میں دوسری جگہ جا کر پڑھنے والوں کو بھی کھنکار کر بھی غلط بتلا کر پریشان کرتے ہیں، کیا قرآن مجید سننے کا یہی ادب ہے؟

اور اسی طرح استماع معنی یعنی وعظ کے وقت بعضے آدمی آپس میں باتیں کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ [illegible] اور جب قرآن پڑھا جائے۔ اور یہ فلا تقعد بعد الذکریٰ [illegible] معرضین [illegible] ہے ان کو کہ نصیحت سے منہ موڑتے ہیں۔ یہ حرام ہے بالکل [illegible] یا اٹھ کر چلے جانا۔ معاملہ نہیں وہاں سے فوراً دوسری طرف مشغول ہونا یہ مذموم ہے۔
غرض یہ سب مذکورہ کوتاہیاں اور جہاں [illegible] ان سب کا ترک کرنا ضروری ہے۔ جیسا ہم مضمون کے عنوان میں [illegible] آسمان پر بھی جاتے ہیں، ورنہ اندیشہ ہے کہ قیامت میں کہیں ہم ہی شکایت نہ ہو۔ وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا هذا القرآن مهجورا (الفرقان ۳۰) [illegible] اے میرے رب میری قوم نے ٹھہرایا تھا اس قرآن کو جھک جھک [illegible]۔

نعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسول اللہ (یعنی ہم اللہ کے غضب سے اور اللہ کے رسول کے غضب سے پناہ پکڑتے ہیں) مگر وقت ہوگا کہ لا ینفع النادم ندمہ حیث ان الندم عمل وهو دار الجزاء لا دار العمل۔ اللّٰھم وفقنا لما تحب وترضی واجعل آخرتنا خیرا من الاولی (یعنی شرمسار کو شرمندگی نفع نہ دے گی اس وجہ سے کہ ندامت ایک عمل ہے اور وہ دار الجزاء ہے نہ کہ دار العمل)۔

قرآن سے نام نکلوانا ادب کے خلاف ہے

نیز بعض متفرق کوتاہیاں قرآن مجید کے معاملہ میں کہ جس کے الفاظ یا معانی یا حقوق یا اس کے مقاصد واغراض ادب کے خلاف ہیں۔ اور بھی عوام میں آئیں وہ بلا کسی خاص ترتیب کے معروض ہیں۔

(۱) بعض کی عادت ہے کہ بچہ کا نام رکھنے کے لئے قرآن مجید میں کسی خاص طریقہ سے جو خود ان کا مقرر کیا ہوا یا ان کے کسی معتقد فیہ (عامل) سے کہ اس اعتقاد کی بنی صحیح ہو یا غلط) منقول ہوتا ہے غور کرتے ہیں تو اتفاق سے اس موقع پر کوئی نام لکھا ہوا مل گیا تو وہ ورنہ کوئی حرف جو شروع سطر وغیرہ میں مل گیا اس کو اس حرف سے جو نام شروع ہو وہ نام متعین کر دیتے ہیں۔ اور اگر جاہل ہوئے تو خود دیکھتے ہیں ورنہ دوسرے جاہل کو یہ لکھاتے ہیں کہ قرآن مجید سے اس نام کا نکلوانا ہے جسے اس نام نکلوائی پر کچھ نذرانہ بھی وصول کرتے ہیں اور جہلاء یہ سمجھ لیتے ہیں کہ حضرت نے بڑی توجہ سے علم غیب کا راز معلوم کر دیا ہے ان کی خدمت ضروری ہو گئی ہے۔ —— قرآن مجید میں جس غرض کے لئے موضوع نازل ہوا ہے جس کی تصریح خود کلام مقدس میں ہے۔ کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا آیاتہ ولیتذکر اولوا الالباب (ص ۲۹) (یعنی یہ برکت والی کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے تاکہ دھیان کریں لوگ اس کی باتوں پر اور تاکہ سمجھیں عقل والے)۔ جس کا حاصل دین کا علم وعمل ہے۔ اور اگر اس پر زائد کوئی شخص کو شفاء اور برکت کے لئے اپنی کسی مباح غرض میں بھی اس سے کچھ اقتباس کرے تو مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ جس میں کسی حدِ شرعی سے تجاوز نہ ہو لیکن قرآن مجید سے ان اغراض میں ایسے طور پر کام لینا کہ یا تو

سی کام کا نام دیا گیا ہے۔ جس کا قرینہ اور علامت یہ ہے کہ اس کے علم اور اس پر عمل کی طرف کبھی توجہ نہ کی جائے مگر ایسے موقعوں پر قرآن یاد آئے کیا یہ ظلم (وضع الشئی فی غیر محلہ) بے جا استعمال نہیں ہے؟ پھر کیا یہ امر مزید تشریح سمجھا جائے کہ اس بچہ کا یہ نام ہونا یہ مفہوم قرآنی ہے۔ کیا یہ افتراء علی اللہ نہیں ہے؟ خاص کر وہ دوسری صورت کہ اگر حرف خ۔ نکل آیا تو خواہ مخواہ نام کو قرآن مجید کی طرف منسوب کرنا افتراء در افتراء ہے۔۔۔۔

پھر اس پر کچھ وصول کر لینا گویا اور نیم چڑھا کی مثال کا مصداق ہے۔ کیا یہ اشتراء دنیا بالقرآن کی قبیح الافراد نہیں ہے؟

مگر نام برکت کا مقصود ہے اول تو وہ قرآن کے ایسے مطالعہ پر موقوف نہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے نام پر نام رکھو۔ (وہ اسمائے حسنیٰ الٰہیہ) میں سے کسی نام کے ساتھ عبد لگا کر رکھو۔ بالخصوص عبداللہ و عبدالرحمٰن کی بالتعیین ترغیب وارد ہے۔ خود اگر قرآن سے ہی اس نام کا تلاش منظور ہے تو کسی عالم محقق سے رجوع کیجئے۔ وہ قرآن کے کسی مضمون یا کسی لفظی مناسبت کے لحاظ سے خواہ قرآن دیکھ کر ایسے طریقہ سے کہ اس میں غلطی نہ ہو جیسا مضمون نمبر ۲ میں آ چکا ہے۔

یا قرآن کی بے دیکھے کسی اپنی محفوظ آیت سے کوئی نام بتلا دیں گے۔ نہ جس کی ضرورت اور نہ کسی اعتقاد کی اجازت کہ قرآن میں اس نام رکھنے کا حکم نکلا ہے

اس قسم کی خرابیاں ان بندگان زر نے پھیلائی ہیں جو عوام کی نظر میں کوئی دینی امتیاز رکھتے ہیں مثلاً خود مکر و فریب سے پیر بن گئے ہیں یا کسی بزرگ کی اولاد میں ہوتے فی الوقت یا الاتر نا ہے، ان کی نسبت حضرت عارف شیرازیؒ کا ارشاد ہے۔

دام تزویر مکن چوں دیگراں قرآں را (قرآن کو دوسروں کی طرح فریب کا پھندہ نہ بناؤ)

ؔ خواجہ حافظ شیرازی بحیثیت شمس الدین ... ان کی زندگی میں سات بادشاہ یکے بعد دیگرے حکمران ہوئے۔ حافظ قرآن، عارف باللہ تھے، تفسیر کشاف کا حاشیہ لکھا۔ معقول و منقول کی تعلیم کا مشغلہ ... ۷۹۱ھ / ۱۳۸۹ء میں وفات پائی ... خاک مصلیٰ سے ... برآمد ہوتی ... ۷۹۱ یعنی اس کی تاریخ کو خاک مصلیٰ سے تلاش کرو۔ ۱۲ محمدی

قرآن سے فال نکالنا

(۲) بعضے کسی مقصد میں یا بغیر حاجت ہی ازراہِ تفنن یا مصلحت پہلو کی تعیین کے لئے اور بعضے اس سے بڑھ کر کسی گذشتہ واقعہ کے معلوم کرنے کے لئے قرآن مجید میں فال دیکھتے ہیں اس کے کسی مضمون سے اپنے مطلب کے مناسب کوئی بات نکال لیتے ہیں، اور اس کی صحت کے معتقد ہوتے ہیں۔

افسوس! یہ آفت نیم علم لوگوں میں ہے، کیونکہ بے علم آدمی مضمون ہی کو نہیں سمجھے گا جو ماخذ ہے فال کا، بجز اس کے کہ نام لکھا ہوا دیکھ لینا یا کسی حرف کا کوئی نام صحیح لینا یہ تو عامی بھی کر سکتا ہے۔

اب زبردستی کوئی بے علم یہاں بھی بین السطور ترجمہ دیکھ کر یا کسی ذی علم سے اس آیت کا ترجمہ پوچھ کر نیم علموں میں داخل ہو جائیں تو اور بات ہے۔

بہرحال یہ کام وہ کریگا جو اول قرآن کو الٹا سیدھا سمجھ سکے اس لئے ان لوگوں پر زیادہ افسوس ہے، اور اس ناتمام علم سے اس کو، استخارہ پر قیاس کیا جاتا ہے جب مقیس علیہ ثابت نہ ہو مقیس کیا جائز!

بعض فال دیکھنے والوں کا یا اکثر ان عام لوگوں کا جو جلسۂ فال میں موجود ہوں، یہ اعتقاد ہوتا ہے، کہ گویا خدائے تعالیٰ نے قرآن سے یہ خبر دی ہے، تو اب اس میں احتمال نقیض کا احتمال محال ہے، اور نہایت جرأت سے کہتے ہیں کہ واہ صاحب! کیا قرآن میں غلط لکھا ہے؟ افسوس! ان حرکات پر ہنسی شروع ہو کر آخر میں رونا آتا ہے!

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ نمبر ایک میں جو بعض شناعتیں مذکور ہوئی ہیں کہ ——— قرآن مجید کے علم و عمل کو چھوڑ کر، اس سے یہ کام لینا، یا اس کو مدلول قرآن اور فرمودۂ حق سمجھنا جو کہ از قسم ظلم و افترا سے ہیں، یہاں بھی یاد دلائی جاتی ہیں کہ دونوں جگہ مشترک ہیں، اور ان کے علاوہ اور بھی بعض خاص تنبیہات قابل عرض ہیں۔

قرآن مجید میں تمام علوم ہونے کے معنی

مثلاً اس شخص اس اعتقاد کے ساتھ کہ قرآن مجید میں اس واقعہ کے متعلق خبر بھی ہے۔ قرآن مجید میں تحریف معنوی لازم آتی ہے، کیونکہ ظاہر بات ہے کہ قرآن کی تفسیر دوسری چیز ہے جس میں اس واقعہ کو ہرگز دخل نہیں اور اگر یہی بات ہے ...... اگر یہ شبہ ہو کہ قرآن مجید میں تمام علوم ہیں جیسا کسی بزرگ کا قول ہے ؎

جمیع العلم فی القرآن لکن ... تقاصر عنه افهام الرجال

تمام علم قرآن میں ہے لیکن لوگوں کی ... عقلیں اس کے سمجھنے سے عاجز ہیں

سو یہ دعویٰ بھی ایک حد تک ضرور ہے، چنانچہ بعض اہل تصنیف نے قرآن مجید سے نباتات تک کی چیزیں نکالی ہیں۔ اور وہ صحیح بھی ہوئی ہیں، سو جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں تمام علوم کے ہونے کے یہ معنی ہیں مسلم نہیں کہ علم نباتات وغیرہ بھی اس میں ہے بلکہ ...... علم شرعیات میں ہے کہ قرآن ان کے تمام اصول پر حاوی ہے گو بوجہ دلالت و طریق استنباط بعض علوم میں غامض ہے کہ بعضے علماء بھی نہیں سمجھ سکتے، اس لئے دوسری ... ضرورت واقع ہوئی۔

یا بعض عرفاء کا کچھ نکات کو مستنبط کرنا تو یہ ان کی تفسیر نہیں ہے، جیسا اہل فن سے اعتقاد ہے، بلکہ دو قبیل تعبیر ہے کہ ____ ... معمول اس کے خود دقیق ہیں، جو اہل فال کے غرب میں بھی نہیں آتے۔ اور باوجود ان تمام رفعت کے پھر وہ ظنی ہیں، کیونکہ وہ خود معمول ... کشفی ہیں، جن کی ظنی ہونے پر ... کا اتفاق ہے اور ان کے کلام میں اس کی تصریح ہے، پھر اس فال دیکھنے والے کو بزرگوں کے اس قول وعمل سے استفادہ کا کیا حق رہا؟

فال اور استخارہ کا فرق؟

شناس کا مستخدمہ قیاس کرنا محض قیاس باطل ہے کئی وجہ سے، ایک تو یہ کہ استخارہ دلیل شرعی سے ثابت ہے، اور یہ طریق متعارفہ کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں۔

ف: [illegible]

دوسرے یہ کہ خود مقیس علیہ یعنی استخارہ امور غائبہ کی تحقیق کے لئے نہیں،
مثلاً کسی کے یہاں چوری ہو جائے، تو استخارہ اس غرض کے لئے نہ جائز، اور نہ مفید کہ چور معلوم ہو جائے۔ جیسا فال والے، اس قسم کی مشاقی کو نہ بطور ظرافت کے بلکہ بطور اعتقاد کے بیان کیا کرتے ہیں۔

استخارہ کے ساتھ اعتقاد باطل کا ہونا

کسی بادشاہ کا موتیوں کا ہار گم ہو گیا تھا، اس نے دیوان حافظ میں فال دیکھی، رات کا وقت تھا، چراغ ایک کنیز کے ہاتھ میں تھا، یہ مصرعہ نکلا ؎

چہ دلاور است دزدی کہ بکف چراغ دارد

یعنی   چور کتنا بہادر ہے جس کے ہاتھ میں چراغ ہے

پس بادشاہ نے فوراً اسی کنیز کو پکڑ لیا، اور تلاشی لینے سے اس کے پاس برآمد ہوا۔ اول تو ان قصوں کی کوئی سند صحیح نہیں ملتا، اگر ایسا واقعہ ہوا ہو تو اتفاق پر محمول ہوگا، کیونکہ ملازمت کی کوئی دلیل نہیں، اور اگر تجربہ سے ملازمت پر استدلال کیا جائے، تو ہم بطور معارضہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا ہوا ہے، تو جس بار اس کے خلاف ہوا کہ فال میں کچھ نکلا اور واقعہ کچھ اور تھا، تو تجربہ یعنی تکرار مشاہدہ سے ملازمت ثابت ہوئی یا عدم ملازمت!

غرض فال کا مقیس علیہ یعنی استخارہ، واقعہ گزشتہ کے علم کیلئے نہ مفید اور نہ جائز،

تا بہ فال چہ رسد

اور اگر کوئی استخارہ کو اس غرض کے لئے کیے ہوئے ہے تو وہ اپنے غلط خیال کی اصلاح کرے کہ بالکل اعتقاد باطل ہے۔

اور یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح اس سے واقعہ گزشتہ نہیں معلوم ہوتا، اسی طرح واقعہ آئندہ بھی کہ فلاں بات یوں ہوگی، معلوم نہیں کیا جا سکتا،

پس استخارہ[1] کا صرف ...... اتنا اثر ہے کہ جس کام میں تردد ہو کہ یوں کرنا بہتر ہے یا یوں؟ یا یہ کہ کرنا بہتر ہے یا نہ کرنا؛ تو اس عمل مسنون سے (کہ حاصل اس کا دعا ہے اس امر کی کہ جو میرے لیے مصلحت ہو میرا قلب اس پر مطمئن ہو جائے اور ویسا ہی سامان غیب سے ہو جائے) دو اثر ہوتے ہیں۔

* قلب کا اس شق پر مجتمع ہو جانا،
* اور اس مصلحت کے اسباب میسر ہو جانا، بلکہ خواب نظر آنا بھی ضروری نہیں۔

من قال سوی ذلک فقد قال محالا۔ یعنی جس نے اس کے علاوہ کہا بیجا کہا)

اور بعض بزرگان دین سے جو بعضے استخارے اس قسم کے منقول ہیں جس سے واقعہ صراحتاً یا اشارۃً خواب میں نظر آ جائے، سو وہ استخارہ نہیں ہے، بلکہ خواب نظر آنے کا عمل ہے۔

پھر یہ اثر بھی اس کا لازمی نہیں، خواب کبھی نظر آتا ہے کبھی نہیں۔ ——

—— اور خواب بھی اگر نظر آیا تو وہ محتاج تعبیر ہے، اگرچہ صراحت سے نظر آئے، پھر تعبیر بھی جو کچھ ہوگی وہ ظنی ہے یقینی نہیں، اس میں لئے شبہات قریب ہیں پس اس کو استخارہ کہنا یا جائز ہے اگر ان بزرگوں سے یہ تسمیہ منقول ہو، ورنہ اغلاط عامہ سے ہے۔

اسی لئے محققین ایسے امور اپنے خاص ہی لوگوں کو بتاتے ہیں کہ ان کے قلوب بھی متحد ہوتے ہیں اور عقائد بھی معتبر ہوتے ہیں، بحرمت شیخ کی بدولت غلو فی الدین (دین میں حد سے زیادہ بڑھنا) سے محفوظ ہوتے ہیں، اور وہ نیت کے قلب کے سبب ان کا مکشوفات و منام راجح الصدق ہوتا ہے جو حجت نہ ہے گی، ورنہ عوام پر تو اضغاث احلام (پراگندہ خواب) ہی غالب ہوتے ہیں

خلاف السنۃ فال وغیرہ کی بنا اور اعتقاد پر کسی مسلمان سے بدگمان ہو جانا اور کسی قول یا فعل یا خیال غیر مشروع کا مرتکب ہو جانا یہ خاص خرابیاں اس عمل فال میں ہیں اور یہی حکم ہے عارفین کے کلام سے فال لینے کا عرفی عمل مروج طریق پر بالیقین مذموم ہے۔

---

[1] نماز استخارہ بعد ذیل دعا ... مرتبہ بعد نماز فجر پڑھا کرے اور اپنے جائز مقصد کے لئے دعا کرے ان شاء اللہ حاجت پوری ہوگی۔

یا حی یا قیوم لا الہ الا انت برحمتک استغیث اصلح لی شانی کلہ ولا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین، مرتی

اگر یہی خیال کر یہ وسوسہ ہو کہ اس تعریف سے آذان کا محض بے اصل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ احادیث میں صاف موجود ہے یعجبہ الفال الصالح وغیرہ۔ اسی طرح اکثر بعضے بزرگوں کا سے قرآن یا کلام بزرگان سے تفاؤل لینا منقول ہے۔

تو جواب اس کا یہ ہے کہ منشا اس شبہ کا اشتراک لفظی ہے، ایک شریعت کی اصطلاح ہے وہ ثابت اور ایک عوام کی اصطلاح ہے وہ غیر ثابت۔

اس ثابت بالسنۃ یعنی الاکابر کی اصل یہ ہے کہ کسی شخص کو کچھ تشویش یا فکر ہے اس وقت اتفاق سے یا کسی قصد سے کوئی لفظ خوشی کا جانبی کو اس کے کان میں پڑا یا نظر سے گزرا تو بحسب الیہ۔ سے جو امید ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس کو پہلے سے تھی وہ اس لفظ سے قوی ہو گئی بس حاصل اس کا ہے تقویت رجاء رحمت جو اس سے آگے اختراع اور ابتداع ہے۔

قرآن مجید، عملیات اور ناجائز اغراض

(۲) بعضے قرآن مجید کو ناجائز اغراض میں، بطور عملیات برتتے ہیں، یہ تو عملی تقصیر ہے اور غضب یہ کہ اس کو برا نہیں سمجھتے اور یوں کہتے ہیں کہ صاحب ہم کوئی مسئلی عمل، تو نہیں کرتے قرآن کی آیتیں پڑھتے ہیں ـــــ یہ علمی یعنی اعتقادی تقصیر ہے۔

اول تو اگر جائز ہی اغراض میں عملیات کے طور پر گو غلو کے ساتھ برتتے، یعنی نہ علم سے غرض رکھے نہ عمل سے، جب قرآن کی یہ آیتیں، تعویذ میں ہیں تو یہی غرض ہے کہ اس سے دنیا کا فلاں کام ہو جاتا ہے اور اس سے فلاں مطلب نکلتا ہے۔ جیسے بعض اوراد کے گھر میں اسی غرض سے رکھا جاتا ہے کہ

* جب کوئی بیمار ہو گیا، اس کو قرآن کی ہوا دیدی۔
* ایک مصحف نہایت خفی قلمی یا مطبوع تعویذ بنا ہوا رکھا رہتا ہے، جب کوئی بیمار ہوا گلے میں ڈال دیا۔ وقس علیٰ ذلک

ان کا بھی اس تقریر سے جو نمبر ۱ دل میں مذکور ہے غیر مؤثر ہونا ثابت ہے اور اگر وہ اغراض بھی ناجائز ہوں جیسے :-

(۱) یٰسین پڑھ کر چور کا نام نکالنا۔

(۲) ناجائز محبت پر محبت کی تدبیر یا زوجین میں یا باہم اقارب میں تفریق کی یا جواز بن شرعی مطلق دو شخصوں میں تفریق کی تدبیر کرنا۔

(۳) کسی کو ہلاک کر دینا۔

(۴) دست غیب کے ایسے عمل کرنا کہ روپے رکھے ہوئے مل جایا کریں۔

(۵) جنات کو تابع کرکے ان سے کام لینا گو جائز ہی کام ہو، اور ناجائز کا تو کیا پوچھنا...؟

پس اگر ایسے ناجائز اغراض ہوں تو ناجائز کام کے قصد و اہتمام کا معمولی گناہ تو ہے ہی جو سب جانتے ہیں، یہاں وہ گناہ اس لئے اور بھی شدید ہو جاتا ہے کہ اس شخص نے کلام پاک کو ناپاک غرض کا آلہ بنایا۔

پس یہ تو ایسی مثال ہو گئی جیسے نعوذ باللہ کوئی قرآن کو بازاری عورت کی خرچی میں دیکر منہ کالا کرے کوئی مسلمان جس میں ذرا بھی دین کی عظمت ہو اس کو جائز کہہ سکتا ہے؟

اور اگر ان اغراض کے ناجائز ہونے میں خلجان ہو تو مفصلاً اہل فتویٰ سے تسلی کر لیجئے۔

مختصراً اتنا یہاں بھی لکھے دیتا ہوں کہ قرآن پڑھ کر چور کا نام نکالنا اس عمل سے کچھ تعلق نہیں رکھتا، یہ عامل کے یا کسی صاحب مجلس کے خیال کا تصرف ہے۔ اس کا کھلا مسمریزم جاننے پر موقوف ہے اور عملیات وغیرہ جو عامل لوگ کرتے ہیں وہ اگر سب نہیں تو اکثر تو اسی قبیل سے ہیں تو اس صورت میں قرآن پڑھنا یہ نرا دھوکہ دینا ہے!

پھر یہ کہ جو نام نکلتا ہے اس کے سچ ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے جب چاہے آزما لیا جائے کہ ایک عامل کے عمل سے جس شخص کا نام نکل آیا، دوسرے کے عمل سے دوسرے شخص کا، مجوزہ شخص جیسے کہ چھپ سکتا ہو وہ اس دوسرے عامل کے پاس سے اس وقت بالکل مفقود ہو جانا چاہیئے نہ جب یہ ایسی بڑی بنا ہے تو کسی شخص کو محض اس بناء پر چور سمجھ لینا یقیناً یا ظناً کہاں جائز ہوگا؟ پھر اگر اس پر تشدد کیا یا زبان سے اور بدنام کیا

دوسرا اس کا نام لیا تو یہ گناہ دو پہلو سے شروع ہو گئے۔

دست غیب کی آمدنی اور تسخیر جنات ناجائز ہے

اور کسب و شغل مذکورین اور اعمال کا ناجائز ہونا تو محتاج بیان نہیں۔ شاید دست غیب بالمعنی المذکور یا تسخیر جنات بغرض مباح میں شبہ ہو تو سمجھ لیجئے کہ اس دست غیب میں یہ ہوتا ہے کہ جنات اس کام پر مسلط ہو جاتے ہیں کہ بعض عمل میں تو وہی روپیہ جس کو یہ خرچ کر چکا ہے وہ جہاں کہیں ہو وہاں سے اٹھا لاتے ہیں اور بعض عمل میں دوسرا روپیہ جس جگہ سے ان کے ہاتھ آئے نکال لاتے ہیں۔

سو اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص خاص اس کام کے لئے آدمیوں کو نوکر رکھے کہ چوری کر کرکے مجھ کو دیا کرو، اس نے یہی کام جنات سے لیا، ان سے چوری کرائی۔ ناجائز ہونے کا کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ اور اگر شبہ ہو کہ ممکن ہے کہ وہ جن اپنے پاس سے لاتے ہوں تو چوری کہاں ہوئی ہے، سو اول تو امکان سے دوسرے احتمالات کی نفی نہیں ہو سکتی، دوسرے اگر اپنے ہی پاس سے لاویں تب بھی ظاہر ہے کہ خوشی سے نہیں لاتے۔ ورنہ لوگوں کو لا کر کیوں نہیں دیتے، یہ شخص جبر عمل سے لاتے ہیں تو کسی کو مجبور کر کے اس کا مال لینا یہ خود حرام ہے اور اس تقریر سے تسخیر جنات کا ناجائز ہونا بھی سمجھ میں آ جائے گا۔

یعنی کسی آدمی سے جو نہ اس کا غلام شرعی ہو، نہ نوکر ہو، نہ اس کے زیر تربیت ہو کوئی کام جبراً لیا جائے گو وہ کام گناہ کا نہ ہو تو یہ ظلم اور تعدی ہے اس عامل نے اسی طرح ان جنات سے کام لیا ہے جو عمل سے مسخر ہو چکا ہے اور یہ دوسرا تو ثواب جانتا ہے کہ خدام و خادمات انبیاء سے عمل چلانا کیسے گناہ ہو گیا؟

دیکھئے اگر کوئی شخص بڑا مجلد قرآن زور سے کسی کے سر پر اس طرح نہ مارے کہ وہ مر جائے تو کیا یہ قتل اس وجہ سے کہ بواسطہ قرآن مقدس کے ہوا ہے، جائز ہو جائے گا؟ اور کیا عدالت اس پر دارو گیر نہ کرے گی؟ کیونکہ اس نے تو قرآن سے مارا ہے، اس لئے مجرم نہیں۔ بس اسی سے اس کو بھی سمجھ لیجئے یعنی اگر قرآن مجید کے علم و اسماء کو اصلی کام سمجھ کر اس پر کاربند ہوا اور کسی کو تنگ

بلکہ کسی جائز کام کے لئے کوئی آیت پڑھ دے تو ناجائز نہیں۔

قرآن مجید کو آلۂ کسب بنانا

(۱) بعض لوگوں نے قرآن مجید کو آلۂ کسب دنیا و جلب مال کا بنا رکھا ہے، مختلف طور سے۔

بعض تو تراویح میں اجرت پر سناتے پھرتے ہیں، بعضے مردوں پر بیٹھتے ہیں یا چالیسویں تک یا اس کے بعد بھی پڑھنے کا پیشہ کر لیتے ہیں، ان کا ناجائز ہونا مشکوٰۃ و مرقات و فتاویٰ میں سے معلوم ہو چکا ہے۔

بعض تو اور بھی غضب کرتے ہیں یعنی یہ بھی نہیں کہ صرف عقد اجارہ کے بعد ہی پڑھا کریں بلکہ پہلا جو پڑھا ہوا ہے، اس کو کچھ لے کر بخشتے ہیں یہ تو اچھا خاصا بیع ہے، جو اس اجارہ سے بھی بدتر ہے کہ اجارہ میں بعض اہل علم تاویل تو چلاتے ہیں مگر علت جب یہاں تو اس کی بھی گنجائش نہیں۔

بعض اس کے مطالب کے بیان یعنی وعظ پر نذرانے لیتے ہیں اور فی نفسہ اس کے جو جزو ناجائز ہوتے ہیں (سو درست اس لئے کلام نہیں کرتا) اس میں طول ہے، لیکن جو حیثیت اس کی شائع ہے کہ اس کو پیشہ مستقل بنا لیا ہے، اسی لئے سفر کرتے ہیں، زبان سے مانگتے ہیں، جس امر میں نذرانہ میں کمی آنے کا اندیشہ ہو اس کو بیان نہیں کرتے اور اسی غرض میں سہولت دیکھ کر سیکڑوں جاہل ...... واعظ بن کر خلق خدا کو گمراہ کرتے ہیں، کیا ان مفاسد پر نظر کر کے بھی اس کو جائز کہا جا سکتا ہے؟

البتہ تعلیم قرآن کی نوکری اور اسی طرح واعظی کی نوکری، اس میں اگر اور کوئی خرابی نہ ملے تو مضائقہ نہیں۔

قرآن میں تحریف

(۲) قرآن مجید کی آیات کو بعض اوقات غیر معنی مقصود میں نطقاً یا کتابۃً برتا جاتا ہے۔

مثلاً جبری پر یہ آیت تحمدی لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (التین ۹۵: ۴) یعنی ہم نے بنایا آدمی خوب سے انداز ے پر جس کا ماحصل یہ ذکر کیا ہے کہ ہماری جبری احسن تقویم یعنی عمدہ جبری ہے۔ یا کسی کتاب کی طرح پڑھی آیت تحمدی جس میں مطبع یا صاحب مطبع کے نام کے نام کے مناسب کوئی لفظ یا معنی ہوں یا کوئی شخص تحریر ہے "باؤ" یہ لکھ دیا کہ اس کی مذمت قرآن میں ہے باؤ بغضب من اللہ (البقرۃ: ۶۱) یعنی باؤ کا تقرر کیا ہے یہ سب تحریف ہے جس سے توبہ واجب ہے۔ اور بعض اوقات اس میں بعضے اہل علم جن کو کسی دوسرے فن میں زیادہ شغف ہوتا ہے کچھ ہو جاتا ہے جیسا بعض ہوئے ہیں۔

چنانچہ معترضہ ایک معتزلی کے کلام میں اس جملۂ قرآنیہ اذ لنعلم من یتبع (البقرۃ: ۱۴۳) (تاکہ اس واسطے کو معلوم کریں کون تابع رہے گا) کے مشہور اشکال کے جواب میں یہ توجیہ دیکھی ہے کہ مراد یہاں علم تفصیلی ہے جو حادث ہے، پس اب وہ اشکال نہ رہا۔ حالانکہ یہ محض تحریف ہے کیونکہ اصطلاح معتزلہ پر علم تفصیلی ہی معلومات ہے، تو اس کو علم کہنا محض اصطلاح ہے لغوی معنی کے اعتبار سے ہو گیا ہے۔ سو وہ معنی مصدری نہیں ہے کہ اس سے فعل کا اشتقاق ہونا صحیح ہو اور علم تفصیلی جس سے لنعلم مشتق ہو سکتا ہے، وہ معنی مصدری لغوی ہے اور اس کے معنی ہیں انکشاف ایک چیز کا، سو وہ جب حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگا اس کا مصداق و منشا انتزاع قدیم ہوگا اور اس کے مقابل جو اجمالی ہے اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے، اور جو علم اجمالی اہل معتزلہ کی اصطلاح ہے وہ عین ذات ہے۔ سو ان اصطلاحوں کے خلط سے کس قدر خبط ہو گیا۔

اسی طرح صوفیہ کی تفسیر کو تفسیر سمجھنا جائز ہے۔ تحقیق اس کی اعتراض ... کلید مثنوی میں لکھی ہے اور اقتباس یہاں اس بحث سے خارج ہے کہ حقیقت میں اس کا ایراد من حیث القرآن نہیں ہے بلکہ تشبیہ بالواردات فی القرآن وشتان بین القبیل والتبدیل۔

سلہ جناب حیدر رنجیت سنگھ والی پنجاب نے ایک صاحب سے کہا تمہارا قرآن شریف میں ہمارا بھی ذکر ہے انہوں نے کہا حضور! موجود ہے۔ دیکھیے قرآن میں کان من الکافرین — کانا تم کانا پڑھا، رنجیت سنگھ کانا تھا۔

(۵) بعض لوگ قرآن کو بے وضو چھوتے ہیں یا لکھتے ہیں، اس میں کاپی نویس اور تعویذ لکھنے والے بہت مبتلا ہیں، اسی طرح ورق پرداز و جلد بنانے والے یا پریس مین، ان سب کو باوضو رہنا چاہئے۔ ورنہ پاک کپڑے سے چھوئیں۔

(۶) بعض لوگ قرآن مجید کو پشت کی طرف یا اپنی نشست کی جگہ سے نیچے یا مبتذل جگہ پر رکھ دیتے ہیں، یا قرآن کے اوپر کوئی کتاب یا قلم دوات وغیرہ رکھ دیتے ہیں یا قرآن ہی میں ردی کاغذات یا غلاف میں قرآن کے اوپر عینک وغیرہ رکھ دیتے ہیں، یہ سب خلاف ادب ہے۔

البتہ سفر میں اگر اسباب و صندوق وغیرہ میں مستور ہو تو مجبوری بعض آداب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس پر بہت مبتذل بیٹھ کر پڑھنا خلاف ادب، رحل یا دست پر رکھ کے پڑھنے کے بہ نسبت خلاف ادب ہے، گو درجہ حرمت تک نہ ہو۔

(۷) قرآن مجید جب ایسا بوسیدہ ہو جائے کہ اس سے انتفاع ممکن نہ ہو، تو اس کو پاک جگہ دفن کر دینا چاہئے۔ محض اس پر مٹی نہ ڈالے بلکہ جس طرح مسلمان میت کی قبر میں تختے وغیرہ رکھ کر مٹی دیتے ہیں اسی طرح کرنا چاہئے۔

ایسے ہی اگر کوئی قرآن غلط لکھا ہو کہ اصلاح دشوار ہو تو اس کو بھی دفن کر دینا چاہئے اس میں اکثر لوگ جو سستی کرتے ہیں وہ یہ کہ منتشر ہو جاتا ہے اور افسوس ہے! کہ وہ ردی میں جا کر ردی والوں کی پڑیوں میں یا بچوں کے بعض کھلونوں میں استعمال کیا جاتا ہے ایسا کرنا ہم لوگوں کی سخت بے غیرتی ہے ......!

(۹) جس روشنائی میں کسی نجس چیز کا میل ہو اس سے قرآن لکھنا یا جس کپڑے میں ایسا قوی شبہ ہو اس کا غلاف بنانا یا جس رنگ روغن میں ایسی چیز ہو اس کو جلد پر لگانا سبب قساوت ہے، چنانچہ ظاہر ہے۔

(۱۰) قرآن کی کتابت یا طباعت میں تصحیح کا اہتمام کرنا ایسی بھلائی کی بات ہے جس کا ثمرہ دور تک اور دیر تک روز جاری رہے گا، جتنے لوگ پڑھیں گے اور جب تک (خواہ دو سو برس گزر نہ جائیں) یہ مصاحف رہیں گے، اس بانیِ سبب کو اس ثواب کا حصہ ملتا رہے گا۔

اس وقت ذہن میں یہی امور عشرہ حاضر ہوئے لیکن تدبر کرنے سے اور بھی نکلینگے تو انشاء اللہ تعالیٰ ان میں جو اصول کی جامعیت کی تقریر ہوئی ہے وہ امر بھی ان ہی میں داخل ہوگا۔

واللہ الموفق لکل ما یحب ویرضیٰ من عبادہ وبہ نستعین ما یحب ویرضیٰ ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں کوتاہیاں

(اصلاح معاملہ متعلق بحضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم)

آپ کے جو احسانات و عنایات امت کے حال پر متوجہ و مبذول ہیں، ان کی کمیت و کیفیت پر نظر کر کے یہ علم یقینی ہے، آپ کے حقوق امت کی گردن پر اس قدر کثیر ہیں کہ قیامت تک ان سے سبکدوشی قریب بہ محال ہے، لیکن باوجود کثرت کے وہ سب حقوق تین کلی کے احاطہ میں آئے ہوئے ہیں۔

(۱) محبت!

(۲) متابعت،

(۳) عظمت،

اور ہر چند کہ ان تینوں میں بہ اعتبار اصل حقیقت کے باہم ایسا تعلق اور تلازم ہے کہ ایک کا وجود بغیر دوسرے کے ممکن ہی نہیں، لیکن بلا خیال معنی اگر صرف صورت کے درجہ کا لحاظ کیا جائے تو یہ تینوں کبھی کبھی علیحدہ علیحدہ بھی خیال میں آ سکتے ہیں۔

اس وقت چونکہ اکثر طبیعتیں محض صورت پر قناعت کئے ہوئے ہیں، اس لئے ان امور کا جدا جدا موجود ہونا بکثرت واقع ہو رہا ہے اور اس معاملہ میں بھی بڑا جدید انقلاب ہے جس سے سلف صالح مبرا تھے، چنانچہ ان حضرات کے زندگی واقعات کو جو کہ مشہور اور کتب

احادیث میں مذکور ہیں۔

اس وقت کے اکثر مسلمانوں کے معاملات کے ساتھ اس قسم کی کچھ بے شعوری کے تحت ہی بعض کتابیں مرقوم ہوتا ہے، مولانا ذکریا نے اس قسم کی صحبت پر جو معلوم ہو سکتی ہے اور اس طرح سے اپنی انقلاب پر تنبیہ اور ان کی اصلاح کی طرف ترغیب توجہ مقصود ہے۔

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متجددین کا معاملہ

حاصل اس کا اختصار کے ساتھ یہ ہے کہ جو مغربی زمانہ کے رنگ میں رنگے گئے ہیں ان میں تو یہ کوتاہی مشاہد ہے کہ وہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف اس قدر دلچسپی رکھتے ہیں کہ دوسری اقوام یا مذہب سے مقابلہ کی گفتگو کے موقع پر آپ کی مدح کرتے ہیں یا آپ کے بعض اقوال و افعال کی تحسین کرتے ہیں، خواہ ان کی حقیقت تک ان کے ذہن کو رسائی ہو یا نہ ہو، صرف وہ حصہ جس کو تمدن سے تعلق ہے محض اس غرض سے بیان کر دیتے ہیں کہ آپ کی عظمت اور آپ کے کمالات کی عزت ظاہر ہو جاوے، اور اسی کو اسلام کی خدمت اور آپ کے ادائے حقوق کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ باقی نہ اتباع کو ضروری سمجھتے ہیں، نہ محبت کا کوئی اثر پایا جاتا ہے۔

بلکہ اتباع کو تنگ نظری اور محبت کو وحشت سمجھتے ہیں اور سبب اس کا یہ ہے کہ ان کی نظر میں سب سے بڑا مقصد ——— یہ دنیوی عزت کو دیا گیا ہے، جس کے مطلوب ہونے کا ہم کو بھی انکار نہیں، مگر کلام اس میں ہے کہ آیا وہ مطلوب بالعرض ہے یا خود مطلوب بالذات ہے؟

بہرحال چونکہ اس کو کمال بالذات سمجھ لیا ہے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی و علمی کمالات حقیقیہ عظیمۃ الشان جو ہیں ان کی نظر اسی کا انتخاب کرتی ہے اور دوسرے کمالات کا مثل محبت الٰہی و خشیت و زہد و صبر و تربیت روحانی، دیانت و ضبط نفس و دیگر فضائل عملیہ کا کبھی ان کی زبان پر نام بھی نہیں آتا۔

جس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ گویا آپ نعوذ باللہ اسی غرض کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے کہ ایک

جماعت کو قوم بنا کر اس کو دنیاوی ترقی کے وسائل کی تعلیم فرما دیں، تاکہ وہ دوسری قوموں پر غالب و فائق رہ کر دنیا میں شوکت کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔

کیا قرآن مجید و حدیث میں گہری نظر کرنے والا آپ کی تعلیم کا یہ خلاصہ نکال سکتا ہے؟

اہل اللہ کی صحبت و ملازمت کا التزام ضروری ہے

ان صاحبوں کو اپنی اصلاح کے لئے اس کی سخت ضرورت ہے کہ علماء متقین و عرفاء محققین و اہل دل کی صحبت و ملازمت کا التزام کریں اور ان کی خدمت میں کچھ عرصہ تک بالکل سکوت اختیار کر کے رہیں، خود ان کے اقوال متفرقہ و ارشادات مختلفہ سے انشاء اللہ تعالیٰ ایک بڑی فہرست خیالات کی درست ہو جاوے گی، اس کے بعد جو شبہات رہ جاویں ان کو ادب کے ساتھ ان کے حضور میں پیش کریں اور توجہ و انصاف کے ساتھ جواب سنیں۔

ان کو اس زمانۂ سکوت میں جو اصول و قواعد سننے اور ذہن نشین کرنے کا اتفاق ہوا ہے، وہ اصول ان جوابوں کے سمجھنے میں نہایت معین ہوں گے، اور اطمینان و شفاء کلی میسر ہو گی۔

اس طریق اصلاح کو مجھ کو بھی تجربہ ہے، سرسری خیال نہ فرماویں اور نیز حدیث میں کتاب الرقاق والباب الزہد کا بار بار مطالعہ فرماویں، یہ کلام تو ان لوگوں کے مذاق پر تھا جو نئی روشنی کے تابع ہو رہے ہیں۔

اہل محبت کی کوتاہیاں

اب دوسرے باقی حضرات کی کیفیت معروض ہے کہ ان میں سے بعض میں محبت کے ظاہری آثار بھی پائے جاتے ہیں، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اشعار وغیرہ پڑھنا یا شوق سے سننا اور ان سے متاثر ہونا، کیفیت طاری ہو جانا، کبھی نعرہ لگانا، کثرت سے آپ کے ذکر مبارک کی مجالس منعقد کرنا، وغیر ذٰلک۔

لیکن ان میں یہ کوتاہی دیکھی جاتی ہے کہ اس کو کافی سمجھ کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات فرمودہ احکام کی بجا آوری اور متابعت کے اہتمام کو ضروری نہیں جانتے، اول تو

فوری اعمال مذکورہ میں بھی بعض لوگ محبت کے عنوان سے اختیار کرتے ہیں بعض اوقات حدود شرعیہ کو ملحوظ نہیں رکھتے ، پھر دیگر اعمال و معاملات میں تو نہ عنوان محبت درجہ ہے ، نہ جوش محبت۔

- کسی کو نماز کا یا جماعت کا اہتمام نہیں
- کسی کو رشوت و ظلم سے باک نہیں
- کوئی منکرات اور حرام لذات میں مبتلا ہے۔
- کوئی شرکیات و بدعات کو دین سمجھ کر رہا ہے ، سبب اس کا بے علمی یا کم علمی ہے یا غلط فہمی !!

اس کی اصلاح یہ ہے کہ کتب حدیث میں سے * ابواب رقاق * و ابواب الفتن و * باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ * ابواب صفۃ الجنۃ و ابواب صفۃ جہنم و احوال قیامۃ کو مرتب شکل میں رکھیں اور وہاں یہ ابواب مطالعہ سے علمائے محققین مشرف سے محبت اور ان کی شناخت ہو جاوے گی اس وقت ایسے حضرات کی صحبت اختیار کرنا ، اس سے اصلاح اور صحیح کی تحسین اور تشخیص ہو گی۔

اپنے کو مقدس اور دوسروں کو جہنمی سمجھنے والوں کی کوتاہیاں

سب سے مرتب ایک جماعت اور ... کی ہے کہ ... احکام کی جماعت کا ضروری ہونا ظاہر ہے اور ہم دیکھتے ہیں اس کا اہتمام بھی ہے ، مگر دیکھا یہ گیا ہے کہ ان میں کیفیت خشوع اور یقین کی نہیں آتی جو عشق و محبت کو لازم ہے ، جس سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی ان میں تبلیغ کی علامت جو کہ محبت خاصہ کا اثر ہے پیدا نہیں ہوئی۔

چنانچہ ان کا طرز عمل بالکل ایسا ہے ، جیسے کسی نوکر کو اپنے آقا سے صرف ضابطہ کا تعلق ہو کر خدمات مفوضہ میں تو فروگذاشت نہیں کرتا ... ——— ——— ——— مگر وقت پورا کر دینے کے بعد ایک منٹ ٹھیرتا نہیں ، نہ کبھی کوئی زائد خدمت کرتا ہے ، نہ آقا کو کبھی دل سے خیر خواہ دیکھا گیا ، نہ آقا کے اہل و عیال کا ادب و احترام کرتا ہے نہ اپنے خوشی ... ... لوگوں سے جو کہ آقا کے لوگ ہیں کوئی واسطہ سلام و کلام کا رکھتا ہے ... اس سے بڑھ کر

یہ کرتا ہے کہ بجز اپنے سب خواجہ تاشوں کو نادان اور حقیر سمجھ کر ان سے روٹھا پھرتا ہے، اور اپنی بجا آوری خدمت پر ہمیشہ نازاں و مغرور رہتا ہے اور اسی وجہ سے سب سے الجھتا ہے اور جیسی فہمائش کرنے کا آقا نے نرمی کے ساتھ حکم دیا ہے، ان سے یہ سختی کرتا ہے اور جن کو تاہیوں سے آقا درگزر کر دیتا ہے، یہ ان پر بھی سختی برتتا ہے کسی کو مارتا ہے اور کسی کو گالی دیتا ہے ظاہر ہے اس صورت میں یہ نوکر آقا کی نظر سے گر جائے گا، اور ان بد تمیزیوں کی بدولت، جو کہ آقا کی مرضی کے بھی خلاف ہیں، اس کی خدمت کا ثواب اور قدر بھی ضعیف ہو جائے گا۔

بعینہٖ یہی حالت ان لوگوں کی ہے جو کسی قدر نماز، روزہ اور بعض معاملات بھی درست کر کے اپنے کو مقدس اور متبع اور تمام دنیا کو فاسق، بدعتی، کافر، جہنمی سمجھ بیٹھے ہیں اور خفیف خفیف امور میں بھی ان سے الجھتے ہیں اور ہر شخص سے نفرت و تنفر کرتے ہیں۔

بعضے ان عوام سے گزر کر علماء اور بعض ائمہ یا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں بدگمانی کر کے بدزبانی کرنے لگتے ہیں، اس کو دین کی بڑی حمایت اور خدمت سمجھتے ہیں...!!

جس ذات مقدسہ کے اتباع کا دعویٰ ہے، خود آپ کے ساتھ یہ برتاؤ ہے کہ نہ آپ کا نام مبارک ادب سے لیتے ہیں، نہ کبھی آپ کا ذکر مبارک شوق سے کرتے ہیں، نہ کبھی ذکر مبارک سن کر لذت گیر ہوتے ہیں، نہ درود کا کوئی معمول انہوں نے ٹھہرایا ہے نہ آپ کے محبوبین یعنی علماء و مشائخ و اہل بیت سے ان کو کوئی تعلق، محبت و احترام کا معلوم ہوتا ہے!

ان امور میں بعض تو موجب خسران و عصیان ہیں اور بعض سبب حرمان ہیں کیونکہ متعلق ظاہرہ و باطنہ کی اصلاح فرض یا واجب ہے، جس میں خلل انداز عصیان ہے، اسی طرح آپ کے وارثان علوم سے عظمت و احترام کا تعلق اور آپ کی امت سے شفقت و رحمت کا تعلق رکھنا بھی واجب ہے، جس کا ترک یقینی خسران ہے۔

باقی جو سب خاص معمولات محض عبادات نافلہ کے درجہ میں ہیں، ان کی کمی بھی خاص برکات سے محرومی تو ضروری ہے۔

اس کوتاہی کی اصلاح کا معین اہل اللہ کی صحبت اور کتب سیرنبویہ وحقوق مصطفویہ مثل شفاء ، توضیحی حیات المسلمین رحمۃ اللہ وغیرہ اور کتب اخلاق و سلوک کا مطالعہ اور ان پر عمل کرنے کا اہتمام ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چند تعلقات؟

ہر امتی کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارے چند تعلقات ہیں۔

- ایک تعلق یہ کہ آپ نبی اور ہم .... امتی!
- آپ حاکم اور ہم محکوم؛
- آپ دارین میں محسن؛ ہم زیر بار احسان
- آپ محبوب اور ہم ..... محب

اور ان میں سے ہر تعلق جب کسی کے ساتھ ہوتا ہے تو اس پر خاص خاص حقوق و آداب کا مرتب ہونا معلوم اور مسلم۔ دو معنی یہ ہیں جب آپ کی ..... ذات بابرکات میں سب تعلقات مجتمع ہوں اور پھر سب اعلیٰ اور اکمل درجے کے تو آپ کے حقوق بھی ظاہر ہیں کہ کس قدر اور کس درجے کے ہوں گے ، ان سب کے ادا کرنے کا دل سے اور التزام سے ایسا اہتمام کرنا چاہیئے کہ وہ کثرت عادت اور استحضار الفت سے خود بخود طبعی ہو جادیں اور پھر بھی آپ کے حقوق کے مقابلہ میں اپنی اس خدمت کو در حقیقت اس کا نفع اپنی ہی طرف عائد ہے ، ناتمام سمجھے۔

یہ مختصر مضمون ختم ہوا اور اس کے ختم ہونے کے وقت یاد آیا کہ احقر نے ایک رسالہ نشرالطیب متوسط حجم کا سیر نبویہ میں لکھا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ اس مختصر کی شرح کے لیے کافی اور بقصد اعتقاد رکھیں اس کا مطالعہ میں رکھنا ، ان سب اصلاحات کے لیے ان شاء اللہ کافی ہو سکتا ہے۔ دعائے اشاعت فرمائیے والسلام۔

لہ یہ کتاب شائع ہو گئی ہے اور کتب مکتبہ دارالعلوم سے طلب فرمائیے۔

تتمہ سابقہ

یہ تتمہ پہلے مضمون سے الگ کوئی مضمون نہیں ہے بلکہ ایک درجہ میں گویا اسی کی تفصیل اور شرح ہے۔ مضمون سابق میں زیادہ تر رنگ قبول کرنے والی طبائع کی نسبت جس قدر بھی کا بیان ہوا ہے اس کا تتمہ یہ ہے کہ ایسے لوگ در حقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے حقوق میں تقصیر کیے ہوئے ہیں، مثلاً عظمت و محبت کا وجود تو ہے گو کافی نہیں۔ دوسرے مضمون میں اس کو صراحۃً بیان کیا گیا ہے البتہ ان کے دعویٰ میں سے کہ ان کی زبان و قلم سے بعض ایسے مضامین صادر ہوتے ہیں کہ ان سے آپ کی عظمت یا آپ کے قانون کی عزت ظاہر ہوتی ہے۔ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ شاید وہ آپ کا حق عظمت ادا کرتے ہیں۔ لیکن اگر ذرا نظر و تعمق کیا جاوے تو ثابت ہو جاوے گا کہ یہ احتمال بھی واقعیت نہیں رکھتا۔

جناب محمد مصطفیٰ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بحیثیت حامل وحی ہونے کے

حقیقت یہ ہے کہ آپ کی جس عظمت میں گفتگو ہو رہی ہے وہ عظمت ہے جس کے ساتھ آپ حامل وحی ہونے کی حیثیت سے متصف ہیں اور ان لوگوں کی تحریر و تقریر میں نظر کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک آپ کی جو عظمت ہے وہ اس حیثیت سے نہیں بلکہ ایک حکیم متمدن ہونے کی حیثیت سے ہے۔

کیونکہ ان دونوں عظمتوں کے آثار کا موجود نہ ہونا ہمارے دعوے کی دلیل ہے۔ چنانچہ اعتقاد عظمت نبوی کے آثار یہ ہیں کہ آپ کے احکام محض یہ معلوم ہو کر کہ یہ حق تعالیٰ نے بھیجے ضرور بجا لاوے اور یہ تو اس حکم کے قبول کرنے میں حکمت و مصلحت سمجھنے کا ہرگز انتظار نہ ہو۔

بلکہ اگر بادی النظر میں کسی حکمت کے خلاف بھی معلوم ہو تب بھی اسی خوشی سے قبول کرے جیسے حکمت معلوم ہونے کے وقت کرتا، اور نہ بدون حکمت سمجھے اس حکم کی وقعت میں کچھ کمی

ہوگا۔ جس طرح اولیٰ حضرات کو رسول ہی کا حکم سن کر مغلوب ﷺ ہو کر رہ جانا ہوتا، اس کی بجا آوری کے لئے دوڑتا ہے اسی طرح اس کی کیفیت ہو جائے اور یہ کہ اس حکم کے خلاف کا مستحسن ہونا خیال میں بھی نہ آسکے۔

بلکہ اجمالاً یوں سمجھئے کہ بس تمام خیر و برکت اور حکمت و مصلحت اور فلاح و صلاح اسی میں منحصر ہے خواہ ہمارا ذہن کوتاہ اس کی تفصیل تک پہنچے یا نہ پہنچے، بقول حضرت عارف گنجوی رحمۃ اللہ ؎

زبان تازہ کردن باقرار تو — نینگیختن علت از کار تو

(آپ کے اقرار کے ساتھ زبان کو تازہ کرنا ہے نہ کہ آپ کے کام میں کوئی علت نکالنا)

سب سے زیادہ سلیم و صالح طبائع کا حال

صرف حکم کے متعلق ہونے کے لحاظ سے جو اعتقاد و عظمت ہوتا ہے اس کے آثار یہ ہیں کہ حکم سن کر اتنا ہی اثر ہو جو ایک مخلوق ذی روح کی رائے کو سن کر ہوتا ہے اور پھر اس کے قبول کرنے میں یا اس کو بنظر وقعت دیکھنے میں اس کا بھی انتظار ہو کہ اس میں عقلی اور عقلی میں بھی دینی مصلحت کیا ہے؟ جب تک مصلحت نہ معلوم ہو اس میں ضعف و خلجان رہے اور ہرگز اس پر عمل کرنے میں شرح صدر نہ ہو۔

خود بھی ایک قسم کی تنگی اور مجبوراً حکم کا سا اثر رہے اور دوسروں کے سامنے بھی اس کا ذکر کرتے ہوئے ایک گونہ خجلت اور بے بسی کی سی کیفیت رہے۔ اور بار بار اس حکم کی جانب مخالف کی ترجیح کا علم اور اس کی تمنا کا قلب پر غلبہ رہے اور ہرگز اس کے صحیح ہونے کا دل قبول کر کے حکم نہ کر سکے۔

بلکہ اس میں منتظر رہے کہ کسی طرح اس کا شرعی ہونا ثابت نہ ہو اور جب اور کچھ نہ ہو سکے تو بعض تاویلات سے اس حکم کے شرعی ہونے کا انکار کر دے، کبھی اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے میں شبہات پیدا کرے، بلکہ اس کو راویوں کی نقل کی غلطی

سے ... تنگ سے آتا ہے ولائۃ اسم فاعل کا صیغہ ہے حیران ہوتا ہے۔

بالکل کیا جائے کہ کسی آمیزش ہی کا اثر نہ رہے۔

کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے کو تسلیم کر کے خود آپ کی نسبت کسی ضرورت و مصلحت وقت کے اتباع کا دعویٰ کرے اور چونکہ وہ مصلحت باقی نہیں جانتا اس لئے اس حکم کو کالعدم سمجھے، غرض ہزاروں حیلے نکالے، مگر اس حکم کو نہ مانے یا اگر مانے تو اعتقاد سے نہ مانے۔ بلکہ بدنامی سے بچنے کو یا قومی تہذیب کے منتشر ہونے کی ضرورت سے مانے یا اعتقاد ہی سے مانے، مگر نشاط خاطر کے ساتھ نہ مانے، بلکہ نری مجبوری سمجھ کر مانے وغیرہ ان سب میں سے زیادہ تسلیم و تمام طبائع کا حال ہے۔

یہ وہ مراتب ہیں جو کم و بیش سب کفر سے ملے ہوئے ہیں، کوئی صریح کفر ہے کوئی خفی کفر ہے، کوئی کفر سے قریب ہے، کما لا یخفی علی المتفطن السلیم۔

جب دونوں اعتقادوں کے آثار جدا جدا معلوم ہو گئے، آگے ہر شخص کو اپنا ہر وقت اپنے اندر بھی ان آثار کا وجود و عدم معلوم ہو سکتا ہے اور اس سے ہمارے دعویٰ سابقہ کا صدق بھی واضح ہو جائے گا (اس مضمون کی شرح زیادہ تحقیق کے ساتھ مطلوب ہو تو مضمون "عظمت دین" مجموعہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دامت فیوضہم جو القاسم کے نمبر میں شائع ہوا ہے ملاحظہ فرما لیا جائے) ہماری اس تقریر کے یہ معنی نہ سمجھیں جائیں کہ احکام شرعیہ حکمت سے خالی اور ہماری تہ عقل سے ناشناسا ہیں ____ بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کا اتباع اور ان کی خاص عظمت کا اعتقاد فہم حکمت پر موقوف نہ ہونا چاہیے۔ ہاں وہ خود ایک مستقل علم ہے کہ اس کو اسرار شریعت کا لقب دیا جاتا ہے مگر اس کے اہل خوش فہم ہیں عوام الناس کو اس سے بچانا نفع کے ضرر کا احتمال غالب ہے جس کی وجہ یہ ہے۔

ایک اس لئے کہ ان میں سب تو منصوص ہیں نہیں اجتہادی بکثرت ہیں جن میں احتمال خطا کا بھی ہے سو اگر کبھی اس کا غیر صحیح ہونا ظاہر ہو گیا اور عامی کے خیال میں اس حکم کی وہی حکمت یقینی تھی تو اس کے صحیح نہ ہونے سے اس حکم کو غیر صحیح سمجھ بیٹھے گا، بخلاف خواص کے کہ وہ اس کو تخمینی علت اور حکم کا مدار نہیں سمجھیں گے۔ اس لئے حکم میں ان کو کبھی کوئی خدشہ نہ ہوگا۔

دوم اس لئے کہ کبھی کوئی معنی اور حکمت صحیح معلوم ہوگی لیکن بعض اوقات وہ وجہ اور حکمت اس عامی کی نظر میں با وقعت نہیں ہوگی تو اس حکم کو بھی بے وقعت سمجھنے لگے گا۔

ہر حکمت نہ علت ہے اور نہ مقصود بالذات

سوم اس لئے کہ ہر حکمت علت نہیں ہوتی بعض اوقات عامی اس کو علت اور اصلی سبب سمجھ کر کسی موقع میں اس کے موجود نہ ہونے سے حکم ہی کے غیر موجود ہونے کا حکم لگا دے گا۔

چہارم یہ کہ ہر حکمت مقصود بالذات نہیں ہوتی بعض اوقات عامی اس کو مقصود بالذات سمجھ کر کسی محل و موقع میں حکمت کے حاصل ہو جانے کو کافی سمجھ کر تحصیل حکم کی ضرورت نہ سمجھے گا اور ان دونوں صورتوں میں (سوم و چہارم) میں اجتہاد باطل کا باب وسیع ہو جائے گا۔ مثلاً سفر میں مشقت پر نظر کر کے قصر کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہ علت نہیں حتیٰ کہ اگر سفر میں مشقت بھی نہ ہو تب بھی قصر ہے اور اسی طرح وضو تجویز ہوا ہے۔ حکمت نظافت و طہارت ہے، لیکن اگر طہارت و نظافت حاصل ہو تب بھی وضو سے استغناء نہ ہوگا۔

کتا پالنے کی ممانعت کی حکمت؟

پنجم یہ کہ عامی مخالفین دین کے مناظرہ میں اس کو بیان کرے گا اور اگر وہ یقینی نہیں تو اس میں مخالف نے اگر خدشہ نکال دیا تو یہ مضطرب ہو جائے گا۔ اور اس میں اسلام کو اور اہل حق کو صدمہ پہنچے گا، مثلاً کسی نے کتا پالنے کی ممانعت کی یہ حکمت بیان کی کہ اس میں صفت سبعیت و درندگی کی ہوتی ہے تو اگر کسی نے اس پر یہ خدشہ پیدا کیا کہ تعلیم کے بعد سبعیت نہیں رہتی پھر کیوں ممنوع ہے؟ تو یہ شخص بزبان حال اس حکم کو بے بنیاد کہے گا بخلاف راسخ فی العلم کے کہ وہ بجائے اس حکمت کے یہ کہے گا کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے ہم نہیں جانتے کیا مصلحت ہے؟ تو اس شخص پر کوئی خدشہ ہی نہیں ہو سکتا۔ یہ شرح تھی مضمون متعلق حضرات متکلم[1] الحکمت کی۔ اس کے بعد اس مضمون سابق میں ان لوگوں

[1] حکمت پسند کرنے والے حضرات مراد ہیں ۱۲

کی فرماں برداری کا بیان رہے، جن میں ظاہراً بعض آثارِ محبت کے بھی پائے جاتے ہیں۔

اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ خود زنانِ عمالِ مذکورہ میں بھی جن کو شوہروں سے محبت ہے دعویٰ رضا کرتی ہیں، بسا اوقات حدودِ شرعیہ کو محفوظ نہیں رکھتیں، اس کا ثمرہ یہ ہے کہ یہ لوگ بھی درحقیقت شوہروں کے حقوق کو ضائع کرتے ہیں، متابعت کی نفی تو ظاہر ہے۔

متابعت کی حقیقت

لیکن اگر غور کیا جائے تو ان کے قلب میں حقیقی عظمت و محبت بھی نہیں، اگر زبان سے تعظیم و محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، کیونکہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ اعتقادِ عظمت کے لئے یہ لازم ہے کہ اپنے ارادے اس معظم و محترم کے ارادوں کے سامنے فنا ہو جائیں۔

چنانچہ کسی رئیس کے پاس کسی عظیم الشان بااختیار افسر کا حکم نامہ آیا کہ فلاں تاریخ کو فوری حاضری کے لئے آئے۔ اور فرض کیجئے ایسا ہو کہ عالم دروازہ پر منتظر کھڑے ہیں طلب ہوئے تو اس وقت ہم اس کی مشقت کا اندازہ اس کی حرکات سے کرتے ہیں کہ ان میں اعتبارات کی شان پر اضطراری کی حالت کو غلبہ ہوتا ہے، حتیٰ کہ اکثر امور اس وقت معمول کے خلاف اس سے سرزد ہونے لگتے ہیں، اور رفتار و گفتار سب مرتفع ہو جاتی ہے اور یہ سب علامت ہے فنائے ارادہ کی اور منشاء اس کا وہی اعتقادِ عظمت ہے۔

اور فنائے ارادہ کے لئے یہ لازم ہے کہ متابعت تعمیلِ ارشاد میں مبادرت و سبقت ہو، جب متابعت نہ ہوئی تو ظاہر ہے کہ حقیقی عظمت بھی دل میں نہ ہوئی، اور جس طرح غلبۂ عظمت سے ارادہ فنا ہوتا ہے اسی طرح غلبۂ محبت سے بھی فنائے ارادہ پیدا ہوتا ہے، گو دونوں کیفیتیں جدا جدا قسم کی ہیں مگر فنائے ارادہ دونوں کے لئے لازم ہے۔

جیسے حرارت کو نار کو بھی لازم ہے، اور دھوپ کو بھی، پس جس طرح حرارت کے نہ ہونے سے دھوپ و آگ کا معدوم ہونا لازم آتا ہے، اسی طرح جب متابعت نہ ہوگی محبت و عظمت دونوں کے معدوم ہونے کا حکم کیا جائے گا۔

اسی معنی میں حضرت عبداللہ بن مبارک کا ارشاد ہے۔

لو کان حبک صادقاً لاطعتہ ان المحب لمن یحب مطیع

اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو اس کی اطاعت کرتا، بیشک عاشق، محبوب کا فرمانبردار ہوتا ہے

البتہ ادنیٰ درجہ کی محبت و اعتقادِ عظمت کا انکار نہیں کیا جاتا، لیکن شرعاً مطلوب ہے۔ ان دونوں کا غلبہ اور قوت جیسا کہ اس ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتا ہے

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ و والدہ والناس اجمعین

تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے بیٹے، باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں، اور ان لوگوں کا دیگر امورِ شرعیہ میں متابعت نہ کرنا تو ظاہر ہے۔

حضرات انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کی شان میں گستاخی

چنانچہ مضمونِ مذکور میں کچھ اس کی تفصیل ہوئی ہے لیکن خاص ان امور میں جن کو وہ حبِ نبوی محبت سے اختیار کئے ہیں، اس متابعت کا معدوم ہونا اس مضمون میں مجملاً بیان کیا گیا ہے کہ ان میں بھی یہ لوگ بالاتفاق حدودِ شرعیہ کو محفوظ نہیں رکھتے۔ اس کی تفصیل ان لوگوں کے ان طریقوں کے دیکھنے سے ہو سکتی ہے مثلاً

■ — یہ کہ آپ کی مدائح میں اس قدر غلو اور مبالغہ کرتے ہیں کہ اس میں دوسرے حضرات انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام کی شان میں گستاخی ہو جاتی، مثلاً ـــ

بر آسمان چہارم مسیح بیمار است تبسم تو برائے علاج درکار است

حضرت مسیح علیہ السلام چوتھے آسمان پر بیمار پڑے ہیں اور آپ کی مسکراہٹ علاج کے لئے درکار ہے

اور مثلاً ـــ

شب روز ان کے صاحبزادے کا گہوارہ جنبان تھا۔

لہ ۔ یلئے مالا

عجب مذہب یاد رکھ دروغ اٹھا دین کو بھی خوش مدد کی

نصوص قرآنیہ و حدیثیہ میں ان حضرات مقدسین کی تعظیم و ادب کا حکم وارد ہے پس ایسے طریقے میں ترک متابعت ظاہر ہے۔

(۲) ● — یہ کہ بعض اوقات خود حق جل و علا شانہ کے حضور میں گستاخی ہوتی ہے مثلاً ۔

بے تسکین خاطر محبت پیراہن یوسف　　محمد کو جو بھیجا حق نے سایہ رکھ بنا ہوتا

اور مثلاً ۔

طواف کعبہ شانِ زیارت و بہانہ ہے　　کوئی ڈھب چاہیے آخر حسینوں کی خوشامد کا

نعوذ باللہ منہا اس کو ترک متابعت کی سب سے بڑی شان سمجھنے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔

(۳) ● — بعض اوقات خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں گستاخی ہو جاتی ہے۔ مثلاً اس مصرع سے حضور پُرنور کو مخاطب بنانا ۔

ملے نرگس شہلا سے تو ادو رسم کافری سے

پس تو یہ اس کو ترک متابعت کہو یا ترک تعظیم کی دلیل بنانے کی کچھ ضرورت نہیں اس کا ترک تعظیم ہونا خود ظاہر ہے۔

(۴) ● — یہ کہ روایات موضوعہ فضائل میں بیان کرتے ہیں جس پر حدیث نبوی میں سخت وعید وارد ہے، ظاہر ہے کہ حدیث کے خلاف کرنا ترک متابعت ہے۔

(۵) ● — ان قصائد و فضائل کے بیان میں بہت سے منکرات اعتقادیہ و عملیہ کو منضم کر لیا ہے۔ (۱) ایک تو خود شرعی منکرات ان چیزوں کو ضم کر لینا اور ملا لینا ہے (۲) پھر ان ناپسندیدہ چیزوں کو مستحسن اور پسندیدہ سمجھنا اور ان پر اصرار کرنا دوسری خرابی ہے (۳) پھر جو ان منکرات کی اصلاح کرے ان سے عناد و بغض رکھنا یہ تیسری خرابی ہے۔

غرض ان کا یہ طریقہ ہمارے اس دعوے کی پوری دلیل ہے کہ ان میں شان متابعت نہیں ہے

یہ شرح تھی مضمون متعلق حضرات مدعیان محبت کی۔

اس کے بعد اس مضمون سابق کے اخیر میں ان لوگوں کی کوتاہی کا بیان ہے جو متابعت ظاہری کا اوروں سے زیادہ اہتمام کرتے ہیں، مگر ان میں تعظیم و ادب اور شوق و محبت کی شان کم ہے۔

اس بیان کی شرح یہ ہے کہ ان میں غلبۂ ادب اور غلبۂ محبت کی کمی تو ظاہر ہے ہی، لیکن نظر غائر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں متابعت بھی کامل نہیں، کیونکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات قولیہ و عادات فعلیہ کو دیکھنے سے بداہۃً بلکہ حسًّا ثابت ہوتا ہے کہ یہ طرز خاص:

(۱) خشونت —— (۲) تقشف —— (۳) تعسیر —— (۴) تنفیر

کا آپ کو سخت ناپسند ہے اور جب یہ امور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں اور بکثرت اس کے قرآن حدیث میں، خود حضور کی توقیر و ادب اور محبت میں اپنی جان پر بھی آپ کی ترجیح اور مداومت کے ساتھ تبشیر و تیسیر کے احکام وارد ہیں۔ تو ان میں غلو اختیار کرنا متابعت کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتا ہے؟

اور اس میں مراتب مختلف ہیں۔

بعض تو حد خسران تک پہنچ گئے ہیں، ادب یا محبت کے حقوق واجبہ اعتقادیہ یا عملیہ کو کھو بیٹھے ہیں، معتزلہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جبرئیل علیہ السلام کو اور اسی طرح جمیع انبیاء علیہم السلام سے تمام ملائکہ علیہم السلام کو افضل بتلاتے ہیں، جس کا جواب کتب کلامیہ میں مفصل و مدلل مذکور ہے، یہاں صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت جبرئیل علیہ السلام پر مختصر طور پر سمجھ لینا چاہیے۔

ے خشونت: درشتی، کھردرا پن/ تقشف: میلے کچیلے بدحال رہنا اور تھوڑی روزی پر صبر کرنا/ تعسیر: تنگی میں ڈالنا/ تنفیر: نفرت دلانا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت جبرئیل علیہ السلام پر

اور اگر کوئی شبہ ہو کہ ثابت ہے کہ قرآن مجید سے جبرئیل علیہ السلام کا آپ کے لیے معلم ہونا منصوص ہے اور ظاہر ہے کہ استاد بحیثیت استادی شاگرد سے افضل ہوتا ہے اور اگر معلم کے افضل ہونے کو تسلیم نہ کیجیے تو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا امت سے باعتبار علم کے افضل ہونا ثابت نہ ہوگا، حالانکہ آپ اس حیثیت سے بھی بالاتفاق افضل ہیں۔

جواب۔ اس شبہ کا یہ ہے کہ معلم کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔

ایک محض مبلغ و سفیر ہوتا ہے جس کے متعلق محض بات کا پہنچا دینا ہے اس میں معلم کا افضل ہونا ضروری نہیں، اگر بادشاہ اپنے وزیر کے پاس کسی خادم قاصد کے ذریعہ کوئی پیام بھیجے تو کیا قاصد وزیر سے افضل ہو جائے گا؟

دوسری حیثیت استاد و مالک ہونا جس کے متعلق تعلیم و شاگرد کی تربیت بھی ہے اس میں معلم کا افضل ہونا ضروری ہے۔ سو جبرئیل علیہ السلام آپ کے معلم بالمعنی الاول ہیں نہ بالمعنی الثانی۔

کیونکہ معلم بمعنی ثانی تادیب و تربیت ہے جو بصریح حدیث حق تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے خاص فرما دی، "میرے رب نے مجھے تعلیم دی کیا اچھی تعلیم دی۔ میرے رب نے مجھے ادب سکھایا کیا اچھا ادب سکھایا" خود حضرت حق جل شانہ بلا واسطہ ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لیے معلم بمعنی ثانی ہیں، پس آپ کی اور جبرئیل علیہ السلام کی معلمیت میں بڑا فرق ہے پس معلم دونوں کو برابر سمجھنا بہت بڑی گمراہی ہے، عقیدہ درست رکھیں۔

ف۔ [illegible]

اور مثلاً میں نے ایک مقام پر بچشم خود دیکھا ہے کہ ایک صاحب نے ایک عورت زچہ کے لئے [illegible] کا نسخہ الماری میں سے نکالا اور اس کو کھڑے کھڑے فرش پر دور سے پھینک کر مارا۔ اہل مجلس میں سے ایک شخص نے کہا کہ:

میاں حدیث کی یہ بے ادبی؟

تو وہ جواب میں فرماتے ہیں۔ میں نے بے ادبی کیا کی ہے؟ اس کی گرد جھاڑی ہے۔ جب قیامت میں خاک گرد جھڑے گی تب حقیقت معلوم ہوگی۔ سو یہ اس خشک دماغی کا اختلال ہے عقل و ادب میں۔ [illegible] حضرت خواجہ کا قول ہے

از خدا جوئیم توفیق ادب　　بے ادب محروم ماند از فضل رب

(ہم اللہ تعالیٰ سے ادب کی توفیق طلب کرتے ہیں اس لئے کہ بے ادب اللہ تعالیٰ کے فضل سے محروم ہوتا ہے)

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد　　بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

(بے ادب نے تنہا اپنے آپ کو ذلیل نہیں کیا ہے، بلکہ ساری دنیا میں آگ لگا دی)

از ادب پرنور گشتست این فلک　　از ادب معصوم و پاک آمد ملک

ادب کی وجہ سے آسمان پرنور ہو گیا ہے اور فرشتے ادب کی وجہ معصوم اور پاک ہو گئے ہیں:

بد ز گستاخی کسوف آفتاب　　شد عزازیلے ز جرأت رد باب

آفتاب کا کسوف گستاخی کی وجہ سے ہو گیا۔ عزازیل (شیطان) بے ادبی کی وجہ سے راندہ درگاہ ہو گیا)

حدیث میں ایک گستاخ کا قصہ آیا ہے کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنے ہاتھ سے کھانے کو فرمایا۔ اس نے بوجہ بے ادبی کہا کہ میں داہنے ہاتھ سے کھا نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کرے تو اس سے کھا ہی نہ سکے۔ بس وہ ہاتھ شل ہو گیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ادب

حضرت صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپ کی طرف بے محابا نہ دیکھنا اور ایک بزرگ کا اس سوال کے جواب میں کہ تم بڑے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ یہ کہنا کہ بڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، مگر عمر میری زیادہ ہے۔ کیا قولی ادب کا کافی نمونہ نہیں؟ ایک بزرگ کا اس کہنے کے بعد کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارا ہاتھ میں لی تھی، تمام عمر بلا وضو کے ان کو مس نہ کرنا، کیا قابل التفات و تقلید نہیں ہے؟

اسی طرح حضرت صحابہؓ کی عادت تھی کہ جب بیٹھتے ایک دوسرے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک و شمائل و طرز عمل پوچھتے۔ چنانچہ شمائل ترمذی کی روایتیں اس میں صریح ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خاص آستانہ مبارک پر سلام پہنچانے کے لئے قاصدوں کی ڈاک کا انتظام کرتے تھے، جمہور امت مدینہ طیبہ کی حاضری کا اہتمام کرتے رہے۔ اکثر سلف درود شریف کی کثرت رکھا کرتے تھے، خود حدیث میں ہے کہ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور درود شریف نہ ہو وہ مجلس اہل مجلس کے حق میں موجب حسرت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ گویا معمول کو نہ ہونا کوتاہی کی موجب حسرت ہوتی ہے اور جیسے کمی سے حرمان ہوتا ہے اسی طرح ان کے اہتمام و احترام سے خاص برکت و فیضان ہوتا ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں، پھر دنیا میں دنیوی بھی اور اخروی بھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صحابیؓ کو جب کہ انہوں نے کئی بار سوال و جواب کے بعد یہ عرض کیا کہ اب میں تمام وظائف کی جگہ درود ہی مقرر کرتا ہوں، یہ ارشاد فرمانا کہ، تو پھر تمہارے سب غم و مہمات ہوتے رہیں گے، اور سب گناہوں کی کفایت

سلہ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی ولادت ۲۰۹ھ وفات ۲۷۹ھ آخر عمر میں کثرت بکاء کی وجہ سے نابینا ہوگئے تھے۔ بہت بڑے محدث تھے۔ آپ کی جلالت قدر، امانت، ثقاہت، قوت حافظہ، ورع و تقویٰ کا اعتراف آپ کے اساتذہ نے بھی کیا ہے۔ ترمذی حدیث کی ایک مشہور کتاب، دو ترمذی ایک اور حدیث کی کتاب شمائل کا نام ہے۔ ۱۲ محمد علی

ہوتی رہے گی۔ اس کی کافی دلیل ہے۔

عجیب و غریب واقعہ

اس وقت ایک عجیب الشان عظیم المکان فیضان حکایت یاد آئی ہے اسی پراپنے اس مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں، جس سے ثابت ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق بڑھنے سے خود آپ کی عنایتیں کیسی بیدریغ ہوتی ہیں۔ اس حکایت کو امام جلال الدین سیوطی[1] رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "شرف محتم" میں مسلسل وار سند سے لکھا ہے کہ وہ روایت کرتے ہیں شیخ کمال الدین سے اور وہ شیخ شمس الدین جزری سے اور وہ شیخ زین الدین مراغی سے اور وہ شیخ عز الدین احمد فاروقی کے واسطے اور اپنے والد شیخ ابو اسحٰق ابراہیم سے، اور وہ اپنے باپ شیخ عز الدین عمر سے رحمہم اللہ تعالیٰ، ۵۵۵ھ/۱۱۶۰ء میں حضرت سید احمد رفاعی[2] رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر حج میں تھا، جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے اور روضۂ شریف پر حاضر ہوئے تو انہوں نے ان الفاظ سے سلام عرض کیا۔ السلام علیکم یا جدی! وہاں سے جواب عطا ہوا وعلیکم السلام یا ولدی! کہ اس کو تمام اہل مسجد نے سنا۔ حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ پر وجد و شوق نے غلبہ کیا۔ وہ بڑی دیر تک روتے رہے اور شدت شوق میں عرض کیا یا جداہ!

---

[1] حضرت علامہ جلال الدین سیوطی بن عبدالرحمٰن مصری رحمۃ اللہ علیہ چار سو کتابوں کے مصنف ہیں۔ تمام علوم میں ماہر اور حاذق تھے۔ آپ نے ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء میں وفات پائی۔ م، عبدالرؤف

[2] حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ ۱۵ رجب ۵۱۲ھ / اکتوبر ۱۱۱۸ء کو مقام حسن (عراق) میں پیدا ہوئے۔ اولیاء کرام کے سردار ہیں۔ بہت بڑے عالم باعمل متورع بزرگ تھے۔ علامہ شعرانی لکھتے ہیں رمضان میں عموماً بعد مغرب دودھ پیتے تھے۔ ۷ سال کی عمر میں تمام فنون مروجہ کی تکمیل کرلی۔ ملک کا تھا۔ میں تمام اوقات ایک ٹکڑا آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا۔ ان ایک لاکھ کے طعام قیام کا انتظام حضرت سید احمد کبیر صاحب کی جانب سے تھا۔ آپ کے خلفاء کی تعداد ایک سو تھی۔ آپ کی نماز جنازہ کے وقت نو لاکھ مرد و عورت کا مجمع تھا۔ ایک شعر میں آپ کی ولادت، وفات کی تاریخ اور عمر کی مقدار کہی گئی ہے۔ —————— (شرح شرف ہر ملا ضرور میں ملاحظہ فرمائیں)

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلہا
تقبل الارض عنی وہی نائبتی

وہذہ دولۃ الاشباح قد حضرت
فامدد یمینک کی تحظی بہا شفتی

(یعنی غائبانہ حالت بعد میں اپنی روح کو حضور میں بھیجا کرتا تھا۔ وہ نائب بن کر زمین بوس ہو جاتی تھی، اب جسم کی حاضری کی نوبت آئی ہے، سو ذرا اپنا دایاں دست مبارک بڑھا دیجئے تاکہ میرے لب اس کے بوسے سے مشرف ہو جائیں، پس فوراً آپ کا ــــ دست مبارک چمک اور دمک کے ساتھ قبر شریف سے ظاہر ہوا، اور ہزارہا آدمیوں نے زیارت کی اور سید رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا بوسہ لیا۔

اس کے بعد یا سید دوسرا قصہ ان ہی کا لکھا ہے کہ جب سال آئندہ پھر حاضر ہوئے تو نہایت انکسار و مسکنت کے ساتھ عرض کیا ؎

ان قیل زرتم بما رجعتم — یا اکرم الرسل ما نقول

(یعنی اگر لوگ ہم سے پوچھیں کہ تم زیارت کر کے آئے تو کیا لے کر آئے ہو تو ہم جواب میں کیا کہیں؟) قبر شریف سے آواز آئی جس کو تمام حاضرین مسجد نے سنا ؎

قولوا رجعنا بکل خیر — واجتمع الفرع والاصول

(یعنی تم یوں کہنا کہ ہم ہر طرح کی خیر لے کر آئے اور فروع و اصول جمع ہو گئے)

کیا یہ قصہ کل قابل رشک نہیں؟ سوچئے تو سہی، سوچنا چاہیے کہ بجز کمال اتباع و کمال محبت و کمال اعتصام و اتصال کے اس دولت کا سبب اور بھی کوئی امر ہے؟ وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون (مطففین [۲۶]) اور اس میں چاہیے کہ رغبت کریں رغبت کرنے والے۔ و لمثل ہذا فلیعمل العاملون (۶۱) ایسی چیزوں کے واسطے چاہیے کہ محنت کریں محنت کرنے والے۔

یہ معاملات تو براہ راست آپ کے ساتھ عمل میں آئے ہیں، باقی آپ کے طفیل تعلق بل

محبت اہلِ قرابت، اہلِ ملت (یعنی خواص و عوام امت) کے ساتھ، ادب و محبت، سنت و رکعت و خدمت کرنا علیٰ حسب تفاوت مراتبہم، یہ سب بھی تتمہ ہیں۔ آپ کے ساتھ معاملہ رکھنے کے جن میں سے بعض واجب ہیں کہ ان میں خلل اندازی سے خسران و معصیت ہوتی ہے اور بعض مستحب ہیں جن سے اعراض کرنا غلطی اور محرومی کا باعث ہے۔

یہ بیان تھا ان لوگوں کا جو حقوق میں کمی اور ادب میں خلل کرنے والے ہیں، پس تحقیق وہ ہے کہ ———— سب مراتب جنسیہ و نوعیہ و جملہ مستحب کا جامع ہو، کما قیل ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندانِ عشق   ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

گہ دو درد دل مستانہ گردد دیدہ جا   ہم دو چشمے تست یا بدر الدجیٰ

مگر بمقتضائے آیت لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ (النساء [۱۷۱]) حد سے مبالغہ کر جانے دین کی بات میں (روایت تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا (پ۔ البقرۃ [۲۲۹]) یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں سو ان سے آگے مت بڑھو)

مندوبات میں کمی کرنے والے مستحق ملامت نہیں

یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ ان میں جو لوگ مندوبات (مستحبات) میں کمی کرنے والے ہیں ان پر ملامت یا ان کی تحقیر یا ان پر تشدد یا ان سے نفرت رکھنا یہ خود بوجہ تجاوز عن الشریعۃ القویٰ کے احداث فی الدین اور موجب ناخوشی سرکار نبوی و علامت ترک اتباع و علامت نقص و نقصان تعظیم دربارِ مصطفوی ہے۔

مسند احمد میں ایک حدیث اس باب میں صریح ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نوافل کو چھوڑے ہوئے تھے، نماز میں بھی، روزے میں بھی، صدقہ خیرات میں بھی، دوسرے صحابی ان سے نفرت رکھتے تھے، حضور پر نور کے دربار میں یہ مقدمہ پیش ہوا آپ نے ان نفرت کرنے والے صحابی کے انکار کو ناپسند فرمایا۔ احقر نے اپنے رسالہ حقیقۃ الطریقۃ میں یہ حدیث پوری نقل کی ہے ولنعم ما قیل ؎

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا

ولیکن میفزائے بر مصطفیٰ

زہد و تقویٰ اور صدق و صفا میں تو کوشش کرو مگر مصطفیٰ سے آگے مت بڑھو۔

البتہ ایسے ذوق کو اگر ذوق و ترغیب سے تکمیل مرتبہ مستحب کی طرف متوجہ کیا جاوے تو یہ بعین خیر خواہی و مطلوب فی الدین ہے۔

ضروری تنبیہ

اور ایک ضروری امر قابل تنبیہ یہ ہے کہ بعض اوقات تحقق و محبت نبویہ کی کمی کا غلط شبہ ہو جاتا ہے اور یہ شبہ توجہ و توجہ فی اللذات کے غلبہ کے محل میں غیر عارف کو ہو جاتا ہے۔ لیکن فی الواقع وہ بھی محبت نبویہ ہی کا ایک لون ہے۔ شرح اس کی رسالہ نشر الطیب میں بعنوان محبت و درود مشرح لکھی گئی ہے۔

جس شرح ضروری سب مقامات کی حالت کی ختم ہوئی اور طریق اصلاح سب کا بقدر کافی اصل مضمون میں مذکور ہو چکا ہے۔ اس میں شرح کی حاجت نہ تھی، اصل مضمون کو دیکھ کر سب اپنی اصلاح کر سکتے ہیں۔

ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب وانہ رفیق قریب مجیب۔

سلہ - نشر الطیب بنام حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح کا ایک رسالہ ہے جو سیرت نبویہ پر ہے۔ محمد علی

نماز کے متعلق کوتاہیاں

(مندرج معاملہ برکات)

بعد بیان اہمیت نماز کے جو وجہ ہے وہ کسی عمل کو خاص نہیں اور اس کا مقتضی یہ تھا کہ مسلمانوں کو اس کا ایسا خاص اہتمام ہوتا کہ اس میں کوئی نقص نہ رہتا مگر ہماری کم توجہی و غفلت نے اس کو بھی کوتاہیوں سے خالی نہ چھوڑا جن میں سے بعض کا بیان اس موقع پر کیا جاتا ہے اور اس سے قبل یہ امر بھی قابل عرض کر دینے کے ہے کہ نماز میں اختلال کا جو وبال ہے وہ اس حیثیت کے اعتبار سے بہ نسبت دوسرے اعمال کے اختلال کے زیادہ ہے کہ نماز فرض ہے اور ہر دن رات میں پانچ بار فرض ہے اس میں کوتاہی کرنا حق تعالیٰ کی دن بھر پانچ بار نافرمانی کرنا ہے۔

بخلاف دوسرے اعمال کے کہ بعض فرض ہی نہیں اور جو فرض ہیں تو روزانہ فرض نہیں۔ جیسے روزہ کہ سال بھر میں فرض ہوتا ہے اور زکوٰۃ کہ وہ بھی سال بھر میں فرض ہوتی ہے اور حج کہ عمر بھر میں ایک بار فرض ہوتا ہے اور روزہ زکوٰۃ و حج تو سب پر فرض بھی نہیں ہوتا۔ یہ تفاوت آثار کا ظاہر ہے۔

ترکِ غیبت ہر وقت فرض

اب یہ سمجھئے کہ تروک جو فرض ہیں یعنی معاصی کا ترک کرنا کہ وہ بھی روزانہ بلکہ ہر وقت فرض ہیں مثلاً غیبت کو ترک کرنا ہر وقت فرض ہے اور اس امر میں یہ تروک بھی مثل نماز کے فرض دائمی ہیں، مگر اس پر بھی ان کا اختلال نماز کے اختلال سے دو وجہ سے کم ہے۔

ایک یہ کہ یہ تروک ارکان اسلام سے نہیں کیونکہ فرض سب ارکان نہیں، تو اس اختلال سے ارکان کی تفویت لازم نہیں آتی گو معصیت اس سے بھی ہوئی اور نماز رکن اسلام ہے تو اس کے اختلال سے ایک رکن کی تفویت لازم آئی اور رکن کو نظر شارع علیہ السلام میں ایک خاص مقصودیت وابستہ ہے، اس لئے رکن کا فوت ہونا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زیادہ ناگوار ہوگا۔

دوسری وجہ یہ کہ مشاہدات جس ترک سہل ہوتا ہے فعل سے کیونکہ ترک میں کچھ مشقت کا اہتمام نہیں اور فعل میں اہتمام کی حاجت ہے اور جو چیز سہل ہوتی ہے اس کا وقوع اکثر ہوتا ہے اس لئے جو تروک فرض ہیں ان کا وقوع اکثر ہوگا اور اختلال کم اور جو افعال فرض ہیں اگر ان کا اہتمام نہ کیا جاوے تو ان کا اختلال اکثر ہوگا اور وقوع کم۔ پس نماز میں اختلال کا احتمال زیادہ ہوا اور ان تروک مفروضہ میں کم اور یہی مدعا تھا۔ پس ثابت ہوگیا کہ تمام اعمال میں خواہ وہ وجودی ہوں یا عدمی صرف نماز میں کوتاہی کرنے کا ضرر اکثر اور اشد ہوگا، اس لئے اس کی اصلاح نہایت مہتم بالشان ہوگی۔

اس کے بعد بطور نمونہ کے بعض ان کوتاہیوں کا ذکر ہوتا ہے جو کثیر الوقوع ہیں، تاکہ ان پر تنبیہ اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ ہو۔

نماز پڑھنے والوں کی کوتاہیاں

سو ایک کوتاہی جس کے کوتاہی ہونے میں کوئی خفا ہی نہیں یہ ہے کہ بہت لوگ خود نماز ہی کے مطلقاً پابند نہیں ہیں، اس کے معصیت ہونے میں تو کلام کرنے کی اس لئے ضرورت

نہیں نہ متفق علیہ ہے، البتہ یہ عذرات جو اس میں عذر پیش کیا کرتے ہیں ان کی نسبت مختصراً کچھ سمجھایا جاتا ہے۔

بعضے یہ عذر کرتے ہیں کہ ہم کو دنیا کی فرصت سے اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی، مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض بہانہ بازی و سخن سازی ہے، سبب اصلی بے پروائی و لاابالی پن ہے، کم فرصتی مانع نہیں، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس روز یا جس وقت ان کو فرصت ہوتی ہے تب بھی ان کو نماز کی طرف توجہ نہیں ہوتی، اگر یہ امر مانع تھا تو اس حالت میں تو یہ مانع مرتفع تھا، پھر ترک کی کیا وجہ؟ اس سے معلوم ہوا کہ اصلی مانع بے پروائی ہے، جو اس حالت میں بھی مشترک ہے۔

دوسرے اگر یہ مانع ہوتا تو اگر وقت پر فرصت نہ تھی اور اس لئے ادا نہ پڑھ سکے تھے، تو قضا کے لئے تو کوئی وقت خاص نہیں اور کسی نہ کسی وقت تو فرصت ہوتی ہے، اس وقت میں قضا پڑھ لیتے، جیسے نماز کی پابندی والوں کی عادت ہے کہ اگر کبھی بے وقت نکل جاتا ہے تو اہتمام کرکے قضا پڑھتے ہیں۔

تیسرے اگر یہ بے پروائی سبب نہ ہوتا تو اس کوتاہی پر قلق ہوتا، جیسا مطالب دنیویہ کے فوت ہونے پر مدتوں حسرت ہوتی ہے، اس کی فکر لگ جاتی ہے، اس کی تلافی کی کوشش کرتے ہیں، تدبیریں پوچھتے پھرتے ہیں، کیا ان بے نمازیوں کو اس فکر و کوشش اور قلق و سوزش میں دیکھا جاتا ہے؟ ان قرائن سے سبب اصلی تو ایک طرح مشخص ہو گئی، اس کے علاج کے لئے دو امر کی ضرورت ہے۔

نمازوں میں بے پروائی سے بچنے کا طریقہ

ایک یہ کہ ترک نماز کے وعیدوں میں غور کیا کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو کافر فرمایا ہے، خواہ تاویلاً ہی کے فرمایا ہو اور ایسے شخص کا دوزخ میں جانا، پھر فرعون، ہامان، قارون کے ساتھ ہونا ارشاد فرمایا ہے، اور قیامت میں سب سے اول پرسش نماز ہی کی ہوگی، اور ان وعیدوں کی تقویت کے لئے دوزخ کے حالات پڑھا اور سنا کریں

انشاء اللہ تعالیٰ بے پروائی جاتی رہے گی۔

دوسرا طریقہ اپنے نفس پر جبر کرے کہ ہر دن بہت سے کام اتنی آسانی کو ... ہو جاتا ہے۔ جب دو جبر کی دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ کسی کو اپنے اوپر مسلط کرے کہ وہ زبردستی اس کو وقت پر اٹھا کر کھینچ کر نماز پڑھوا دیا کرے۔

دوسری صورت یہ کہ نماز کے ترک ہونے پر کچھ جرمانہ اپنے نفس پر مقرر کرے جس کی مقدار اتنی ہو کہ نہ بہت قلیل ہو کہ نفس کو کچھ ناگواری ہی نہ ہو نہ بہت کثیر ہو کہ اس کا ادا کرنا مشکل ہو جائے۔ جب نماز ترک ہو تو جرمانہ مساکین کو دے دیا کریں اور یہ صورت جرمانے کی مخالف نہیں ہے کہ نسائی کی روایت میں ترک جمعہ پر خیرات کا حکم ہے۔ دوسرے جرمانہ لینا حرام ہے کہ حدیث میں ہے لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منہ۔ جرمانہ اس کا بھی اس معنی میں ہے مگر اس کو خوشی سے دیتا ہے۔ علماء کے نزدیک مشروع ہے اور جو نہیں یا کوئی بدنی جرمانہ مقرر کرے اس کے بھی دو طریقے ہیں۔

ایک طریقہ یہ کہ اس پر عبادت کی مشقت ڈالے۔ یعنی مثلاً ایک نماز فوت ہو تو اس کو قضا کرے اور بیس رکعت نفل مثلاً پڑھے، نفس دو تین چار مرتبہ میں ٹھیک ہو جائے گا۔

وہ قضائے تہجد پر اپنے بدن پر قمچیاں توڑ ڈالتے تھے

دوسرا طریقہ یہ کہ اس پر عبادت کی مشقت ڈالے یعنی مثلاً ایک نماز قضا ہو تو ایک وقت کا کھانا نہ کھائے اگر دو نمازیں قضا ہوں تو دو وقت کا کھانا نہ کھائے، چونکہ نفس پر یہ بہت شاق ہو گا۔ بہت جلدی اس سے صلح کرے گا۔

بعض بزرگوں نے یہ معمول کر رکھا تھا کہ جس روز تہجد قضا ہو جاتی تھی اپنے بدن پر کئی قمچیاں توڑ ڈالتے تھے اور نفس سے کہتے تھے کہ اگر تو پھر ایسا کرے گا میں پھر ایسا ہی کروں گا ۔۔۔ بعض

ف: [illegible] ۱۲

سابق پر شریعت میں روزے کے ساتھ کفارہ مشروع ہونا اور خود ترکِ صلوٰۃ پر لقباء کا تعذیر کو جائز رکھنا اس مسلکِ حنفیہ کا ماخذ ہو سکتا ہے۔

بعض لوگ حالتِ صحت و حضر و فراغ میں تو پابند ہوتے ہیں، مگر مرض و سفر و شغل میں پابند نہیں رہتے، اس کا سبب بھی بجز ضعفِ ہمت و بیفکری کے کچھ نہیں، اگر آدمی کسی کام کا ارادہ و فکر کرتا ہے، کچھ نہ کچھ صورت اس کی بن ہی جاتی ہے۔ دنیا کی بات ہے کہ اگر ان حالات میں پیشاب پاخانہ کا دباؤ ہو تو کیا اس کی ضرورت سے تھوڑی دیر کے لئے سفر یا شغل کو منقطع کرنا نہیں پڑتا؟ یا مرض کی حالت میں اٹھنا نہیں؟ اور کیا اٹھتا نہیں؟ پھر فرق بجز اس کے کیا ہے؟ کہ اس کو ضروری سمجھ کر اس کا ارادہ کرتا ہے۔ اور یہ احوال مانع نہیں ہوتے اور نماز کو غیر ضروری سمجھ کر اس کا ارادہ نہیں کرتا اور وہ مانع ہو جاتے ہیں اور اس سے زیادہ کوئی حالت افسوسناک ہو گی؟ کہ پیشاب پاخانہ کی ضرورت سے تو ہمیں مواقع میں وقت نکل آتا ہے اور نماز کی ضرورت سے وقت نہیں نکلتا! پھر خاص کر سفر و مرض میں تو رعایتیں و تخفیفیں بھی بہت سی دی گئی ہیں مثلاً

(۱) پانی پر قدرت نہ ہو تو تیمم جائز ہے (۲) قیام پر قدرت نہ ہو تو قعود جائز ہے۔
(۳) ارکان پر قدرت نہ ہو اشارہ جائز ہے (۴) قبلہ معلوم نہ ہو تو تحرّی جائز ہے۔

جن کے احکام کی تفصیل کتبِ فقہ میں مذکور ہے، یہاں سے ریل میں سوار ہو کر نماز چھوڑنے والوں کے عذر کا اور فکر کے کاروبار میں مشغول ہونے والوں کے عذر کا باطل ہونا معلوم ہو گیا ہو گا بالخصوص بیماری میں نماز چھوڑنا اور بھی محلِ افسوس ہے!

کیونکہ ہر بیماری پیغامِ موت ہے گو اس سے صحت ہی ہو جاوے، مگر وہ حالت تو اس کی محتمل ہے کہ شاید موت کا سبب ہو جاوے، سو اس حالت میں تو نماز و انابت الی اللہ و رجوع الی اللہ کا اور زیادہ اہتمام چاہئے، تاکہ اگر مرے تو خاتمہ بالخیر ہو، اس میں غفلت سخت تعجب انگیز ہے ...!

بعضے بیمار اس لئے نماز چھوڑ دیتے ہیں کہ ان کا کپڑا اور بدن پاک نہیں ہوتا، خواہ بیماری

سلہ جب خود وضو کرنے کے قابل نہ رہے تو کسی کی مدد سے وضو کرنا ۱۲ فیض محمود

چند روز ہوئے المنقوش ملتان وغیرہ کے بعد تحریر عجیب ہے! اس لئے کہ رومال سے خالی نہیں۔
یا تو وہ ان کے پاک کرنے پر بلا ضرورت قادر ہیں یا نہیں؟ اگر یہ قادر ہیں تو معذور ہیں؟
اور اگر قادر نہیں تو وہ معذور ہیں، ان کو ایسی حالت میں نماز کا حکم ہے اور وہ نماز ان کی صحیح و کامل ہے اور پھر ان کو ایسی نمازیں اور طبیعت سے اس کو ناجائز یا بیکار و ناقص سمجھنے کا کیا مطلب ہے؟

عورتوں کی بے پروائی

ایک حالت خاص عورتوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیش آتی ہے جس کے احکام نہ جاننے سے یا جان کر بے پروائی کرنے سے بڑی بڑی پابند اور دیندار عورتوں کی نمازیں غارت ہو جاتی ہیں۔ اور وہ حالت انقطاع حیض کی ہے، حکم تو یہ ہے کہ اگر انقطاع حیض کے وقت نماز کا آخر وقت ہو اور اتنا وقت باقی ہو کہ جلدی جلدی بدن پر سر پر پانی ڈال کر ... بدن کا سیل ... تمام بدن پر پانی بہا کر کپڑے پہن کر ایک بار اللہ اکبر کہہ سکے تو اس وقت کی نماز اس کے ذمے فرض ہو جاتی ہے اور اگر اس وقت تکمیل کی گنجائش نہیں تو پھر اس فرض ہونے کا نفع یہ ظاہر ہوگا یعنی اس نماز کو دوسرے وقت قضا کرنا پڑے گا۔ اور جن نمازوں کا پورا وقت انقطاع کے بعد ملا ہے ان نمازوں کا ادا پڑھنا فرض ہوگا۔

بہت سی عورتوں میں بے پروائی دیکھی جاتی ہے کہ اول تو اس کا خیال نہیں رکھتیں کہ حیض کس وقت منقطع ہوا ہے، ممکن ہے کہ وہ کسی نماز کے اخیر وقت میں منقطع ہوا ہو جس میں غسل ضروری ہے اور تکبیر تحریمہ کی گنجائش ہو اور اس لئے وہ نماز ان پر فرض ہو گئی ہو۔ بلکہ ان کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ ہر نماز کے اخیر وقت میں ضرور پاکی کو دیکھ لیا کریں، تاکہ ان کو معلوم ہو سکے کہ فلاں وقت کی نماز بھی ہمارے ذمہ فرض ہو گئی۔

دوسرے بعد علم انقطاع کے بھی بعضے بعضے کئی کئی وقت غسل میں دیر کر کے ٹال دیتی ہیں اور پھر ـــ غضب یہ ہے وہ اگر نہ کرنے کا کہا تو اپنے سر ہی تھا ان و تمام

ایسی حالت جس میں ... ہوکر آتا ہے۔ ۱۲

کی نمازوں کو قضا بھی نہیں پڑھتیں! اور اس طرح سے ہر مہینے ان کے ذمہ کئی کئی نمازیں چڑھتی چلی جاتی ہیں جن کا مجموعہ عمر بھر میں ایک بڑی مقدار کو پہنچتا ہے، اگر ہر مہینہ تین ہی تین نمازیں جمع ہوتی رہیں تو سال بھر میں چھتیس اور تیس برس میں ایک ہزار سے زیادہ ہوتی ہیں، پھر ان کی حیات میں قضا ہے، نہ مرتے وقت ان کے فدیہ کی وصیت ہے، آخر انہوں نے قیامت کے لیے کیا جواب تیار کر رکھا ہے؟ اور پھر اس پر یہ گمان کہ ہم نماز کے پابند ہیں جب قیامت میں یہ غلطی خلاف توقع ظاہر ہوگی، اس وقت کیا حال ہوگا؟

بے پروائی کا علاج

ان سب کا علاج بھی وہی دو امر ہیں جو اوپر مذکور ہوئے یعنی
ان وعیدوں میں غور کرنا، نفس پر جبر کرنا، اور جو غلطی احکام نہ جاننے
سے ہے اس کے لئے احکام کا سیکھنا پوچھنا۔

چونکہ عورتوں کو غالب احوال میں پوچھنے کا سامان کم میسر ہوتا ہے، اس لئے مردوں پر واجب ہے کہ اپنے متعلقین کو احکام شرعیہ بتلاتے رہیں جو نہ معلوم ہوں علماء سے تحقیق کر کے بتلا دیں اور عورتوں پر واجب ہے کہ جو صورت پیش آوے گھر کے مردوں کو فرمائش کریں کہ وہ علماء سے پوچھ کر ان کو بتلا دیں، اور اگر گھر کے مرد غفلت کریں، دوسرے شخص کے واسطے سے تحقیق کریں، اگر کوئی توجہ نہ کرے تو خود علماء کے گھر جا کر ان کے محارم یا بیبیوں کے ذریعہ سے دریافت کریں، ورنہ گناہگار رہوں گی۔

اور ضروری احکام پوچھنے کے لئے جب جانے کی ضرورت ہو اگر شوہر جانے سے منع کرے تو اس کی اطاعت واجب، بلکہ جائز بھی نہیں، اور اگر لکھنا آتا ہو تو جانے کی ضرورت نہیں بذریعہ خط کے دریافت کرتی رہیں، اور یہ سب جب ہے جب کہ کوئی مرد خاندان کا ان کے کہنے سے علماء سے مسئلہ پوچھ کر ان کو نہ بتلاوے، ورنہ کسی کو خط لکھنا یا کہیں جانا اپنے شوہر کی خلاف مرضی جائز نہیں۔

بعض عورتوں کے پابند نہ ہونے کا ایک سبب اور ہے، وہ یہ کہ کیسی ہی مبالغہ کو زیادہ

محض خدا کے خوف سے بجا آوری احکام کا اہتمام کرتی ہوں، زیادہ سبب مذمت کا عادت ہے سو چونکہ عورتوں کو ہر مہینہ بوجہ عذر معمولی کے کئی کئی روز تک نماز پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوتا اس کا اثر بعد پاک ہونے کے بھی یہ رہتا ہے کہ بعض اوقات نماز میں سستی ہو جاتی ہے، سو اس کا اصلی علاج تو یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا کیا جاوے۔ مگر سبب ظاہری کا علاج کردہ بھی ایک درجہ میں کافی ہے اور وہ یہ ہے جس کو فقہاء نے ذکر فرمایا ہے۔

کہ عورت کو حالت حیض میں بھی مستحسن ہے کہ نمازوں کے اوقات میں وضو کر کے مصلے پر جا بیٹھے اور تھوڑی دیر تسبیح و تہلیل میں مشغول رہے، اس سے وہ عادت محفوظ رہتی ہے اور جو سستی ترک عادت کے سبب ہو سکتی ہے وہ نہیں ہوتی۔

بے نمازیوں کا بہانہ

بعضے بے نمازوں کا عذر اس شکل پر ایسے ہوتا ہے کہ کہتے ہیں کہ نماز بدون حضور قلب کے ہوتی ہی نہیں اور حضور قلب ہم سے ہو نہیں سکتا، اس لئے نماز ہی چھوڑ دی۔ درحقیقت اس استدلال میں انہوں نے غلط تلبیس سے کام لیا ہے، کیونکہ جس حضور قلب پر نماز کی صحت بالکل موقوف ہے وہ اور ہے اور جو ہمارے امکان سے خارج ہے وہ اور ہے۔ تو دونوں مقدموں میں حد اوسط (علم منطق کی ایک اصطلاح) مکرر نہیں ہے، اس لئے نتیجہ غلط ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضور قلب کے مراتب مختلف ہیں۔

ایک مرتبہ وہ ہے جس کو فقہاء نیت[1] کہتے ہیں اور وہ موقوف علیہ ہے صحت صلوٰۃ کا، یعنی بدون اس کے نماز ادا ہی نہیں ہوتی۔

اور دوسرا مرتبہ وہ ہے جس کو خشوع کہتے ہیں جس کی حقیقت انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب مذکور ہوگی اور وہ موقوف علیہ ہے کمال صلوٰۃ کا یعنی اس کے نہ ہونے سے نماز تو صحیح ہو جاتی ہے مگر کامل نہیں ہوتی۔

---

[1] نیت دل سے ارادہ کرنے کو کہتے ہیں زبان سے کہنا ضروری نہیں ۱۲ محمد علی

ایک معقولی استدلال

تیسرا مرتبہ وہ ہے جس کو تسلیم کرنا اور اس سے تعبیر کرنا مناسب ہے، یعنی استغراق جسم کا خطرہ سے آزاد ہے اور یہ ایک قسم کا استغراق اور حال ہے اس پر صحت صلوٰۃ کی موقوف ہے۔ اور یہ کمال صلوٰۃ کا، ابتدائی نفسیہ ایک محمود حالت ہے، گو مقصود نہیں۔

اوّل اور دوسرا مرتبہ اختیاری اور مقدور اور شرعاً مامور بہ ہے اور اول مقدمہ میں یہی مراد ہے اور تیسرا مرتبہ غیر اختیاری اور غیر مقدور اور شرعاً غیر مامور بہ ہے اور دوسرے مقدمہ میں یہی مراد ہے۔

جب حد اوسط مشترک نہیں تو نتیجہ کیسے نکلے گا؟ اور اگر دونوں مقدمہ میں ایک ہی مراد ہو تو پھر ایک مقدمہ باعتبار مادہ کے غلط ہوگا، مثلاً دونوں جگہ مرتبہ اول و ثانیہ مقصود ہے، جیسا ابھی بیان ہوا اور مقدور کو غیر مقدور کہنا غلط ہوگا، اور اگر دونوں جگہ مرتبہ ثالثہ مراد لیا جاوے تو دوسرا مقدمہ صحیح ہوگا مگر پہلا مقدمہ غلط ہوگا کیونکہ مرتبہ ثالثہ شرعاً غیر مامور بہ ہے، جیسا ابھی بیان ہوا اور غیر مامور بہ کو مامور بہ کہنا غلط ہوگا، جیسا مقدمہ اولیٰ میں لازم آتا ہے۔

کیونکہ کسی امر کا صلوٰۃ کے لئے صحۃً یا کمالاً موقوف علیہ ہونا مستلزم ہے اس امر کے مامور بہ ہونے کو، جیسا کہ ظاہر ہے، جب ایک مقدمہ غلط ہوا تب بھی نتائج صحیح نہ ہوا۔

غرض خواہ ہیئت قیاس کی غلط ہو یا مادہ، نتیجہ دونوں حال میں غلط ہوگا، پھر علاوہ فی نفسہ غلط ہونے کے ان لوگوں کو یہ خبر نہیں کہ ان کے اس استدلال سے نص قطعی لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۔ البقرۃ [۲۸۶] ترجمہ: اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے) کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ جو مرتبہ حضور کا ایسا ہے کہ بدون اس کے نماز نہیں ہوتی، خواہ مرتبہ صحت ہو یا مرتبہ کمال ہو۔ لامحالہ شریعت میں اس کے حاصل کرنے کا حکم ہوگا۔ اور جس امر کا حکم ہوتا ہے اس کا داخل وسعت ہونا بنص بالا لازم ہے پھر اس کو وسعت سے خارج کہنا نص کی تکذیب ہے یا نہیں۔۔۔؟

عقل کے پتلوں سے سوال اور جہل کا علاج

پھر ان عقل کے پتلوں سے کوئی پوچھے کہ نماز میں جتنے فرائض ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ کے ہیں اگر وہ کسی وسعت سے خارج ہو جاتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت سے اس کا کوئی بدل اس کے قائم مقام کر کے اس کی اجازت دیتی ہے مثلاً قیام فرض ہے اگر قدرت نہ ہو تو قعود اس کے قائم مقام ہوتا ہے، علی ھذا بس اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ حضور قلب کا فرض ہے تو یہ وسعت سے خارج ہے، تو ضرور ہے کہ شریعت میں کوئی اس کا بدل ہوگا؟ سو اس بدل کے ساتھ نماز پڑھنا ضرور ہوا پھر ترک کی کیسے گنجائش نکلی......؟

یہ اس وقت ہے جبکہ حضور قلب اس کا رکن ہو اور اگر رکن نہ ہو تو اس صورت میں سوچنا چاہئے کہ نماز بلا حضور پڑھنے میں تو نماز کے ایک تابع جزئی کا فوت ہے اور نماز نہ پڑھنے میں خود اصل مجموعہ ہی کا فوت ہے، تو مجموعہ کا فوت کر دینا اشد ہے یا تابع کا؟ پھر چونکہ تابع کا وجود بدون مجموعہ کے نہیں پایا جاتا اور مجموعہ کو فوت کر دیا ہے، تو لامحالہ تابع بھی فوت ہوگا، تو نماز پڑھنے میں تو صرف حضور قلب ہی فوت ہوتا اور نہ پڑھنے میں وہ حضور بھی گیا اور نماز بھی گئی، تو صرف تابع کا فوت ہونا اھون ہے یا مجموعہ و تابع ہر دو کا؟

خوب سمجھ لو! چونکہ سبب ان کی غلطی کا جہل ہے، ہماری اس تقریر میں غور کرنا اس جہل کا علاج ہے۔

بعضے لوگوں کے نماز نہ پڑھنے کا یہ مبنی ہے کہ وہ باوجود دعوی اسلام کے نماز کو فرض نہیں سمجھتے پھر ان میں دو قسم کے لوگ ہیں، (۱) بعض فلسفیت کے رنگ میں ہیں (۲) بعض تصوف کے رنگ میں۔

اہل فلسفہ کا دعوی اور اس کا رد

قسم اول کی تقریر یہ ہے کہ اصل مقصود شارع کا تہذیب اخلاق ہے زمانہ نزول حکم صلوٰۃ میں لوگوں میں صفات ذمیمہ کبر و ظلم وغیرہ کا غلبہ تھا، نماز کی ہیئات و اوضاع و اذکار تواضع وغیرہ

کی تعلیم دیتے ہیں، اس لئے ان کو نماز کا حکم کیا گیا، ہم چونکہ مہذب ہو چکے ہیں لہٰذا ہم کو نماز کی ضرورت نہیں ۔۔۔۔ !!

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ سب اس پر مبنی ہے کہ احکام شرعیہ کو مقصود بالذات نہ کہا جاوے مقصود بالغیر کہا جاوے اور پھر وہ غیر بھی وہ ہی امور ہوں جو تم دعویٰ کرتے ہو، سو اس میں دو دعوے تمہاری طرف سے ہوتے ہیں جن کا ثابت کرنا تمہارے ذمہ ہے، جس پر تم قیامت تک بھی قادر نہ ہو گے، بلکہ یہ احکام خود بھی مقصود بالذات معلوم ہوتے ہیں، پھر ایسے بے سرو پا شبہات سے یہ قطع و یقین زائل نہیں ہو سکتا۔

غرض عقلاً و سمعاً ایسا اعتقاد یقیناً الحاد و زندقہ ہے اور ایسا شخص ہرگز مسلمان نہیں اس کو نماز کے ساتھ تجدید ایمان کا حکم کرنا ضروری ہے۔ یہ جواب جب ہے کہ ہم اس کو مان لیں کہ واقعی یہ لوگ اپنی تہذیب نفس سے فارغ ہو چکے ہیں، حالانکہ ہنوز اس میں کلام ہے حرص و تکبر و بخل و تکبر و ظلم و شہوت و قساوت و غفلت جس درجہ ان مدعیوں میں پائی ہوئی ہے اس زمانہ میں اس کا عشر عشیر بھی نہ تھا۔ اگر مشروعیت صلوٰۃ کی انہی مصالح کے لئے ہوتی تب بھی یہ لوگ بہ نسبت اس زمانے والوں کے نماز کے زیادہ محتاج ہوتے۔ اس مرض کا نہ جہل ہے۔۔۔ ہنر علاج ہماری اس تقریر پر غور کرنا۔ اور پیرا فی ذہن و متعلقین سے اپنے شبہات کو دفع کر لینا ہے۔

اہل تصوف کی تقریر اور اس کا جواب

قسم ثانی یعنی جو تصوف کے رنگ میں ہیں ان کی تقریر یہ ہے کہ اصل مقصود رب ہی ہے اور نماز و دیگر عبادات محض اس کا واسطہ ہے اور واسطہ بھی بالضرورت نہیں بلکہ بالحقیقت اور وہ حقیقت ذکر ہے، پس اگر کسی کو ذکر دوام میسر ہو جائے، اس کو نماز کی حاجت نہیں، یا نماز پڑھتے پڑھتے مقام قرب میسر ہو جاوے، پھر بھی نماز کی حاجت نہیں، اگر پڑھے تو اس پر فرض نہیں رہی، فرائض اس کے حق میں نوافل ہو گئے۔

اس کے جواب میں بھی وہی تقریر بالا بعینہٖ صوف کے مقابلہ میں بعینہٖ کافی ہے۔ اور اس پر بھی وہی تفریع اور وہی علاج عرض کیا جاوے گا۔

اور دونوں کے خطاب میں اس مثال کا پیش کرنا مفید و معین نہیں جب مدعا یہ ہو کہ جس طرح بعض ادویہ طبیہ میں باوجود بعض اثر مسلم بالمشاہدہ ہونے کے اپنے خواص بالخاصیہ ہوتے ہیں، اور اس کی تعیین اسی ہیئت تامہ سے ہوتی ہے... اسی طرح اگر احکام سب عبادات شرعیہ کو بعض اپنی صورت نوعیہ و خاصہ کے اعتبار سے خاص ثمرات مثل اخلاق مرضیہ حق و نجات و قرب و رضا میں فاعل اور موثر کہا جاوے۔ اس کی نفی کیا دلیل ہے...؟

اور اس بات کی دلیل نصوص کا سیاق و اطلاق ہے کہ کہیں ان کا فاعل بلا واسطہ ہونا نہیں جتلایا گیا اور جو کہیں بعض طاعات کی حکمت بتلائی گئی ہے تو غایت ما فی الباب اس حکمت کا ترتب علی الاحکام ہونا ثابت ہوتا ہے، مگر مرتب علیہ الاحکام ہونا اور موثر ہونا کا اور فرق ہے ثبوت اثر فی ہر چند سب صورتوں میں ایک کوتاہی کی یعنی نماز نہ پڑھنے کی؛

بعض مشائخ کی تاخیر صلوٰۃ کی عادت اور اس کا علاج

ایک کوتاہی نماز کے متعلق یہ ہے کہ بعضے آدمی گو نماز تو ترک نہیں کرتے مگر وقت کا اہتمام نہیں کرتے اکثر تنگ وقت میں نماز پڑھتے ہیں بعض دفعہ قضا بھی ہو جاتی ہے گو کم ہی اور گو پھر فوراً قضا پڑھ بھی لیتے ہیں۔ پھر بعض کو تو کوئی مجبوری ظاہری بھی ہے گو وہ مجبوری اس لئے معتبر نہیں کہ اگر اس میں سعی و توجہ کرتے تو ضرور کوئی صورت انتظام کی نکل آتی مگر بعض تو محض بیکار گپوں میں مشغول ہو کر وقت کو آخر کر دیتے ہیں اور نہایت افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ بعض ان میں مشائخ ہیں اور محض تاویل شیطانی یعنی فضائل سے تاخیر صلوٰۃ کے خوگر ہو گئے ہیں، چنانچہ ہر ایک کے متعلق مختصر کلام کیا جاتا ہے۔

جو لوگ ظاہراً کوئی مجبوری رکھتے ہیں ان میں بعض کو تو کسی درجہ میں بھی مجبوری نہیں جیسے تجار و محترفین و عمال و حکام اجلاس و اہل حرفہ و امثالہم کہ یہ لوگ بالکل آزاد ہیں، تھوڑی دیر کے لئے کام چھوڑ سکتے ہیں، سو ان کے عذر کے متعلق تو کسی جواب کی ضرورت نہیں۔

بعض کو البتہ کسی درجہ میں مجبوری سی ہے، جیسے نوکر لوگ کہ افسر کے سامنے بیٹھے

جانے سے کچھ نہیں کر سکتا۔ سوال اس کے متعلق یہ ہے کہ اول تو اوقات نماز میں اجازت حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ اور دیکھا گیا اکثر یہی ہے کہ باستثناء شاذ و نادر کوئی افسر نماز سے منع نہیں کرتا۔ اور اگر کسی طرح اجازت حاصل نہ ہو، نعوذ باللہ منہ، اور اس کے بالاخر ہے تو اس صورت میں ایسی نوکری ہی جائز نہیں، خدا تعالیٰ دوسرا سامان رزق کا کر دے گا۔ ایسی نوکری چھوڑ دینی چاہیے؟

البتہ جس شخص کے پاس بظاہر سردست کوئی سبیل ضروری معاش کی بھی نہ ہو، نوکری میں نہ سرمایہ ہو کہ تجارت کرے، نہ مزدوری کی عادت ہو اور بدون عادت چلنا دشوار ہوتا ہے تو ایسی حالت میں نوکری چھوڑنے میں تعجیل نہ کرے اس فکر میں لگا رہے، اور کسی خیر خواہ سے بھی سعی کراوے اور تا حصول کسی سبیل کے جیسے اس بلائے اختلال وقت صلوٰۃ سے استغفار اور دعائے استخلاص، اور دوسری سبیل کے استعمال کیا کرتا رہے۔

اور جن کو برائے نام بھی مجبوری نہیں محض بیکار وقت ضائع کرتے ہیں، ان کو اپنی حالت پر نہایت غور سے نظر کرنا چاہیے اور نفس سے محاسبہ کرنا چاہیے کہ جب اول وقت نماز پڑھنا ہے، اتنا قبل اوقات سے کون سی آسانی و تخفیف نکلی اور مجبوری کچھ نہیں ہے تو کوئی مصلحت بھی کہ تاخیر کے اختیار کرنے کا مرجح ہو، نہ کوئی مجبوری تھی کہ تاخیر بالاضطرار کا سبب ہو، پھر وبال لینے سے کیا حاصل ہوا؟

اگر نفس یہ کہے کہ تاخیر کرنے سے مشغلۂ تفریح کا وقت زیادہ مل سکتا ہے، تو اس کو جواب دینا کہ گو دو نمازیں اول وقت میں پڑھی جاویں تب بھی ان کے مابین اتنی ہی گنجائش ہوگی جتنی ان دونوں نمازوں کو آخر وقت پر پڑھنے سے ملتی ہے۔

مثلاً اگر کسی نے ظہر چار بجے پڑھی اور عصر سات بجے تو درمیان میں تین گھنٹے ملے، سو اگر ظہر دو بجے پڑھتا اور عصر پانچ بجے تب بھی درمیان میں تین گھنٹے ملتے۔ تو جتنا کام درمیان میں تاخیر کی صورت میں کر سکتا ہے اتنا ہی تعجیل کی صورت میں کر سکتا ہے پھر تاخیر میں بجز معصیت کے کون سی مصلحت ہوئی ...؟

تضلیل شیطانی

اور ایسے مشائخ کو زوال و تضلیل شیطانی اور نیز تسویل نفسانی اس تاخیر کا سبب ہوتی ہے۔

تضلیل شیطانی اس طرح کہ انہوں نے اپنی تجویز سے یا اپنے شیخ کی تعلیم سے کوئی معمول یا ورد ایک خاص مقدار سے مقرر و ملتزم کر لیا اور اس میں وقت کی تعیین محض کسی مصلحت زائدہ غیر ضروریہ کے سبب سے تھی۔ مگر بوجہ غلو کے عام ملتزم نے اس کو ایسا ضروری سمجھا کہ اس کی حفاظت کے لئے نہایت ضروری کی بھی پروا نہ رہی۔ مثلاً بعض اوراد ما بین سنت و فرض فجر کے پڑھے جاتے ہیں۔

میں نے بعض متشددین و معمرین کو دیکھا ہے۔ جماعت کھڑی ہو گئی، مگر وہ اپنے ورد میں مشغول ہیں حتیٰ کہ جماعت فوت کر دی! اور بعض اوقات خود وقت بھی تنگ ہو گیا۔ مگر اس ورد کی ترتیب میں تغیر و تبدیل کو ہرگز جائز نہ رکھیں گے، حالانکہ یہ تغیر فی نفسہ جائز تھا۔ اور جب عدم تغیر سے جماعت فوت ہوتی یا بعضاً وقت تنگ ہو جاتا ہے، اس وقت تغیر واجب تھا، مگر ان کو ترک واجب کی ذرا پروا نہیں! پھر اپنے اس التزام پر اس قدر شاداں و نازاں ہیں کہ اپنے کو صاحب استقامت سمجھتے ہیں کہ کبھی کوئی معمول میں تغیر نہیں ہوتا۔۔۔!

میں نے ایک شخص کو یہ فخر کرتے سنا ہے کہ صاحب میری فرض نماز کا ناغہ ہو جاتی ہے، مگر پیر صاحب نے جو کچھ بتلا دیا ہے وہ کبھی قضا نہیں ہوتا۔ غلو فی الدین اور استحقار اعمال مہمات کی یہ انتہا افراط سے ہے، سبب اس کا جہل ہے علوم شرعیہ کے حدود احکام کی معلوم نہیں۔ خواہ یہ جہل علمی بسیط ہو یا مرکب ہو حسب اختلاف الاحوال یہ تضلیل شیطانی تھی۔

تسویل نفسانی

اور تسویل نفسانی اس طرح سے ہے کہ از راہ شفقت علی الخلق کے سبب یہ خیال ہوتا ہے کہ جلدی پڑھ لینے سے بہت لوگ جماعت سے رہ جائیں گے، طویل انتظار کرنا چاہئے تاکہ

سب جماعت میں مل جاویں، اور کوئی محروم نہ رہے، اس کا نام تسویف اس لئے رکھا گیا کہ صورۃً یہ خیال نہایت محمود ہے اور نفسانی اس لئے کہا گیا کہ منشا اس کا ایک صفت ہے صفاتِ نفسانیہ سے کہ وہ شفقت ہے اور گو وہ فی نفسہ صفت محمودہ ہے اور اس لئے جو خیال اس سے ناشی ہے کہ وہ خیر خواہی ہے آنے والے نمازیوں کی کہ کوئی محروم نہ رہ جاوے وہ بھی نیک ہے، مگر یہ محمود اسی وقت تک محمود ہے جب تک وہ کسی امر مذموم کو متضمن نہ ہو اور یہاں یہ شفقت اور یہ خیر خواہی سبب ہو گئی تفویتِ وقت کی صفتِ غیر مشروع تک، اور یہ مذموم ہے اس لئے وہ منشاء اور ناشی سب مذموم ہو گیا۔

اور ان سب نمازوں میں سب سے زیادہ قابلِ نظر ایسے حضرات کے لئے جمعہ کی نماز ہے، کیونکہ اور نمازوں کا اگر وقت نکل گیا اور علم نہ ہوا تو وہ نمازیں قضا کی تو پڑھ سکتی ہیں گو بعض فقہاء کے نزدیک یہی، اور جمعہ کا وقت اگر نکل گیا تو اس کی قضاء ظہر سے ہو سکتی تھی نہ کہ جمعہ سے، پس جب جمعہ پڑھا تو وہ تو ادا ہوا کیونکہ وقت نہ تھا اور نہ قضاء کیونکہ قضاء میں جمعہ نہیں پڑھا جاتا۔ تو پس یہ نماز ان سب کے ذمہ واجب رہی، ورنہ یہ مصلحت کہ کوئی رہ نہ جاوے اول تو جب اس میں اتنا بڑا مفسدہ لازم ہے تو اس مصلحت کا کیا اعتبار؟

پھر وہ مصلحت بھی کچھ تاخیر کے ساتھ خاص نہیں، تجربہ سے یہ امر یقینی ہے کہ اس باب میں جس جگہ جیسی عادت کا التزام کر لیا جاتا ہے تمام لوگ اسی کے تابع ہو جاتے ہیں جہاں سویرے نماز ہوتی ہے سب کو تقاضا رہتا ہے کہ جلدی چلو چنانچہ سب فوراً جمع ہو جاتے ہیں۔ اور کوئی بھی متخلف نہیں رہتا اور جو رہنے والے ہیں وہ مشاہدہ سے دیکھا جاتا ہے کہ اس تاخیر میں بھی رہ جاتے ہیں، بلکہ اکثر رہتے ہیں، ان کو بے فکری رہتی ہے کہ یہاں کونسی جلدی ہے وہاں تو بہت دیر میں جماعت ہوا کرتی ہے، بس اسی میں رہ جاتے ہیں، تو تاخیر کی وہ بھی غرض حاصل نہ ہوئی اور اگر حاصل بھی ہوتی تب بھی وہ لا حاصل ہے جیسا اوپر مذکور ہوا۔

عمال میں بھی تاخیر صلوٰۃ!

بہرحال وقت کا اس قدر مؤخر کرنا نماز کا بالکل تباہ کرنا ہے، چنانچہ احادیث میں اس پر سخت زجر آیا ہے اور ایسی نماز کو منافقوں کی نماز فرمایا ہے اور جگہ جگہ اہلِ علم میں سے بھی

بعض مدارس میں یہ ابتلا ہوتا ہے جس کا اکثر موقع یہ ہوتا ہے کہ مدرس کو کوئی کتاب ختم کرانا ہے یا سبق کو کسی خاص مقام تک پہنچانا ہے یا ممتحن کو کسی جماعت کو امتحان سے فارغ کرنا ہے یا مصنف کو کسی مضمون کو پورا کرنا ہے۔

ان مقاصد کو رعایت وقت پر بسا اوقات ترجیح دی جاتی ہے اس کا وقوع عوام کے بہ نسبت مشائخ کے اور بھی زیادہ عجیب ہے، کیونکہ یہ اصل وضع میں مقتدائے دین ہیں، جب مقتدا ایسا کرے گا پھر مقتدی کا کیا پوچھنا ہے؟

(۳) ایک کوتاہی (گو ایسا شاذ ہوتا ہے مگر ہوتا ہے) اس کوتاہی مذکور کے مقابل کوتاہی ہے یعنی نماز میں اس قدر تعجیل کرنا کہ وقت بھی داخل یقینی نہ ہو۔

بعض لوگ فجر کی نماز صبح صادق سے پہلے شروع کرتے ہوئے دیکھے گئے، بعض اہل افراط جمعہ کے روز دن بھی نہیں ڈھلنے دیتے اور کھڑے ہو جاتے ہیں، بعضے مریضوں کو دیکھا گیا کہ مغرب کی تھوڑی ہی دیر بعد آسانی کے لئے عشاء پڑھ لیتے ہیں وقت بھی نہیں آتا اور جس کے مسلک پر مثلین کا قول بھی قوت رکھتا ہو اس کے لئے عصر کی نماز مثلین کے قبل پڑھ لینا احتیاط کے خلاف ضرور ہے۔

بہرحال وقت میں افراط و تفریط کرنا دونوں واجب التحرز ہیں، گو اجلاس پر حاضری کا معین وقت پر حکم ہو تو قبل از وقت آکر بیٹھا رہنا یا وقت ختم کر کے آنا دونوں بیکار ہیں۔ تو شریعت کی تعیین کی وقعت و عظمت کیوں نہ کی جائے۔

عورتوں میں نماز کا اہتمام نہ ہونا

(۱) ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ شرائط و ارکان میں ذرا سے عذر موہوم سے بھی رخصت پر عمل کرنے لگتے ہیں جو کہ عذر قوی سے متعلق ہے، مثلاً ذرا حرارت کا شبہ ہوا یا ذرا ہوا میں خنکی ہوئی بجائے وضو و غسل کے تیمم کر لیا، ذرا طبیعت میں کسل ہوا بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے، دریا میں ذرا جھکولے کی تنگی ہوئی جس کا آسانی سے انتظام ہو سکتا تھا بیٹھ کر اور بعض دفعہ لیٹ رہے، بعض دفعہ اشارہ سے نماز پڑھنا شروع کر دی، بلکہ ریل میں تو باطل نماز ہی

ڈالی جاتی ہے، بالخصوص عورتیں تو ریل میں شاذ و نادر ہی نماز پڑھتی ہوں گی۔ ایسے دل کو سمجھاتی ہیں کہ یہاں نہ تو پانی کا انتظام ہے، نہ جگہ کو تنہائی میسر ہے۔ نہ تختہ پاک ہے۔ نہ قبلہ معلوم ہے، یا قبلہ کی طرف پڑھنا دشوار ہے، نہ پردہ کا پورا انتظام ہے اور ان عذروں سے مستورات کی نماز ریل گاڑی کے سفر میں بھی اکثر برباد ہوتی ہے۔

حجاج کی نمازوں میں کاہلی و سستی

اور ان سے زیادہ ان لوگوں کی حالت قابل حسرت ہے جو حج کو جاتے ہیں اور ریل یا جہاز میں بیہودہ وسوسوں سے یا کاہلی سے نماز نہیں پڑھتے، ایک عبادت ادا کرنے چلے اور پانچ فرض روزانہ برباد کئے۔ اگر جہاز ہی کی ضائع شدہ نمازیں شمار کی جائیں اور ایک مہینے میں پندرہ دن کی رفتار فرض کی جاوے تو پانچ نماز روزانہ کے حساب سے پچھتر نمازیں ہوتی ہیں، اسی طرح اگر واپسی کا پھیرا لیا جاوے تو اتنی ہی اس میں ہو کر ڈیڑھ سو ہوئیں، کتنے افسوس کی بات ہے! کہ ایک فرض ادا کیا اور ڈیڑھ سو فرض برباد کئے!! کیا ایسے شخص کے حج کو کہا جا سکتا ہے کہ خدا کا فرض سمجھ کر کیا ہے؟ اگر یہ خیال تھا تو ڈیڑھ سو فرض بھی تو خدا ہی کے تھے ان کو کس دل سے ضائع کرنا گوارا کیا؟ سچ ہے کہ........ ہم لوگوں کو باعث عبادت کا بھی اکثر امور نفس یا اعتبار یا دفع ملامت وغیرہ ہوتا ہے یا اگر محض یہ نہیں ہوتا تو آمیزش تو ضرور ہوتی ہے۔

پھر جانتے ہو اگر ان بیہودہ باتوں پر نماز ترک کر دی تب بھی اور اگر اس میں بلا ضرورت شرعی رخصت پر عمل کیا وہ بھی ترک ہی کے حکم میں ہے تب بھی نہایت بد دلی کی دلیل ہے۔ ایسی نماز پر تو خاص شبہ ہوتا ہے کہ محض دکھلاوے کے لئے نام کرنے کو پڑھتے ہیں۔ ایسے نمازیوں کی شان میں فرمایا گیا ہے وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَوٰةِ قَامُوا كُسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا النساء [۴ - ۱۴۲] اور جب کھڑے ہوں نماز کو تو کھڑے ہوں ہارے جی سے لوگوں کو دکھانے اور یاد نہ کریں اللہ کو مگر تھوڑا سا۔

بڑی وجہ اس کی دو امر ہیں:

(۱) مسائل کی ناواقفی

(۲) نماز کی عظمت دل میں نہ ہونا۔

اول کا علاج، علم وواقفیت ہے۔ جس کا طریق سہل یہ ہے کہ نماز کے متعلق جو صورتیں پیش آجاویں یا جو جو احتمال ذہن میں آتے ہیں ان سب کو حافظہ میں یا کتابت میں مقید ومحفوظ کرکے زبانی یا بذریعہ خط علماء ماہرین سے پوچھتے رہیں۔

دوسرے کا علاج یہ ہے کہ دل میں وعیدیں مخالفت احکام کی سوچیں تاکہ ان احکام کی عظمت پیدا ہو، جب عظمت پیدا ہوگی تو ضرور اس کی کوشش وارادہ کرے گا، جب کوشش وارادہ کرے گا خود ان عذروں کا لغو ہونا سمجھ میں آجاوے گا، کیا کسی تقریب میں جانے کے وقت یا کسی معزز مہمان کے آنے کے وقت جبکہ بدن اور کپڑے میلے ہوں یہی شخص جو ادنیٰ بہانہ سے تیمم کرتا ہے، غسل کرکے کپڑے بدلتا ہوا نہیں دیکھا جاتا۔۔۔؟

کیا ایسے ہی موقع پر اگر دیر تک کھڑا ہونا پڑے، یا بیٹھنے کی ضرورت ہو تو کیا اس کو تحمل نہیں ہوجاتا؟ مگر نماز میں کھڑا نہیں ہوا جاتا! کیا ریل میں اپنی آسائش کی ضرورت سے یا اپنے کسی مریض رشتہ دار کے آرام دینے کے لئے مسافروں سے جگہ دینے کی التجا بھی درخواست نہیں کی؟ تو نماز کے لئے یہ حرکت مزید کیوں شاق جاتی ہے۔

نماز کا اثر اور برکت

بلکہ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ نماز میں وہ اثر اور برکت ہے کہ جب نماز کے لئے جگہ دینے کی درخواست کی جاتی۔ بجز دو ایک کے جو ہر جگہ مستثنیٰ ہوتے ہیں اور شمار میں نہیں آیا کرتے، باقی ہمیں نہیں دیکھا کہ کسی نے ذرا بھی عذر کیا ہو، مخالف مذہب والے تک رعایت کرتے ہیں، مگر خود ہی کوئی کچا اور کم ہمت ہو تو کیا علاج! ورنہ ریل میں اچھے خاصے کھڑے ہوکر رکوع وسجدہ کے ساتھ اور رخ کی طرف نماز پڑھی جاتی ہے اور اگر کسی موقع پر واقعی عذر ہو تو وہاں شریعت نے تنگ نہیں کیا۔ رخصت پر عمل جائز ہے۔

اور بعض عذر بالخصوص مستورات کے جو عذر مذکور ہوئے مسائل جاننے سے رفع ہوسکتے

ان ہی میں سے ایک عذر پردہ کا ہے کہ ریل سے اتر کر نماز پڑھنے میں بے پردگی ہے تو اس کے متعلق حکم شرعی سمجھ لینا چاہیے کہ ایسے وقت میں صرف برقعہ کا پردہ کافی ہے۔ ریل کے احاطہ میں رہنا ضروری نہیں اور حجاج کا نماز ترک کرنا بجز احکام کی عظمت نہ ہونے کے ہے تو اس کا علاج ابھی مذکور ہو چکا، دوسرے بے فکری احکام کی سو یہ ہے اور اگر جہاز میں پانی کا اہتمام نہ ہونا اس کا سبب ہے تو اس کے متعلق اول کی کوتاہی کے ضمن میں جہاں بیماروں کا نماز چھوڑ دینا بخیال نجاست بدن یا کپڑے کے مذکور ہے بیان کیا گیا ہے۔

اور اگر یہ حج نفل ہے اور کسی سبب سے اہتمام نماز کا نہ ہو سکے تو اس شخص کو اس حج کے لئے سفر کرنا ہی جائز نہیں وہ اپنے گھر رہ کر کام میں لگے وعلیٰ ہذا یحمل ما قال العارف مسعود بک رحمۃ اللہ علیہ ست

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید معشوق درینجاست بیائید بیائید

تعدیل ارکان نہ کرنا

(۵) ایک کوتاہی یہ کہ بعض لوگ تعدیل ارکان و اتیان سنن کا اہتمام نہیں کرتے نہ قومہ ہے نہ جلسہ ہے رکوع بھی ہیئت مسنونہ پر نہیں قیام بھی قدر قراءۃ مسنونہ سے کم ہے قراءت میں بھی غلط صحیح کی خبر نہیں، نماز کیا پڑھتے ہیں بیگار ٹالتے ہیں۔ ایک حدیث میں ایسے شخص کو نماز کی چوری کرنے والا فرمایا ہے اور ایک حدیث میں ایک ایسے شخص کو نماز کے اعادہ کا حکم اس ارشاد کے بعد دیا کہ جا پھر نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی یعنی یہ نماز تیری نہیں ہوئی۔

یہ مسئلہ فقہیہ تو الگ رہا کہ اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ لیکن اگر ہوئی بھی تو وہ بھی ایسی ہی ہوئی جیسے ایک کبڑی لنگڑی لولی اندھی بہری گونگی اپاہج بیمار ہو اور وہ ایک درجہ میں آدمی تو ہے مگر قابل اس کے نہیں کہ کسی صاحب کمال، صاحب جلال بادشاہ کی نظر میں پیش کی جا سکے اور وہ اس کو قبول کرے، اسی طرح یہ نماز ایک درجہ میں نماز کہلائی جاوے گی مگر جب اس کے ارکان جو بمنزلہ اعضاء کے ہیں ناقص ہیں تو وہ قابل اس کے نہیں کہ حق تعالیٰ کے حضور میں قبول ہو سکے، یا اعضاء درست ہوں مگر ہیئت مسنونہ پر نہ

ہونے سے ایسی ہوگئی جیسے تندرست کبڑے کی شان و خط، تاہم دل سے خالی ہو، جو بادشاہ کی طبع خاطر ہے پس درجہ کمال میں مقبول نہ ہوگی یعنی محبوب نہ ہوگی گو ادا ہو جاوے گی۔ لئے اس کی تعدیل اور تکمیل ضروری ہے۔

رکوع و سجود وغیرہ کی درستی کے لئے تو تھوڑی ارادہ کافی ہے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں، البتہ قیام بعد مسنونہ کے لئے کچھ سورتیں خاص سیکھنا ضروری ہوں گی جس کے لئے عمر کا بیسواں حصہ محفوظ ہونا کافی ہے کہ اس میں سورۂ بروج تک طوال مفصل ہے اور لم یکن تک اوساط ہیں سے سورت کی تکمیل ترجمہ کے یاد کرنے سے مختلف نمازوں میں سنت ادا ہو سکتی ہے اور تصحیح قرآن کے لئے کچھ توجہ کرنا پڑے گی، جس کے متعلق میں نے عنوان "مسائل متعلقہ قرآن مجید" کے ذیل میں عرض کر دیے ہیں ان کا ملاحظہ فرمانا اس باب میں کافی ہوگا۔

اور جس طرح اپنا قرآن صحیح کرنا ضروری ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے گھر والوں کی نماز اور قرآن جس قدر نماز میں پڑھا جاتا ہے اہتمام کر کے درست کرا دیں، اگر دس منٹ روزانہ بھی اس کام پر پابندی کریں تو بہت آسانی سے اس میں کامیابی ہو سکتی ہے غرض اس طرح سے نماز کی تکمیل و تعدیل بہتر ہو جاوے گی۔

بعض بار بیٹھے ایسے بھی نماز پڑھتے ہیں جن میں تعدیل کی مشق کرتے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے متعلق خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جاوے گا۔

نمازی امراء کی کوتاہیاں

(۱) ایک کوتاہی گروہ نمازی امراء میں بالخصوص کثرت سے ہے وہ جماعت کا ترک کرنا ہے، نصوص سے اس کا حد درجہ اہتمام ثابت ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کے ترک پر جو وعیدیں آئی ہیں ان پر نظر کر کے بہت علماء نے اس کو واجب کہا ہے اور بعض محققین فقہاء حنفیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور جب عمل میں اور ترک کے گناہ اور سزا میں برابر فرض کے ہے تو پس ایک فرض کو ادا کرنا اور اس کے ساتھ دوسری کو ترک کر دینا کس درجہ کی غلطی ہے اور قبیح ہے

جہاں تک دیکھا گیا سبب ترکِ جماعت کا اکثر دو امر ہیں۔

(۱) سستی کہ آدمی دور کون جاوے دھوپ میں کون جاوے؟

(۲) تکبر کہ ذلیل لوگوں کے ساتھ کھڑا ہونا پڑے گا یا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا پڑے گی۔

اور کبھی اس کا سبب مسجد میں ان لوگوں کی شان و عادت کے موافق سامانِ آسائش کا مفقود ہونا ہوتا ہے، چنانچہ میں نے ایک صاحب کو یہ عذر کرتے ہوئے دیکھا کہ وہاں کا فرش کا موقع ایسا ہے کہ وہاں بیٹھیں تو کپڑوں کو کالک لگ جاتی ہے، چٹائیاں سڑی ہوئی جن میں گرد و غبار بھرا ہوا ہوتا ہے، جن سے کپڑے میلے ہو جاتے ہیں، ہوا کا گذر نہیں، دل پریشان ہوتا ہے۔

سستی کے متعلق تو اتنا عرض کرنا کافی ہے کہ اگر اسی وقت میں کوئی دنیا کا کام جس میں مال و جاہ کا نفع ہو نکل آوے تو یہی حضرات اس کی طرف اس طرح دوڑیں کہ ذرا بھی کسل نہ ہو نہ گرانی ہو۔ افسوس! کیا آخرت کی ضرورت اس درجہ پر بھی نہیں۔

میں نے ایک صاحب کو دیکھا ہے کہ ان کے دروازہ پر مسجد تھی مگر وہاں کبھی تشریف نہ لاتے تھے، ایک بار ان کے یہاں بچے کی تقریب بسم اللہ کی تھی اور ان کے ایک غریب بھائی کسی بات پر خفا ہو گئے تھے، عین جیٹھ بیساکھ کی دوپہر میں ایک بجے کی چلچلاتی دھوپ میں کہ ایسی ذرا بھی نکل سکتی تھی ان کے پاس ایک دو میل گئے اور ان کو منا کر لائے، یا اللہ دنیاوی مصلحت کے وقت وہ سستی کہاں چلی جاتی ہے؟ علاج اس کا وہی وعیدوں کا یاد کرنا ہے۔

اور تکبر کے باب میں یہ معروض ہے کہ اول تو آپ کی شان ہی کیا ہے؟ شاید وہ مساکین خدا تعالیٰ کے نزدیک آپ سے زیادہ محبوب و مقبول و ذی جاہ ہوں، اس کے سامنے دنیوی عزت گرد ہے، بلکہ عجب نہیں کہ قیامت میں تم کو ان ہی مساکین کی التجا کرنی پڑے اور ان کی استدعا پر رہائی ہو تو باوجود قیام احتمال کے تم کو ان کے حقیر سمجھنے کا کیا حق حاصل ہے....؟

دوسرے اگر تمہاری شان ان مساکین سے زیادہ بھی مان لی جاوے تو تم مساجد میں ان مساکین کی تعظیم کے لئے تو نہیں بھیجے جاتے کہ خلافِ شان ہو بلکہ تم اور وہ سب ایک ایسے عظیم الشان کی تعظیم

کے لیے تیار ہوتے ہو جس کی تعظیم سے تمہاری شان بڑھتی ہے، کیا کسی بادشاہ کے دربار میں سے موقع پر کوئی شخص محض اس بنا پر حاضر ہو کر سلام کرنے سے اعراض یا اغماض کرنے کی ہمت کرسکتا ہے کہ وہاں تو ہزار بار بھی جا کر سلام کرتے ہیں؟ اور اس سلام کے لیے جانا ناپسند ہے، کیا سچ مچ ایسے دربار کے موقع پر سلام کرنا ناپسند ہے؟ ہرگز نہیں ——— ہرگز نہیں، کیا کوئی ایسا کر بیٹھے تو وہ سرکش اور گستاخ نہ سمجھا جاوے گا؟ ضرور، ضرور، تو تعجب ہے کہ دربار شاہی کے ساتھ تو یہ برتاؤ اور دربار الٰہی کے ساتھ یہ برتاؤ ...... صدق اللہ تعالیٰ ما قدروا اللہ حق قدرہ ان اللہ لقوی عزیز (الحج ۲۲ — ۷۴) [ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسی کہ اس کی قدر ہے بیشک اللہ زور آور زبردست ہے]

اور اگر کسی مسکین کے امام ہونے سے عار آتی ہے تو دل تو وہ عار کی بات نہیں، کیا حکام کے دروازوں میں حاضر ہونے کے وقت اردلی خاص کا رتبہ اور ریاست میں نمبرداری پر نہیں، پیشی کرانے کے وقت تمہارا پیش رو نہیں ہوتا؟ پھر اس وقت عار کیوں نہیں آتی؟ یہ ساری عار خدا ہی کے معاملے میں کیوں ہے؟ اصل یہ ہے کہ وہاں تو خوشنودی مقصود ہے وہ جس طریق سے بھی حاصل ہو اور یہاں رضا مقصود نہیں ورنہ کسی طریق سے بھی عار نہیں آتی، واللہ در العارف الرومی[1] رحمۃ اللہ علیہ حیث یقول ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما ——— اے طبیب جملہ علتہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما ——— اے تو افلاطون و جالینوس ما

دوسرے اگر تمہیں یہی عار ہے تو آپ لیاقت علمی و عملی ان مساکین سے زیادہ حاصل کیجئے پھر آپ کے ہوتے ہوئے وہ غریب خود ہی امام نہ بنے گا، آپ امام بنئے! اس مسکین کو عار آوے گی، وہ تقدم کرے گا اور جماعت میں دیر ہو جاوے گی، افسوس خود تو الحمد اور قل ھو اللہ تک صحیح

[1] حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ بلخ میں ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ کو پیدا ہوئے [illegible] مولانا روم قدس سرہ نے مثنوی شریف کی تصنیف ۶۶۲ھ میں شروع کی، اس کے ساتھ دفتر ہیں جو بہت مقبول رہے، سب سے زیادہ مثنوی شریف کی شروحات لکھی گئی ہیں، آپ نے ۵ جمادی الاول ۶۷۲ھ [illegible] کو وفات پائی۔ از نیاز محمد [illegible]

دیا جاتے ہوں! اس شک کی خبر نہ ہو کہ سجدہ سہو کن کن صورتوں میں واجب ہو جاتا ہے اس لئے آخر ذرا سا بھی اہل نہ ہوں اور وجود دوسرا اس قابل ہو تو اس سے عذر کرنا یہ عار نہیں ہے بلکہ عار یہ ہے

زمنصب ار نہ جسی تجربہ و عشاد — و ذیبا زمین خذ ان المستاد

رہ گیا عذر مسجد میں سامان آسائش نہ ہونے کا، تو اس عذر کو فوراً پیش کرتے ہوئے بھی ان حضرات کو شرمانا چاہیے۔ کیونکہ اس عذر کے معنی تو غور کرنے سے یہ نکلتے ہیں کہ مسجد غرباء کا گھر ہے، وہاں اگر ہم کو بلاتے ہیں تو ہماری شان کے لائق اس کو سامان سے درست کرنا چاہیے ورنہ ہم نہیں جانے کے۔

کیوں صاحب؟ زیادہ سچ سچ غرباء کا گھر ہے۔ اگر ان کا گھر نہیں تو پھر اس عذر کے کیا معنی؟ اگر یہ معنی نہیں تو عذر کا مطلب ہے خدا کو ایسا کرنا چاہیے، تو کیا اس کہنے کی جرأت کر سکتے ہو؟ اگر نہیں کر سکتے تو اس کے جواب کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر کر سکتے ہو تو جواب سنو! خدا تعالیٰ نے آپ کو اور غرباء کو سب کو خادم بنایا ہے، اور منجملہ دوسری خدمتوں کے ایک خدمت یہ بھی ہے کہ اس دربار میں آسائش و ضروریات کا سامان جمع کرو اور اس کے انتظام کے لئے سب کو رقم بھی دی ہے کیونکہ سب اموال ملک خدائے تعالیٰ کی ہیں جن میں غرباء سے زیادہ تمہارے ذمہ واجب ہے کہ اس دربار یعنی مسجد کا انتظام کرو۔ وہ جس سامان نہ ہونے سے آپ وہاں نہیں جاتے اس کو خود درست کرو اور وہاں جاؤ۔ تو یہ عذر کرنا حقیقت میں اپنی کوتاہی کا اظہار و اقرار ہے کہ ہم نے خدمت دربار کے متعلق جو احکام تھے ان کی بجا آوری نہیں کی اور یہ عذر کرنے سے الزام کی بات ہوئی یا تمہاری ستر کی بات ہوئی؟ یہ تو بیان امراء کے متعلق مضمون تھا۔

بعض لوگ دیندار دل کے شائق ہوتے ہیں اور امام میں شرعی عیب نکال کر جماعت ترک کرتے ہیں، کبھی تو اصلی سبب اس کا کوئی دنیوی رنجش ہوتا ہے بہانہ کے لئے کوئی عیب ڈھونڈ کر اس کی آڑ لیتے ہیں، وہ تو فلاں معصیت میں مبتلا ہے، فلاں بدعت میں مبتلا ہے، بعض متکبروں کو اصل مانع تکبر وغیرہ ہی کا تخیر ہوتی ہے، مگر چونکہ دیندار کہلاتے ہیں اس لئے شرعی عنوان نکال کر اپنی غرض حاصل کرتے ہیں۔ مثلاً مفتی سے پوچھتے ہیں کہ جناب جس کی بیوی بے

بے پردہ جو نی موجودہ فیشن ہے یا نہیں؟ اور اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ وعلیٰ ھذا

اور کبھی اصلی سبب تدین بھی ہوتا ہے، مگر مسائل کے نہ جاننے سے ایسا اہتمام کرتے ہیں، غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ڈاڑھی بے پردہ سے نفور ہیں، ان کے یہ سمجھنے سے کہ یہ شخص بے دین ہے اور کوئی رنج دنیوی نہیں ہے، مگر اس مسئلہ کی ان کو خبر نہیں کہ منفرد سے ہر حالت میں جماعت کی نماز افضل ہے، اگرچہ امام مبتدع ہو بشرطیکہ بدعت اس کی حد کفر تک نہ پہنچی ہو۔ اگر اصلی سبب دنیوی رنج ہو تو سمجھنا چاہئے کہ دین کو اپنی اغراض دنیویہ کا ذریعہ بنانا سخت نازیبا ناپسندیدہ اور بے ادبی و گستاخی ہے جس کا قبیح ہونا محتاج بیان نہیں۔ اگر خلق سے اپنا عیب چھپا لیا تو حق تعالیٰ پر تو ظاہر ہے اس کو کیا جواب دو گے؟

اگر اصلی سبب تکبر ہے تب بھی یہی جواب ہے اور اس سے کچھ اوپر کبر کا مفصل بیان تکبر کا ہو چکا ہے اور یہ بے پردگی کا بہانہ جو تراشا گیا ہے سو اس کا اصلی جواب تو یہی ہے کہ نفسانی غرض کو دین کی آڑ نہ بنایا جاوے، اور دوسرا جواب یہ ہے کہ خود معترض بھی اس اعتراض سے محفوظ نہ ہوں گے، کیونکہ پورا پردہ شریعت کے موافق بڑے لوگوں میں بہت کم ہوتا ہے۔ اکثر ان کے متعلقات دور و نزدیک کے اعزہ کے روبرو بے حجاب آتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض غریبوں کی عورتیں تو شرم سے نکل کر نامحرموں کا سامنا کرتی ہیں اور امیروں کی عورتیں گھروں کے اندر بیٹھ کر نامحرموں کا سامنا کرتی ہیں، تو دونوں برابر ہوئیں، بلکہ غریب کی بیویاں تو اس ترتیب سے کہ وہ پرانی ہوں تو محرموں کے سامنے آتی ہیں اور امیروں کی عورتیں زیب و زینت کے ساتھ آتی ہیں، تو اب خود دیکھ لیجئے کہ کیا قبیح ہے یا زیادہ قبیح ہے، تو اس حیثیت سے بھی اکثر غریب لوگ اولیٰ بالامامت ہونے کے احق ہیں۔

اور اگر تدین ہی سبب ہے تو اس میں جو غلطی ہے وہ مسئلہ کے جاننے سے جاتی رہے گی، جیسا اوپر بیان کیا گیا کہ منفرد سے جماعت افضل ہے، رہی کراہت تو اس کراہت کا تدارک اس طرح ہو سکتا ہے کہ اس امام کے معزول کرنے پر قادر ہو، ورنہ کراہت خفیف ہے، ترک جماعت کی کراہت بہ نسبت اس کے اشد ہے، ایسے مقام پر ترک جماعت ہونے سے احتمال فتنہ کا ہو تو کیسی بری بات ہے۔

ان تارکانِ جماعت میں بعض مشائخ دیکھے جاتے ہیں۔ ان کو یہ دھوکہ ہوا ہے کہ جماعت میں افتراق و تعلق ہوتا ہے اور اختلاط خلق ذاکر و سالک کو مضر ہے۔

اور بعض نے تنہا بین کیا کہ پڑھتے ہیں دوسروں وحضرات کہتے ہیں۔ اور بعض حضور قلب کے ساتھ ہو وہ افضل ہوتی ہے عدم حضور والی نماز سے اور جماعت میں یہ حضور میسر نہیں ہوتا۔ اس دھوکہ کا منشا یہ ہے کہ یہ حضرات مواجید و کیفیات ذوقیہ کو مقصود بالذات سمجھے اور وہ بعض اوقات خلوت میں زیادہ ہوتے ہیں بہ نسبت جلوت کے۔ لیکن واقع میں مقصود بالذات رضائے حق ہے جس کا ذریعہ بجا آوری احکام ہے کہ منجملہ ان کے جماعت کی نماز ہے۔ اگرچہ اس میں ذوقیات و وجدانیات کی قلت ہو۔ پھر تجربہ ہو چکا ہے کہ بعض اعمال ظاہریہ گو سرسری کسی کیفیت خاص کی قلت کا سبب معلوم ہوتے ہیں مگر ان کی مداومت سے دوسری کوئی کیفیت بتدریج ایسی حاصل ہوتی ہے کہ اس کیفیت فائتہ سے اعلیٰ و اقویٰ و اتم ہو۔ اس وقت اس کی قدر معلوم ہوتی ہے۔

خشوع کا فقدان

(۴) ایک کوتاہی جس کو عوام تو عوام بعضے خواص بھی کوتاہی تصور نہیں کرتے اور اس حیثیت سے وہ خاص طور پر اہتمام کے قابل ہے۔ نماز میں خشوع و حضور قلب کا نہ ہونا ہے جس کے مطلوب ہونے کے لئے آیت قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون۔ یعنی کام نکال لے گئے ایمان والے جو اپنی نماز میں جھکنے والے ہیں۔

اور اس میں تقصیر کرنے کی مذمت کے لئے آیت الم یأن للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ... یعنی کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کو کہ گڑگڑائیں ان کے دل،

کافی ہے اور سبب اس کا بالاستقراء دو امر ہیں۔

(۱) بعض کو تو اہتمام ہی نہیں ان کے لئے تو یہ ہے غفلت۔

(۲) بعض کو اہتمام ہے مگر اس کی حقیقت نہ جاننے سے اس کو اختیار و قدرت سے باہر سمجھتے ہیں اس لئے اس کی تحصیل کا ارادہ ہی نہیں کرتے۔

پہلے سبب کا علاج تو آیات بالا کے مضمون میں غور کرنا ہے،
اور دوسرے سبب کا علاج اس کی حقیقت سمجھنا ہے جس کو مختصراً بیان کرتا ہوں جس کا وعدہ اس کوتاہی کے ضمن میں کیا گیا ہے کہ بعضے ترک نماز کا یہ عذر کرتے ہیں کہ ہم سے حضور قلب نہیں ہو سکتا اور نماز بدون اس کے ہوتی نہیں۔

خشوع کی حقیقت

سو حقیقت لغویہ خشوع کی، سکون ہے اور حقیقت شرعیہ اس کی، سکون ارادی ہے قلب اور جوارح کا۔ اور سکون مقابل ہوتا ہے حرکت کے، سو جیسی حرکت ویسا سکون تو جوارح کی حرکت اختیاریہ یعنی مکاسبہ ہوتی ہے ان کا سکون یہی ہے کہ جس حرکت کا شرعاً امر نہیں وہ حرکت نہ کرے یعنی ارادہ سے ہاتھ پاؤں عبث نہ ہلاوے۔ ادھر ادھر گردن یا نظر سے التفات نہ کرے، سر اوپر کو نہ اٹھاوے، بالوں کو، کپڑوں کو بار بار نہ سنوارے، بدون ضرورت نہ کھجلاوے، نہ کھنکارے وغیرہ ذالک

اور قلب کی حرکت فکر ہے اس کا سکون عدم الفکر ہے یعنی اپنے ارادہ سے کوئی بات نہ سوچے، سو جیسی حرکت جوارح کی اگر بلا قصد ہو مثلاً رعشہ سے کسی کی گردن ہلتی ہو تو وہ منافی خشوع کے نہیں کیونکہ اختیار سے خارج ہے اور اضطراریات امر و نہی کے تحت میں نہیں ہیں، اسی طرح اگر حرکت قلب کی بلا قصد ہو یعنی کوئی خیال خود بخود آجاوے تو وہ بھی اسی دلیل سے منافی خشوع کے نہیں پس غلطی لوگوں کی یہ ہے کہ خشوع کے معنی یہ سمجھے ہیں کہ بالکل خیال نہ آوے اور اسی بنا پر اس کو محال عادی سمجھتے ہیں اور اسی بنا پر نماز کا فاسد ہونا ہماری تقریر سے معلوم ہو گیا ہے، جس سے معلوم ہو گیا کہ خشوع اختیاری فعل ہے اور ہر شخص اس پر قادر ہے اور بہت آسان ہے البتہ ارادہ و توجہ کی ضرورت ہے۔

حصول خشوع کا طریقہ

پس جیسے سب افعال ارادیہ کی شان ہے کہ ارادہ کرو تو آسان، ارادہ نہ کرو تو مشکل حتی کہ اگر منہ میں لقمہ رکھ کر بیٹھ جاوے اور نگلنے کا ارادہ نہ کرے تو وہ بھی آسان نہ

نہیں یعنی اگر لفظ نکلنا آسان ہے تو خشوع بھی اتنا ہی آسان ہے اور اگر خشوع محال ہے تو لفظ نکلنا بھی اتنا ہی محال ہے، دونوں کے تیسر اور عسر میں کچھ فرق نہیں اور سہل طریقہ اس کا یہ ہے۔

کہ نماز میں جو کچھ بھی منہ سے نکلے محض یاد سے نہ ہو بلکہ ہر ہر لفظ پر مستقل ارادہ کرکے اس کو منہ سے نکالے کہ اب سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ کہوں گا، اب وَبِحَمْدِكَ کہہ رہا ہوں اب وَتَبَارَكَ اسْمُكَ منہ سے نکل رہا ہے وعلیٰ ھذا،

پس جب ہر لفظ پر خاص توجہ رہے گی لامحالہ حسب قاعدہ عقلیہ کہ النفس لا تتوجہ الی شیئین فی آن واحد دوسرے خیالات بند ہو جاویں گے، کیونکہ نفس ایک وقت میں دو چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

اس مراقبہ کو اوّل سے آخر تک بالالتزام کرے ان شاء اللہ تعالیٰ دل میں بلا قصد بھی کوئی خیال نہ آوے گا اور اگر فرضاً آجاوے تو پھر اس سوچ میں نہ پڑے کہ ارے یہ تو پھر خطرات آنے لگے، یہ سوچ بھی خیال غیر ہے، بلکہ اسی عمل یعنی تجدید تعلق ارادہ و توجہ کو بطریق مذکور آئندہ کے لئے پھر تازہ کر دے پھر وہ خطرات دفع ہو جاویں گے۔ وھذا من افادات استاذی استاذ الکل حضرت مولانا محمد یعقوب علیہ رحمۃ اللہ علام الغیوب [1]

اور اس احقر کا ایک وعظ خشوع کے ہر پہلو پر مفصل بحث میں شائع ہو چکا ہے جس کا نام "مواعظ اشرفیہ" ہے اس کے ملاحظہ سے ان شاء اللہ تعالیٰ اس باب میں کسی قسم کا خفا باقی نہ رہے گا۔

متفرق کوتاہیاں

ایک کوتاہی کہ ذی شعب مختلفہ ہے اور اسی پر اپنی تحریر کو ختم کرنا چاہتا ہوں یہ ہے

---

[1] حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی ولد مولانا مملوک علی صاحبؒ ۱۳ صفر ۱۲۴۹ھ رجون ۱۸۳۳ء میں پیدا ہوئے، تاریخی نام منظور احمد ہے۔ حدیث پڑھی آپ نے شاہ عبدالغنی رحمۃ سے ... حاشیہ ؒ

کہ نماز جیسی بڑی فرض عبادت جو ہر روز دن رات پانچ بار — واقع ہونے والی اور اس کے شرائط وارکان کے ہر جزو اور ہر موقع پر بے شمار صورتیں پیش آتی ہیں، جن کے احکام بہت لوگوں کو معلوم نہیں، مگر باوجود اس کے بہت کم دیکھا جاتا ہے کہ ان احکام و مسائل کو لوگ دریافت کرتے ہوں:

(۱) بہت لوگ ناواقفی سے بلا اضطرار اس طرح جماہی لیتے ہیں یا بلا عذر کھنکارتے ہیں کہ حروف ظاہر ہو کر نماز جاتی رہتی ہے۔

(۲) بہت لوگ ایسے لباس غیر مشروع سے نماز پڑھتے ہیں کہ نماز ان کی قبول نہیں ہوتی بالخصوص بعض اقسام ریشم و رنگ کے استعمال میں تو خواص تک بھی احتیاط نہیں کرتے۔

(۳) بعض لوگ ہجوم میں امام سے پہلے نیت باندھ لیتے ہیں کہ وہ نماز ہی نہیں ہوتی۔

(۴) بعض لوگ امام کے ساتھ رکوع میں اس طرح شامل ہوتے ہیں کہ اللہ اکبر کہتے ہی رکوع میں پہنچ جاتے ہیں اور اول قیام نہیں کرتے ان کی نماز بھی نہیں ہوتی۔

(۵) بعض لوگ قعدۂ اخیرہ میں امام کے ساتھ شریک ہونا چاہتے ہیں مگر ان کی تکبیر تحریمہ کرنے سے پہلے امام سلام پھیر دیتا ہے تو وہ اقتدا صحیح نہیں ہوتی اور نیت اقتدا کی وجہ سے انفراد میں مفسد صلوٰۃ ہے اس لئے ان کی نماز ہی نہیں ہوتی از سر نو نماز شروع کرنا چاہئے۔

(۶) اسی طرح بعض اوقات امام سہواً بعد قعدۂ اخیرہ کے کھڑا ہو جاتا ہے تو مسبوق بھی متابعت سے ساتھ ہو کر کھڑا ہوتا ہے حالانکہ اس وقت مسبوق کو اقتدا جائز نہیں تو اس کی نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے۔

(۷) علی ھذا اگر امام مسافر بعد دو رکعت کے سہواً کھڑا ہو جاوے تو مقتدی مقیم کو اس کے ساتھ مقتدی رہنا بھی مفسد صلوٰۃ فرض ہے۔

---

(۱) [illegible] معقولات و منقولات فرض تمام علوم میں ماہر تھے شاعری میں بھی کمال [illegible] مگر کبھی جب صحبت حاضر ہوتی تو اردو فارسی عربی میں [illegible] شعر [illegible] بلا تصنع [illegible] فرماتے تھے [illegible]

اس قسم پریشانی کا اجتناب مقصود نہیں اور نہ ممکن ہے، مقصود بعض شائقین پر تنبیہ کرنا ہے کہ ایسی صورتیں جس کثرت سے واقع ہوتی ہیں جن میں نماز نہیں ہوتی اور لوگ اس سے بے خبر ہیں!

اسی طرح شرائط میں بھی بے پرواہیاں کی جاتی ہیں:-

(۱) بعض آدمیوں کو دیکھا گیا ہے کہ کپڑے پر کیا اگرچہ نجاست ہو تیمم کر لیتے ہیں۔

(۲) بعض کو دیکھا ہے کہ اگر وضو و غسل میں کہیں پاؤں وغیرہ خشک رہ جاتا ہے ویسے ہی تر ہاتھ پھیر لیتے ہیں جو کہ مسح ہے، پانی ڈال کر نہیں دھوتے۔

(۳) بعض آدمی باوجود اندیشہ قطرہ کے فوراً صرف پانی سے استنجا کر لیتے ہیں اور پھر قطرہ آ جاتا ہے، اگر خبر بھی ہو گئی اور وضو بھی دہرا لیا مگر پاجامہ پاک نہیں کرتے اور اسی طرح کئی بار میں مقدار عفو سے بڑھ جاتا ہے اور اسی کپڑے سے نماز پڑھتے رہتے ہیں اور اگر علم نہ ہوا تو اپنے وضو ہی کو نہ پڑھی جا رہے گی اور اگر شبہ ہو کہ بے خبری میں معذور ہے!

جواب یہ ہے کہ معذور اس وقت ہے کہ جب شک وضو کا احتمال غالب نہ ہو ورنہ اس احتمال کا انسداد واجب ہوگا اور جب تری کا ضعف مشاہدہ ہو تو قطرہ کا قطع کرنا ضروری ہوگا اور تجربہ سے اس باب میں کلوخ سے بہتر کوئی چیز ثابت نہیں ہوئی۔

نااہل کو امام بنا لینا

اسی طرح بہت جگہ امام ایسے ہیں کہ نماز لوگوں کی فاسد یا مکروہ ہوتی ہے، پھر بعض جگہ تو مقتدی ہی اس خرابی کے سبب ہوتے ہیں، یعنی امام تجویز کرنے کے وقت اس کی صلاحیت کو نہیں دیکھتے بلکہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ محلہ بھر میں جو شخص سب سے نکما ہوتا ہے اس کو ادنیٰ سمجھ کر امامت کے لئے تجویز کیا جاتا ہے، چاہے اس کو قرآن پڑھنا بھی نہ آتا ہو، خواہ اس کو مسائل بھی یاد نہ ہوں اور بعض جگہ مقتدیوں کا کچھ دخل ہی نہیں ہوتا خود ہی بوجہ تکبر بعضے اہل وجاہت امام بن بیٹھتے ہیں اور قصبات میں مسجد و عیدین کے اکثر تر اسی قسم کے ہیں اور اس خرابی کی ابتداء امامت کا موروث ہونا ہے جس کی بنا

بعض سلاطین کے وقت سے پڑی ہے جس وقت گو اس میں کوئی مصلحت ہو ،
مگر اب تو اس میں اس قدر مفاسد ہو گئے ہیں کہ اس کو توڑنا اور ایسے امام کو چھوڑنا واجب
ہے ، اگر اس کے معزول کرنے پر قدرت نہ ہو تو خود تو عزلت کرنا ممکن ہے ۔
یعنی سب مل کر کسی دوسری جگہ جماعت کا انتظام کریں ، اور کسی اہل کو امام تجویز
کریں ۔ البتہ جہاں امام سے فرد رسانی کا اندیشہ ہو تو یہ بیچارے معذور ہوں گے ، صبر
کرنا چاہیئے ، یہ حقے تبعیہ اس احق الذکر کو نہی کے ۔

علم دین ، سب کا علاج

ان سب کا علاج ــــــ علم دین ہے ، جو پڑھنے سے یا علماء کے پاس آنے جانے
سے اور پوچھتے رہنے سے نہایت سہولت سے ممکن الحصول ہے ۔

یہ تھا مختصر ضروری بیان ان کوتاہیوں کا جو کثیر الوقوع ہیں اور جن کا وقوع قلیل ہے
ان کا ذکر مطوی (ختم) کیا گیا ، اول بوجہ قلت وقوع کے دوسرے اس لئے کہ ان کا مذموم
ہونا کسی پر مخفی نہیں ، سو تنبیہ کے لئے یہ علم ہی کافی ہے ۔

(۱) جیسے شرم سے بے وضو نماز پڑھ لینا یا پڑھا دینا
(۲) وضو کر کے سو رہنا اور کسی کے جگانے کے بعد سب کو جھٹلا دینا کہ میں تو نہیں
سویا تھا اور اسی طرح نماز پڑھ لینا ۔
(۳) نماز میں اخلاص نہ ہونا ، یعنی صرف اسی لئے نماز پڑھنا کہ لوگ متقی نمازی
سمجھیں جس کو ریا کہتے ہیں وغیرہ ذالک

وسوسہ ، کفر نہیں !

گو یہ امور واقع ہوتے ہیں مگر کثرت نہیں ہے ۔ دیگر بار کثیر الوقوع ہے مگر
مستقر اءسے معلوم ہوا کہ صرف نفل عبادت میں کثیر الوقوع ہے اور یہاں زیادہ بیان
کرنا غیر نفل کا مقصود ہے اور نفل عبادات و ذکر وغیرہ میں بھی ریا وہیں ہے جس جگہ

ن کو قصد ہو، جو شخص اس کو برا سمجھے، دفع کرے، وہاں اس کا شبہ کرنا اور اس فکر میں مبتلا ہونا جیسے بعض سالکین کو پیش آتا ہے مضر ہے: جس خطرہ پر ان کو یہ گمان ہو جاتا ہے، وہ وسوسہ ہے، ریا نہیں ہے۔ جو وسوسہ پر ہوا خطرہ نہیں، اس کی کوئی ور تسلی بخش مثال یہ ہے کہ:

باجماع وسوسے کفر نہیں اور ان پر مؤاخذہ نہیں، اسی طرح اس کو سمجھیے یہ نکتہ بہت چھوٹا ہے مگر نفع میں اگر اس کو علم عظیم کہا جاوے تو بجا ہے۔ والحمد للہ علی انعامہ و تفہیمہ اور بعض لطیف کو تا بیاں ہوتی ہیں جس کی عدم ذکر کی وجہ ذکر کی گئی

روزے کے متعلق کوتاہیاں

(اصلاح معاملہ بہ صیام)

ارکانِ اسلام میں سے ایک روزۂ رمضان شریف کا ہے جو مثل نماز کے عبادتِ بدنیہ ہے اس میں جو انقلاب ہوا ہے نماز کے بعد اس کا بیان بقدرِ ضرورت مع اصلاحِ فردی کے ضروری ہوتا ہے اور بعض اعمال رمضان المبارک کے متعلق ہیں وہ بھی ہیں روزے کے ساتھ ان کا بیان بھی مناسب ہے مجموعہ ان اعمال کا یہ ہے :

(۱) رویتِ ہلال (۲) صوم (۳) سحر (۴) افطار (۵) قیامِ رمضان یعنی تراویح

اور دو عمل جو عید کے متعلق ہیں ان کو بھی اس کے ملحقات سے کہہ سکتے ہیں یعنی

(۱) صدقۂ فطر (۲) نمازِ عید

یہ کل سات ہو گئے ان سب کے متعلق مختصر مختصر مضامین مذکور ہوتے ہیں

رویتِ ہلال

اس وقت یہاں اسلامی ریاست نہیں ہے، ایک یہ احتیاجِ عظیم ہو گئی ہے وہ یہ کہ قریب قریب ہر شخص گو وہ علمِ دین بھی نہ رکھتا ہو اس میں بلا مراجعت علماء کے اپنی تحقیق پر کوئی

وہ کسی اصول شرعی پر مبنی نہ ہو اعتبار کرتا ہے، جس روایت کو چاہا قبول کر لیا، گو وہ قابل قبول نہ ہو اور جس کو چاہا رد کر دیا اگرچہ وہ قابل رد نہ ہو۔

اور ظاہراً رمضان کے چاند کی نسبت قبول کرنے میں زیادہ احتیاط معلوم ہوتی ہے اور لوگوں کو اکثر یہی دھوکہ ہو جاتا ہے کہ روزہ ہی تو رکھواتے ہیں اس میں کیا برائی ہے لیکن ایک بے احتیاطی تو فی الحال ہو جاتی ہے کہ بدون ثبوت رمضان بہ نیت یا اعتقاد رمضان یعنی بہ نیت فرض روزہ رکھا جاتا ہے اور غیر رمضان روزہ رکھنا ممنوع آیا ہے چنانچہ حدیث نہی عن صوم یوم الشک اس میں صاف ہے جس کی علت اور راز ـــ یہ ہے کہ حدود شرعیہ کی اس میں توہین اور ہتک لازم آتی ہے گویا شارع علیہ السلام کے نزدیک تو رمضان مثلاً جمعہ کے دن سے شروع ہوگا، مگر اس شخص کے نزدیک جمعرات ہی سے شروع ہو گیا؛ حدود کی مزاحمت کے جرم ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

ایک اور بے احتیاطی جو اس سے شدید ہے بعض اوقات فی المآل ہو جاتی ہے وہ یہ کہ مثلاً اسی بنا غیر صحیح پر روزہ شروع کیا اور ختم رمضان پر اتفاق سے ابر وغیرہ ہو تو یہ شخص اکمال ثلثین کے قاعدہ پر یعنی تیس پورے کر کے عید کریں گے اور ممکن ہے کہ وہ عین تیس تاریخ رمضان کی ہو تو کس قدر سخت بات ہے اور اس شخص کے تو سے جتنوں نے عید کی اور ایک ایک فرض ان کا برباد ہوا سب کا وبال اس کی گردن پر رہا اور چونکہ اپنے نزدیک رمضان پورا کر چکے ہیں، اس لئے اس روزہ کی قضا بھی کوئی نہ کرے گا تو سب کے ذمہ ایک ایک فرض چڑھا رہا اور اسی پر موت آ گئی۔۔۔!

پس جب ایسی بے احتیاطیاں اس قبول کرنے میں ہوتی ہیں تو اس قبول کرنے کو احتیاط نہیں کہا جا سکتا اور بلا وجہ شرعی رد کرنے میں تو بے احتیاطی کا لزوم ظاہر ہے، فرض روزہ کا ضائع کرنا لازم آتا ہے اور یہی خرابی بعض اوقات ہلال عید میں ہوتی ہے تو دونوں صورتوں میں صریح خرابی ہے یعنی اگر قابل قبول کو رد کر دیا تو عید کا روزہ رکھوایا جو حرام ہے اور نا قابل رد کو قبول کر لیا تو رمضان کا روزہ تڑوا دیا جو اس سے بڑھ کر حرام ہے۔

تار برائے شہادت کیوں معتبر نہیں؟

میں نے بے علموں کو دیکھا ہے کہ محض افواہی خبروں کو قبول کر لیتے ہیں، نہ کہ یہ خبریں کہ خبر کی حجت ہونے کی کیا شرائط ہیں؟ کبھی کبھی صرف تار آجانے پر اعتبار کر لیتے ہیں اور ان کو اس کے احکام فقہیہ کی اطلاع نہیں، جو کہ مخصوص ہے علماء محققین و متقین کے ساتھ۔ بس بڑا مدار استدلال اس کے قبول پر ان کے نزدیک یہ ہے کہ صاحب لاکھوں روپیہ کی تجارت تار پر چلتی ہے پھر اس کے اعتبار نہ کرنے کا کیا سبب ...؟

لیکن اگر ان سے کوئی پوچھے کہ گواہ تمہارے پاس نہ آنے کے بعد اگر تار پر شہادت ادا کرے تو فوراً کیوں معتبر نہیں؟ اور معاملات تجارت اور اس شہادت میں کیوں فرق ہے؟ اور اس شہادت میں اور رویت ہلال کی شہادت میں کیا فرق ہے؟ تو اس کا معقول جواب نہیں دے سکتے۔ اسی طرح میں نے بعض بے علموں کو محض اس بنا پر شہادت کو رد کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ شہادت ادا کرنے والا کوئی معزز آدمی نہیں، اگرچہ وہ تقویٰ اور دین میں ان معززین سے ہزار درجہ افضل ہو مگر ان کے نزدیک وہ آدمی ہی نہیں! پھر اسی قسم کے لوگوں کو یہاں تک تنزل کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ کہتے ہیں میرے چچا زاد نے دیکھا ہے، ہمارے محلے کے فلاں فلاں بالغ بچے نے دیکھا ہے، پس یا آپس شور شوری یا باہمی جنگی اور اس تمام خرابی کا منشا صرف یہی ایک امر ہے کہ علماء سے اپنے کو مستغنی سمجھتے ہیں بلکہ افسوس ہے کہ بعض اوقات ان کا فتویٰ سن کر ان سے مزاحمت کرتے ہیں اور صاف جرح نکالتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ......!

طریق علاج

سو اس کی اصلاح یہ ہے کہ ہر شخص اس میں دخل دینا ترک کرے۔ اور مسئلہ کی رویت پر حکم لگانا تو بڑی بات ہے مصلحت یہ ہے کہ خود اپنی رویت یعنی دیکھنے کو بھی ہر کسی سے نہ کہے

رویت ہلال کے موضوع پر دیکھئے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا رسالہ رویت ہلال۔

بیان کرنا نہ چھوڑے کہ اور لوگ بھی لگ رہیں گے۔ البتہ حاضرین مجلس رویت، عقلاء کے روبرو ظاہر کرنا مضائقہ نہیں۔ بلکہ سب خبروں اور مشاہدات کو جمع کرکے کوئی عالم معتبر مستند یعنی قریب ہوں تو ان کے پاس جاکر اور اگر فاصلے ہوں اور خود نہ جاسکے تو دو تین فاضل دین دار آدمیوں کو ان کی خدمت میں حاضر کرکے پوری صورت حال واقعہ کی عرض کرکے وہ جو فتویٰ دیں اس پر عمل کریں اور اگر اس فتوے میں کوئی شبہ خیال میں آوے تو عوام کے روبرو اس کو ظاہر نہ کریں کہ انتظام دین میں خلل پڑے گا بلکہ بواسطہ یا بلاواسطہ اس کو بھی ان ہی عالم سے یا اور کوئی صحبت یافتہ علماء کا قریب ہو اس سے پیش کرکے حل کرے۔

علماء کو مشورہ

بلکہ میں تو بروئے تجربہ و واقعات یہاں تک ضروری سمجھتا ہوں کہ جس جگہ متعدد علماء ہوں وہاں ایک عالم بھی بدون مشورہ دوسرے علماء کے اس باب میں اپنی تحقیق و رائے عوام کے روبرو ظاہر نہ کرے، کیونکہ ممکن ہے کہ دوسرے عالم کی رائے میں کچھ اختلاف ہو اور اقوال مختلفہ کے شیوع سے عوام میں تشویش پھیل جائے بلکہ سب مشورہ کرکے اور اگر اختلاف ہو تو باہم طے کرکے ایک قول منقح کرکے وہی قول منقح عوام تک پہنچے اور جس عالم سے استفسار کیا جائے ایک ہی جواب سب جگہ سے ملے اور اگر رائے میں اتفاق نہ ہو تو جو شخص زیادہ مرجع خلائق ہو فتویٰ اس کے سپرد کردیں باقی سکوت کریں، اگر ان سے کوئی پوچھے تو اسی مرجع موصوف کی طرف حوالہ کریں، خود خاموش رہیں۔ اس میں ان شاء اللہ کبھی بدنظمی نہیں ہوسکتی۔ میں نے تو ایسی تشویشات کو دیکھ کر ایک مقام پر یہ انتظام کیا تھا کہ سب علماء کو متفق کرکے خاص ایک عالم کو اس باب خاص میں متعین تجویز کیا۔ حکم شہر المبارک جو ہلال کے متعلق جس عالم کے پاس آوے، وہ ان کی خدمت میں بھیج دیا جاوے اور جو شخص جس سے فتویٰ پوچھنے آوے وہ سائل کو ان ہی کے پاس بھیج دے اور جب کوئی اختلاف کرنا ہو انہیں سے ظاہر کرے۔ غرض عوام کو اختلاف کی اطلاع نہ ہو اور حکم جو بتلاتے ہیں ان کو تشویش نہ ہو اور اس قرارداد کے بعد عام لوگوں میں اس کا اشتہار دے دیا گیا

پس سب جگہ خانوں سے مجانہ ہو گئی تھی اگر سب جگہ ایسا انتظام کرلیا جاوے تو متوقع ہے کہ اتفاق در بعید عن الافتراق رہے۔

ضروری احتیاط

اور ایک انتظام یہ ضروری ہے کہ چاند دیکھنے پر یا اس کی خبر سننے پر بلا ضرورت دیگر مقامات پر تار نہ دوڑایا کریں، بلکہ کسی عامی کے پوچھنے پر بھی جواب نہ دیا کریں کہ دوسری جگہ عوام کی ہاتھ میں ایسی خبریں پہنچ جانے کے بعد چونکہ اس وقت خود رائی کا غلبہ ہے ضرور مفاسد پیش آتے ہیں کہ ان کا انسداد واجب ہے، اور شرعاً کوئی ضروری امر ہے نہیں کہ ازخود دوسری جگہ خبر بھیجا کرو۔

البتہ کوئی عالم دریافت کرے تو جواب دے دو، پھر وہ خود ہی حکم شرعی کے موافق عمل کریں گے اور کسی مفسدہ کا احتمال نہ ہوگا اور جب ایسے استدلالات کہ کسی درجہ میں صلاحیت استدلال ہونے کی رکھتے ہیں، بدون حکم علماء کے قابلِ اطمینان نہیں، تو جو استدلال اپنی ذات میں بھی صلاحیت استدلال ہونے کی نہیں رکھتے ان سے دلیل پکڑنا تو کس قدر مذموم اور اختراع فی الدین ہوگا۔

مثلاً رجب کی چوتھی کا اعتبار غرہ رمضان کے موافق ہونا، چاند کا بڑا ہونا یا دیر تک ٹھہرنا اونچا ہونا یا بدر کامل ہونا، بیٹھ کر اٹھنا، دو شب تک غائب رہنا، فلاں جنتری میں ۲۹ یا ۳۰ کا لکھا رہنا ومثل ذالک یہ سب شرعاً غیر معتبر ہیں۔

اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ آخر ایسے امور حسابی اور مطابق واقع کے ہیں تو شریعت نے امور واقعیہ کی نفی کیسے کی اس میں تو اس کی طرف نسبت کذب کی لازم آتی ہے؟ وجہ اس شبہ کے وارد نہ ہونے کی یہ ہے کہ شریعت نے ان امور کے وقوع کی نفی نہیں کی کہ یہ محذور لازم آئے بلکہ ان امور کے اعتبار کی نفی کی ہے یعنی ہم ان امور کے وقوع پر اپنے احکام کا مدار نہیں رکھتے اور یہ حق ہر صاحب قانون کو حاصل ہے۔

مثلاً کوئی نوکری مشروط ہو بی اے کے ساتھ تو وہ انٹرنس والے کو نہ ملے گی گو اس کے

معنی یہ نہیں کہ اس شخص کے اہل نہ ہونے کی نفی کی گئی ہے بلکہ محتمل ہے کہ اہل نہیں ہوتا معتبر ورنہ استحقاق ذری کا اس صورت پر نہیں ہے تو اگر غرہ شہر کی غرہ کے مقابل نہ ہو تو اس کو تیم کہنے سکے یہ معنی نہیں کہ وہ واقعتہً تیم ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ خواہ وہ واقع میں کسی دن ہے حساب سے دوم ہو مگر رویت نہ ہونے فلاں فلاں روزہ اسی سے شروع کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اور روزہ شروع کرنے کی تاریخ کو ہماری اصطلاح میں تیم کہا جاوے گا اور لغت و اصطلاح کا تطابق ضروری نہیں۔

جب اہل حساب تاریخ کو طلوع سے شروع کرتے ہیں اور اس کو کوئی محل اعتراض نہیں سمجھتا۔ یہاں تک رویت ہلال کے متعلق کلام ہو چکا۔

صوم

روزہ میں تفریط کرنے والوں کا ذکر

اس میں چند کوتاہیاں کی جاتی ہیں:

(۱) ایک یہ کہ بعض لوگ بلا کسی وجہ قوی یا ضعیف کے روزہ نہیں رکھتے، میں نے ایک شخص کو دیکھا تھا جس نے عمر بھر کبھی روزہ نہیں رکھا تھا۔ اور بعض لوگ بعض تو کم ہمت ایسا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے روزہ پورا نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ وہ شخص اسی بلا میں مبتلا تھا۔ میں نے کہا کہ تم بطور امتحان ہی رکھ کر دیکھو، چنانچہ رکھا اور پورا ہو گیا اور پھر اس کی ہمت بندھ گئی اور رکھنے لگا۔

مجھے افسوس کی بات ہے کہ رکھ کر بھی نہ دیکھا تھا ورنہ یقین کر بیٹھے تھے کہ اگر رکھیں گے تو مر جاویں گے۔۔۔۔۔!!

یہ لوگ سوچتے نہیں کہ اگر طبیب کہہ دے کہ آٹھ دن کھانا نہ کھانا ورنہ فلاں مرض ہلاکت کا ہو جاوے گا، تو اس کے لئے ایک ہی دن کے فاقہ سے یہ شخص دو دن نہ کھاوے گا کہ احتیاط اسی میں ہے، افسوس ہے کہ خدا تعالیٰ ارشاد فرماویں کہ بس پھر الخ

اور کھانے پینے سے عذاب ہلاک کے وعید فرمادی اور قول طبیب کے برابر بھی اس کی وقعت نہ ہوا نا للہ وانا الیہ راجعون ۔ ۔ ۔ ۔ !!

(۲) اور بعض ان سے بھی بدتر بد عقیدت ہیں کہ روزہ کی ضرورت ہی میں ان کو کلام ہے، پھر بعضے تو ان میں مہذب ہیں، کہتے ہیں کہ روزہ جس غرض سے مشروع ہوا تھا کہ قوت بہیمہ منکسر ہو جاوے، وہ غرض ہم کو بدولت علم و تہذیب کے حاصل ہے، اس لئے اب روزہ کی ضرورت نہیں،

ان کا جواب یہ ہے کہ اول تو تم کو اس غرض کا حاصل ہونا مشاہدہ کے خلاف ہے قوت بہیمہ کے آثار نخوت و شہوت و ظلم و تسارت جس قدر تم میں ہیں دوسروں میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں، دوسرے اگر غرض حاصل بھی ہو جاوے تب بھی یہ مسلم نہیں کہ روزہ بس اسی غرض کے لئے مشروع ہے۔ بلکہ خود اس کی صورت بھی مطلوب ہے، تفصیل اس جواب کی نماز کے مضمون میں بیان ہو چکی وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

روزہ وہ رکھے جس کے گھر میں اناج نہ ہو!

(۳) اور بعضے تہذیب سے بھی گذر کر گستاخی اور تمسخر کے کلمات کہتے ہیں۔ مثلاً روزہ وہ رکھے جس کے گھر میں اناج نہ ہو، یا یہ کہ بھائی ہم سے بھوکا نہیں مرا جاتا، یا ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ صاحب کو ملازم رمضان میں کھاتے ہوئے جو ایک دیندار نے ٹوکا کہ رمضان میں دن کو کھاتے ہو، تو وہ فرماتے ہیں کہ رمضان کیا چیز؟ اس دیندار نے کہا کہ صاحب رمضان مہینہ ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ جنوری فروری الخ اس میں رمضان تو کہیں نہیں آیا۔ اور امثال ان اقوال کے!!

سو یہ دونوں فریق بوجہ انکار فرضیت روزہ کے زمرۂ کفار میں داخل ہیں اور پہلے فریق کا قول محض ایمان شکن ہے اور دوسرے کا ایمان شکن بھی اور دل شکن بھی۔ اور فریق اول اس تاویل سے کفر سے نہیں بچ سکتا، کیونکہ یہ تاویل ہے ضروریات دین میں اور ایسی تاویل دافع کفر نہیں ہوتی کما تقرر فی محلہ اور یہ مہذب فریق ظاہراً اس غیر مہذب سے

ایمان ہے مگر مہذب تو ان حرکتوں میں اس سے اشد ہے، کیونکہ غیر مہذب عنوان خود اپنے لفظوں میں رہین ہے اور مہذب عنوان میں تلبیس زیادہ محتمل ہے اور جس طرح بد عقیدت لوگوں میں دو فریق ہیں مہذب اور غیر مہذب جیسا ابھی بیان ہوا اسی طرح کم ہمت لوگوں میں بھی دو فریق ہیں۔ ایک مہذب جو باوجود روزہ نہ رکھنے کے علانیہ نہیں کھاتے پیتے، بلکہ اپنے اس عیب کا اخفاء کرتے ہیں اور ظاہر ہونے پر شرماتے ہیں۔

دوسرے غیر مہذب جو ذرا شرم نہیں کرتے علانیہ کھاتے پیتے ہیں اور دل میں یوں کہتے ہیں کہ جب خدا کی چوری نہیں تو بندہ کی کیا چوری ہے مگر یہ مضمون محض تلبیس ہے کیونکہ خدا تعالیٰ سے تو کسی معصیت کا اخفاء ہو ہی نہیں سکتا اور مخلوق سے اخفاء ہو سکتا ہے، تو ممکن کا ترک محال پر موقوف[ملہ] ہے دوسرے مخلوق سے معصیت کے اخفاء کا خود خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے تو اس کے ترک سے اور بھی معصیت اشد ہو جاتی ہے تو بلا وجہ اشد میں کیوں مبتلا ہو۔

روزہ افطار کرنے کے لئے ادنیٰ بہانہ

(۳) بعض بلا عذر تو روزہ ترک نہیں کرتے مگر اس کا اہتمام نہیں کرتے یعنی ذرا سی تکلیف یا بیماری ادنیٰ بہانہ سے روزہ افطار کر دیتے ہیں خواہ ابتداء ہی سے نہیں رکھتے یا رکھ کر توڑ ڈالتے ہیں، ذرا پیاس لگی روزہ توڑ دیا، خواہ ایک ہی منزل کا سفر ہو روزہ افطار کر دیا، کچھ محنت مزدوری کا کام ہوا اور روزہ افطار کر دیا اور ایک طرح سے تو یہ لوگ بلا عذر روزہ توڑنے والوں سے بھی زیادہ قابل مذمت ہیں وجہ یہ کہ بلا عذر نہ رکھنے والے خود بھی اپنے کو صاحب عذر نہیں سمجھتے، اپنے کو فعل قبیح کا مرتکب سمجھتے ہیں اور یہ لوگ اپنے کو معذور و داخل رخصت سمجھتے ہیں حالانکہ شرعاً وہ معذور نہیں، اس لئے گناہ گار ہوں گے، ان لوگوں کو چاہئے کہ ایسے لوگوں پر نظر کریں جو سخت سے سخت حالت میں بھی روزہ نہیں چھوڑتے۔

ملہ [illegible]

عادت و عزم سے مشکل سے مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے

میں نے ریلوے کے ایک ڈرائیور کو دیکھا ہے کہ ہر وقت انجن میں رہتا تھا اور سخت گرمی کی فصل تھی اور روزے رکھتا تھا، بہت سے کھیتی کاٹنے والے دیکھے گئے ہیں کہ جیٹھ بیساکھ کے دنوں میں دھوپ میں بیٹھ کر کھیتی کاٹتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں، تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ قدرے عادت اور زیادہ ہمت یعنی پختہ ارادہ ان دونوں کے جمع ہو جانے سے مشکل سے مشکل کام بھی سہل ہو جاتا ہے۔ اور ذوق و وجدان سے کام لیا جاوے تو روزہ میں تسہیل و تائید خداوندی کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوتا ہے، پھر اس پر کم ہمت توڑ دینا اور بہانہ ڈھونڈنا سخت محرومی ہے!

عذر اختیاری کا حکم

(۱) بعض لوگ عذر کی حد کو سمجھتے ہیں لیکن عذر اپنے اختیار سے قصداً پیدا کر لیتے ہیں مثلاً شرعی سفر واقعی میں عذر ہے مگر اس شخص کو درحقیقت سفر کی ضرورت نہیں تھی، صرف اس نیت سے بلا ضرورت سفر کیا ہے کہ روزہ نہ رکھنا پڑے، رہا قضا رکھنا سو چونکہ شرعاً موسع ہے اس لئے اس کے واسطے خاص فروری کو انتخاب کر لیا جاتا ہے،

نہایت افسوس کے ساتھ کہنا ہے کہ تھوڑے دنوں سے ایک نئے اجتہاد کی بدولت قضا کے عوض فدیہ کے کافی ہونے کے اعتقاد سے نفع اٹھایا جا رہا ہے جس پر میں نے مجمل کلام اپنے بعض[1] رسائل میں بزبان اردو اور عربی رسالہ کے حاشیہ ملحقہ بالآخر میں بعبارت عربیہ کیا ہے۔

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اس باب میں نہ رائے محض معتبر ہے، اور نہ کسی آیت یا حدیث کے ظاہری مفہوم پر غیر مجتہد کو عمل درست ہے اور نہ عامی کو محض معنی لغویہ کافی ہے، بعد انقراض زمانہ اجتہاد کے عالم کو کتب فقہیہ کا اتباع، اور عامی کو علماء سے استفسار

[1] اصلاح تجدد وغیرہ پوری تفصیل

نہ کہ عمل کرنا واجب ہے۔ اور یہی معیار ہے عذر کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کا۔ یہ غلطی بھی
بعض اوقات قصداً ہوتی ہے قرآن و حدیث وفقہ سے تجاہل کا اور بعض اوقات ہوتی ہے
یعنی ہے اور ہوتی کا۔ کیا یہ بات ظاہر نہیں ہے کہ جو شخص طبیب نہ ہو وہ اگر کتاب
دیکھ کر کسی مریض کے لئے نسخہ لکھ دے تو کچھ عجب نہیں کہ وہ نسخہ تو مطلب کے بجائے نقصان
ہو۔ اور جس جگہ کتاب و سنت وفقہ کا فیصلہ نہ ہو اس کا ذکر ہی کیا۔

ایک اور کوتاہی

(۱) بعضے لوگوں کا افطار تو عذر شرعی سے ہوتا ہے مگر ان سے یہ کوتاہی ہوتی ہے کہ بعض اوقات اس عذر کے رفع ہونے کے وقت کسی قدر دن باقی ہوتا ہے اور شریعت مطہرہ کا یہ مسئلہ ہے یعنی کھانے پینے سے بند رہنا واجب ہوتا ہے، مگر وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے مثلاً سفر شرعی سے ظہر کے وقت واپس آگیا یا عورت حیض سے ظہر کے وقت پاک ہوگئی تو ان کو شام تک کھانا پینا نہ چاہئے بلکہ مثل روزہ دار کے ... مسائل و احکام کی تعلیم و تعلم ہے۔

بچوں کو روزہ نہ رکھوانے میں غفلت

(۱) بعض لوگ خود تو روزہ رکھتے ہیں لیکن بچوں سے باوجود ان کے روزہ رکھنے کے قابل ہونے کے روزہ رکھوانے کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ بعض ان کے منہ لگے ہونے کو بعض بناکر اپنے رحم کو ثواب سمجھتے ہیں اور روزہ رکھوانے کو سختی سمجھتے ہیں۔ خوب سمجھ لو چاہئے کہ عدم بلوغ تک ان پر اگرچہ واجب نہ ہو تاہم اگر طاقت ہو تو ان کے دینا ... ان سے روزہ رکھوانا واجب نہ ہو جس طرح نماز کے لئے باوجود عدم بلوغ کے ان کو تاکید کرنا بلکہ مارنا ضروری ہے اسی طرح روزہ کے لئے بھی اتنا فرق ہے کہ نماز میں عمر کی قید ہے اور روزہ میں تحمل پر مدار ہے۔ یعنی جب روزہ کی مشقت کو برداشت کرنے کی قابلیت وطاقت آجائے رکھوانا واجب ہے۔ اور اس میں راز یہ ہے کہ کسی کام کا وقت پر عادی ہونا دشوار ہوتا ہے اگر بالغ ہونے

کے بعد ہی تمام احکام شروع ہوں تو اس پر ایک بار گراں پڑ جاوے گا، اس لیے شریعت کی رحمت ہے کہ پہلے ہی سے مشق شدہ سب اعمال کا خوگر بنانے کا قانون مقرر کیا تاکہ مکلف ہونے کے وقت دشواری نہ ہو، پس اس قانون کی تنفیذ سرپرستوں کے ذمہ مقرر کی گئی، اور اگر سرپرستوں پر یہ واجب نہ ہو تو اس قانون کا کوئی فائدہ ہی نہ ہوگا، کیونکہ واجب نہ ہونے کی صورت میں ان کو ترک بھی جائز ہوگا، تو اگر اس جائز سے یہ متمتع ہوئے تو بلوغ کے بعد اس نئے مکلف کو اسی مصیبت کا سامنا ہوگا، تو قانون کا عدم وجود برابر ہو گیا، لہٰذا اولیاء پر اس کا وجوب ہوگا، تو ان لوگوں کی دو غلطیاں ہیں، ایک اس کو ضروری نہ سمجھنا،

دوسرا اس ضروری کو سختی سمجھنا جس میں شریعت پر دھبہ لگتا ہے، کیونکہ نصوص میں بتلایا گیا ہے کہ شریعت میں سختی نہیں ہے، قال اللہ تعالیٰ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر، (اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے، مشکل پیدا کرنا نہیں چاہتا) اور وما جعل علیکم فی الدین من حرج (تمہارے لئے اللہ نے دین میں تنگی نہیں کی) وفی الحدیث الدین یسر (دین آسان ہے)

اور اس سے یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ نومسلم بالغ تو دفعۃً جمیع احکام کا مکلف ہو جاتا ہے، کیونکہ شریعت نے تو اس کے لئے بھی وہی قانون تسہیل مقرر کیا تھا، مگر یہ خود اس کی اور اس کے خاندان والوں کی غلطی ہے کہ اسلام میں دیر لگانے سے وہ سہولت ضائع کر دی، اسی لئے مراہق قبل بلوغ جبکہ وہ عاقل ہو ایک درجہ میں مخاطب بالایمان ہے جیسا اصولیوں نے تصریح کی ہے۔

پس مخاطب ہونے کے بعد توقف کرنا اپنے ہاتھوں سے اس سہولت میں کمی کرنا ہے اور کمی اس لئے کہا کہ دفعۃً واحدۃً بھی جمیع احکام کا بجا لانا بوجہ اس کے کہ وہ احکام قلیل اور فی نفسہ سہل ہیں چنداں دشوار نہیں، لیکن شریعت نے اور زیادہ سہولت کر دی تھی اور جس طرح یہاں تک ہندو میں تفریط کرنے والوں کا ذکر تھا۔

روزہ میں افراط کرنے والوں کا بیان

اسی طرح بعض لوگ اس میں افراط کرنے والے بھی پائے جاتے ہیں۔ اور ظاہر میں تو یہ لوگ اقرب الی الدین ہیں؛ لیکن چونکہ شریعت میں افراط بھی پسند نہیں اس لئے ان کی حالت کو بھی دین کے موافق نہ کہا جاوے گا فقط

بعضے لوگ سفر و مرض میں جان کو آجاتے ہیں مگر دینداری جتلانے کو یا افطار پر صوم کی ترجیح دینے کو قضا نہیں کرتے اور یہ ...... سخت غلطی ہے۔ اگر اول نیت ہے تو ریا ہے اور اگر ثانی ہے تو اس لئے جہل ہے کہ صوم کو مطلقاً افطار پر ترجیح نہیں ہے بلکہ ایسی شدت کی حالت میں امر بالعکس ہے۔ ورنہ حدیث لیس من البر الصیام فی السفر (سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے) کے کوئی معنی نہ ہوں گے بلکہ یہ جہل بوجہ اس کے کہ اس کا اثر عقیدہ تک پہونچتا ہے اول سے بھی اشد ہے کیونکہ علمی غلطی عملی غلطی سے اقبح و اشنع ہے اور عقیدہ تک اثر اس طرح ہے کہ شرع نے جس کو راجح قرار دیا یہ شخص اس کو مرجوح سمجھتا ہے اور جس کو مرجوح قرار دیا اس کو راجح اعتقاد کر رہا ہے اور رخصت شرعیہ میں جس کا درجہ تک ہے تو گویا اس کو ناقص سمجھتا ہے اور شرع کی طرف تجویز النقص کو نسبت کرنا کتنا برا عقیدہ ہے۔ حدیث اولئک العصاۃ (یہ لوگ نافرمان ہیں) اور حدیث ما بال اقوام یتنزہون الخ ایسے ہی موقع میں ہے۔

یہی حکم ہے ان عورتوں کا کہ باوجود تیقن اس امر کے کہ روزہ رکھنا دودھ پیتے بچے کو ضرر کرے گا، اپنی ہٹ دھرمی اور جہالت سے باز نہیں آتیں بلکہ ان کی حالت پہلے شخص سے بھی زیادہ منکر ہے کیونکہ اس نے تو صرف اپنا ہی نقصان کیا تھا۔ اس نے ایک بے گناہ بچہ کو بھی ضرر پہنچایا سو کسی کو ضرر پہنچانا پھر وہ بھی بچہ کو یہ حقوق العباد کی کس درجہ کی فرد ہے۔

اور ان سب صورتوں سے بڑھ کر افراط یہ ہے کہ بعضوں کو بہت چھوٹے کم سمجھ ناتواں بچہ کو روزہ رکھانے کا شوق ہوتا ہے کچھ تو خود اس روزہ رکھانے کا فخر ہوتا ہے اور کچھ روزہ کشائی میں حوصلہ نکالنے کا ارمان ہوتا ہے سو اول تو مبنی ہی اس کا فاسد ہے پھر

ولا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا البقرۃ [۲ : ۲۸۶] اللہ تعالیٰ نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہوتی ہے۔ ان مخالفت پھر اس پر بعض عوارض ایسے مرتب ہو جاتے ہیں کہ معصیت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

حسرت ناک ماجرا

مجھکو ایک جگہ کا قصہ معلوم ہے کہ اسی قسم کے ایک بچہ کو روزہ رکھوایا اور اپنی عادت اجالنے کے لیے روزہ کشائی کا بہت زیادہ اہتمام کیا گرمی کے بڑے بڑے دن تھے دن اخیر کے وقت تک بچہ اول تو رکھے بس تھے تھینیا آخر وقت باقی ہوگئی اور صبر و توان نے جواب دیدیا تشنگی سے پانی کے مٹکے بھرے رکھے تھے ان پر ترکیبڑا پیاسا تھا بہت ٹھوسنے کا سامان پورا تھا اس سارے سامان نے تک بچہ کو ایک ایک گھونٹ پانی کے لیے ترستا رہا، لیکن اگر پانی دیتے تھے تو روزہ کشائی کو سامان کو رسوا ہوتا ہے اپنا سامان بچانے کے لیے پانی کو جواب دیا آخر سخت بیتاب ہو کر روزہ کرایک تکلے کو جاپٹا اور محبوب سے وصل ہوتے ہی روح نے قالب کو چھوڑ دیا۔ اس کی نعش زبان حال سے سراپا یہ تھی کہ:

> تو بھی! تم کو تمہارے سامان مبارک ہے ہم اپنی جان تمہارے سامان
> پر صدقہ کرتے ہیں۔

کس قدر حسرتناک ماجرا ہے، یہ نتیجہ ہے غلو اور افراط کا آخر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بے معنی تو نہیں؟ "لا تغلوا فی دینکم" (تم دین میں غلو نہ کرو) کیا اس ہلاک و قتل کی نسبت کو کبھی ان ظالموں کی طرف نہ ہوگی....؟؟

غرض تفریط اور افراط دونوں مذموم ہیں، شریعت نے دونوں سے روکا ہے اور ان حدود کا علم بدون صحبت و استفسار و صحبت علماء کے نہیں ہوتا، یہی ان سب کا علاج بھی ہے۔

روزہ محض نام کا

(۵) بعض لوگ نفس روزہ میں تو افراط و تفریط نہیں کرتے لیکن روزہ محض صورت کا نام سمجھ کر صبح سے شام تک اجوفین یعنی شکم و فرج کو بند رکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور اس میں علاوہ مقصود بصورت توحید کے کہ وہ بھی ثابت ہے اور حکمتیں موجود ہیں جن کی طرف قرآن مجید میں اشارہ بلکہ صراحت ہے لعلکم تتقون یعنی شاید تم متقی ہو جاؤ۔ ان سب کو نظر انداز کر کے اپنے صوم کو جسد بلا روح بنا لیتے ہیں، خلاصہ ان حکمتوں کا معاصی و منہیات سے بچنا ہے، سو ظاہر ہے کہ اکثر لوگ روزہ میں بھی اکثر معاصی سے نہیں بچتے، جو حالت ان کی معصیت میں قبل رمضان ہوتی ہے رمضان کے آنے سے اس میں کچھ تفاوت نہیں ہوتا۔

اگر غیبت کی عادت تھی وہ بدستور رہتی ہے، اگر نگاہ بد کے خوگر تھے، وہ نہیں چھوڑتے، اگر حقوق العباد میں مبتلا تھے ان کی صفائی نہیں کی، بلکہ بعض کے معاصی تو زیادہ بڑھ جاتے ہیں کیونکہ پہلے تو کسی کاروبار میں لگے رہتے تھے اب روزہ میں چلتے پھرتے محنت مشقت کا کام تو ہوتا نہیں دوستوں میں جا بیٹھے کہ روزہ بہلیگا۔ پھر دوستوں میں کوئی شغل تفریح کا بھی ضروری ہے یا تو باتیں شروع کر دیں جن میں زیادہ حصہ غیبت کا ہوگا اور یا شطرنج، گنجفہ، تاش یا بارہ ٹہنی یا باجا یا گراموفون لے بیٹھے اور دن پورا کر دیا! بھلا اس روزہ کا کوئی مقصد بھی حاصل کیا؟ اتنی بات عقل سے سمجھ میں نہیں آتی کہ کھانا پینا جو کہ فی نفسہ مباح ہے۔ جب روزہ میں یہ حرام ہو گیا تو غیبت اور دوسرے معاصی جو فی نفسہ بھی حرام ہیں وہ روزہ میں کس قدر حرام ہو گئے۔

تو مباح اشیاء سے بچنا اور غیر مباحات میں مبتلا ہونا یہ روزہ کس قسم کا ہے؟ حدیث میں ہے کہ جو شخص بد گفتاری اور بد کرداری نہ چھوڑے خدا تعالیٰ کو اس کی کچھ پروا نہیں کہ وہ شخص اپنا کھانا پینا چھوڑ دے، اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ بالکل روزہ ہی نہ ہوگا، کبھی یہ سمجھ کر کہ جب روزہ نہ ہوگا تو پھر رکھنے سے کیا فائدہ؟ سو روزہ تو ہو جاوے گا مگر نہایت ادنیٰ درجہ کا، جیسا اندھا، لنگڑا، کانا، گنجا، اپاہج آدمی ہوتا ہے۔ مگر ناقص روزہ

کا ورنہ بالکل روزہ نہ رکھنا تو اس سے بھی اشد ہے کیونکہ ذات کا سلب صفت کے سلب سے سخت تر ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب غیبت چونکہ مباح فی نفسہ نہیں ہے اور زیادہ شدید ہے اور اکل و شرب چونکہ فی نفسہ مباح ہیں وہ اس سے خفیف ہیں پس غیبت سے روزہ افطار نہ ہونا اور خورد و نوش سے افطار ہو جانا کیا معنی ... ؟

جواب یہ ہے کہ روزہ جن خصوصیات کے لئے مشروع کیا گیا ہے ان کے اعتبار سے اس کی ایک خاص ماہیت مخصوصہ ہے یعنی الامساک عن المفطرات بالنیۃ (نیت کرکے افطار کرنے والی چیزوں سے رکنا) سو اکل و شرب وغیرہ تو اجزاء ہوں گے اس ماہیت کے منافی ہیں اور دوسری معاصی گو اشد ہوں مگر اس ماہیت کے منافی نہیں، گو اس ماہیت کی اغراض کے منافی ہوں، سو غیبت ما فی الباب ان معاصی سے وہ اغراض فوت ہو جاویں گے سو اس کو ہم بھی مانتے ہیں، چنانچہ اوپر کہا گیا ہے کہ بجز اس روزہ کا کوئی ثمرہ حاصل؟ اور اصل حقیقت صوم کے منتفی ہو جانے سے یہ تو ہوگا کہ قیامت میں باز پرس نہ ہوگی کہ روزہ کیوں نہیں رکھا؟ بلکہ یوں پوچھا جاوے گا کہ روزہ کو خراب کیوں کیا؟ سو بڑا فرق ہے: اس میں کہ حاکم کے حکم کے بعد سلام کا عذر ہی نہ بنایا اور اس میں کہ بنایا مگر اس میں غلطیاں رہ گئیں، اور یہ جو کہا گیا کہ ایسے روزہ سے مستفید ہونا نہیں، یہ کیا اس لئے نکال کر بالکل بے سود بھی نہیں اور دو فائدے ایک تو ظاہر ہے کہ کسی قدر تو تعمیل ارشاد ہے اور دوسرے ہر عمل میں ایک خاص برکت ہے، جب صبح سے شام تک لذات مخصوصہ سے نفس کو روکا تو اس سے نفس میں ضعف و تضعیف (تو قبول کنندہ رنگ پذیرندہ) ہو گیا۔ جس کا اثر یا تو آئندہ ظاہر ہو کہ کسی معصیت سے رکنے کی توفیق ہو جائے یا اسی روزہ میں یہ اثر ہوا ہو کہ اگر یہ صورت صوم بھی نہ ہوتی تو کوئی خاص معصیت سرزد ہوتی اور روزہ کی برکت سے سرزد نہ ہوئی ہو، تو اس وجہ سے بالکل بے سود اور لا حاصل نہیں کہہ سکتے اور تدبیر

ان معاصی سے بچنے کی تین امر کا مجموعہ ہے۔

- ــــ خلق سے بلا ضرورت تنہا و نہ رکھو رہنا،
- ــــ نفس ابھی شغل میں لگے رہنا مثلاً تلاوت قرآن مجید وغیرہ،
- ــــ نفس کو سمجھانا اور وقتاً فوقتاً دھیان کرتے رہنا کہ ذرا سی لذت کے واسطے صبح و شام تک کی مشقت کو کیوں ضائع کیا؟ اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ نفس سمجھانے سے بہت کام کرتا ہے، سو نفس کو یوں سمجھا دے کہ

ایک مہینہ کے لئے تو اس دستور العمل کی مجموعہ تین امور مذکورہ کا یہ پابندی کرے پھر دیکھا جاوے گا، یہ ایک مہینہ تو وہ سمجھانے میں آ کر مرضی کے موافق کرلے گا پھر یہ بھی تجربہ ہے کہ جس طرز پر آدمی ایک مدت تک رہ چکا ہو وہ آسان ہو جاتا ہے۔ بالخصوص اہل باطن کو رمضان میں یہ حالت زیادہ مدرک (معلوم) ہوتی ہے کہ اس مہینہ میں جو اعمال صالحہ کئے ہوتے ہیں سال بھر تک ان کی توفیق رہتی ہے۔

شیاطین کے رمضان میں قید ہونے کا مطلب

پس اس طریق سے بحمد اللہ رمضان میں ہی وہی عادت ترک معاصی کی تھوڑی توجہ سے انشاء اللہ محفوظ رہے گی۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ پھر معصیت کی طرف میلان ہی نہ ہوگا، بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ اس میلان کا جس قدر پہلے تقاضا ہوتا تھا اب اس قدر تقاضا نہ ہوگا، بہت تھوڑی توجہ اور ضبط سے وہ میلان دفعتہً مغلوب ہو جاوے گا اور میرے نزدیک یہی اثر ہے شیاطین کے مقید ہو جانے کا رمضان میں کہ قبل رمضان جو نفسانی خواہشیں جب پیدا ہوتی تھیں ان کی اعانت شیاطین بھی کرتے تھے اس لئے تقاضا شدید ہوتا تھا اور ضبط میں زیادہ مشقت ہوتی تھی رمضان میں اگر ایسی خواہشیں پیدا تو ہوتی ہیں کیونکہ نفس و طبیعت قید نہ ہوئے مگر شیاطین چونکہ قید ہوگئے اس لئے ان کی اب اعانت نہیں ہوتی، تو تقاضا اس شدت کا نہ ہوگا اور رکنا آسان و خوار نہ ہوگا چنانچہ یہ امر تجربہ اور مشاہدہ سے دیکھ لیا جاوے کہ ٹھیک ہے اور اس تقریر سے بعض اشکالات بھی حل ہوگئے اور اسی کا ثمرہ یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے رمضان کے مشقت کے اعمال کا زیادہ اہتمام رکھا، شرم کی بات ہے کہ حلال سے دن بھر رکے رہے اور حرام سے انقطاع نہ کرے !!

سحور یعنی سحری

اس میں غالباً دو کوتاہیاں ہوتی ہیں، ایک تعجیل کے متعلق دوسرے تاخیر کے متعلق

① اول کا بیان یہ ہے کہ اکثر لوگ آدھی رات سے سحری کھا کر بیٹھ رہتے ہیں، سو اول تو خود اس قدر تعجیل ہی امر شارع و غرض مشروعیت سحر کے خلاف ہے اور وہ غرض یہ ہے کہ مسلمین و اہل کتاب میں فرق رہے اور روزہ میں قوت و طاقت رہے، اور دوسرے اکثر عوام کا اس کے ساتھ یہ اعتقاد منضم ہو جاتا ہے کہ جب سحر کھا کر روزہ کی نیت کر لی یا سو گئے تو اس کے بعد گو رات باقی ہی ہو مگر اب کھانا پینا جائز نہیں، سو یہ اعتقاد ایک اختراع فی الدین ہے جس سے توبہ واجب ہے۔

② ثانی کا بیان یہ ہے کہ بعضے لوگ خصوص جن کے پاس نقشے اور گھڑیاں بھی ہیں اس قدر تاخیر کرتے ہیں کہ بعض اوقات یہ اشتباہ قوی ہو جاتا ہے کہ کہیں صبح صادق کے بعد تو نہیں کھا لیا گیا، اس قدر مبالغہ مفرط بے احتیاطی ہے، حدیث متفق علیہ کا لفظ یہ بھی ہے حول الحمی یوشک ان یرتع فیہ، اس سے صاف روکا گیا ہے، اسی طرح گھڑیوں پر اتنا اعتماد کر کے اس کی بنا پر ایسے بڑے فرض یعنی کو خطرہ میں ڈالنے پر اقدام کر بیٹھے جیسا شریعت کے خلاف ہے اور تجربہ کے بھی خلاف، کیونکہ ہزاروں دفعہ بڑی بڑی قیمتی گھڑیوں کی غلطی نکلنے پر شاہد ہیں۔

اسی طرح اس کے مقابل بعض کا تشدد کہ گھڑی ہی کو بدعت کہتے ہیں اور نماز روزہ میں اس کے حساب کو کسی درجہ میں معتبر رکھنے کو بھی حرام سمجھتے ہیں، یہ بھی تعدی حدود ہے اس میں قول فیصل یہ ہے کہ اصل مدار معرفت اوقات میں علامات خاصہ ہیں، اور ان علامات کی تحقیق میں جیسا مشاہدہ اور حس معتبر ہے اسی طرح اس مشاہدہ و حس کی معاونت پر کوئی اصطلاح یا آلہ جس کا بکثرت تکرار مشاہدہ سے صحیح و مطابق ہونا معلوم ہوا ہو مقرر کر لیں یا اور کوئی قدرتی چیز مطابق معلوم ہو تو اس کا اعتبار بھی جائز ہے۔ نہ من حیث الخصوصیت بلکہ من حیث المطابقۃ لتلک العلامات المعتبرۃ شرعاً (یعنی یہ کسی خصوصیت کی

آمد اور صلاح کی نہیں، بلکہ یہ آلہ چونکہ انہی کی علامتوں کے مطابق ہو گیا ہے جو شرعاً معتبر ہیں تو ان کا بھی اعتبار ہو گیا، پس گھڑی اسی قبیل سے ہے، نظائر اس کی قبیل سحور ہے، جس کے جواز اعتبار کو فقہاء متاخرین نے تصریحاً فرمایا ہے (یعنی صبح صادق کے لئے جو نقارہ بجایا جائے اس پر اعتبار کر لینے کی فقہاء نے تصریح فرمائی ہے:

لیکن بدل کسی طرح اصل کے برابر نہیں ہو سکتا، کیونکہ اصل میں تو غلطی کا احتمال ہی نہیں (مثلاً غروب کا آنکھوں سے دیکھ لینا) ہاں شاید کبھی حس میں غلطی ہو جائے، اور بدل میں احتمال ہے (جیسے گھڑی میں) اور یہاں سے سحر میں مرغ کی اذان کا اور افطار کے وقت تیر کے نکلنے کا وقت بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ بدون تجربہ کامل کے اس پر اعتماد نہ چاہئے۔

- بعض لوگ سحر مناسب وقت کرتے ہیں مگر فضول حقہ و پان میں اتنی دیر لگا دیتے ہیں کہ روزہ خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔
- بعضے پان منہ میں دبا کر سو رہتے ہیں یہ سب بے عنوانیاں ہیں۔

سحری میں کوتاہی

- ایک بے عنوانی سحری کے متعلق بعض مقامات پر یہ دیکھی جاتی ہے کہ صبح کی اذان قبل از وقت کہتے ہیں، تاکہ سحری کھانے والے سحری چھوڑ دیں، مگر جن کے نزدیک اذانِ فجر قبل از وقت کافی نہیں (جیسے امام ابو حنیفہؒ وغیرہ) ان کے نزدیک اس اذان کا اعادہ ضروری ہے اور اعادہ نہیں کیا جاتا تو صبح کی نماز بدون اذان ہوتی ہے، دوسرے اگر لوگوں کو اس کی عادت ہو گئی اور ظاہر ہے کہ مؤذن نہ ایسے پابند نہ ایسے واقف کار اوقات ہیں تو اگر کسی روز غلطی سے خلاف معمول بعد صبح صادق اذان ہو گئی، تو تمام لوگوں کے روزے اس اذان کے بھروسہ برباد ہو گئے، اس لئے مصلحت یہ ہے کہ اذان ایسے وقت ہی ہوا کرے کہ اس اذان سے اعتماد پر کوئی شخص سحری نہ کھاوے، بلکہ خود ہی ہر شخص اپنے طور پر تحقیق کر کے اس پر عمل درآمد کرے گا۔

افطار

اس وقت ذہن میں اس کے متعلق بڑی کوتاہی ایک ہی آتی ہے وہ یہ کہ اکثر جگہ دیکھا جاتا ہے کہ افطار کے سامان میں جس کو عرف میں "افطاری" کہتے ہیں اس قدر اہتمام کرتے ہیں کہ اس کے کھانے کی وجہ سے مغرب کی جماعت بالکل یا کسی قدر فوت ہو جاتی ہے۔ اور یہ بات قصداً اور اکثر ہوتی ہے، جس میں سفر یا معذوری نہیں ہوتی۔ جماعت کی جو کچھ تاکید آئی ہے اس کے اعتبار سے یہ عادت نہایت منکر ہے۔ اول تو اس قدر اہتمام ہی کیا ضرور ہے؟ دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ نماز کے بعد یہ شغل ہو اور افطار کسی مختصر چیز پر ہو کر نماز میں حاضر ہو جاوے۔

اس کے لئے آسان طریقہ یہ ہے کہ افطار خواہ معمولی ہو خواہ مختصر مسجد میں ہونا چاہیے، مکان پر روزہ کھولنے سے اکثر جماعت برباد ہوتی ہے، پھر جب جماعت ملنے سے مایوسی ہو جاتی ہے اکثر لوگ گھر ہی پر نماز پڑھ لیتے ہیں، تو روز روز مسجد کی برکات سے بھی محروم رہتے ہیں۔ اگر دو چار کی دعوت ہو تو وہ سب بھی مسجد میں جا سکتے ہیں کیا بندوں کے گھر پر جانا فخر اور خدا کے در پر حاضر ہونا عار ہے......؟ اگر یہی خیال ہے تو یہ تمام افطار بیکار ہی بیکار ہے۔

تراویح

اس عمل میں دو جزو ہیں: قرآن پڑھنا، اور نماز، اور ایک ان دونوں کا مجموعہ ہے۔ اور دونوں جزو میں جو جو کوتاہیاں واقع ہوتی ہیں ان سے پہلے مفصل بیان کر چکا ہوں اس سے ایک بڑی فہرست تراویح کی کوتاہیوں کی بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ اس وقت صرف ان بعض کوتاہیوں کا مختصراً ذکر کرتا ہوں جو مجموعہ میں پائی جاتی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) اکثر لوگ فارغ ہونے کی جلدی میں وقت کے آنے سے پہلے ہی کھڑے ہو جاتے ہیں۔

(۱) اکثر فرصت کی وقت پر ہوتے نہیں تو اذان کی وقت سے پہلے پہنچتے ہیں۔
(۲) قرآن مجید اس قدر تیز پڑھتے ہیں کہ تجوید تو کیا تصحیح حروف بھی نہیں ہوتی
بعض دفعہ سامعین کو سمجھنا کجا سماع بھی نہیں ہوتا کہ کیا پڑھا جا رہا ہے۔
(۳) اکثر ثنا و تسبیحات رکوع و سجود و تشہد مقتدی پورا نہیں پڑھنے پاتا کہ امام صاحب
فوراً دوسرے رکن یا قیام یا سلام کی طرف چل دیتے ہیں۔
(۴) ترویحہ میں بھی بعض جگہ نہیں ٹھہرتے۔
(۵) بعضے لوگ ایک ہی رات میں دو دو جگہ پوری تراویح پڑھ دیتے ہیں۔
(۶) بہت لوگ اجرت پر قرآن سناتے ہیں۔
(۷) بعضے حفاظ اپنا پڑھ کر یا کسی روز ناغہ کر کے دوسرے حفاظ کا اس نیت سے
سننے جاتے ہیں کہ ان کی غلطیاں پکڑیں گے یا اس کو غلطی میں ڈالیں گے، خواہ شرمندہ کر
یا اس کے قلب کو مشغول کرنے، بذاتی حرکات سے پریشان کرکے، کہیں لاٹھی کھڑکھڑاتے ہیں
کہیں پاؤں زور زور سے زمین پر مارتے ہیں، کہیں کھنکارتے ہیں، کہیں آستین کو الٹ
پلٹ کر کے دکھاتے ہیں، کہیں کھڑے ہو کر زور سے باتیں کرتے ہیں، غلط گیری کا تجسس
اور غلط اندازی کی خصلت جو ہے اس کا تقاضا ہے، عبادت میں دوسری طرف مشغول کے
نفس کا اٹھنا۔

(۸) بعض ایسے بچوں کو امام بنا دینا جن کو طہارت و نماز کے مسائل ضروریہ بھی معلوم
نہیں، بلکہ ان پر یہ بھی اطمینان نہیں کہ ان کے کپڑے بھی پاک رہتے ہیں یا ان کو وضو بھی ہوگا
اور نابالغ کے پیچھے تراویح کے جائز ہونے میں جو اختلاف ہے وہ اس سبب سے علاوہ ہے
اول تو نماز کے بارہ میں احتیاط پر عمل مطلوب ہے، پھر جواز کی صورت میں بھی ان عوارض
بالا کا کیسے انکار ہو سکتا ہے، ایسے بچے نوافل میں پڑھ لیا کریں کافی ہے۔
(۹) بعض رمضان شب میں اس طرح پڑھنا کہ نماز اور قرآن دونوں کے احترام و تعظیم کا بالکل
ضائع ہونا لازم آتا ہے، یہاں تک کہ ایک مقام پر ایک حافظ صاحب چارپائی پر بیٹھے
ہوئے سب حفاظ کو سناتے اور سہواً و قصداً بھی بتلاتے رہے اور بعض نمازی شب بھر کی

برباد کرتے رہے اور بہت سی خرابیاں اس کے متعلق ہوتی رہتی ہیں۔ اصلاح الرسوم میں لکھ دی ہیں اس کو بھی ملاحظہ فرمالیا جائے، چونکہ ان مذکورہ رسوم امور کا حکم کچھ مخفی نہیں نیز مراجعت علماء سے بآسانی ہو سکتا ہے اس لئے بخیال تطویل مختصر کر دیا۔

(۱۱) بعض امور متفرقہ منکرات میں سے ہیں، جیسے پہلے روزہ کے لئے خاص طور پر اہتمام کرنا۔

(۱۲) آخری جمعہ کو خطبۃ الوداع کا التزام

(۱۳) ختم قرآن کے وقت شیرینی کو لازم و ضروری کرنا۔

(۱۴) بعض جگہ انیسویں شب کو بھی ختم تراویح پر تقسیم شیرینی کا انتظام۔

(۱۵) نامحرم حافظوں کو گھر میں بلا کر عورتوں کا قرآن سننے کے لئے جمع ہونا وغیرہ ذالک، ان میں بعض کا حکم اصلاح الرسوم میں ہے، بعض کا اہل علم سے معلوم کر لیا جائے، یہ سب رمضان المبارک کے متعلق بیان ہوا، اب دو امر اس کے متعلقات سے رہے جو عید کے متعلق ہیں، ان کے بارہ میں مختصر تحریر کی ہے۔

صدقۂ فطر

بہت لوگوں کو اس کے واجب ہونے کی خبر نہیں (یعنی یہ بھی نہیں جانتے کہ خدا تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا اور واجب کیا ہے) بہت لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ ان ہی کی طرف سے دیا جاتا ہے جنھوں نے روزے رکھے ہیں، سو وہ بچوں کی طرف سے ادا نہیں کرتے بہت لوگ خاص کر دیہات والے صدقۂ فطر جمع کر کے مسجد کے مؤذن یا امام کو یا مسجد کے سقہ کو دے دیتے ہیں اور یہ نہیں کہ ان کی حق الخدمت و اجرت کے علاوہ مسکین سمجھ کر دیدیتے ہوں بلکہ ان لوگوں کو ایسی ہی شرائط مقرر کرتے ہیں کہ تم یہ کام کرو تم کو یہ ملے گا، ان میں صدقۂ فطر بھی شمار کیا جاتا ہے، تو اس طور پر وہ ان کے عمل کا عوض ہوا جو کہ اجرت ہے اور اجرت دینے سے ادا نہیں ہوا اس لئے ان دینے والوں کے ذمہ مکرر ادا کرنا ضروری ہوگا۔

البتہ اگر مقرر کرتے وقت تصریح کر دیں کہ صدقۂ فطر سے تمہارا کچھ واسطہ نہ ہوگا اور پھر

مسکین سمجھ کر دیدیں وہ جائز ہے۔ بشرطیکہ واقع میں مستحق نہ ہو ورنہ اگر وہ غنی ہو جیسا کہ بعض جگہ ان مستحقین کو اس کی پرواہ ہے نہ احتراز۔ (نہ دینے والوں کو نہ لینے والوں کو) تو اس دینے سے صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا مکرر دینا پڑیگا۔ لیکن اس غنی سے جبراً واپس بھی نہ لے سکے گا۔ رہا یہ کہ اس غنی کے لئے بھی وہ حلال ہوگا یا نہیں، اور اگر حلال نہیں تو آیا دینے والے کو واپس کر دینا واجب ہے یا صدقہ کرنا ان مسئلوں میں کسی قدر اختلاف ہے۔ کما فی رد المحتار باب المصرف تحت قوله ولو دفع بلا تحر (چنانچہ شامی میں مستحقین صدقہ و زکوٰۃ کے بیان میں لو دفع بلا تحر کے ذیل میں ذکر کیا ہے)

تنبیہ: اگر نا واقفیت مسائل یا بے پرواہی سے گذشتہ زمانہ میں کبھی کا صدقۂ فطر نہ دیا ہو یا مؤذن وغیرہ کو اجرت میں دے دیا ہو یا غنی کو دیدیا ہو تو یاد کر کے اور حساب لگا کر اب مساکین کو اس مقدار کے موافق دیدیں تاکہ ذمہ فارغ ہو جاوے اور صدقۃ الفطر کے مسائل علماء سے دریافت کر کے یا بہشتی زیور میں مطالعہ کر کے خود بھی عمل کرنا اور دوسروں کو آگاہ کرنا چاہیئے۔

نمازِ عید

اس میں بھی چند کوتاہیاں ہوتی ہیں۔

(۱) ـــــ ایک یہ بعض لوگ اس نماز کا طریقہ ہی نہیں جانتے اور غضب یہ کہ اتنی توفیق بھی نہیں ہوتی کہ آٹھ دس دن پہلے یاد ہی کر لیں اس سے زیادہ کیا بے پروائی ہوگی۔ !!

(۲) ـــــ ایک یہ کہ اکثر جگہ یہ نماز بہت ہی دیر میں پڑھتے ہیں، حالانکہ صریح سنت اس کے خلاف آئی ہے۔

(۳) ـــــ ایک یہ بہت جگہ امام اور خطیب جاہل ہیں جو جبار برادری استحقاق آبائی نماز پڑھاتے آتے ہیں، جن میں اکثر تو ایسے جاہل ہیں کہ خطبہ اور سورۃ تک صحیح نہیں پڑھ سکتے اور اگر نماز میں کوئی سانحہ پیش آجائے جس میں مسائل جاننے کی ضرورت ہو تو کچھ

نہیں کر سکتے، یہ تقدم انہوں نے اختیاراً کیا تھا ترقی کے لیے لیکن اس جہل کی بدولت ان کی اس قدر فضیحتی اور رسوائی ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ اور اکثر اسی درجہ کے جاہل تو ہوتے تب بھی مدعی مرائی متفاخر متصنع کے پیچھے نماز پڑھنے کو فقہاء نے خود مکروہ کہا ہے۔

اس کا انسداد بسہل بجز اس کے کچھ نہیں کہ اہل حل و عقد یعنی بستی کے عمائد اس امام کو معزول کر کے کسی اہل کو مقرر کریں، اور آئندہ اس رسم کو موقوف کریں کہ امام کا بیٹا ہی امام ہو، بلکہ اس کی وفات کے بعد پھر جو سب میں زیادہ اہل ہو اس کو مقرر کریں وھلم جرا (اسی طرح آگے تک)

(۱۴) ــــ ایک کوتاہی یہ کہ بعضے جو بزعم خود مقتدا ہیں متبوع مستقل بننے کی غرض سے عیدگاہ کو چھوڑ کر اپنے محلہ کی مسجد میں عید کی نماز پڑھتے ہیں، جس مسجد کی یہ فضیلت ہو کہ وہاں ایک نماز برابر پچاس ہزار نماز کے ہو (یعنی مسجد نبوی) جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تو چھوڑ کر عمر بھر عیدگاہ میں تشریف لے جاویں جس سے یہ بھی مستنبط ہو کہ وہ فضیلت مکتوبات کے ساتھ خاص ہے اور یہ مقتدی چند روزہ اپنی مسجد کو عیدگاہ پر ترجیح دیں ...!!

البتہ معذورین کے لیے اگر کسی شخص کو شہر میں نماز پڑھانے کے لیے چھوڑ دیں مضائقہ نہیں مگر مقتدا لوگ خود ضرور ہیں اپنے کسی متعلق قابل امامت چھوڑ دیں یا یہ کہ اتفاقاً کوئی عذر خود مقتدا کو یا عام لوگوں کو پیش آجاوے تو دوسری بات ہے، چنانچہ ایک بار خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعذر مطر بارش، مسجد میں نماز ادا فرمائی...

(۱۵) ــــ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بہت لوگ عید میں غیر مشروع لباس پہن کر جاتے مسجدوں کو پہن کر جاتے ہیں اور نے جاتے ہیں حالانکہ ایسے لباس سے علاوہ فی نفسہ حرام ہونے کے نماز کا قبول نہ ہونا بھی وارد ہے۔

(۱۶) ــــ ایک کوتاہی یہ ہے کہ صفیں نہایت بے ترتیب ہوتی ہیں، صفوف کے استوار (یعنی برابر کرنے) کی سخت تاکید آئی ہے

(۱۷) ــــ ایک کوتاہی یہ ہے کہ خطبہ سننے کو بالکل امر فضول سمجھتے ہیں اگر سب

حاضرین ایسا ہی کریں تو خطیب خطبہ کس کے سامنے پڑھے ؟
اور بعضے بیٹھے ہیں مگر باتیں کرتے رہتے ہیں یہ اور بھی گناہ ہے اور بعضے منکرات عید کے متعلق ۔ اصلاح الرسوم میں مذکور ہوتے ہیں ۔ اب اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

زکوٰۃ کے بارے میں کوتاہیاں

(اصـلاح معاشرہ زکوٰۃ)

جس طرح عبادات بدنیہ میں نماز سب سے اہم ہے اسی طرح عبادات مالیہ میں زکوٰۃ سب سے اہم ہے، قرآن مجید میں جگہ جگہ أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ کے ساتھ آتُوا الزَّكٰوةَ آنا اس اہمیت میں شریک ہونے کی تائید کرتا ہے، اس لیے اس کے متعلق کوتاہیوں پر مطلع ہونا بھی نہایت اہم ہوگا، پس مختصراً ان کو لکھا جاتا ہے۔

(۱) — ایک کوتاہی تو سب سے بڑی ہے یہ ہے کہ بہت سے لوگ زکوٰۃ ہی نہیں دیتے، اس کی اصلاح یہ ہے کہ وہ لوگ زکوٰۃ کی تاکید و فرضیت کے نصوص اور اس کے ترک پر جو وعیدیں آئی ہیں ان کو دیکھیں سنیں غور کریں اور اس کا جو اصلی سبب بخل ہے اس کا علاج کریں، اس علاج کا حاصل مال کی محبت کو گھٹانا ہے جس کی سب سے اچھی تدبیر موت کا بکثرت یاد کرنا اور یاد رکھنا ہے۔

اور اگر اس کوتاہی کا سبب فرضیت کا اعتقاد نہ ہونا ہے مگر آج کل ایسا شخص سنا نہیں گیا۔ لیکن اگر نادراً ایسا ہو تو اس کی اصلاح اپنے شبہات کا کسی محقق عالم سے رفع کرنا ہے اور اگر رفع نہ کیا اور منکر فرضیت رہا تو وہ کافر ہے۔

(۲) — ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے زکوٰۃ دیتے ہیں مگر حساب سے نہیں دیتے جو کچھ جی چاہا دیدیا، سو یہ بھی نہ دینے ہی میں داخل ہے کیونکہ ایک ہزار کے مال میں پچیس روپے واجب تھے اور اس نے دس روپے دیئے تو چار سو کی زکوٰۃ ادا ہوگی اور چھ سو کی رہ گئی، تو

ایسا ہو گیا جیسے کسی کے پاس چھ سو روپے ہوں اور بالکل زکوٰۃ نہ دے بس اس میں بھی وہی صورت ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

کون سے مال پر زکوٰۃ واجب ہے؟

(۴) ـــ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ بعض اموال کی زکوٰۃ دیتے ہیں اور بعض اموال کی نہیں دیتے۔ اس کا زیادہ سبب یہ ہے کہ ان کو یہ خبر نہیں کہ کس کس مال میں زکوٰۃ ہوا کرتی ہے، اس لئے ان اموال کو مختصراً بتلایا جاتا ہے۔

ایک چاندی، سونا، خواہ سکہ کی صورت میں ہو، خواہ زیور کی صورت میں ہو، خواہ گوٹہ ٹھپہ ہو، خواہ ویسے ہی ٹکڑے رکھے ہوں، اور خواہ پاس موجود ہو، اور خواہ موجود نہ ہو، مگر اس کا وصول کرنا اس سے متوقع ہونا ممکن ہو، جیسے نوٹ میں لئے ہوں یا بینک میں جمع ہو یا کسی کے ذمہ قرض آتا ہو خواہ نقد دیا ہو یا کوئی چیز فروخت کی ہو اور وصول سے ناامیدی نہ ہو۔ لیکن قرض میں یہ اختیار ہے کہ خواہ اور اموال کے زکوٰۃ کے ساتھ دیتا رہے، خواہ جب وصول ہوتا رہے دیتا رہے لیکن اگر وصول کے وقت دے گا تو تمام سالہائے گذشتہ کی دینی پڑے گی۔ مثلاً دو سال میں سو روپے وصول ہوئے تو ان کی زکوٰۃ اڑھائی روپے سال کے حساب سے دو سال کی پانچ روپے دینا پڑے گی۔

* دوسرا مال تجارت اور مال تجارت وہی ہے جس کے خریدنے کے وقت یہ نیت ہو کہ ہم اس کو بیچیں گے، خواہ وہ منقولات میں سے ہو خواہ غیر منقولات میں سے ہو، مثلاً ایک شخص کی یہ عادت ہے مکانات و اراضی موقع کی خرید لیتا ہے اور پھر موقع پر بیچ ڈالتا ہے، یہ بھی مال تجارت ہو جاوے گا۔ اور زکوٰۃ اس میں واجب ہوگی اور جس کے خریدنے کے وقت بیچنے کی نیت نہ ہو گو بعد خرید چکنے کے نیت ہو جاوے وہ مال تجارت نہیں اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور اسی طرح اگر خریدنے کے وقت تجارت کی نیت تھی مگر حولان حول سے پہلے یعنی جس وقت ختم سال پر اس پر زکوٰۃ واجب ہوا کرتی ہے، اس ختم سال سے پہلے اس نیت تجارت کی فسخ ہو گئی ہو وہ بھی مال تجارت نہیں رہا اس پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں۔ اسی طرح اگر وہ مال خریدا ہوا نہیں بلکہ میراث میں پہنچا ہے اور مالک ہوتے ہی تجارت کی نیت کر لی یا گھر کا پیدا ہوا ہے، اور تیاری کے وقت نیت تجارت کی کر لی وہ بھی مال تجارت نہیں اور اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

۳ تیسرا مال وہ مواشی ہیں جن کو نسل بڑھانے کے لئے پالا جاوے جیسے بیل گائے بکریاں یا گائیں یا گھوڑیاں پالتے ہیں، ان کے احکام و شرائط میں بہت تفصیل ہے۔ فقہ کی اردو کی کتابوں میں دیکھ لیا جاوے۔

۴ چوتھا مال عشری زمین کی حقیقت کا حاصل یہ ہے کہ جو زمین اس وقت مسلمان کی ملک میں ہو اور اس سے قبل اس کا کسی کافر کی ملک میں آنا معلوم نہ ہو، خواہ واقع ہی میں وہ جب سے اہل اسلام کی فتوحات میں داخل ہوئی ہے کسی کافر کے ہاتھ میں نہ پہنچی ہو، خواہ درمیان میں کوئی کافر بھی بلا سے چند سے اس کا مالک ہو گیا ہو، مگر کسی کو معلوم نہ ہو بس ایسی زمین عشری ہے، اس میں جو کچھ پیدا ہو خواہ غلہ خواہ سبزی ترکاری وغیرہ، خواہ خشخاش یا خواہ تمباکو یا اور اور یہ یا پھول جو بغرض نفع بوئے گئے ہوں، یا اس میں باغ کسی قسم کے پھل کا ہو ان سب میں بھی زکوٰۃ واجب ہے، اس زکوٰۃ کو عشر کہتے ہیں اور ہندوستان میں اس سے بڑی غفلت ہے، ان کی دو قسموں کے مال میں چالیسواں حصہ واجب ہوتا ہے اور تیسری قسم میں بہت تفصیل ہے جو فقہ کی اردو کی کتابوں میں ہے گی اور چوتھی قسم میں بارانی زمین میں دسواں حصہ کل پیداوار کا ہے اور چاہی اور نہری میں بیسواں حصہ کل پیداوار کا ہے۔

زکوٰۃ کے حساب میں غلطیاں

(۳) ایک کوتاہی یہ ہے کہ اپنے نزدیک حساب دیتے ہیں مگر واقع میں وہ حساب غلط ہوتا ہے مثلاً مال تجارت میں اپنی خرید یا لاگت کا حساب لگا لیتے ہیں فرض کیجئے کہ ایک شخص نے کچھ کتابیں تاجرانہ نرخ سے خرید لیں یا اپنے پریس میں چھاپیں اور ہزار روپیہ میں اس کو پڑتیں مگر بازار میں وہ دو ہزار کی ہیں تو زکوٰۃ دو ہزار کی دینا چاہئے اور اگر دو ہزار کی زکوٰۃ تو زکوٰۃ پچاس روپے دیتے ہوئے دل دکھے تو سہل یہ ہے کہ خود کتابوں کا چالیسواں حصہ دیدے مثلاً چالیس جلد میں سے ایک جلد دے دے یا ایسی کتاب دیدے جس کی جلد کی برابر قیمت پر نکاسی ہوتی ہو۔

اور اس حساب غلط لگانے کی ایک اور باریک مثال ہے وہ یہ ہے کہ مثلاً ایک

شخص کے پاس سو روپے کی برابر وزن میں چاندی کا زیور ہے اور قیمت اتنی چاندی کی بوجہ زرِ کاری اسی روپیہ ہے، تو اکثر لوگ اس اسی روپیہ کا چالیسواں حصہ یعنی دو روپیہ دیدیتے ہیں، حالانکہ ہم جنس سے زکوٰۃ ادا کرنے میں صنعت اور سکہ کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوتا پس اس کے ذمہ ڈھائی روپیہ بھر چاندی واجب ہے، اگر روپیہ دیا تو وہ چاندی کے حساب میں شمار ہوگا اس لئے ڈھائی روپیہ دینے میں زکوٰۃ ادا ہوگی دو روپیہ دینے سے آٹھ آنہ بھر چاندی اس کے ذمہ اور رہی اور اگر ڈھائی روپیہ دینے میں خسارہ سمجھے تو اس کی دو صورتیں اور ہیں۔ ایک یہ کہ روپیہ نہ دے خود چاندی اڑھائی روپیہ بھر دیدے اور وہ مسکین اس کو بیچ کر کارروائی کرے گا۔ دوسرا اس سے بھی سہل یہ ہے کہ دو روپیہ کے بالکل پیسے ہی پیسے کہ جس میں چاندی کی رونق تک نہ ہو مساکین کو دیدے کیونکہ ان پیسوں کی چاندی اڑھائی روپے بھر آسکتی ہے اور خلافِ جنس اس لئے ان پیسوں کی قیمت اڑھائی روپے بھر چاندی کی برابر سمجھی جاوے گی اور زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی۔

ایک مثال حساب غلط ہونے کی بہت ہی باریک ہے وہ یہ کہ اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ بوجہ اس کے کہ رمضان ہی تک میں ایک ذخیرہ ثواب برابر ستر فرض کے ہے۔ رمضان المبارک میں زکوٰۃ نکالتے ہیں۔ اور پھر رمضان ہی سے سلسلہ حساب کا رکھتے ہیں پھر کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ نصاب کے مالک ہونے کی تاریخ سے جو سال شروع ہوا ہے وہ رمضان کے تین چار ماہ پہلے مثلاً ختم ہو گیا تھا تو اسی شخص نے رمضان شریف سے حساب رکھنے کے لئے ان تین چار ماہ کی زکوٰۃ بھی دیدی پھر آئندہ کے لئے رمضان سے رمضان تک حساب جاری رکھا۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ رمضان سے تین چار ماہ بعد سال ختم ہوتا ہے تو یہ رمضان میں زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے کو جلدی سبکدوش سمجھ لیتا ہے، مگر غلطی اس میں یہ ہوتی ہے کہ جب رمضان میں یہ شخص زکوٰۃ نکالتا ہے تو جتنا مال رمضان شریف میں اس کی ملک میں ہے یہ اسی کی زکوٰۃ نکالتا ہے؛ حالانکہ احتمال ہے کہ جو ختم سال

جس کا واقعی یہ ہے اس میں نصاب اس وقت سے زیادہ ہو اور زکوٰۃ واقع میں اسی زیادہ کے حساب سے واجب ہوگی تو اس طرح حساب سے کچھ زیادہ زکوٰۃ اس کے ذمہ رہ جائیگی

اور اس طرح سے یہ حساب غلط ہو جائے گا مثلاً اس کا سال رجب میں ختم ہوتا تھا اور اس وقت اس کے پاس ایک ہزار روپیہ تھا جس کی زکوٰۃ پچیس روپیہ ہوتی ہے اور رمضان شریف میں اس کے پاس آٹھ سو روپیہ رہ گئے جس کی زکوٰۃ بیس روپیہ ہوتی ہے تو اب اگر اس شخص نے اسی وقت کا نصاب دیکھ کر بیس روپیہ ڈالے تو پانچ روپیہ اس کے ذمہ رہ گئے۔ اسی طرح اگر اس کا سال ذی الحجہ میں ختم ہوتا ہے اور رمضان میں اس کے پاس آٹھ سو روپیہ تھے مگر ذی الحجہ میں ہزار ہو گئے تب بھی بعینہ یہی غلطی ہوتی اسی طرح ہر ختم سال پر یہی احتمال ہے۔

سو فرض کیجئے اگر اتفاق سے پانچ سال تک یہی قصہ رہا کہ ختم سال پر دو ہزار روپیہ ہوتے ہیں اور رمضان میں آٹھ سو روپیہ تو پانچ روپیہ سال تک ہو کر پانچ سال میں پچیس روپیہ اس کے ذمہ واجب الادا رہا، تو ایسا ہوگیا جیسے پانچ سال میں چار سال کی زکوٰۃ دی اور ایک سال کی نہ دی، اس لئے یہ ضروری ہے کہ ختم سال پر نصاب کو ضرور دیکھا جاوے اور اس کی زکوٰۃ کی مقدار کو یاد رکھے، پھر اگر سال رمضان سے پہلے ختم ہوتا ہے تو رمضان شریف میں اسی مقدار کے برابر خیال کرکے زکوٰۃ دے اور اگر رمضان کے بعد سال ختم ہوتا ہے تو رمضان میں جتنا اندازہ سے دیا ہے اس کو یاد رکھیں، پھر ختم سال پر جتنی مقدار زکوٰۃ کی ہے اس ادا کی ہوئی کو اس سے ملا دے، اگر کچھ ادا کرنے سے رہ گیا ہو تو پورا کرے اور اگر زیادہ دے دیا ہو تو اگلے سال میں لگا لینا جائز ہے۔

زکوٰۃ کو صحیح مصرف پر نہ دینا

(۵) — ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض آدمی زکوٰۃ نکال کر اس کے مصرف شرعی میں صرف نہیں کرتے مثلاً بعضے اپنے پیروں کو دیتے ہیں گو وہ صاحب نصاب ہوں بعضے مساجد کے ائمہ و مؤذنین کو ان کی تنخواہ کے حساب میں دیتے ہیں، بعضے چندہ مدارس میں

دیتے ہیں اور مہتمم کو اطلاع نہیں کرتے اور وہ اس کو تعمیر وغیرہ یا تنخواہ مدرسین یا خرید کتب میں صرف کر دیتا ہے۔ بعض مردہ کے کفن میں خرچ کر دیتے ہیں اور ان سب صورتوں میں زکوٰۃ مردہ کی نہیں ہے ادا نہیں ہوتی، اسی طرح سادات و بنی ہاشم، بالخصوص آج کل کے مصرف نہیں ہیں اور جن کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ان کو اگر دینے کے وقت اطلاع ہو جاوے کہ یہ زکوٰۃ ہے تو شامی نے بعض فقہا سے نقل کیا ہے کہ ان کو لینا بھی حرام ہے اور اگر ان قرائن سے معلوم ہو کہ دینے والے کو یہ نا غیر مصرف ہونا معلوم نہیں تو اطلاع کرنا واجب ہے، بلا اخفاء یہ سکوت بالاتفاق حرام ہے اور اگر لے لیا تو صاحب نصاب کو مکرر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

البتہ کفن میت میں اس طرح صرف ہو سکتا ہے کہ اس میت کے کسی غریب قریب کو دے دیا جاوے پھر وہ اپنے اختیار اور رائے سے بلا کسی کے کہے اس زکوٰۃ کو کسی طرح خرچ کرے اس کا کفن لا کر اپنی طرف سے ڈال دے، اسی طرح امام و مؤذن کو ان کے مشاہرہ کے علاوہ اگر وہ مسکین ہوں تو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔

اسی طرح مدرسہ میں دینے کے لئے شرط ہے کہ مہتمم کو اطلاع کر دے ورنہ کم از کم یہ تو اطمینان ہو کہ یہ غیر مصرف میں صرف نہ کرے گا کہ وہ مصرف میں صرف کر سکے اور کر دے، مثلاً مستحق طلبہ کو دیدے کہ وہ اپنی خوراک پوشاک وغیرہ میں صرف کریں ورنہ اگر اطلاع نہ ہوئی اور جو کہ وہ مسائل نہیں جانتا یا جانتا ہے مگر محتاط نہیں، تو ان صورتوں میں چونکہ اطمینان نہیں کہ وہ مصرف میں صرف کرے گا، اس لئے ایسے شخص کو دینا ہی جائز نہیں۔

غرض جس جگہ صرف کرنے سے کسی خاص شخص کی ملک نہ ہو وہ ملک صحیح نہیں جیسے عمارت یا فرش مسجد میں صرف کرنا یا کفن لے کر مردہ پر ڈال دینا، یا ملک تو ہو جاوے مگر وہ شخص مصرف نہ ہو جیسے غنی یا بنی ہاشم، یا اس کی خدمت کی اجرت میں دیا جاوے جیسا مؤذنین کی تنخواہوں میں دینا یہ سب غیر مصرف ہیں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور دوبارہ دینا پڑے گی، سنا گیا ہے کہ بعض لوگوں نے چندہ حجاز ریلوے میں زکوٰۃ دے دی ہے سو

سوال کر کے زکوٰۃ وغیرہ دینا چاہیے۔

اور ملک وقوم کے چندہ لگانے سے یہ بات معلوم ہو گئی ہوگی کہ بعض لوگ جو مدارس یا مساجد کے مصارف عامہ میں صرف کرنے کے لئے ایک حیلہ کیا کرتے ہیں کہ قبل کسی مسکین مصرفِ زکوٰۃ کو سمجھا دیا کہ ہم تم کو سو روپیہ دیں گے پھر تم مسجد یا مدرسہ میں دے دینا۔ اور پھر اس کو دیتے ہیں اور وہ مسجد وغیرہ میں دے دیتا ہے اور اس کو حیلۂ تملیک کہا جاتا ہے چونکہ یقینی بات ہے اس میں دینے والا حقیقتاً اس مسکین کو مالک نہیں بناتا محض صورت تملیک کی ہے اس لئے اس طور سے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم مشکل ہے۔

اور ایک خرابی اس میں یہ ہے کہ وہ مجبور ہو کر پھر واپس کر دیتا ہے، تو وہ دینا اس کا بطیبِ خاطر نہیں ہوتا جو کہ حلتِ مال کی شرط ہے، غرض لینا دینا دونوں قواعد کے خلاف ہیں۔ بعضوں کو شبہ ہو جاتا ہے کہ شرع تو ظاہر پر ہے تو خوب سمجھ لو کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ باطن کی تفتیش مت کرو، لیکن اگر بلا تفتیش باطن کی اطلاع ہو کہ یہاں تملیک کی نیت نہیں اور طیبِ خاطر نہیں تو شرع نے یہ کب کہا ہے کہ اب بھی باطن کا اعتبار مت کرو؟ اگر یہ نہ ہوتا تو جتنی حدیث جو حلتِ مال کے لئے طیبِ نفس شرط کیا گیا ہے جو کہ امرِ باطن ہے یہ بے معنی ہوتی ہے۔

اگر کہیں ایسے ہی موقع پر زکوٰۃ سے امداد کرنے کی ضرورت ہو اس کی ایک اور تدبیر جو کہ بالکل قواعد کے مطابق ہے یہ ہے کہ کسی مسکین کو مشورہ دیا جاوے کہ تم دس روپیہ مثلاً کسی سے قرض لے کر فلاں سید کو دے دو یا فلاں مسجد و مدرسہ میں دے دو ہم تمہاری اعانت ادائے قرض میں کر دیں گے جب وہ مسکین وہاں دے دے تم اس مسکین کو دس روپے زکوٰۃ میں دے دو پھر اس سے اس کا قرض خواہ وصول کرے گا، اس میں مسکین کو دینا بھی حقیقتہً ہوا۔ اور اس مسکین پر صدقہ دینے میں جبر بھی نہ ہوا کیوں کہ وہ آزاد ہے خواہ قبول کرے یا نہ کرے بخلاف حیلۂ تملیک کے کہ اگر وہ مسکین موافق تعلیم کے نہ دے تو کدورت بلکہ نزاع واقع ہو جاوے، اور ہر چند کہ بعد ملنے کے اس روپیہ کے قرض خواہ اس سے جبراً لے سکتا ہے مگر قرض تو حق واجب شدہ کا ہے اور

اس میں جبر جائز ہے اور چونکہ وہ روپیہ حقیقۃً اس مسکین کا ہو گیا اس لئے اس کو اپنے قرضہ میں لے لینا سہل ہے۔ جیسے اس مسکین کے پاس مال ہو اس کا مکسوبہ ہوتا اور اس کو جبراً لینا جائز تھا۔

زکوٰۃ سے دنیوی مقاصد کا حصول

(۶) ــــ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض آدمی زکوٰۃ سے دنیوی اغراض حاصل کرنا چاہتے ہیں جو کہ خلوص کے خلاف ہے۔ مثلاً اپنے نوکروں کو زکوٰۃ اس خیال سے دیتے ہیں کہ یہ ہم سے زیادہ دبے رہیں گے۔ اور کام خوب کریں گے اور اس میں کمی ہونے سے ان کو شکایت ہوتی ہے کہ دیکھو یہ لوگ کیسے ہیں کہ اس کا کچھ نہیں مانا۔ بلکہ بعض تو زبان سے بھی جتلانے لگتے ہیں کہ نمک حرام تجھ کو تیری تنخواہ دیتے ہیں اور زکوٰۃ سے بھی تیرا خیال رکھتے ہیں مگر تو ایسا احسان فراموش ہے وغیرہ ذلک گو اس سے یہ زکوٰۃ ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے لیکن حدیث لا یقبل اللہ الا الطیب کی رو سے یہ زکوٰۃ مقبول نہیں ہوتی۔ پھر اول اور دوسری کوتاہی والے بعضے عذر بھی پیش کرتے ہیں۔

مثلاً یہ عذر کہ اگر ہر سال زکوٰۃ دیتے رہیں تو بعضے مال تو تقریباً ختم ہو جاویں۔ مثلاً جس روپیہ سے ہم تجارت نہیں کرتے ویسے ہی رکھا ہے، یا زیور کہ تجارت کے کام ہی کا نہیں تو نشوونما تو کچھ ہوگا نہیں اور ہر سال ایک جزو زکوٰۃ کا نکلا کرے گا تو یوں ہی فنا ہو جاوے گا جواب یہ ہے کہ روپیہ سے تجارت کرنے کو کس نے منع کیا ہے اب اگر خود نہ کرو تو شریعت اس کی ذمہ دار نہیں۔

اسی طرح چاندی، سونا، زیور کے لئے اصل میں موضوع نہیں ہے بلکہ اصل خلقت میں وہ ثمن ہے جو تجارت کے لئے مخلوق ہوا ہے۔ سو زیور تم نے خود اپنی خوشی سے بنایا ہے شریعت اس کی ذمہ دار نہیں ہے۔ جب تم چاہو اس سے سکہ بدل کر تجارت کر سکتے ہو اور بڑھا سکتے ہو جس سے وہ اپنی زکوٰۃ کا خود کفیل و متحمل ہو سکتا ہے۔

اور مثلاً یہ عذر کہ دوکان میں جب مختلف اقسام کی مختلف قیمتوں کا مال موجود ہے

اس کا حساب کیسے ہو سکتا ہے؟ .... اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تمہاری دکان میں خرید و فروخت کا حساب لکھا جاتا ہے تو کاغذات سے حساب تیار ہو سکتا ہے: اور اگر ایسا نہیں تو نری تخمینہ کافی ہے، مگر تخمینہ قرار دے کر احتیاطاً کچھ اور بڑھا لو۔ مثلاً آٹھ سو روپے کا تخمینہ ہوا آٹھ ہزار سمجھ لو اتنے میں اتنا بڑھا لینے سے احتمال غلطی کا ہرگز نہ رہے گا اور زکوٰۃ میں کل پانچ روپیہ بڑھتے ہیں جو کچھ گراں نہیں اور اسی طرح گوٹہ ٹھپہ کا اور اسی طرح زیور کا جس میں دوسری چیز بھی مرکب ہے تخمینہ کافی ہے۔

اور مثلاً یہ عذر کہ صاحب ہمارا مال تو حلال نہیں ہے، حرام مال میں زکوٰۃ ہی نہیں سو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ مسئلہ غلط ہے حرام مال جب اپنے مال میں مل گیا وہ ملک میں داخل ہو گیا، گو ملک خبیث ہی ہو، اور وجوب زکوٰۃ کے لئے ملک ہونا شرط ہے طیب ہونا شرط نہیں، طیب ہونا مقبولیت کی شرط ہے سو زکوٰۃ واجب ہوگی، گو مقبول نہ ہوگی، پھر دینے سے کیا فائدہ؟ جواب یہ ہے کہ نہ دینے سے جو عذاب ہوتا ہے اس سے محفوظ رہے اور قبول نہ ہونے سے عذاب نہیں ہوتا بلکہ ثواب سے محرومی رہتی ہے، تو کیا عذاب ہونا اور ثواب نہ ہونا دونوں ایک بات ہیں؟؟ البتہ خود کسب حرام کا جو عذاب ہے وہ الگ ہے اس کی نفی نہیں کی جاتی، لیکن نہ دینے سے دو عذاب کا مستحق ہوگا کسب حرام کا الگ اور زکوٰۃ نہ دینے کا الگ اور اب ایک ہی ہوگا۔ تو کیا یہ دونوں بھی یکساں ہیں؟ ہرگز نہیں!

ردی چیزیں زکوٰۃ میں دینا

(۴) — ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ زکوٰۃ میں ایسی چیز دیتے ہیں جو ردی اور ناکارہ ہو، مثلاً تاجر کتب ایسی کتاب دے جس کی نکاسی نہ ہوتی ہو، اسی طرح تاجر پارچہ پرانے تھان نکالے اور تاجر غلہ گرم خوردہ غلہ نکالے وعلیٰ ہذا، سو جس حساب میں اس سے یہ چیزیں لگائی ہیں اگر بازار میں اتنے کو نہ نکل سکے تب تو زکوٰۃ ہی ادا نہیں ہوئی۔ بقدر کمی قیمت اس کے ذمہ رہ گئی اور اگر اتنی قیمت کی ہے تو زکوٰۃ تو ادا ہو گئی مگر بقدر کمی خلوص کے مقبولیت میں کمی رہ گئی۔

دعوت کے ذریعہ زکوٰۃ کا حکم

(۸) — ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ زکوٰۃ کے روپیہ یا غلہ کا کھانا پکوا کر مساکین کو دعوت میں کھلا دیتے ہیں سو سمجھ لینا چاہیے کہ اگر کھانا پکا کر ان کے ہاتھ میں دے دیا جاوے کہ ان کو اختیار ہو لے جانے کا، یا بیٹھ کر کھا لینے کا اور یہ بھی ان کو اطلاع کر دی جاوے اور وہ کھانا قیمت میں اس قدر ہو تب تو زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی اور اگر لے جانے کا اختیار نہ ہو بلکہ بٹھلا کر کھلا دیا جاوے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

اسی طرح اگر پکا ہوا کھانا اس قیمت کا ہو جتنی زکوٰۃ اس کے ذمہ واجب تھی تب بھی پوری زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ مثلاً ایک شخص کو بیس روپیہ زکوٰۃ کے دینے ہیں اس نے جنس خرید کر پکوائی، کچھ خرید میں صرف ہوا، کچھ باورچی کو مزدوری میں دیا۔ غرض بیس روپے صرف ہو گئے۔ مگر کسی وجہ سے خواہ تو جنس خریدنے میں پیسہ لگ گیا، یا مزدوری زیادہ دینی پڑی، یا کھانا بگڑ گیا۔ غرض کسی طور پر تیار کھانا بیس روپیہ کا نہ ہوا بلکہ سترہ اٹھارہ کا ہوا تو یوں نہ سمجھتے کہ اس نے تو بیس ہی روپے خرچ کیے، اس لیے زکوٰۃ ادا ہو جانا چاہیے، بلکہ یوں سمجھتے کہ مساکین کو سترہ اٹھارہ ہی روپیہ کی چیز پہنچی اس سے اتنی ہی زکوٰۃ ادا ہوگی، دو یا تین روپے اور اس کے ذمے باقی رہے جن کا ادا کرنا واجب ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کی رقم کا کپڑا خرید اور سلوایا، اگر وہ بعد تیاری کے اتنی رقم کا ہے تب تو اس کے دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی اور اگر کسی وجہ سے قیمت اس کی گھٹ گئی مثلاً کپڑا ناواقفی سے گراں ملا، سلوانے میں بگڑ گیا تو بقدر گھٹنے کے اور زکوٰۃ دینی پڑے گی۔ ۔۔۔

(۹) — ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے آدمی دیکھتے ہیں کہ ہم کو پانچ روپیہ زکوٰۃ کے دینے ہیں اور فلاں غریب آدمی کے ذمہ کسی سبب سے ہمارا قرضہ کہ پانچ روپیہ ہیں لاؤ اس کو زکوٰۃ کی نیت سے معاف کر دیں، سو یاد رکھنا چاہیے کہ اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی کیونکہ زکوٰۃ میں تملیک کا شرط ہے اور ابراء میں وجہ اسقاط اور ہے وہ بوجہ تملیک ہوا اس لیے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

البتہ ایک تدبیر ذرور جائز ہے وہ یہ کہ اول یہ پانچ روپیہ اس شخص کو بہ نیت زکوٰۃ دیدے جب وہ اس روپیہ کا مالک و قابض ہو جاوے تو اس سے اپنا قرضہ مانگے اور اگر وہ نہ دے تو جبراً چھین لینا بھی جائز ہے اس میں کچھ حرج نہیں۔

اغلاط

(۱) — اگر کوئی پہلے زکوٰۃ دینے کا فکر نہ ہوا اور اب توفیق ہو تو گذشتہ زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، البتہ اگر درمیان میں بدون تلف کئے ہوئے مال خود تلف ہو کر نصاب سے کم رہ گیا ہو تو اس وقت کی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔

(۲) — بعض زکوٰۃ کی نیت سے مال نکال رکھا ہو اور وہ ضائع ہو جاوے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، جداگانہ نکال کر رکھنے سے صرف اتنا فائدہ ہے کہ پھر دینے کے وقت نیت ضروری نہیں ہوتی۔

الحاق

صدقۂ فطر اور چرم قربانی

چونکہ صدقۂ فطر کا ادا کرنا اور قیمت چرم قربانی کا بعد فروخت کر ڈالنے چرم قربانی کے تصدق کرنا بھی واجب ہے، اس لئے وہ بھی اس حیثیت سے ملحق بالزکوٰۃ ہے اس لئے اس سے متعلق بھی بعض کوتاہیاں زکوٰۃ کے ساتھ بیان کرنا مناسب معلوم ہوا۔

- ایک کوتاہی صدقۂ فطر کے متعلق بعض دیہات میں یہ ہے کہ اس کو جانتے ہی نہیں اس لئے ادا نہیں کرتے۔ اہل علم و واعظین کو چاہئے کہ جمعہ کے خطبہ میں یا کسی موقع پر خود دیہات میں جا کر اس جگہ پر آگاہ کریں۔
- ایک کوتاہی اس کے متعلق یہ ہے کہ غیر مصرف میں صرف کرتے ہیں اس کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے جن مصارف میں صرف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ جن کا اوپر بیان

کی گئی ہے ان میں صرف کرنے سے صدقۂ فطر ہی ادا نہیں ہوتا۔

ایک غلطی بنا بر قول حنفیہ کے اس کیا یہ ہے کہ یہ مشہور ہو گیا ہے کہ صدقۂ فطر اگر گیہوں کے اور کسی غلہ سے ادا کرے تو گیہوں کے مضاعف وزن میں دے۔ اس میں دو غلطیاں ہیں ایک یہ کہ بہت چیزوں میں گیہوں کا مضاعف نہیں ہے بلکہ اس میں تفصیل ہے، وہ یہ کہ جو چیزیں منصوص ہیں جیسے جو، خرما اس میں تو گیہوں کا مضاعف ہے اور جو چیزیں منصوص نہیں جیسے چنا، چاول اس میں یہ حکم ہے کہ کسی منصوص چیز کی بعوض قیمت میں ہو مثلاً گیہوں نمبری بارہ سیر کے احتیاطاً دو سیر دیئے جاتے ہیں اور تیرہ سیر کے نرخ سے اڑھائی آنہ کے ہوئے۔ تو اگر چنا دینا چاہے تو اڑھائی آنے کے جس قدر چنے آتے ہوں اتنے چنے دینے چاہئیں۔ اسی طرح چاول بھی۔ اور مطلقاً مضاعف دینے میں تو کبھی تو واجب سے زیادہ دیئے جاویں گے تو مضائقہ نہیں، لیکن اگر کبھی کم کر دیئے گئے تو واجب کا ایک جزو اس کے ذمہ رہ جاوے گا۔ مثلاً اگر کبھی گیہوں دس سیر کے اور چنے تیس سیر تو مسئلہ مذکورہ کی بنا پر چھ سیر چنے واجب ہوں گے اور مشہور خیال کے حساب سے یہ شخص چار سیر دے گا تو ایک ثلث واجب اس کے ذمہ رہا۔

اور قیمت چرم قربانی کے متعلق بھی ایک عام غلطی وہی غیر مصرف میں صرف کرنا ہے (الفاظ سابق میں بیان کی گئی ہے) یعنی جس قدر صدقۂ فطر یا قیمت چرم غلطی سے ادا نہیں ہوئی اس کا اعادہ ضروری ہے اور اگر استعمال کر لینے کے بعد ضائع ہو جاوے پھر ادا کرنا ہوگا۔

حج کے بارے میں کوتاہیاں

(اصلاح متعلقہ حج)

منجملہ ارکانِ اسلام کے ایک فریضہ حج ہے جو بہ نسبت دوسرے ارکان کے اپنی ایک خاص شان کی وجہ سے زیادہ اہتمام کے قابل ہے وہ شانِ خاص ․․․ یہ ہے کہ اس کی تکمیل کے لئے جس قدر سامان درکار ہے اس کا ہر وقت میسر و مجتمع ہونا، گو پورا اختیاری نہیں اور اس میں موانع کا پیش آجانا، جز زمان معینہ رہتے ہیں، نیز مال بھی زیادہ چاہئے اور بہت وقت بھی زیادہ چاہئے وقت و فراغ بھی زیادہ چاہئے۔

اگر ایک سال تساہل کیا آئندہ سال تک، اور بیچ میں کوئی یا بعض تغیر ہو جانا زیادہ بعید نہیں، یہ مجموعی شان دوسرے ارکان میں نہیں اسی واسطے احادیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو کوئی حج کرنا چاہے وہ بہت جلدی کرے اور عجب نہیں کہ اسی شانِ خاص کے سبب پوری عمر میں ایک ہی بار فرض کیا گیا ہے، ورنہ اہل مکہ اور اس کے قریب و جوار والوں کے لئے یہ اشکال نہیں۔ مگر بمقابلہ آفاقیوں کے ان کی تعداد ہی کیا ہے؟ قواعد انتظامیہ میں اکثر حالات پر مبنی ہوا کرتے ہیں اور چونکہ اس میں مخاطب بھی کثیر و متعدد و مختلف ہیں اور متعلق

ہیں۔ مثلاً نماز، روزہ ضروری وسنن خاصہ کے ساتھ اور اس اعتبار سے بھی یہ دوسرے ارکان سے ممتاز ہے اس لئے اس کے احکام و مسائل بھی لوگوں کو کم معلوم ہیں اور ان کا چرچا بھی کم ہے امر اول کے سبب اس میں عملی کوتاہی زیادہ واقع ہوتی ہے اور امر ثانی کے سبب علمی کوتاہی زیادہ ہوتی ہے۔

* — عملی کوتاہی تو یہ ہے کہ اس کے ادا میں لوگ سستی بہت کرتے ہیں ایک مرتبہ وخیال تعلقات سے فارغ ہونے کے منتظر رہتے ہیں کہ فلاں کام سے فارغ ہو کر چلیں گے، پھر اس کام کے بعد دوسرے کام کا اسی طرح انتظار رہتا ہے۔ حالانکہ یہ سلسلہ عمر بھر منقطع نہیں ہوتا۔ بقول شاعر

لا ینقضی ارب الا الی ارب

وبقول شاعر

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم
باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

اس کا علاج یہی ہے کہ بیچ ہی میں سارے کام چھوڑ کر اور ظاہراً سرسری طور پر ان کا انتظام کر کے اور باطناً خدا کے حوالے کر کے چل کھڑا ہو۔ اور اس علاج کی ہمت باندھنے کے لئے ان وعیدوں کو یاد کرے جو باوجود فرضیت کے اس کے ترک پر آئی ہیں۔ قرآن مجید میں ایسے ترک حج کو کفر سے تعبیر فرمایا ہے، اور حدیث شریف میں یہودیت و نصرانیت کی حالت پر موت آجانے کی برابر بتلایا ہے۔ اس سے زیادہ کیا وعید ہوگی؟

اگر فکر تعلقات زیادہ مشوش کرے تو یوں سوچے کہ اگر میں ابھی مر جاؤں تو ان تمام کارخانوں کا کیا انتظام ہو؟ تو سفر کرنا موت سے تو بڑھ کر نہیں، اس وقت ہمیشہ کے لئے ان سب کو چھوڑ دینا اب تھوڑے روز کے لئے چھوڑنے پر دل کو سمجھا لے اپنے دل کو سمجھا لینا ہی کیا مشکل ہے؟ اور وہ بھی نہایت بالشان ضرورت کے لئے!

اور علمی کوتاہیاں بکثرت ہیں مگر بعض تو معین موقع کے متعلق ہیں ان کا تو نام کو پہلے سے سمجھنا اور یاد رکھنا دونوں تکلف سے خالی نہیں، ان کی تدبیر بجز اس کے کچھ نہیں کہ اہل

پہنچ کر معذور ایسے شخص کو مقرر کیا جاوے جو احکام حج سے پورا آگاہ ہو اور لیے تمرین کی وجہ سے اپنے بخل کے افعال حج کو پورا نہ کریں اور معطل کر دیتے ہیں۔ بعض لوگ مطوفین کو بھی دنیوی آسائش کے لئے مقرر کرتے ہیں، ان کی جو اغراض ہیں کسی نہ کسی طرح پوری ہو جاتی ہیں۔ زیادہ ضرورت تو دینی حاجت کے انتظام کی ہے، سو جب حج کو جانے لگے جو علماء حج کر آئے ہیں اول ان سے دریافت کر لیں یا معلومات مشورہ کرے ورنہ ناواقفی سے بعض ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں کہ حج بھی فاسد یا ناقص ہو جاتا ہے۔

اور چونکہ عوام کو بھی ہر وقت مسائل حج کے مستحضر نہیں رہتے اس لئے ان کے لئے بھی مناسب ہے کہ مناسک کے معتبر رسالے خواہ کسی زبان میں ہوں سفر میں ہمراہ رکھے اور ان کا مطالعہ کرتے رہیں، اور پھر بھی جہاں اشتباہ واقع ہو وہاں کے علماء و ذی فہم سے پوچھ لیں کہ ان کو یہ احکام زیادہ مستحضر رہتے ہیں اور پوچھنے میں عار نہ کریں اور دوسرے ملک کے لوگ اس وقت جب پورا اتفاق نہ ہو اور خود وہاں کے علماء سے نہ ملا کریں اور جو ان کی زبان نہ سمجھے وہ بذریعہ معلمین یا کسی اپنے ہم وطن بھائی کے جو وہاں مدت سے مقیم ہو اور ترجمہ کر سکے دریافت کرے۔ یہ تو بیان تھا ان علمی کوتاہیوں کے متعلق جن کا عین موقع پر صدور ہوتا ہے۔ بعض عملی کوتاہیاں وہ ہیں جن کا صدور قبل سفر ہوتا ہے اور بعض ان میں باوجود مرض شرعی اس سفر سے مانع ہو جاتی ہیں اور بعضے باوجود نہ ہونے شرعی اس سفر کا باعث ہو جاتے ہیں چنانچہ ہر ایک میں نظر کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔

حج کے لئے سفر مدینہ ضروری نہیں

— سو ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ سفر حج کو اس وقت فرض سمجھتے ہیں جب مدینہ منورہ کے سفر کے لئے بھی وسعت ہو، اور اگر اتنا خرچ ہو کہ صرف حج کر سکتا ہے مدینہ طیبہ نہیں جا سکتا، تو یہ لوگ اس حالت میں حج کو فرض نہیں سمجھتے۔

سو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ سخت غلطی ہے، مدینہ طیبہ کا سفر ایک مستقل طاعت ہے نہ واجب ہے نہ مستحب علی اختلاف الاقوال، خواہ روضہ منورہ کے قصد سے جیسا کہ جمہور کا

قول منصور ہے یا صرف مسجد نبوی کے قصد سے جیسا کہ بعض قائل ہوئے ہیں) اور یہ مقام اس مسئلہ کی تحقیق کا نہیں ہے ، "نشر الطیب" کی ستائیسویں فصل کے آخر میں بقدر ضرورت اس کو لکھ دیا گیا ہے)

پھر جانب سفر مدینہ کی استطاعت پر فرضیت حج کی موقوف نہیں ہے ، اگر صرف سفر حج کی استطاعت رکھتا ہو اور سفر مدینہ کی استطاعت نہ رکھتا ہو اس کے ذمہ حج فرض ہے اگر نہ کرے گا تو تمام ان وعیدوں کا مورد ہوگا جو ترک حج پر آئی ہیں ، باقی حج کے بعد اگر کچھ سامان سفر مدینہ کا ہو جاوے گا یا پیادہ چلنے کی ہمت ہو جاوے جیسا شوق کے غلبہ میں ایسا ہو جاتا ہے ، تو اس شرف کو بھی حاصل کرے ، ورنہ بدرجہ حسرت واپس آجائے اور عزم رکھے کہ خدا تعالیٰ توفیق دے گا تو مستقل سفر مدینہ کا کروں گا اور جب سامان ہو جاوے ایسا کرے بھی۔ اور اگر عمر بھر بھی سامان نہ ہوا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس تمنا و عزم کا اجر بھی اس سفر مبارک کے اجر کے قریب قریب ہی ہوگا ، جیسا کہ چند حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فعل خیر کی نیت بھی اجر میں مثل نفس خیر ہی کے ہے۔

۵ — اور ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض اوقات اس شخص کے پاس مال حرام اس مقدار میں جمع ہو جاتا ہے کہ حج کو کافی ہو ، مگر یہ سمجھتا ہے کہ یہ تو مال حرام ہے اس کا حج میں صرف کرنا اور بھی زیادہ برا ہے اور مال حلال میرے پاس اس قدر ہے نہیں اس لئے میرے ذمہ حج فرض نہیں ، اور یہی خیال بعض لوگوں کا زکوٰۃ میں بھی ہے پس یہ لوگ نہ حج کرتے ہیں نہ زکوٰۃ دیتے ہیں ۔

سو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ مدار فرضیت حج و زکوٰۃ کا خاص مقدار مال کا مالک ہونا ہے اس کے حلال ہونے کو فرضیت میں دخل نہیں ، اس لئے ایسے شخص کے ذمہ حج اور زکوٰۃ دونوں فرض ہیں ، البتہ حرام مال سے جو حج ہوگا وہ مقبول نہ ہوگا ، لیکن فرض ادا ہو جاوے گا۔ یعنی اس شخص پر مواخذہ نہ ہوگا کہ حج کیوں نہیں کیا ، گو یہ مواخذہ ہوگا کہ مال حرام کیوں جمع کیا ؟ اور اس سے کیوں منتفع ہوا ؟ سو ادا ہو جانا اور چیز ہے اور قبول ہونا دوسری چیز ، گو تھوڑا سا ہونا بھی چاہیئے ہے اور بجز اس مال حرام کے اس کے پاس اور کچھ

نہ ہو تو ایسا کرے کہ کسی کافر سے قرض لے کر اس کو حج کے لئے الگ رکھے، پھر خواہ جو قرضہ لگے ہی دن خواہ تھوڑی ہی دیر کے بعد اس مال حرام سے ادا کردے۔ تو یہ روپیہ قرض لیا ہوا اس کی نسبت غنیمت ہوگا، اور بعضے جو کہا کرتے ہیں کہ دوسرے کے روپیہ سے بدل لے سو اگر ہاتھ در ہاتھ بدلا تو وہ بدلے کا روپیہ بھی ایسا ہی حرام ہو جاوے گا جیسا اصل کے پاس کا روپیہ تھا، دست بدست لینے کا اور حکم ہے اور قرض لے کر پھر ادا کرنے کا اور حکم ہے۔ اور اس تدبیر کا بتلانے کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ مال حرام جمع کرنے کی اجازت دی جاتی ہے یا ایسا کرنے کے بعد مال حرام جمع کرنے کا گناہ اتر گیا یا اس کے تدارک کی شرعاً ضرورت نہ رہی، حاشا وکلا ہرگز یہ مطلب نہیں حرام مال لینے کا جو گناہ ہے وہ اب بھی باقی ہے اور اس کا تدارک اب بھی واجب ہے یعنی جن لوگوں کا وہ حق ہے ان کو واپس کرنا جس کا مستحق نہ ملے اس کے ورثہ کو دینا اور جہاں معلوم نہ ہو اس قدر مال ان مستحقین کی طرف سے مساکین کو دے دینا اور اس سب کے ساتھ توبہ و استغفار کرنا اور اگر بالفعل تدارک پر قادر نہ ہو تو اس کی فکر میں رہنا اور جتنی گنجائش ہوتی جاوے ادا کرتا ادا کرتے رہنا یہ سب واجب ہے۔

غرض اس حیلے سے حرام وحلال کے احکام نہیں بدل گئے یا منسوخ نہیں ہو گئے مقصود اس سے اس امر پر متنبہ کرنا ہے کہ یہ لوگ جو حج و زکوٰۃ اپنے ذمہ فرض نہیں سمجھتے یہ ان کی غلطی ہے۔

یہ دو علمی غلطیاں تو وہ ہیں جن میں حج کے امر شرعی کی ممانعت کی جاتی ہے۔

بھیک مانگ کر حج کرنا

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ جن کے پاس نہ تو حج کا سامان ہے اور نہ قلب میں غنا اور قوت توکل ہے مگر لوگوں سے بھیک مانگ مانگ کر ان کو پریشان کر کے حج کو جاتے ہیں سو اس طرح حج کو جانا حرام ہے۔

بغیر محرم کے حج کرنا

ایک کوتاہی بعض عورتوں کی یہ ہے کہ باوجود شوہر یا محرم کے ہمراہ نہ ہونے کے پھر حج کو جاتی ہیں اور گو بعض ائمہ کے قول پر بعض خاص قیود و شروط کے ساتھ اس کی گنجائش ہے لیکن اوّل تو عوام کو ایسی بے قیدی کی اجازت نہیں کہ جس وقت جس کا قول دل چاہا لے لیا دوسرے جانے والیاں ان قیود و شرائط کو نہ جانتی ہیں، نہ ان کی پرواہ کرتی ہیں۔ ہر حال میں چلی جاتی ہیں جو کہ ان ائمہ کے نزدیک بھی جائز نہیں۔

تیسرے اس وقت اتنا فساد نہ تھا اور عورتوں کے ساتھ امن غالب تھا اور اس زمانہ میں فساد اس قدر غالب ہے کہ عورتوں کے ہوتے ہوئے بھی شریر طبیعتیں شرارت سے نہیں چوکتیں پھر تعاون و ہمدردی کم ہوتی جاتی ہے اگر بیماری وغیرہ پیش آگئی تو کم عورتوں سے امید ہے کہ اپنا کام چھوڑ کر ان کی امداد کریں اکثر لوگوں کو خصوصاً ضعفاء و نسوان کو نفسی نفسی میں مشغول دیکھا ہے تو بوجہ مجبوری مرد ہی امداد کریں گے تو لامحالہ ان رستے میں پڑ جانے میں اجنبی مرد اس کا ہاتھ بھی پکڑیں گے کہیں تھامیں گے تو ایسے وقت فتن سے محفوظ رہنا جانبین کا یا ایک ہی جانب کا مشکل ہے خاص کر قلب اور عین کا فتنہ سے تو ایسے حج کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جب شریعت اس کو حاضر ہونے کا حکم نہیں کرتی بلکہ روکتی ہے تو پھر یہ کیوں مصیبت میں پڑتی ہے؟ اگر اس عورت کو مالی استطاعت ہو اور محرم و شوہر موجود نہ ہو یا جانے پر آمادہ نہ ہو کیوں کہ اس کو شرعاً اس کا اختیار حاصل ہے تو اس میں مختلف اقوال ہیں کہ آیا استطاعت مال سے نفس وجوب حج کا اس کے ذمہ ہو گیا ہے یا نفس وجوب بھی نہیں ہوا پہلے قول پر اس عورت کے ذمہ حج بدل کی وصیت کرنا واجب ہوگا۔ اور دوسرے قول پر نہیں لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ وصیت کی جائے اگر یہ وسوسہ ہو کہ اگر وصیت نافذ نہ کی گئی تو حج میرے ذمہ رہے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لیکن گناہگار نہ ہوگی کیونکہ اس نے اپنے ذمہ کے واجب کو یعنی وصیت کو ادا کر دیا اب نفاذ اس کا جبکہ مال چھوڑ جائے ورثہ کی ذمہ واجب ہے اگر وہ کوتاہی کریں گے اس کا مواخذہ ان سے ہوگا۔

یہ کوتاہیاں علمی وہ ہیں جن میں بنا بر شرائط حج سے بھی شرعی کی ممانعت کی ہوتی ہے۔ سمجھے اور بہ تکلیف بھی کوتاہی تھی یہ سب پانچ کوتاہیاں ہو گئیں، جو شرائط حج کے متعلق ہیں علاوہ ان غلطیوں کے جو نفس حج میں ہوتی ہیں جن پر مطوف یا معلم تنبیہ مطلع کر دے گا یا علماء کو کتب مناسک مطلع کر دیں گی۔ دو کوتاہیاں حج سے فارغ ہو کر سفر سے متعلق یاد آگئیں ہیں۔ پانچ مل کر یہ سب سات ہو جاویں گی۔

ایک کوتاہی یہ کہ بعض لوگ حج کو جاتے ہیں اور وہاں جہاز میں یا اونٹ پر فرض نمازیں برباد کرتے ہیں سو انہوں نے ایک فرض تو ادا کیا اور کتنے فرض فوت کئے اور اگر حج فرض نہیں تھا نفل تھا تو اور بھی غضب ہو گا ایک نفل کے لئے اتنے فرض گئے گذرے سو ایسے شخص کو حج کرنا جائز ہی نہیں۔

ایک کوتاہی جو باعتبار تعدیہ ضرر کے سب سے اشنع و اقبح ہے یہ کہ بعض لوگ حج کر کے آتے ہیں اور وہاں کے مصائب اور مصائب اس طرح سے بیان کرتے ہیں کہ سننے والا حج کو جانے سے ڈر جاتے ایسے شخص کے یصدون عن سبیل اللہ (یہ لوگ اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہیں) کے مصداق ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور اگر وہ شکایات غیر واقعی ہوں چنانچہ اکثر یوں ہی ہوتا ہے کہ بات بہت بڑھا کر کہا جاتا ہے اور نیز اس مصیبت کی بنا کو تو ضروری ہی غلط ظاہر کیا جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اکثر ایسے واقعات کا سبب اپنی حماقت ہوتی ہے تو اپنی حماقت کون بیان کرتا ہے؟ تو اس طور پر وہ شکایات یا ان کے بعض اجزاء غیر واقعی ہوتے ہیں تو اگر ایسا ہو تو یہ لوگ یصدون عن سبیل اللہ کے ساتھ ویبغونها عوجا کے بھی مصداق ہوں گے اور چونکہ باوجود علم واقعہ کے غصہ میں ایسا کرتے ہیں اس لئے جملہ وانتم شہداء کے بھی یہ مخاطب ہوں گے اور اس کے جواب میں ان کو بھی وہی کہا جاوے گا۔ وما اللہ بغافل عما تعملون۔

اور عجیب لطیفہ یہ ہے کہ یہ آیت جس کے جملے اس حالت آخرہ کی تقریر میں جا بجا نقل کئے گئے ہیں قرآن مجید میں بھی بعد ذکر حج کے متصل وارد ہے اور مجھ کو بھی حج ہی کے اس خاص مضمون کے ساتھ یاد آئی تو قرآن مجید میں یہ اتصال میرے اس استدلال کا ایک خاص لطافت کے ساتھ مؤید ہو گیا اگر مصائب واقعی بھی ہوں تب بھی یہ سمجھنا چاہئے کہ

یہ سفرِ عشق ہے۔ محبوب کے دربار میں حاضری دینے کے لئے تو سفرِ عشق میں خار بھی گل اور زاغ و زغن بھی بلبل معلوم ہونا چاہیئے۔ و نعم ما قیل ؎

ای دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی
بی زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی
در رہ منزل لیلیٰ کہ خطر ہاست بجان
شرط اول قدم آن است کہ مجنوں باشی

وصلی اللہ علیٰ سید المرسلین الذی
[illegible]

قربانی سے متعلق کوتاہیاں

(مندرج معاملہ بہ قربانی)

جس طرح ملحقات زکوٰۃ میں سے صدقۂ فطر ہے جس کے متعلق پہلے بقدر ضرورت گفتگو کی جا چکی ہے، اسی طرح اس کے ملحقات میں سے قربانی بھی ہے انتساب کے اثر میں شامل ہو کر اعمال دینیہ کے ساتھ بھی شریک ہے اور اس حیثیت سے واجب الاصلاح ہے۔

اس میں ایک کوتاہی جو اس وقت زیر بیان ہے یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگ باوجود وسعت اور وجوب کے قربانی نہیں کرتے بلکہ بعض خاندانوں میں کئی پشت سے قربانی نہیں ہوئی، بلکہ بعض دیہات کے لوگ اس کو جانتے تک بھی نہیں۔ بعض تو سستی و لاپروائی کے سبب نہیں کرتے۔ بعض بخل کے سبب کوتاہی کرتے ہیں۔

پس اگر سبب اس کا ناواقفی و بے خبری ہے تو اس کی اصلاح یہ ہے کہ ان کو اس کے وجوب سے اور ترک پر جو وعید ہے جیسا ابن ماجہ میں حدیث مرفوع ہے من وجد سعۃ ولم یضح فلا یقربن مصلانا (یعنی جس شخص کے پاس قربانی کرنے کی گنجائش ہو اور پھر بھی وہ قربانی نہ کرے تو ایسا شخص ہرگز ہماری عیدگاہ میں نہ آئے) اس

پر ان کو اطلاع دی جائے بالخصوص واعظین و طلباء یا ان اہل علم کو جو دیہات میں وعظ و تبلیغ کی غرض سے جاتے ہیں، ضرورت ہے کہ وہ دیہات کے لوگوں کو جب کہ وہ عید میں حاضر یا خود دیہات میں جاتے ہیں، اس کے وجوب پر بلکہ اس کے متعلق ـــ احکام پر بھی آگاہ کردیں۔

بعض باوجود اس قدر وسعت کہ جس پر قربانی واجب ہوتی ہے اپنے ذہن میں اسے اس لئے سبکدوش سمجھے ہوئے ہیں کہ ان کو اس وسعت کی مقدار معلوم نہیں، تو ان کو اس سے آگاہ کیا جائے کہ جس کے پاس حوائج ضروریہ سے زائد تخمیناً پچاس روپیہ نقد یا مال تجارت یا زیور یا جائیداد و مکانات علاوہ مکان سکونت و کفایت معاش مثلاً ملک میں موجود ہو، بس اتنی وسعت پر قربانی واجب ہو جاتی ہے۔ خواہ مرد ہو یا عورت البتہ بچوں پر یا بچوں کی طرف سے واجب نہیں۔

اور اگر بے پروائی اس کا سبب ہے تو ان لوگوں کو غور کرنا چاہئے کہ دنیا کی جلب منافع و دفع مضار کے لئے اگرچہ وہ درجہ ضرورت میں نہ ہوں اور اگرچہ وہ موہوم بھی ہوں، کس قدر روپیہ موقع بے موقع بلکہ ہر روز ہی خرچ کیا کرتے ہیں اور پھر وہ فانی تو کیا آخرت کے اتنے بڑے ثواب کی تحصیل کے لئے کہ اس سے زیادہ کوئی منفعت نہیں اور اتنے بڑے گناہ و عذاب سے بچنے کے لئے کہ اس سے بڑھ کر کوئی مضرت نہیں اور پھر دونوں یقینی اور باقی اور ضروری نہایت بے پروائی اور سستی کی جائے کتنی بڑی نادانی ہے۔

اور اگر سبب اس کا بخل ہے تو فوری علاج تو اس کا ان ہی منافع و مضار کا استحضار ہے جس کا ابھی بیان ہوا اور باقاعدہ علاج اس کا یہ ہے کہ مادہ بخل کا استیصال کیا جائے جس کی تدبیریں کتب فن میں ملیں گے۔

قربانی کے عبادت ہونے میں شبہ

بعض لوگوں کو اس سے بڑھ کر ایک سبب ترک کا ہو گیا ہے کہ وہ اس کے عبادت ہونے میں شبہ کرتے ہیں بالخصوص [illegible] کی ترقی [illegible] بوجہ کثرت ذبائح محض اضاعت مال ہی سمجھتے ہیں ان کی اصلاح تو یہ ہے کہ وہ علماء محققین سے اپنی تسلی مفصل شبہات

پیش نظر رکھ کے کریں۔

مجمل یہ ہے کہ عبادت کی حقیقت امتثال امرِ الٰہی ہے جب اس کا مامور بہ ہونا ثابت ہے پھر عبادت ہونے میں کیا شک ہے۔

رہا یہ سوال کہ امرِ الٰہی کس حکمت سے ہوا گو ایسے سوالات کے جوابات میں اس وقت خاص دلچسپی سے کام لیا جاتا ہے، مگر سچا جواب یہ ہے کہ یہ سوال ہم سے پیش نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ہم بانیِ قانون نہیں جو قانون کی لم جاننے کے مدعی ہوں ہم ناقل و حاکیِ قانون ہیں جب واضع قانون کے روبرو کھڑے کئے جائیں گے اگر ہمت ہوئی پوچھ لینا پھر جو جواب ان کے نزدیک مصلحت ہوگا عنایت کر دیں گے خواہ تقریر و مقال سے، خواہ تعذیر و نکال سے۔

دفعاتِ قوانین کی علل وکلا یا مجسٹریٹ و جج سے پوچھنا سخت نادانی ہے۔ اگر کوئی پوچھے بھی ان کو یہ جواب دینے کا حق ہے کہ واضعان قانون سے پوچھو ہم اس کے ذمہ دار نہیں تو علماء ایسے سائلوں کو ایسا جواب کیوں نہیں دے سکتے اور جب دے سکتے ہیں تو کیوں نہیں دیتے؟ کیوں سائل کی بے محل فرمائش کا اتباع کرتے ہیں؟

اسی طرح اضاعتِ مال کے شبہ کا جواب ہے کہ اضاعت اس وقت ہوتی ہے جب اس میں کوئی فائدہ نہ ہوتا اور جب فائدہ اس میں رضائے حق ہے جس کا مقابلہ کوئی فائدہ نہیں کر سکتا تو اضاعت کیسے ہوئی؟

سستی قربانی کی تلاش

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض وسعت والے قربانی تو کرتے ہیں تو مگر بڑی کوشش اس کی ہوتی ہے کہ کوئی حصہ سستا مل جائے گو اس میں کچھ عیب بھی ہو مگر ایسا نہ ہو جو مانعِ جوازِ قربانی ہو اور وجہ اس کی دو ہیں۔ ایک بخل جس کا علاج اوپر گذر چکا ہے اور دوسرے یہ خیال غیر واقعی کہ قیمت کے بڑھنے سے یا مال کے عمدہ ہونے سے ثواب میں زیادتی نہ ہوگی بلکہ ایک حصہ میں جس قدر ثواب ہوتا ہے وہ قانون حال میں برابر ہوگا اگر زیادتی بھی ہوئی

تو ہم زیادتی کو کیا کریں گے ؟ بس اتنا ہی کافی ہے کہ برأت ذمہ حاصل ہو جاتی ہے اس کی اصلاح یہ ہے کہ یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ جس قدر مال عمدہ ہوگا یا قیمت زیادہ ہوگی ثواب زیادہ ملے گا لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون (تم اس وقت تک نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنے محبوب اموال میں سے خرچ نہ کرو)

یعنی ۱۰

اور ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم بآخذیہ الا ان تغمضوا فیہ ۔ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے وقت خراب مال دینے کا قصد نہ کرو کہ اس سے خرچ کرو اور جب کبھی لینے کا موقع ہو تو تم اسے لینے والے نہیں ہو الا یہ کہ چشم پوشی سے کام لو ۔ اور حدیث عظموا ضحایاکم : اپنے قربانی کے جانوروں کو فربہ کرو ۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ ایک بختی نجیب کی تھی جس کے تین سو دینار ان کو ملتے تھے (رواہ فی التفسیر المظہری) یہ سب دلائل واضح ہیں اس دعوی کے ۔

اور یہ خیال کہ ہم زیادتی کو کیا کریں گے ؟ صرف برأت ذمہ کافی ہے ۔ اس کا محمل وہاں ہو سکتا ہے جہاں صرف مواخذہ سے بچنا ہو اور اس عالم سے کوئی خاص تعلق نہ ہو ۔ خاص تعلق پیدا کرنا مقصود ہو ۔ کیا حق جل وعلا شانہ کے تعلقات کے وجود یا مطلوبیت حصول کا کسی کو انکار ہو سکتا ہے ۔ اگر نہیں ہو سکتا تو اس خیال کی گنجائش کہاں رہی ؟

حقوق العباد چھوڑ کر قربانی کرنا

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ محض نادار ہیں یا ذخیرہ سے زیادہ ان کے ذمے حقوق العباد ہیں جن کا ادا کرنا فرض مقدم ہے مگر یہ لوگ ان سب حقوق کو نظر انداز اور پشت انداز کر کے محض فخر اور وضع قدیم نباہنے کے لئے قربانی کی پابندی کرتے ہیں اور پاس نہیں ہوتا تو ادھار کرتے ہیں ۔

بعض کو دیکھا ہے کہ متعدد حصص مردوں تک کے کرتے ہیں اور زندوں کے واجب حقوق کو مردہ کرتے ہیں حالانکہ یقینی بات ہے کہ دس روپیہ قرض میں ادا کرنا اس سے بہتر

ہے کہ ان دس روپے کے مینڈھے خریدے جائیں تو ضیاع حقوق کا الزام تک اور نفس وجوب یعنی تفاخر و ترفع کا لانا تک۔

حضرات سلف سے اس مباہات پر انکار منقول ہے اور اس انکار کے ساتھ ان کا یہ قول بھی مروی ہے کہ ہم تو گھر بھر کی طرف سے ایک بکری ذبح کر لیتے تھے یعنی عدم وجوب کی صورت میں ایک نے اپنی طرف سے کر دیا اور گھر بھر نے کھا پی لیا کیونکہ ایک حصہ تو سب کی طرف سے ہو ہی نہیں سکتا۔ البتہ کسی کا حق ضائع نہ ہوا اور تفاخر بھی نہ ہو تو تطوع کے مستحب اور دلیل ثبوت ہونے میں کوئی کلام نہیں اسی طرح عام مردوں کی طرف سے یا اپنے بزرگان دین کی طرف سے بالخصوص حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنا بھی امر مستحب امر دیانت اور مقتضائے ان حضرات کے حقوق کا ہے لیکن منفعت جب ہی مطلوب ہے جب کہ اس میں کوئی مضرت نہ ہو۔

ناواقفیت سے ہونے والی کوتاہیاں

اور بعض کوتاہیاں مسائل فرعیہ فقہیہ کے نہ جاننے سے ہوتی ہیں جیسے ایسے جانور کی قربانی کرنا جو رعایا سے مثلاً اس چرانے کے عوض میں لیا گیا ہو یا جو جانور حصہ پر کسی کو پرورش کرنے کے لئے دیا گیا تھا اور دو۔ اس پرورش کنندہ کے حصہ میں لگا دیا گیا پھر اس سے کسی نے خریدا یا خریدنے کے وقت کہاں اس نے بیچا تھا اور خرید کر پھر اس کو کلاً یا بعضاً درست ہے یا تبدیل ذالنا یا حصہ کسی سے بدل لیا یا دوسرا اول خرید کر پھر بیچا یا بیع ذالنا کان استبدال کی صورتوں میں حق اور تغییر حکم میں بہت طویل تفصیل ہے ان سب کا حکم ایک ایسی صورت میں جو ایک مقام میں پیش آئی کہ جانور ذبح کرنے کے بعد اس کا ایک حصہ ایک شخص کے نام نذر کر کے اس کی قربانی کے لئے کافی سمجھا گیا یا مشترک گوشت بدون تخمینہ سے تقسیم کر دینا یا گوشت کے تین حصے برابر کرنے کو واجب سمجھنا یا کھال بیچ کر کسی کی تنخواہ وغیرہ میں لگا دینا، جیسے بعض دیہات میں امام و مؤذن کو بھی کہہ رکھتے ہیں کہ تم کو قربانی کی کھال بھی ملے گی یا ان داموں سے مسجد کے لوٹے وغیرہ خریدنا یا مسجد کی تعمیر میں لگا دینا یا اپنے خرچ میں لے آنا کیونکہ بعد بیع حرام ہے اس کی قیمت کا مصرف

مثل زکوٰۃ ہوتا ہے، یا کہیں منی آرڈر کرکے بھیجنے کی صورت میں اسی میں سے فیس ادا کرنا، وغیرہ ذالک ان سب کی اصلاح مسائل فقہیہ کی تحقیق کرکے ان کے موافق عمل کرنا چاہیے۔

بعض دوسری مالی عبادتوں میں کوتاہیاں

(اصلاح معاملہ بعض طاعات مالیہ)

مثل وقف، کفارۂ یمین، نذر، فدیہ، نماز، روزہ، وصدقۂ نافلہ وغیرہ، جس طرح زکوٰۃ کے متعلقات میں سے صدقۂ فطر و قربانی ہے جن کے متعلق اس کے قبل بیان ہو چکا ہے اسی طرح اس کے متعلقات میں سے دوسری بعض طاعات مالیہ بھی حقوق اللہ میں سے ہیں جن میں سے بعض کا نام سرخی بالا کے ضمن میں ہے ترمذی کی حدیث مرفوع ان فی المال لحقا سوی الزکوٰۃ۔ یعنی ’بلاشبہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی کچھ حق ہے‘ کے عموم میں یہ سب داخل ہیں اور چونکہ ایسی طاعات میں زکوٰۃ راس و سردار ہے اور اسی وجہ سے ان سب میں وہی مشہور و ارکان اسلام سے ہے، اور باقی سب اس کے بعد کے درجہ میں، اسی بنا پر ان کو اس کے متعلقات میں سے کہہ دیا گیا، ورنہ یہ مقصود نہیں ہے، اور نہ یہ سمجھنا چاہیے کہ زکوٰۃ فرض ہے اور دوسرے تطوع، یا یہ کہ جس کے ذمہ زکوٰۃ نہ ہو اس کے ذمہ دوسرے حقوق مذکورہ میں سے کچھ نہ ہوگا، یہ دونوں ہی غلط ہیں، واقفان احکام جانتے ہیں کہ صدقۂ فطر، قربانی، کفارۂ یمین، ایفاء نذر، فدیہ، صوم و صلوٰۃ کا بھی واجب ہے، گو وقت صدقۂ نافلہ واجب نہ ہو

اور اسی طرح بعض کے ذمہ زکوٰۃ نہیں ہوتی مگر دوسرے حقوق مالیہ واجب اس کے ذمہ ہوتے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ اعلیٰ درجہ میں تو زکوٰۃ کے بعد بھی مگر پھر بھی شرعاً مطلوب ہیں جن میں بعض واجب اور بعض مندوب ہیں چونکہ ان میں بھی غفلت کوتاہیاں واقع ہوتی ہیں اس لئے ان پر مختصراً بقدر ضرورت متنبہ کرنا ضروری ہے چنانچہ مختصراً عرض کرتا ہوں اور حقوق اللہ اس نے قید لگائی کہ جو حقوق مالیہ منجملہ حقوق العباد ہیں وہ از قبیل معاملات ہیں ان کا بیان ذکر نہیں ہے اس وقت صرف دیانات کا بیان ہے۔

اس میں بعض کوتاہیاں وقف کرنے والے کی طرف سے ہوتی ہیں اور بعض منتظم اور متولی کی طرف سے اور بعض واقف کی اولاد سے بعض دوسرے اجنبی لوگوں کی طرف سے۔ چنانچہ واقف کی طرف سے ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ جس چیز کو وقف کیا ہے اس میں یہ بھی رعایت نہیں کی جاتی کہ حلال سے حاصل ہوئی ہے یا حرام سے بعض لوگ زیادہ شہرت کیلئے اس کا عمل کرتے ہیں حدیث میں صاف ارشاد ہے:

عن عبد اللہ بن مسعودؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یکسب عبد مال حرام فیتصدق منہ فیقبل منہ ولا ینفق منہ فیبارک لہ فیہ ولا یترکہ خلف ظہرہ الا کان زادہ الی النار ان اللہ لا یمحو السیء بالسیء ولکن یمحو السیء بالحسن ان الخبیث لا یمحو الخبیث رواہ احمد وکذا فی شرح السنۃ۔

"حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی بندہ ایسا نہیں جو مال حرام کما کر اس سے صدقہ کرے اور اس کا صدقہ قبول ہو جائے، اور کوئی بندہ ایسا نہیں کہ ایسے مال سے راہ اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور اس میں برکت ہو اور کوئی بندہ ایسا نہیں جو اپنے پیچھے مال حرام چھوڑ کر جائے مگر وہ جہنم تک جانے کے لئے اس کا توشہ بن جاتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بری چیز کو بری چیز سے نہیں مٹاتا، لیکن بری چیز کو اچھی چیز سے مٹاتا ہے۔ گندی چیز گندی چیز کو نہیں مٹاتی

بلکہ اگر حلال بھی ہو مگر ہو تفاخر کے لئے وہ بھی غیر نافع و غیر مقبول ہے، ریا کی مذمت معلوم اور ظاہر ہے، خصوص مساجد بنانے والے اس بلا میں بکثرت مبتلا ہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی جگہ مسجد قدیم موجود ہو مگر محتاج مرمت ہو لیکن اس کی مرمت نہ کریں گے اور اس کو منہدم ہونے دیں گے اور اپنے نام کے لئے ایک مسجد بنا دیں گے اور یہی راز ہے اس کا اکثر بستیوں میں بکثرت مسجدیں ویران ہیں۔

ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ خود وقف ہی مقصود بالذات نہیں ہوتا بلکہ نیت صرف جائداد کی حفاظت ہوتی ہے اور اسی کو مقصود بالذات قرار دیتے ہیں اور وقف کو اس کا ذریعہ بناتے ہیں۔

پس دین تو مقصود بالعرض ہے اور دنیا مقصود بالذات ہوتی جس کی نسبت ارشاد نبوی ہے۔

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ رواه الشيخان۔

بلاشبہ تمام اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے اور بے شک ہر انسان کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہے، پس جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف شمار ہوگی جس کی اس نے نیت کی۔

دیکھئے اس مہاجر نے ہجرت کی مگر نیت اس میں غرض دنیوی کی تھی اس لئے ثواب سے محروم رہا اور اسی قبیل سے ہے بعض اوقات وقف علی الاولاد کرنا۔

اس سے یہ مقصود نہیں کہ وقف علی الاولاد صحیح نہیں یا کسی حالت میں موجب ثواب نہیں، یہ صحیح تو ہر حال میں ہے خواہ نیت کچھ ہی ہو، جیسا کہ نماز کو اگر کوئی تمام شرائط و ارکان کے ساتھ ادا کرے مگر نیت یہ ہو کہ لوگ ہم کو نمازی سمجھیں یا جماعت اہل علم نماز اس کی صحیح ہو جائے گی مگر ثواب سے محروم رہے گا، اسی طرح سے یہ وقف صحیح تو ہو ہی جائے گا مگر ثواب

بعض احوال میں نہ ہو اسی طرح بعض حالات میں ثواب بھی ملے گا جب مقصود اعانت اولاد کی دین کے لئے ہو۔

یعنی یہ غرض ہو کہ معاش سے مطمئن رہیں گے تو دین میں مشغول رہیں گے۔ اور کسی کے حق کا ضائع کرنا بھی مقصود نہ ہو اور اگر مقصود اولاد کی اعانت کے لئے ہے تو یہ بھی شرط ہے کہ یہ ہمیشہ صاحب ثروت وجائداد رہیں گے یا یہ کہ کسی سے قرض لے کر خدشہ ہو کہ اب جائداد نیلام ہو جائے گی، اس وقت وقف کی بنا ہے کہ صاحب حق کا حق ضائع کیا، تو بڑا بار گناہ لازم ہوگا۔ اور اس سے بڑھ کر ایک اور سخت معصیت یہ غرض ہے کہ اس کا درجہ الحاد تک پہنچتا ہے وہ یہ کہ اصل میں مسئلہ میراث کو خلاف مصلحت وخلاف حکمت اور موجب ضرر اور نامناسب اعتقاد کرتا ہے اور صریح اعتراض کرنے کو برا سمجھ کر ایک شرعی عمل کی پناہ ڈھونڈتا ہے یعنی وقف علی الاولاد کو ترجیح دیتا ہے۔ اور قواعد میراث کو موجب تجزیہ وتقسیم جائداد خیال کرتا ہے پس جبکہ اس کی اس تجویز کا ایک حکم شرعی یعنی میراث کو نامناسب اعتقاد کرنا ہی تو اس کا بددینی ہونا ظاہر ہے اور شیطان کے کافر ہونے کا اصل سبب یہی ہے کہ اس نے ایک حکم منصوص کو خلاف حکمت قرار دیا۔ اور صرف ترک سجود بلکہ معصیت منافی کفر نہیں، اس وقت بھی ایسے عقیدہ والوں کا تکفیر کرنے والے کو متعصب کہنا خود تعصب ہے جس کے معنی باطل کی حمایت کرنا ہے نہ کہ دین کی پختگی اور تمسک شریعت کے ساتھ ..... اس وقت تصلب کا نام ناسمجھی سے تعصب رکھ لیا گیا ہے۔

وقف کا غلط مصرف میں استعمال

ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ وقف کے مصارف میں بعض بدعات و معاصی کو بھی تجویز کرتے ہیں کہ اس کی آمدنی سے فلاں مزار پر عرس کیا جاوے، جس کا مشتمل بر بدعات کثیرہ ہونا ظاہر ہے۔ یا یہ کہ اس کی آمدنی کا ایک حصہ مصارف انگریزی تعلیم میں صرف کیا جاوے جس کا مشتمل و مورث قبائح و مفاسد عظیمہ ہونا مشاہد ہے اور بعض کوتاہیاں متولی و منتظم کی طرف سے ہوتی ہے مثلاً بعض وقف کی آمدنی کو اس کے مصارف میں نہیں صرف کرتے۔

بلکہ بعض اپنے کے موافق جائز و ناجائز سے قطع نظر کر کے جو چاہیں تصرف کرتے ہیں بعض اوقات میں کی شرائط کی مخالفت کی جاتی ہے۔ مثلاً اس میں واقف نے ایک جماعت کو تجویز کر دیا۔ مگر جس کا زور ہوا وہی قابض ہو کر مستقل و مستبد بارز بن بیٹھا۔ اور دوسروں کو پوچھتا بھی نہیں۔ اور اگر واقف نے حساب داخل کرنے کی قید مقرر کی اور کوئی ذریعہ بھی ہو تو بھی حساب تصنیف کر لیا۔ بعض اوقات میں دنیوی اغراض کے لئے وقف کی مصلحتیں برباد کی جاتی ہیں مثلاً کسی خوش معاملہ کاشتکار کی کسی دوسری مملوک زمین کی اس شرط پر رکھتا ہے کہ وقف زمین کا ارزاں ٹھیکہ اس کو دیا جاوے اور دوسرا جس کو وقف کا نگراں کرایہ دیتا ہے۔ اور وہ بھی خوش معاملہ ہے۔ مگر اس کو دیتے ہیں کہ اس کی مملوک زمین چھوٹتی ہے۔ تو یہ شخص محض اپنے مصلحت کے لئے وقف کو نقصان کرتا ہے۔ بعض وقت یہ منتظم تمام آمدنی اس کی خود ہی کھا جاتا ہے۔ پھر کبھی تو اول ہی سے نیت اس کی ادا کی نہیں ہوتی۔ اور کبھی اول میں نیت اچھی ہوتی ہے۔ مگر پھر رفتہ رفتہ تساہل ہو کر بے فکری ہو جاتی ہے اور وہ رقم ضائع ہو جاتی ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بعض متولی منافع سے متجاوز ہو کر خود رقبۂ وقف میں تصرف باطل کرتے ہیں۔ کبھی فروخت ہی کر ڈالتے ہیں جو کہ صریح سبب اور کبھی بیع ہی سے اور اس طور سے مثلاً اس وقف کے پیچھے دام لیتے ہیں۔ اور اس کی نیت یہ ہے کہ ان داموں سے دوسری زمین لے کر اس کو وقف کر دیں گے۔ پھر کبھی وہ روپیہ ہی صرف ہو جاتا ہے۔ اور وہ وقف صفت ہی برباد ہوتا ہے یا اس کے عوض اس سے کم زمین ملتی ہے تو اگر وقف کا بدل ناجائز ہے البتہ جہاں اس کا امکان ہی نہ رہے تو بالکل چھوڑ دینے سے بس یہی لے لینا کافی ہے۔ اور اس طرح سے کہ اس پر ناجائز تصرف کرنے لگے۔ حتیٰ کہ کبھی اس کو گرا کر بیچ بھی کر دی۔ غرض ان اوقات میں متولیوں کی بدولت بہت سا حصہ بے نشان ہو گئی یا اگر معلوم بھی ہے تو ان کا استحقاق بوجہ مستولی کثیر وقت کثیر تصرف پر موقوف ہونے کے دشوار ہو گیا ہے۔

افسوس ہے بعض مسلمانوں نے مسجدوں کے ساتھ استعمال زبیح گھروں کا سا معاملہ کر لیا ہے اور بعض تو میدان اولاد وقف کی طرف سے ہوتی ہے اور دو کو تو یہاں تک نسب

ہیں جو ابھی مسئلہ کی کوتاہیوں کی فہرست میں مذکور ہوئیں۔ اور بعض ان سے زائد بھی ہیں۔ اور زیادہ پر فساد ہونے کا سبب یہ ہوا ہے کہ عرفاً اولاد واقف کو عام لوگ بہ نسبت اجنبی متولی کے وقف میں تصرف کرنے کا زیادہ مستحق سمجھتے ہیں مثلاً لوگوں کو اپنے قبرستان میں دفن کرنے سے روکنا یا کسی کو اپنے باپ دادا کی بنائی ہوئی مسجد میں نہ آنے دینا یا اس کی شکستگی کی حالت میں خود تو بوجہ عدم استطاعت کے اس کی مرمت نہ کر سکنا۔ یا بے پروائی کے سبب نہ کرنا۔ اور اوروں کو بوجہ عار اور ہیکی کے اجازت نہ دینا حتیٰ کہ وہ اسی طرح اول منہدم ہو جاتی ہے پھر یہی لوگ اس کا ملبہ بیچ کھاتے ہیں حتیٰ کہ وہ منہدم ہو جاتی ہے پھر اس کی زمین بیچ لیتے ہیں خواہ اس میں مجالس فسق ہونے یا کوئی غیر مسلم اس میں گھر بنا کر یا خانہ بنا کر سے جو عار اس فضیحت کا سبب ہوئی ہے، اسی کے حق میں کہا جا سکتا ہے

اختار النار علی العار

عار کے مقابلہ میں آگ کو اختیار کر لیا

بعض کوتاہیاں عام اجنبی لوگوں کی طرف سے ہوتی ہیں مثلاً ایک یہ کہ مسجد میں کسی ظالم کا تصرف دیکھ کر یہ رائے گھڑ لینا اور اپنی طرف سے فتویٰ دے لینا کہ اب یہ مسجد ہی نہیں رہی، اس میں ویسا ثواب نہیں ہوگا یا یہ کہ اس میں اذن عام تھا اس لئے یہاں جمعہ درست نہیں، اور یہ تجویز تراش کر دوسری مسجد کے بنانے کا سامان شروع کر دینا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یا تو دوسری مسجد آباد نہیں ہوتی، یا پہلی ویران ہو جاتی ہے اور آئے دن کے جھگڑے رہتے ہیں وہ الگ، خود یہ مسئلہ ہی گھڑنا غلط ہے۔ کہ ظالم کے تصرف سے وہ مسجد نہیں رہی یا اذن عام باطل ہو گیا ہے۔ مسجد مسجد ہی ہے اور وہ ظلم اس کا مخل باذن عام نہیں ہے۔ اذن عام کا شرط ہونا ارض مملوکہ میں ہے نہ کہ ارض موقوفہ میں، وہاں شریعت کا اذن عام ہے جس کو کسی کا ظلم زائل نہیں کر سکتا۔ بجائے اس مسئلہ تراشنے کے اس ظلم کو بشرط قدرت روکنا چاہیے۔ اور وقف کی حفاظت چاہیے اور مثلاً ایک یہ کہ وقف کو برباد ہوتے ہوئے .... دیکھتے ہیں۔ اور وجود قدرت کا التفات نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ ہم کو کیا غرض پڑی ہے صاحبو! کیا دین بھی ایسی چیز ہے کہ جس کی نسبت

یا غرض کا دعویٰ کیا جاوے۔ بہر کیف یہ بڑی غرض ہر وقت ثواب کی پڑتی ہے۔ ولی قدرت نہ رہنے پر مجبوری ہے اور مثلاً ایک یہ کہ بعض لوگ جو مصرف اس وقف کے نہیں ہیں وہ بھی اس سے مستفیض ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک مسافرخانہ مساکین کے لئے بنا دیا گیا مگر اس میں اغنیاء امراء بھی جو بہ تکلف کے قیام کرتے ہیں جو کسی طرح جائز نہیں خیر یہ تو ان طبقات کی زیادتیاں ہیں سے اور کسی کو تاباں ہیں مگر کفر کے لئے اتنا ہی انتہا اس قدر بھی کافی ہے ان ہی محذورات کو دیکھ کر بعض دانشمندوں کی رائے یہ ہوتی گئی ہے کہ اکثر اوقات ایسے اوقاف سے تو یہی بہتر ہے کہ بجائے وقف کرنے کے اس جائداد وغیرہ کو بیچ کر اس کے دام اپنے ہاتھ سے کسی نیک کام میں صرف کر دے لیکن یہ ایک رائے ہے جس کا منشا ایک تعلق طبعی ہے کوئی حکم شرعی نہیں فقہاء کی خدمت وقف کے مرغوب نہ ہونے میں تعلق نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ بوجہ نیت کے بقاء ذات وقف تک باقیات یا ثبات مظالمات کا ثواب ملتا رہے گا۔ سے استغناء منقطع ہو جائے۔

ساری جائداد وقف کر دینا

ایک کوتاہی اور ہے کہ گو فی نفسہ اس کی عبادت ہے۔ مگر عواقب پر نظر کر کے شریعت نے اس کو پسند نہیں کیا، وہ یہ کہ بعض لوگ جن کا قلب متحمل تنگی و تنگدستی کا نہیں ہوتا اپنی تمام جائداد یا املاک کو وقف کر دیتے ہیں بعض صحابہ نے بھی حضور کی محبت میں ایسا ارادہ کیا بھی تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا چنانچہ حدیث میں ہے امسک علیک بعض مالک اپنے پاس اپنا کچھ مال روک رکھو۔ مصلحت ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ بعض اوقات ناداری میں وساوس پریشان کرتے ہیں کہ لوٹ سب دے دیا اگر کوئی حاجت پیش آئی اور آمدنی کی کوئی سبیل نہیں، تو کہاں سے کام چلے گا۔ ان وساوس کا بعض اوقات اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ نماز وغیرہ میں خرابی پڑنے لگتی ہے بعض اوقات نیت ڈانواڈول ہو کر غیروں کے مال پر نظر پڑنے لگتی ہے۔ بعض اوقات حرام ذرائع کا قصد کرنے لگتا ہے۔ چوری کا جبر کے مقدمے جھوٹی گواہی کا۔ کسی سے قرض لے کر مار لینے کا وغیرہ ذالک

اور اگر ان وساوس کے بعد اتفاق سے کوئی کلفت و تنگی بھی پیش آگئی تو وہ وساوس

اس وقت عمل کی صورت اختیار کرتے ہیں، اور معاصی کا صدور ہونا شروع ہوتا ہے جن
سے حرمت کا حصار ٹوٹتا ظاہر ہوتی ہے۔ بعض اوقات کسی جرم قانونی کا مرتکب ہو کر گرفتار بلا
بھی ہوتا ہے۔ دنیا کی مغفرت ہوئی تو دفع کرنے سے آتی ہے یہ نصیب نہ ہوئی تھی جب تک در
اصل سے شروع ہو۔ تو شریعت مطہرہ نے جو اس سے روکا ہے تو واقع میں فقر سے
نہیں روکا۔ بلکہ ان شرور سے (جن پر شریعت کی نظر تھی) وہ ہماری نظر سے مستور ہے۔
روکا ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد اپنے عموم سے ان صورتوں کو بھی
شامل ہے۔ عسیٰ ان تحبوا شیئا وهو شر لکم والله یعلم وانتم لا تعلمون۔

تجربہ سے معلوم ہوا کہ اصلی مفلس و قلاش سے اس قدر پریشانی نہیں ہوتی جس قدر
فقر بعد الغنی لوگوں کو دیکھنے سے، اس کا شعور ہوتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے ارحموا ثلثۃ
وعزیز قوم ذل وغنی قوم افتقر (یعنی تین آدمیوں پر رحم کرو) اور ان میں سے ایک اس شخص کو
بھی شمار کیا جو کسی قوم میں مالدار آدمی تھا، بعد میں فقیر ہو گیا۔

ہمارے حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک سالک نے اپنی جائیداد کی نسبت
ایسی ہی رائے ظاہر کر کے مشورہ طلب کیا۔ حضرتؒ نے فرمایا۔ بھائی ایسا مت کرنا،
آدمی کو اپنے نفس کی تسلی کے لئے کچھ رکھنا ضروری ہے۔ اور اسی نکتہ کے سبب حضرتؒ
ضعیف القلوب دالموت بالاسباب لوگوں کے لئے اسباب و تعلقات مثل تجارت و نوکری
وغیرہ کے ترک کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ بعض اوقات یہ مفاسد مذکورہ اس درجہ پر نہیں
پہنچتے، مگر اتنا ہوتا ہے وقف کر کے پچھتانے لگتا ہے کہ میں نے یہ غلطی و ناعاقبت اندیشی کی، تو
اس فعل کا ثواب کم ہو سکتا ہے جس کو کر کے پچھتا رہا ہے اور افسوس کرے۔ البتہ جو خود بھی قلب
قوی رکھتا ہو اور اس کے اہل و عیال یا تو ہوں ہی نہیں۔ یا اگر ہوں تو وہ بھی اس شخص
کے ساتھ اس میں متفق اور راضی ہوں اور اس کو کبھی فراخی سے شہوات قلب مغلوب ہو کر
پھر بھی پریشان نہ ہوں گے اور پریشان نہ کریں گے۔ ایسی حالات میں تمام سرمایہ کا وقف
کر دینے کا بھی کوئی مضائقہ نہیں بلکہ عزیمت اور ہمت کی بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب
صدیق اکبرؓ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں تمام نقد و نظیر جو کچھ ان کی

تک میرے ہاتھ سب لے آئے، اور آپ نے اس کو بطیب خاطر جائز رکھا۔ اور اس عمل کی مدح میں وحی نازل ہوئی وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى الآیۃ۔ (جہنم سے بچا لیا جائے گا، اس متقی ترین شخص کو جو اپنا مال دیتا ہے پاک صاف ہونے کے لئے) ورنہ جس کو یہ قوت نہ ہو اس کے لئے یہ مشورہ وارد ہے۔ (افضل الصدقۃ ما کان عن ظہر غنی) اور کما قال (افضل صدقہ وہ ہے جو اپنے پیچھے مالداری چھوڑ جائے) اور فقراء کے لئے یہ وارد ہے (ان تصدق وانت صحیح شحیح تخشی الفقر وتامل الغنی ولا تمہل الخ) (تم اس حالت میں صدقہ کرو کہ تندرست ہو، مال کی رغبت کرنے والے ہو، فقر سے ڈرتے ہو مالداری کی امید رکھتے ہو)

سُبْحَانَ اللّٰہ! شریعت مطہرہ کیا عادل ملت ہے؟ فضل اللہ تعالیٰ من جاء بہا بمصالح نفیسۃ وحکم سویۃ زکیۃ

ایک کوتاہی یہ ہے کہ کسی آدمی رنج وغیرہ کے سبب وارثوں کو محروم کرنا چاہتے ہیں اور اسی غرض سے اپنا ترکہ وقف کر دیتے ہیں تاکہ وارثوں کو نہ ملے۔ سو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ وقف گو صحیح ہو جاوے مگر اس شخص سے مواخذہ ہوگا کہ معصیت ہے۔ قرآن مجید میں غَیْرَ مُضَآرٍّ کی قید موجود ہے۔[1] حدیث میں ہے۔

اِنَّ الرَّجُلَ لَیَعْمَلُ وَالْمَرْأَۃَ بِطَاعَۃِ اللّٰہِ سِتِّیْنَ سَنَۃً ثُمَّ یَحْضُرُہُمَا الْمَوْتُ فَیُضَارَّانِ فِی الْوَصِیَّۃِ فَتَجِبُ لَہُمَا النَّارُ۔ رواہ فی المشکوٰۃ ـ

بعض مرتبہ مرد و عورت اللہ کی ساٹھ سال تک بندگی عبادت کرتے ہیں، پھر ان کی موت قریب آتی ہے تو وہ وصیت میں اپنے وارثوں کو نقصان پہنچاتے ہیں تو ان پر دوزخ کی آگ لازم ہو جاتی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے

مَنْ قَطَعَ مِیْرَاثَ وَارِثِہٖ قَطَعَ اللّٰہُ مِیْرَاثَہٗ مِنَ الْجَنَّۃِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔

جو شخص اپنے وارث کی میراث قطع کرے، اللہ قیامت کے دن جنت سے اس کی

---

[1] یہ الفاظ قرآن مجید میں اس قید کے ساتھ ہیں جہاں وصیت کے احکام ہیں، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وصیت کرنا جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس وصیت سے وارثوں کو محروم کرنا یا انہیں نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو۔ محمد تقی عثمانی۔

کی میراث قطع کردے گا۔

بعض آدمی ضرر پہنچانا تو نہیں چاہتے مگر یہ سمجھتے ہیں کہ وقف کرنے میں ثواب ہوگا۔ اور وارثوں کے لئے چھوڑ جانے میں کیا ثواب ہے؟ سو ایسا سمجھنا خود غلط ہے، ثواب صرف وقف میں منحصر نہیں، بلکہ وارثوں کے لئے ترکہ چھوڑ جانے میں بھی اجر اور فضیلت میں ہے۔

"انک ان تذر ورثتک اغنیاء خیر من ان تذرھم عالۃ یتکففون الناس۔

کذا فی المشکوٰۃ

"بلاشبہ اگر تم اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جاؤ تو یہ بہتر ہے اس سے کہ تم انہیں محتاج چھوڑ کر جاؤ، جو لوگوں کے دست نگر ہوں۔

غرض بجائے خود وقف بھی موجب ثواب ہے، اور وارثوں کے لئے چھوڑ جانا بھی موجب ثواب ہے۔ اب ایک دوسرے پر ترجیح دینا، یا کسی خاص نسبت سے دونوں پر جائیداد کو تقسیم کر دینا یہ محتاج ہے رجوع کا قواعد شرعیہ، اور ماہران شریعت سے استفسار کرنے کی طرف۔

وقف کو استعمال کرنے والوں کی کوتاہیاں

ایک کوتاہی غیر وقف کرنے والوں کی اور یہ بہت عام ہے۔ یہ ہے کہ وقف میں ہر قسم کے تصرفات کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور کوئی منع کرتا ہے تو کہتا ہے کہ کیا تمہاری ملک ہے؟ یہاں تک کہ اکثر دیندار لوگ تک اس میں مبتلا ہیں کہ مسجد کے لوٹے بدھنے میں مریض کے لئے پانی پڑھوا کر لے جاتے ہیں۔ پھر بعض دفعہ وہ کئی کئی روز تک گھر ہی میں رکھا رہتا ہے۔ اور اگر فوراً بھی واپس آجاوے تب بھی خود لیجانا ہی جائز نہیں کیونکہ جس نے مسجد میں رکھا ہی اس کی نیت صرف مسجد میں کام لینے کی ہے۔ نہ کہ گھر لے جانے کی اور خلاف شرط معطی کے جو کہ اس کی نیت سے متعین ہے اور وہ نیت قرآن سے معلوم ہے اس سے کام لینا جائز نہیں اور منع کرنے سے یہ کہنا کہ کیا تمہاری ملک ہے؟ بالکل لغو عذر ہے کیا منع کرنا اسی پر موقوف ہے کہ وہ دوسرے ہی کی ملک ہو۔ تو حد شریعت نے جس طرح ملک غیر

ہونے کو سبب منع قرار دیا ہے۔ اسی طرح بالشبہ الاستحسان یعنی بلا وقت لے آنا بھی شرعاً سبب منع ٹھہرایا گیا ہے۔ کیونکہ اصل حق منع شریعت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک غیر ہونا بھی وہاں سبب منع ہے۔ جہاں اس کو شریعت نے سبب منع قرار دیا ہے ورنہ نہیں۔ کما قال الفقہاء فی طریق حیث یطلع بل یعرض تناول مال الغیر لا یجوز ... کی میں داخل ہے وہ بے احتیاطی بعض حضرات کی مسجد کے لوٹے چٹائی اٹھا اٹھا کر حجروں میں رکھ لیتے ہیں۔ یہ بعض آدمی مسجد کے لوٹے استنجے کے لئے یا گرم پانی مسجد کے سقاوہ سے وضو کے لئے گھر لے جاتے ہیں۔ یا بعض آدمی مسجد کا فرش یا شامیانہ لے یا کسی دوسرے مدرسہ انجمن و مسجد کی ضرورت میں خلاف نیت معطی کچھ اینٹ چونہ دوسری مسجد میں یہ کہہ کر کہ مسجد مسجد سب ایک ہے۔ لگا دیتے ہیں یہ سب اسی فہرست میں داخل ہے۔ اسی طرح مدرسہ میں جو اشیاء خاص غریب طلباء کے لئے آتی ہیں۔ اس میں سے اغنیاء کو لینا یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔

کفارۂ یمین

اس میں ایک بڑی کوتاہی تو یہ ہے کہ بہت لوگوں کا یہ گمان ہے کہ جب قسم ٹوٹ جائے کفارہ میں تین روزہ رکھ لینا کافی ہے۔ ان کو یہ خبر ہی نہیں کہ بعض حالتوں میں روزے.... کافی نہیں ہوتے۔ کسی دوسرے طریقے کی ضرورت ہے۔ سو اس میں تفصیل یہ ہے کہ جب قسم ٹوٹنے کے بعد ارادہ ہو اسے کفارہ کرے اس وقت دیکھنا چاہئے کہ اس شخص کے پاس قدر کفاف کو مستثنیٰ کر کے آیا اتنی گنجائش ہے یا نہیں کہ دس مسکینوں کو دو وقت شکم سیر کھانا کھلا سکے یا ان دس مسکینوں کو فی مسکین بقدر ایک صدقہ فطر کے حسب نرخ بازار گیہوں یا نقد غلہ یا اس کی قیمت دے سکے۔ یا دس مسکینوں کو اس درجہ کپڑا دے سکے کہ ہر ایک مسکین متوسط قسم کا کپڑا بقدر ایک جوڑے کے دے سکے۔ جس کی تفصیل جزئیات کتب فقہ میں مذکور ہے۔

پس اگر اس قدر گنجائش رکھتا ہو تو اس کا کفارہ میں روزہ رکھنا کافی نہیں ہوتا۔ بلکہ ان طریقوں میں سے ایک طریقہ اختیار کرنا ضروری ہوگا۔ تب کفارہ ادا ہوگا۔ اور اگر گنجائش نہیں ہے تب البتہ تین روزے رکھ لینا درست ہوگا۔ اور اس میں قدر کفاف سے زائد ہونا کفارہ مالیہ کے

وجوب کے لئے کافی ہے۔ صاحب زکوٰۃ ہونا شرط نہیں۔ وہ قدر کفایت یہ ہے۔ رہنے کا گھر پہننے کا کپڑا اور ایک دن کی خوراک (کذا فی المنحۃ الشامیہ عن الخانیہ)

اور حنفی مذہب میں اس گنجائش کو عزم اور کفارہ کے وقت دیکھا جاوے گا۔ قسم ٹوٹنے کے وقت نہ دیکھا جاوے گا۔ پس اگر حنث کے وقت گنجائش ہو اور ادا کے وقت گنجائش نہ ہو تو روزے سے کفارہ ادا ہو جاوے گا۔ اور اگر حنث کے وقت گنجائش نہ ہو اور ادا کے وقت گنجائش ہو تو کفارہ مالیہ دینا پڑے گا۔ کذا فی منحۃ عن الزیلعی۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ ایسے لوگ بہت کم نکلیں گے جن کے لئے روزہ کافی ہو کیونکہ غرباء میں اسی کثرت سے ایسے ہیں جن کے پاس کفایت بتفسیر مذکور سے زائد بقدر خوراک و پوشاک دس مسکینوں کے موجود ہے پس کتنی بڑی کوتاہی ہے کہ ایک طرف سے سب نے روزہ ہی کو کافی سمجھ لیا ہے

کفارہ کے احکام و شرائط کی تحقیق نہ کرنا

(۱) ایک کوتاہی یہ ہے کہ جو لوگ کفارہ مالیہ ادا بھی کرتے ہیں وہ بھی اس کے احکام و شرائط کی تحقیق و رعایت نہیں کرتے چنانچہ بعض مطلق مسکین کو اس کا مصرف سمجھتے ہیں حالانکہ اس کا مصرف زکوٰۃ ہونا شرط ہے۔ کذا فی الدر المختار۔

بعضے ایک مسکین کو دس دن کے بجائے ایک تاریخ میں دے دیتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔ اگر ایسا کیا تو ایک ہی حصہ ادا ہو گا (کذا فی الشامیہ)

لیکن اس غلطی کے معلوم ہونے کے وقت اس مسکین سے زائد کا واپس لینا جائز نہ ہوگا اس کو جو کچھ دے دیا وہ اس کی ملک ہو گیا (کذا فی الشامیہ عن الفتح)

اگر ایک ہی مسکین کو دینا [illegible] منظور ہو۔ تو اس کو مختلف تاریخوں میں ایک ایک حصہ ہر روز دیوے۔ یہ درست ہے (کذا فی الشامیہ)

اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ تاریخ غروب آفتاب سے بدل جاتی ہے پس اگر ایک مسکین کو دونوں وقت کا غلہ یا قیمت دینا ہو اور ایک حصہ دن میں دیا اور ایک حصہ بعد غروب آفتاب کے تو یوں سمجھا جاوے گا کہ دو تاریخوں میں دیا۔ اور کافی ہو جاوے گا۔ اور اگر ایک حصہ

غروب آفتاب کے بعد دیا اور دوسرا حصہ اس شب کے بعد والی صبح کو دیدیا۔ تو یوں سمجھا جاوے گا کہ ایک ہی تاریخ میں دونوں حصے دیئے اس لئے ایک ہی حصہ ادا ہوگا۔

بعضے بے خبری سے ایک حصہ دو مسکینوں میں آدھا آدھا تقسیم کردیتے ہیں۔ اور صدقہ فطر پر قیاس کرتے ہیں۔ سو جان لینا چاہیئے کہ وہ حصہ ناجائز ہوگا (کذا فی الشامیۃ عن الجوہرۃ)

بے خبری میں جو کوتاہیاں ہوئیں ان کا تدارک ضروری ہے

(۴) ایک کوتاہی یہ ہے کہ بے خبری کے زمانہ میں جو کوتاہیاں ہوگئیں ان کو بلا تدارک معاف سمجھے جاتے ہیں۔ یا صرف توبہ کو موجب تدارک سمجھتے ہیں۔ سو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ بدون ادا کئے ہرگز ساقط نہ ہوگا حتیٰ کہ موت سے بھی ساقط نہیں ہوتا (کذا فی الشامیۃ عن القہستانی)

پس اس بنا پر جب ان کوتاہیوں کی اطلاع ہو ان کا تدارک کرے اور جس قدر تاخیر کرے گا گنہگار ہوگا (کذا فی الشامیۃ عن القہستانی ایضاً)

اور اگر قبل تدارک کے موت آتا دیکھے تو مرنے کے وقت اس کے متعلق وصیت کر دیں۔

متعدد قسموں کے لئے ایک کفارہ کافی نہیں

(۵) ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے کئی کئی قسموں کے بعد ایک کفارہ کو کافی سمجھ لیتے ہیں حالانکہ ہر قسم کا جدا کفارہ ہے۔ بلکہ محققین کے نزدیک متعدد یمین میں یہ تعدد کفارہ کا ایسا قوی ہے کہ ایک تاریخ میں ایک مسکین کو دو قسموں کی طرف سے دو حصہ دینا بھی درست نہیں وہ ایک ہی حصہ سمجھا جاوے گا (کذا فی الشامیۃ عن کافی الحاکم)

پس اس بنا پر اگر دو قسمیں اس کی ٹوٹی ہوں تو اگر ایک تاریخ میں دونوں کفارے ادا کرنا چاہئے تو ایک کفارہ کے لئے جدا دس مسکین تجویز کرے۔ اور دوسرے کفارے کے لئے جدا دس مسکین اور اگر بیس مسکینوں سے کم کو زیادہ نفع پہنچانا چاہے۔ تو تاریخیں متفرق کردے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

مدرسہ یا انجمن میں کفارہ ادا ہونے کا طریقہ

بعضے یہ کوتاہی کرتے ہیں کہ کفارۂ یمین کا ادا کرنا ہے حساب کرکے یا حساب کراکے کسی مدرسہ اسلامیہ میں اہل مدرسہ کو سپرد کر دیتے ہیں۔ اور اطلاع نہیں کرتے کہ یہ کفارۂ یمین ہے۔ جب ان لوگوں کو اس کی خبر ہی نہ ہو تو وہ کبھی طرح رعایت اس کے احکام کی نہیں کر سکتے۔ اور اس لئے نہیں کرتے اور اس صورت میں وہ کفارہ ادا نہیں ہوتا۔ اور حق واجب اس شخص کے ذمہ رہتا ہے۔ تو دیا بھی اور ادا نہ ہوا اس لئے نہایت ضروری ہے کہ اصل مدرسہ کو تصریحاً اس کی اطلاع دے دیا کریں۔

بعضے یہ کوتاہی کرتے ہیں کہ کسی انجمن وغیرہ میں ایسے کارکن کے سپرد کرتے ہیں۔ جو بیچارہ خود ہی ان احکام سے بے خبر ہے یا اگر باخبر ہے۔ تو قلت تدین کے سبب اس پر وثوق نہیں کہ وہ ان احکام کی رعایت کرے گا اور اس لئے وہ شخص خواہ بے علمی سے یا قلت مبالاۃ یعنی بے پروائی سے اپنی رائے یا خواہش کے موافق اس رقم یا جنس کو صرف کرتا ہے۔ اور اس دینے والے کا کفارہ ادا نہیں ہوتا۔ اور خود یہ کارکن بھی وبال میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ بہت ضروری ہے کہ ایسے مجہول الحال آدمی کو ہرگز ایسی چیز سپرد نہ کریں بلکہ جہاں یہ احتمال ہو اور اس کے ساتھ ہی مدرسہ یا انجمن میں پہنچانا بھی ہو تو اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ وہاں جا کر مستحقین طلبہ یا یتامیٰ کو جو کہ مصارف زکوٰۃ ہیں تحقیق و انتخاب کرکے اپنے ہاتھ سے حسب احکام شرعیہ تقسیم کر دے اور مدرسہ اور انجمن کے حساب میں جمع کرا دے تاکہ وہ اپنی امانت کے وقت اس کو محسوب کر سکیں اور طور پر مدرسہ و انجمن کو مدد پہنچ جاوے۔

اگر کسی کے جبر و اکراہ سے قسم توڑ دی اس کا کفارہ بھی واجب ہے

بعض عوام ایک عجیب کوتاہی میں مبتلا ہیں کہ کسی کے مجبور کرنے پر اگر قسم توڑ دیں تو اپنے اوپر کفارہ واجب نہیں سمجھتے بلکہ اس جابر کے کہنے پر کہ میرے ذمہ گناہ رہا میں کفارہ دیدوں گا

عـه قسم ۱۲

اپنے کو سبکدوش سمجھتے ہیں یا اس کے زندہ رکھنے کو کافی سمجھتے ہیں سو یہ سب غلطیاں ہیں جو قسم توڑے گا اس پر کفارہ واجب ہوگا۔ پھر اگر یہ حانث کفارہ مالیہ پر قادر نہیں تو خود ہی اس کو تین روزے رکھنے پڑیں گے اور اگر قادر ہے تو واجب اس کے ذمہ ہوگا۔ اس حانث کے کہنے سے سبکدوش ہونا درست نہیں۔ بلکہ اگر اس حانث نے ادا بھی کیا۔ یعنی اس کی طرف سے کیا تھا جب بھی ادا نہیں ہوا۔ البتہ اگر اس حانث نے اس کو وکیل بنایا۔ اور اس نے ادا کر دیا ہو تب ان صورتوں میں ادا ہو جاوے گا پس عوام کا تمام تر اس تفصیل سے غفلت برتنا بڑی غلطی ہے۔ هذا ما حضرني الآن وبعضه عن غيري ابلغ من هذا البيان۔

تسہیل مضمون مذکور برعایت تفہیم جمہور

احقر اشرف علی تھانوی عفی عنہ عرض کرتا ہے کہ میرے مضامین مندرجہ رسالہ ہذا کی نسبت بعض ناظرین نے تقریراً وتحریراً عام لوگوں کے سمجھنے کی بعض اوقات شکایت ظاہر کی بعد کو رسالے کے کہیں کہیں کسی وقت اس کی تلافی کا خیال ہوتا تھا۔ یہ تو مجھ سے ہو نہ سکا اور مناسب بھی معلوم نہ ہوا کہ مضمون کے لکھنے کا طرز بدل دوں کہ اس میں تکلف بھی زائد تھا۔ اور اہل علم کو بھی اس سے انس نہ رہتا۔ یہ سہل اور مصلحت معلوم ہوا کہ اب اپنے طرز سابق پر ہی مضمون لکھ لیا جایا کرے۔ پھر اگر کسی حصہ یا پورے مضمون میں ضرورت ہوگی تو اسی کی عبارت کو دوسرے عنوان سے خوب سلیس کر دیا جایا کرے اس تجویز کے شروع ہونے میں بھی اتفاق سے دیر ہوتی رہی مگر آج اس کے الحمد للہ آغاز کا بتوفیقہ تعالیٰ وقت آ گیا۔ چنانچہ مضمون کفارہ یمین مذکور بالا کو سہل عبارت میں اندراج کرتا ہوں اور سہولت ہی کے لئے معلوم ہوتا ہے کہ مضمون کو مسلسل نہ رکھا جاوے گا بلکہ اس کے چھوٹے چھوٹے جدا جدا ٹکڑے کر دیا جایا کرینگے بعنوان مسئلہ یا اور جو عنوان مضمون کے مناسب ہو۔

خلاصۂ مضمون سابق

اعادہ بغرض تسہیل بعنوان مسائل

مسئلہ: جس شخص کی قسم ٹوٹ جاوے۔ یا وہ توڑ دے۔ تو ہر شخص کو کفارہ میں تین روزہ رکھ لینا کافی نہیں بلکہ جس کے پاس ضروری گذر سے زائد اتنی گنجائش ہو کہ دس مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر متوسط معمولی کھانا کھلا سکے۔ یا دس مسکینوں کو فی مسکین اتنا اناج دیدے جتنا عید کے دن صدقۂ فطر میں دیا جاتا ہے۔ یا دس مسکینوں کو فی مسکین معمولی قیمت کا جوڑا مشتمل کرتہ پائجامہ یا چادر لنگی یا کرتہ لنگی یا چادر پائجامہ دے سکے۔ تو اس کا اسی وقت ادا ہوگا جب اس طرح دس مسکینوں کو کھانا یا کپڑا یا ان کے دام دے۔

اور ضروری گذر کا مطلب یہ ہے کہ رہنے کا گھر پہننے کا کپڑا اور ایک دن کا کھانا اگرچہ غریب ہی ہو۔ اور زکوٰۃ اس پر واجب نہ ہو۔ اور جس کے پاس اتنی گنجائش بھی نہ ہو اس کا کفارہ البتہ تین روزے پے در پے رکھنے سے ادا ہو جاوے گا۔

اور اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ بہت کم لوگ ایسے ہیں جن کا کفارہ روزے سے ادا ہوتا ہو۔ کیونکہ اتنی گنجائش والے تو کثرت سے ہیں۔

مسئلہ: یہ گنجائش ہونا یا نہ ہونا اس وقت دیکھا جاوے گا جب کفارہ ادا کرنے کا قصد ہو۔ قسم ٹوٹ جانے کے وقت نہ دیکھا جاوے گا۔ سو اگر قسم ٹوٹنے کے وقت گنجائش نہ تھی اور ادا کرنے کے وقت گنجائش ہو گئی تو دس مسکینوں کو بطریق مذکور کھانا یا غلہ یا کپڑا یا دام دینا ہوگا اور اگر قسم ٹوٹنے کے وقت گنجائش تھی پھر ادا کے وقت گنجائش نہ رہی تو روزے ہی سے کفارہ ادا ہو جاوے گا۔

مسئلہ: ہر مسکین کو دینا کفارہ میں درست نہیں۔ بلکہ وہ مسکین ایسا ہو جو سید اور بنی ہاشم میں سے نہ ہو۔ اور اسی دینے والے کا باپ، دادا، نانا، ماں، دادی، نانی، بیٹا، پوتا، بیٹی، پوتی، نواسی، نواسہ، میاں بی بی نہ ہو۔ البتہ بیٹے کی بی بی کو یا داماد کو دینا درست ہے۔

مسئلہ: ایک مسکین کو ایک دن میں دو تین حصے دینا درست نہیں اگر ایک ہی مسکین کے

ساتھ زیادہ احسان کرنا منظور ہو تو اس کو ہر روز ایک حصہ دے دیا کرے اور تاریخ شریعت میں دن چھپنے سے شروع ہو کر اگلے دن کے چھپنے پر ختم ہوتی ہے۔

مسئلہ: اگر غلطی سے کوئی کفارہ ادا نہ ہوا تو توبہ کافی نہیں بلکہ پھر یاد کر کے ادا کرنا چاہیے اور بلا عذر دیر کرنے سے گناہ ہوگا۔

"اگر زندگی میں کفارہ ادا نہ کر سکا تو کیا کرے"

مسئلہ: اگر کفارہ ادا نہ کرنے پایا تھا کہ موت آ گئی۔ تو اس کے ذمہ واجب ہے کہ وارثوں کو وصیت کرے کہ وہ اس کے ترکہ سے اس کو ادا کریں ... اور وارثوں پر اس کو ادا کرنا اس قدر سے واجب ہے کہ وہ اس میت کے ترکہ کے تہائی حصہ سے نکل سکے۔ مثلاً اس کے ذمہ چار قسموں کا کفارہ واجب تھا اور وہ پانچ روپے کے غلہ سے ادا ہو سکتا ہے اور میت کا ترکہ تجہیز و تکفین کر کے اور قرضہ مہر وغیرہ دے کر پندرہ روپیہ یا زائد بچتے ہیں تو اس صورت میں اس کی وصیت کا پورا کرنا ان کے ذمہ واجب ہوگا۔ اور جو مثلاً ساڑھے سات روپے بچتے ہیں تو صرف دو کفاروں کا ادا کرنا اڑھائی روپے سے واجب ہوگا اور اگر مثلاً تین ہی روپے بچتے ہیں تو ایک کفارے کا بھی ادا کرنا واجب نہ ہوگا۔

اسی طرح نرخ کے اختلاف سے کفارہ کی قیمت کی کمی بیشی کا حساب دیکھ لیا جاوے۔ البتہ ایسی صورت میں اگر کوئی وارث بالغ اپنے حصے ترکہ سے یا اپنے سرمایہ سے ادا کر دے تو بڑا ثواب ہے۔ لیکن وارث کے روزہ رکھنے سے کفارہ ادا نہ ہوگا۔

اگر میت کے پاس نقد نہ ہو لیکن غلہ یا کپڑا رکھا ہوا ہے جو تہائی ترکہ کے اندر اتنا ہو کہ وہ دس مسکینوں کو فی مسکین بقدر صدقہ فطر یا ایک جوڑا تقسیم ہو سکے تب بھی کفارہ دینے کی وصیت کو پورا کرنا واجب ہے۔

"اگر متعدد قسمیں ٹوٹیں تو ایک کفارہ کافی نہیں"

مسئلہ: اگر دو قسمیں ٹوٹیں تو کفارہ (۲) دینا واجب ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ اور

امام ابو یوسف رحمہ کے نزدیک اگر ایک تاریخ میں ایک مسکین کو دونوں کفاروں کا ایک ایک حصہ دیدیا جائے تو درست نہیں گویا ایک ہی حصہ ادا ہو گا دوسرا اس کے ذمہ رہے گا۔ جیسا ایک قسم کے کفارہ کے دو حصے ایک مسکین کو ایک تاریخ میں دینا درست نہیں۔ البتہ اگر ایک تاریخ بدل جائے تو درست ہے۔

"کفارہ ادا ہونے کیلئے تملیک شرط ہے"

مسئلہ: کفارہ کی رقم یا جنس یا کپڑا جب تک کسی خاص مسکین کی ملک نہ کیا جائیگا اس وقت تک وہ کفارہ ادا نہ ہوگا۔ خواہ اپنے ہاتھ سے کسی کو مالک کر دے یا دوسرے شخص کے سپرد کر دے کہ وہ کسی کو مالک کر دے۔ مثلاً کسی مدرسہ کے مہتمم کو دے دیا۔ یا کسی انجمن کے کارکن کو دیدیا، اس صورت میں وہ اس کفارہ دینے کا وکیل ہو جاوے گا۔ اور کفارہ محض اس کے سپرد کرنے سے ادا نہ ہوگا بلکہ جب وہ وکیل موافق احکام شرعیہ کے مساکین کو دے گا تب ادا ہوگا۔ پس اگر اس وکیل نے کوئی غلطی کی تو کفارہ دوبارہ دینا پڑے گا۔ اس لئے ایسے شخص کو وکیل نہ بنا دے جو احکام شرعیہ سے بے خبر ہو۔ یا خبردار ہو مگر بے پروا ہو اور احتیاط نہ کرتا ہو۔

مسئلہ: اوپر کے مسئلہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ جن کاموں میں کوئی خاص تملیک نہیں ہوتا اگر وہاں رفاہ عام کے کام ہوتے ہوں وہاں دینے سے ایسی رقمیں جیسے کفارہ ہے، زکوٰۃ ہے، صدقہ فطر ہے، چرم قربانی کی قیمت ہے۔ خواہ خود مالک چرم نے فروخت کی ہو خواہ اس کے وکیل نے۔ اور بھی جن جن رقموں میں تملیک خاص شرط ہے۔ ادا نہیں ہوتے۔ پس جنہوں نے چندہ و مجالس جلسے میں ایسی رقمیں دی ہوں ان کو چاہئے کہ وہ دوبارہ پھر موافق شریعت کے ادا کریں۔

"وکیل اگر روزے رکھوادے یا بغیر اجازت کے کفارہ ادا کرے تو ادا نہ ہوگا"

مسئلہ: اگر قسم توڑنے والے کی طرف سے دوسرا شخص کفارہ ادا کرنا چاہے۔ تو

اگر کفارہ میں اس دوست نے روزے رکھے تب بھی کفارہ ادا نہ ہوگا۔ اور اگر دس مسکینوں کو موافق مسائل مذکورہ بالا کھانا یا کپڑا یا غلہ یا دام دیئے تو اگر کفارے والے نے اجازت نہیں دی تھی۔ تو بھی کفارہ ادا نہ ہوگا۔ اور اگر تصریحاً اجازت دیدی ہے تو ادا ہو جاویگا فقط (باقی اجزاء مضمون کے آسان ہے محتاج تسہیل نہیں)

"منت مالی کے متعلق کوتاہیاں"

(ایفاء نذر مالی)

منجملہ طاعات مختصہ بالزکوٰۃ کے نذر مالی کا ایفاء ہے۔ اس میں بھی مثل دیگر طاعات کے چند کوتاہیاں واقع ہوتی ہیں۔

اگر نذر کو کسی شرط پر معلق کیا تو اس شرط کے وجود سے ایفاء واجب ہو گیا چاہے اس شرط کا دوام نہ ہو۔

ایک کوتاہی تو یہی ہے کہ بعضے لوگ شوق شوق میں نذر تو کر لیتے ہیں مگر اس کا ایفاء نہیں کرتے یا تو یاد نہیں رکھتے یا یہ سمجھ کر کہ اب تو کام نکل گیا۔ بے پروائی و سستی کرتے ہیں۔ یا اس کامیابی کا اگر بقاء نہ ہو تو عدم بقاء کو مثل عدم حدوث کے قرار دے کر ایفاء کو واجب نہیں سمجھتے مثلاً کسی نے نذر کی کہ اگر اللہ تعالیٰ فلاں مریض کو شفاء دے تو میں دس روپیہ خیرات دوں گا۔ اور وہ تندرست ہو گیا۔ مگر نذر پورا کرنے سے پہلے وہ پھر بیمار ہو گیا۔ تو یہ گمان غلط ہوگا کہ اب نذر پورا کرنا ضروری نہیں رہا۔ کیونکہ معلق تندرست ہونے پر کیا تھا۔ نہ کہ عمر بھر تندرست رہنے پر جب معلق پایا گیا البتہ نذر واجب ہوگا علاج ان کوتاہیوں کا مسائل معلوم کرنا اور ہر وقت معصیت کو پیش نظر رکھنا ہے۔ تاکہ نہ غلطی ہو نہ بے پروائی۔

○

"غیر اللہ کی منت شرک ہے"

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے نذر غیر اللہ کی کرتے ہیں بعض تو کھلم کھلا کہتے ہیں فلاں بزرگ اگر ہمارا کام ہو گیا۔ تو آپ کی نام کا کھانا کریں گے۔ یا آپ کی قبر پہ غلاف چڑھا دیں گے۔ یا آپ کی قبر پختہ بنا دیں گے یہ تو بالکل شرک جلی ہے کیونکہ نذر بھی عبادات کی ایک قسم ہے (در المختار عن البحر الرائق وفی احکام النذور و قبیل باب الاعتکاف)

عبادت میں کسی کو شریک کرنا صریح شرک ہے اس کا علاج توبہ اور عقیدہ کی درستی ہے۔ اور وہ نذر بھی منعقد نہیں ہوتی۔ اس کو پورا نہ کرے۔ اور اگر نذر لغیر اللہ نہ ہو لیکن طریق نذر کا بھی وہ غیر مشروع ہو۔ تو اس کا مضائقہ دلیل ہے جیسے قبر پر غلاف چڑھانا۔ یا قبر پختہ بنانا کہ خود بھی غیر مشروع ہے۔ اور غیر اللہ کے تقرب کا ذریعہ بنانا یہ دوسری معصیت ہے۔ اور ایسا کھانا ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہونے کے سبب مباح الاستعمال بھی نہیں اور ایسا غلاف وغیرہ بھی سبب سے کسی کے لئے جائز الاستعمال نہیں۔ جیسا بعض مجاورین اس میں تصرف درست سمجھتے ہیں۔ وہ دوسرا سبب مالک کا اس کے لئے نذر دینا ہے کیونکہ اس کی نیت صرف تبرک تقرب کی ہے نہ کہ مجاورین کے تصرف میں جانے کی البتہ اگر ناذر توبہ کرے۔ تو پھر وہ کھانا مجاورین کے لئے اور وہ غلاف مالک کے اذن سے کھا لینا اور استعمال کر لینا حلال ہے اور اگر کوئی جانور تھا۔ جو اسی نیت پر ذبح ہو چکا۔ تو اب توبہ سے وہ حلال نہ ہوگا۔ اسی طرح ایسی قبر کی اینٹیں لے جانا غیر مالک کے لئے حلال نہیں۔ البتہ مالک کو اختیار ہے کہ قبر سے اکھاڑ کر جو چاہے کرے۔

قبر کی کوئی چیز نیک کام میں بھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے

یہ بے احتیاطی بعض اتقیا سے بھی ہوتی ہے کہ پختہ قبر تو منہدم کر دینے کو ثواب سمجھتے ہیں اور یہاں تک تو ٹھیک سمجھے مگر آگے یہ بھی گمان کر لیتے ہیں کہ بعد انہدام ان

ملہ منت ماننے والا ۱۲

بعضوں کو کبھی بھی بجز نکالا جاوے۔ سو یہ غلط ہے۔ اسی طرح قبروں پر جو موم بتی یا لوبان وغیرہ رکھی جاتی ہیں یا پھول پڑے ہوتے ہیں ان کا استعمال کرنا کسی کو جائز نہیں۔ گو ان کا چڑھانا منع ہو گیا۔

بعض دفعہ شرک ظاہر نہیں ہوتا بلکہ مدفون ہوتا ہے

بعض لوگ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے نذر کرتے ہیں لیکن اس کے تحت میں شرک مدفون ہوتا ہے کہ ذرا التفات و تامل سے کام لیا جاوے تو اس کا ادراک ہو سکتا ہے مثلاً نذر کی کہ اے اللہ اگر میرا فلاں کام ہو جاوے تو آپ کے نام کی ایک دیگ کھانے کی پکوا کر کھلا کر بڑے پیر صاحب کو ثواب بخشوں گا۔ اور یہ نہایت ہی عمدہ طریقہ سمجھا جاتا ہے۔ تو یہ ظاہر میں تو نذر اللہ کے لئے ہے لیکن یقینی ہے کہ یہ لوگ اس کو منحصر نہیں سمجھتے بلکہ خود ان بزرگ کو بھی کسی قدر معین اور دخیل اور متصرف سمجھتے ہیں چنانچہ اگر ان سے کہا جاوے کہ ان بزرگ کو دوسرے وقت ثواب پہنچا دینا اس وقت اس مقصود کو خالص نفع مساکین کی نیت رکھو تو ان کے دل میں فوراً یہ خطرہ قریب بہ درجہ اضطرار پیدا ہوگا کہ اس کے منضم نہ کرنے سے اس نذر میں اثر ضعیف ہو جاوے گا جس کا سبب ان بزرگ کی روحانی امداد کا نہ پہنچنا ہے۔

پس ہر مسلمان اس پر غور کر کے دیکھ لے کہ یہ خلاف توحید ہے یا نہیں اور اس کا ایک امتحان ہے۔ وہ یہ کہ اگر وہ کام ہو جانے کے بعد ان نذر والوں سے کہا جاوے کہ صرف اللہ کے نام مساکین کو دے دو اور کسی کو ثواب مت پہنچاؤ یا جن کے ثواب پہنچانے کی نیت کی ہے ان کو نہ پہنچاؤ اور کسی بزرگ کو بخش دو کیونکہ نذر میں ایسی تخصیصات شرعاً لازم و معتبر نہیں ہوتیں (جیسا آگے بھی آتا ہے) تو اس وقت نذر کرنے والوں کی حالت دیکھنے کے قابل ہے کہ اس کو گوارا کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر گوارا نہ کیا تو سمجھیے کہ اعتقاد میں خلل ہے۔ اس کا علاج بجز اس کے کچھ نہیں کہ اگر عقیدہ میں بھی فساد نہ ہو تب بھی حاجت کے لئے نذر کرنے کے وقت ہرگز کسی بزرگ کے ایصال ثواب کو منضم نہ کیا کریں۔ اس کو دوسرے وقت بلا نذر ثواب بخش دیا کریں۔

اغنیاء کو دینے سے منت پوری نہیں ہوتی

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ نذر کے مصرف میں اغنیاء اور غیر مستحقین کو بھی شامل سمجھتے ہیں چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ قبول کی ہوئی شیرینی مسجد میں لاکر سب نمازیوں کو تقسیم کرتے ہیں۔ جن میں اغنیاء اور ناذر کے اصول و فروع بھی ہوتے ہیں جن کو دینے سے نذر ادا نہیں ہوتی ۔

(درمختار وغیرہ باب الاعتکاف)

بلکہ جس قدر ان لوگوں کے حصہ میں آیا ہے اسی قدر اور مساکین کو دینا واجب ہوگا۔ البتہ نذر ہی کرنے کے وقت یہ کہہ دیا کہ میں اغنیاء وغیرہم کو بھی دوں گا تو ان کے حصے کی نذر ہی منعقد نہیں ہوتی ہے۔ (رد المحتار عن التنقیح)

یہاں سے اس ہوتی گیارھویں کی شیرینی کے حصے خوش حال دوستوں کے گھر بھیجنے کا بھی حکم معلوم ہوگیا ہوگا۔ اور خود اس گیارھویں کی تعیینات کا بدعت ہونا یا بابت عوام کا فرض عملی یا قطعی ہونا مستقل بحث ہے۔

نذر کی تمام تخصیصات کا التزام ضروری نہیں

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ نذر کی تمام تخصیصات کو لازم و واجب سمجھتے ہیں مثلاً نذر کی کہ دو روپیہ کی مٹھائی دوں گا یا کسی مسجد میں دوں گا یا اتنی رقم فلاں مقام پر دوں گا یا رمضان میں خیرات کروں گا تو اس کا اہتمام کرنا کہ مٹھائی ہو اور مسجد میں جاوے، یا مقام مخصوص کی رعایت یا رمضان کا انتظار کرے ضروری نہیں۔ بعض اوقات بعض تخصیصات کی بناء پر قدرت نہ ہونے سے اصل نذر ادا ہونے سے رہ جاتی ہے۔

مثلاً کرنے جانے والا کوئی نہ ملا اور بیان ادا نہ کی۔ اسی میں موت آگئی۔ تو گنہگار مرا۔ یا اگر اتفاقاً تخصیصات پر قدرت بھی ہوئی لیکن کسی وجہ سے دوسرا مصرف یا دوسری صورت افضل ہے تو ملتزم تخصیص اسی فضیلت سے محروم رہتا ہے مثلاً اکثر اوقات مسجد میں مٹھائی بانٹنے والوں سے یہ افضل ہے کہ گھر بیٹھے دو ایک محتاجوں کو ۲ روپے نقد یا اس

کا عذر یہ پاجاوے۔ تو ایسے التزام ما لا یلزم میں کیوں مبتلا ہو۔ البتہ جو نذر معلق ہو اس میں فعل وجود شرط ادا صحیح نہیں پس اتنی تخصیص شرعاً معتبر ہے اور دوسری تخصیصات نذر معلق میں بھی معتبر نہیں (درمختار)

یہاں سے زنان عوام کی اس تخصیص کا حکم بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ فلاں کام ہو جاوے تو میں مسجد کا طاق بھروں گی سو یہ قید بھی شرعاً معتبر نہیں البتہ اگر کوئی نذر کرے کہ ایک سال قربانی کروں گا۔ یہاں تخصیص ایام نحر کی ہو جاوے گی (رد المحتار) نہ اس وجہ سے کہ زمان مقصود ہے بلکہ اس لئے کہ جو ایام نحر میں نہ ہو وہ قربانی ہی نہیں جو کہ مقصود ہے اور جو صدقہ نذر میں نہ ہو وہ بھی صدقہ ہی ہے اور صدقہ ہی مقصود ہے یہ فرق ہے دونوں تخصیصوں میں۔

ناجائز فعل کی نذر اور اس کا ایفاء جائز نہیں

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ہم جس فعل کی نذر کرتے ہیں وہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز اور اس لئے بعض معاصی کی نذر کرتے ہیں مثلاً قبروں پر غلاف چڑھانا، عرسوں میں جانا، یا بطریق بدعت مولود شریف کرانا سو ظاہر ہے کہ یہ نذر خود معصیت ہے اور اس کا ایفاء جائز نہیں۔ بلکہ توبہ واجب ہے۔ علاج اس کا علم دین ان ابواب میں حاصل کرنا اور اہل حق کی صحبت اختیار کرنا ہے۔ البتہ اگر نذر ہو طاعت کی اور معلق کیا ہو۔ اس کو معصیت کے ساتھ تو وہ نذر منعقد ہو جاتی ہے پھر اگر وہ معصیت صادر ہو جاوے تو اگر مقصود اس قائل کا اس تعلیق سے اس معصیت کے ترک کا اہتمام ہے تو خواہ نذر ایفا کرے یا کفارہ یمین دے۔ اور اگر مقصود اس معصیت کی تحصیل پر اظہار مسرت ہے یعنی وہ معصیت اس کو مرغوب ہے تو اس نذر کا ایفاء اس پر واجب ہے (درمختار و ردالمحتار)

اور اگر وہ فعل جائز بھی ہو مگر قربت مقصودہ نہ ہو، مثلاً غریب بھی تو جواز اصلی کی وجہ سے اس فعل کا کرنا جائز ہے مگر نذر منعقد نہ ہوگی اور نہ واجب ہوگا۔ یہاں سے حکم معلوم ہو گیا ہوگا مولود بطریق متعارف کی نذر کا کہ اس کا ایفاء واجب نہیں ہوگا۔

جو چیز ملک میں نہیں ملک کی طرف اضافت کئے بغیر اس میں نذر منعقد نہیں ہوتی۔

یہ کوتاہی عام ہے کہ بعض دفعہ جوش میں اس قدر مال کثیر کی نذر کر لیتا ہے جو اس کی ملک میں نہیں۔ اور پھر اس کا پورا کرنا دشوار ہوتا ہے یا ملک غیر میں نذر کر لیتا ہے پھر یا تو اپنے امر میں کوتاہی کرتا ہے جس کو واجب سمجھتا ہے اور یا ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور پریشان ہوتا ہے ورنہ گناہ میں اور مناسب اس کے نذر کرتا ہے اور دوسرے حقوق واجبہ تلف کرتا ہے حالانکہ جو چیز ملک میں نہ ہو اس کے ساتھ نذر متعلق نہیں ہوتی۔

مثلاً کسی نے ایک ہزار روپے دینے کی نذر کی۔ اور نذر کے وقت اس کی ملک میں سو روپے ہیں جب کہ نذر مطلق ہو یا اگر معلق ہو تو وجود شرط کے وقت کل مال ملک سو روپے یا اتنے کا سامان ہو تو اس شخص پر صرف سو روپے واجب ہوں گے۔ درمختار و ردالمحتار۔

اور اگر سو روپے نقد نہ ہوں لیکن اتنا سامان موجود ہو تو اس کو بیچ کر دینا واجب ہوگا۔ ردالمحتار۔ لیکن اگر سب روپے دے ڈالنے میں مشکل ہو تو بقدر گزارہ کے رکھ کر باقی روپے صدقہ کر دے۔ پھر جب کمائی ہو جتنے حاجت کی وجہ سے رکھ لیا اتنا پھر صدقہ کر دے۔ درمختار۔

اسی طرح اگر نذر کرے کہ فلاں شخص سے گائے خرید کر اللہ کے واسطے ذبح کروں گا یہ نذر بھی منعقد نہیں ہوتی۔ درمختار۔ بغیر اضافت الی سبب الملک تمام ملک میں ہے۔ مثلاً کسی نے نذر کی کہ اگر فلاں گائے خریدوں تو اس کی ذبح للتصدق کی نذر کرتا ہوں تو وہ اس وقت ملک میں نہیں لیکن اسی صورت میں نذر منعقد ہو جاوے گی اور بعد خریداری خریدنے کے اس نذر کا ایفاء واجب ہوگا۔

دوسرے غیر ملک میں نذر کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی شخص کے تندرست ہونے پر نذر کرتے ہیں کہ اس کے صدقہ میں فلاں کو کھانا کھلاویں گے۔ یہ نذر بھی باطل ہے۔

ایسی چیز کی نذر نہ کرے جو اپنی طاقت سے باہر ہو اگر کرلی تو ایفا واجب ہوگا

ایک کوتاہی یہ ہے کہ جس طرح صورت بالا میں نذر مالی اس قدر کرلی تھی جو ملک میں نہ تھی اسی طرح بعضے ایسے عبادات بدنیہ کی نذر کرلیتے ہیں جو ان کی طاقت سے خارج ہوتی ہے۔ مثلاً یہ نذر کرلی کہ عمر بھر روزے رکھا کروں گا، یا تازیست ہر سال حج کیا کروں گا۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خفیف خفیف نذریں بہت سی جمع ہونے سے وہ ثقیل ہو گئی مثلاً کئی بار میں دس دس روزوں کی نذر کی مگر ادا میں سستی کرنے سے وہ جمع ہو کر ایک ہزار روزے ہو گئے۔ جو تین سال میں جبکہ بلا ناغہ رکھے جائیں پورے ہو سکتے ہیں جس کا موقع بظاہر ملنا نہایت بعید ہے۔ پھر اس کے بعد واقعی سے یہ کوتاہی ہوتی ہے کہ ان میں سے جتنا جی چاہا پورا کر دیا بقیہ کا کوئی تدارک نہیں کیا جاتا سو سمجھ لینا چاہیے کہ اولاً ایسی نذر نہ کرے اور اگر ہو جائے تو اس کو پورا کریں اور گر پورا ہونے سے رہ جائے۔ اس کا بدل کرے اور اگر موت آجاوے تو اپنے ترکہ میں اس کے متعلق وصیت کریں۔ مثلاً عمر بھر کے روزے رکھنے کی نذر کرلی تو جتنے روزے نہ رکھ سکے اس کا فدیہ دے دیا کرے اور جو مرنے کے وقت رہ جاویں فدیہ کی وصیت کرے (درمختار و ردالمحتار قبیل از باب الاعتکاف) یا جیسے حج کی نذر کرلی اور نہ کر سکا تو وصیت کر جاوے (ردالمحتار)

حل شبہ: ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ نذر مت کرو کہ نذر سے تقدیر نہیں ٹلتی۔ البتہ اس کے ذریعہ سے بخیل کے پاس سے کچھ نیک کام میں نکل آتا ہے (جو بلا نذر اس نیک کام میں خرچ نہ کرتا) اھ (بالحاصل) اس سے شبہ ہوتا ہے کہ اوپر نذر کا عبادت ہونا ثابت ہو چکا ہے اور عبادت مامور بہ ہوتی ہے گو درجہ ندب ہی میں ہو اور اس حدیث سے اس کا منہی عنہ ہونا ثابت ہوتا ہے گو درجہ کراہت ہی میں ہو پس ان میں جمع ہونے کی کیا صورت ہے۔ جواب یہ ہے کہ نذر خود عبادت مقصودہ نہیں بلکہ اس کا عبادت ہونا اس لئے ہے کہ وہ دوسری عبادات مقصودہ سے متلبس و متعلق اور ان کا ذریعہ اور سبب ہے (فی رد المحتار، احکام الیمین والنذر ما لو نذر قربة فلما یلزمه من القرب

کالصلوٰۃ والصوم والحج والعتق ونحوھا)

اور ان عبادات مقصودہ کے عمل میں لانے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک بدون نذر کے۔ اور دوسری بعد نذر کے اور اول صورت افضل ہے دوسری سے اور مقبول بمقابلہ فاضل و افضل کے اولیٰ ہے۔ لہٰذا نہی عن النذر اس درجے میں ہے۔ تو یہ منافی نہیں اس کے ماموربہ فی درجۃ التوسل بہ الی الطاعات المقصودہ (یعنی طاعات مقصودہ کے لئے وسیلہ بننے کے درجہ میں) ہونے کے اس حدیث میں یہ تو عمل کی اصلاح ہے۔ اور ایک عقیدہ کی اصلاح ہے کہ عوام کی طرح یوں نہ سمجھو کہ نذر کرنے کو اس کا روائی میں کچھ خاص دخل اور اثر درجہ معلومہ عوام کا ہے۔ اور اگر نذر نہ ہوتی تو یہ کام نہ ہوتا کام تو ہر حال میں اس طرح ہوتا جس طرح مقدر تھا اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ اور اسباب طبعیہ یا دعا جن کا تو مشاہدہ وصحیح سے ثابت ہے نذر میں اتنا اثر بھی ہونے کے لئے دلیل کی حاجت ہے۔ اور ظاہراً یہ حدیث بھی اس کی نفی کر رہی ہے۔ وہ نذر نہ ہوتی بلکہ شغل رو زدعا، اس کی ترغیب ہوتی اور اس میں بھی دخل ان کے تبدیل نذر کے شبہ کے جواب میں یہ ارشاد ہوتا وذالک من القدر (اور یہ بھی تقدیر میں سے ہے)

مقصود حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ نذر کے دباؤ سے خیر کرنا بخل ہے۔ بلا نذر خیر کرنا زیادہ بہتر ہے اھ

اور اگر شکریہ کا ذرہ مائی میں خیر کرنے کی نیت ہو تو زبان سے کہنے کی کیا ضرورت ہے دل میں رکھے اور موقع پر عمل کرے۔ نیت کرنے سے نذر بھی نہیں ہوتی کیونکہ عمادہ متعلق بالقول (یعنی اس کا تعلق قول سے ہے) کما فی الدر المختار۔ اور اصل مقصود بھی حاصل ہو جاتا ہے شارع کا بھی کہ نفس عبادت ہے۔ اور اس عمل کا بھی کہ ابتلاء، انجاح حاجت وتصدیق میں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

خلاصۂ مضمون سابق

(تسہیل مضمون مذکور بر عایت تفہیم جمہور)

بعنوان مسائل: مسئلہ شرعی منت کا ادا کرنا فرض ہے۔ مسئلہ اگر منت مانی کہ

تندرست ہو جاؤں تو اتنا خیرات کروں پھر بالکل تندرست ہو گیا۔ اور اتفاق سے پھر بیمار ہو گیا تو بھی منت اس کے ذمہ رہے گی ادا کرنا ضروری ہے۔ مسئلہ: خدا کے سوا کسی کی منت ماننا جائز نہیں۔ جیسے بعض عوام کا طریقہ ہے کہ بزرگوں سے عرض کرتے ہیں کہ ہمارا فلاں کام ہو جاوے تو آپ کے نام کی دیگ کریں گے۔ مسئلہ: اور اگر صورت مذکورہ میں خود وہ فعل بھی ناجائز ہو تو دو گناہ ہوئے۔ ایک غیر اللہ کی منت دوسرے معصیت کی منت: مسئلہ: ایسی منت کی چیز استعمال میں لانا نہ چاہئے۔ مسئلہ: البتہ اگر نذر کرنے والا توبہ کرے تو وہ چیز درست ہو جاوے گی۔ مسئلہ: اگر اسی نیت پر جانور ذبح ہو چکا تو اب توبہ سے کچھ نہ ہوگا۔ مسئلہ: اگر نیت اللہ کے واسطے ہو تب بھی منت میں کسی کے ایصال ثواب کا ملا دینا خلاف احتیاط ہے۔ عوام کو یہ خیال ہو ہی جاتا ہے کہ ان بزرگ کا نام لگا دینے سے کچھ سہارا ان بزرگ کی طرف سے بھی لگے گا۔ مسئلہ: منت کی چیز مال داروں کو یا بنی ہاشم کو جن میں سید بھی داخل ہے۔ یا اپنے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، یا بیٹے، بیٹی، نواسا، نواسی، پوتا، پوتی، کو دینا درست نہیں۔ اگر ایسا کیا تو جتنا ان کو دیا ہے اتنا پھر محتاجوں کو دینا پڑے گا۔ اگر مسجد میں بانٹے تو خوش حال لوگوں کو نہ دے۔ مسئلہ: منت ماننے میں کسی محلے کی یا کسی مسجد کی یا ملک کی تخصیص لازم نہیں ہے پس اگر مٹھائی یا کھانے کی منت مانی تو روپے پیسے کپڑے دینا بھی درست ہے۔ داموں میں دونوں چیزیں برابر ہوں۔ اسی طرح بجائے مسجد میں بانٹنے کے گھروں میں دے دینا بھی درست ہے اسی طرح بجائے مکہ معظمہ کے ہندوستان کے حاجت مندوں کو دے دینا بھی درست ہے۔

مسئلہ: جو فعل خود یا کسی خاص طریقے سے شرعاً درست نہ ہو۔ اس کی منت ماننا درست نہیں۔ جیسے یوں کہنا کہ میرا فلاں کام ہو جاوے تو خواجہ صاحب کے عرس تک جاؤں۔ یا جس طرح سے اکثر جاہل عوام مولود شریف پڑھتے ہیں ایسے مولود کی نذر کرنا یہ درست نہیں۔ اور اگر ذکر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بطریق سنت ہو جائز ہے۔ مگر نذر کرنے سے وہ بھی واجب نہیں ہوتا جیسے وضو کے باوجود عبادت ہونے کے اس کی نذر منعقد نہیں ہوتی۔

مسئلہ: جو چیز اپنی ملک میں نہ ہو۔ اس کی نذر صحیح نہیں ہوتی۔ مثلاً کسی نے منت مانی کہ اگر فلاں کام ہو جاوے تو ہزار روپیہ دوں گا۔ اور کام ہو گیا اور ہزار روپیہ اس وقت موجود نہیں نہ اتنا سامان ہے تو یہ نذر نہیں ہوئی پس اگر ایک مہینے کے بعد ہزار روپیہ اس کو مل گئے تو اس نذر کا پورا کرنا واجب نہ ہوگا۔ البتہ کام پورا ہونے کے وقت جتنے روپیہ یا جتنا سامان اس کی ملک میں ہے اس کا دینا واجب ہوگا۔ اگر نقد نہ ہو تو سامان بیچ ڈالنا واجب ہوگا۔ اگر سب کے بیچنے سے تکلیف اور حرج ہو تو بقدر ضرورت سامان رکھ لے پھر گنجائش ہونے کے وقت جتنا سامان لیا تھا وہ بھی بیچ کر دے ڈالے مثلاً ہزار روپیہ کی منت مانی تھی مگر کام ہو جانے کے وقت پانچ سو روپیہ کا سامان موجود ہے تو وہ نذر پانچ سو روپیہ کے ساتھ متعلق ہوگی۔ اس میں اگر سو روپیہ کے سامان اپنی ضروریات کے لئے رکھ لیا تو چار سو اب دیوے اور سو کا سامان پھر دے۔ اسی طرح دوسرے کی ملک میں نذر نہیں ہوتی مسئلہ: نذر کرنے سے پہلے سوچ لے کہ جس عبادت کی نذر کرتا ہوں مجھ سے اس کا سرانجام ہو سکے گا یا نہیں۔ کیونکہ جو نذر کرے گا وہ اس کے ذمہ واجب ہو جاوے گی۔ پھر ادا کرنا مشکل ہوگا۔ یا بھول جاوے گا تو اس کے ذمہ وبال اور گناہ رہے گا۔ اگر ہزار روزوں کی نذر کر لی یا کئی نذریں جمع ہو کر ہزار روپئے ہو گئے تو ان سب کا ادا کرنا واجب ہوگا۔ اور جب طاقت نہ رہے گی فدیہ دینا پڑے گا۔ اور جب مرنے لگے گا تو وصیت کرنا پڑے گی کہ میرے ترکہ میں سے اس قدر فدیہ ادا کر دیا جاوے۔

تتمہ آخر مضمون نذر

([illegible])

اور یہ بھی نذر کرنے سے جو حدیث میں نہی وارد ہے جس کی تحقیق اس سے مضمون میں مذکور ہوئی ہے مخصوص ہے نذر معلق کے ساتھ جیسا کہ اس نہی کی اس تعلیل سے صاف ظاہر ہے انہ لا یرد شیئا وانما یستخرج به من البخیل۔ یعنی یہ نذر تقدیر میں سے کسی چیز کو نہیں ٹال سکتی بلکہ اس نذر کے ذریعہ بخیل سے مال نکالا جاتا ہے۔

جس کا حاصل یہ ہے۔ "وانہ لم یخلص من شائبۃ العوض حیث جعل القربۃ فی مقابلۃ الشفاء ولم تسمح نفسہ بہا بدون المعلق علیہ مع ما فیہ من ایہام اعتقاد التاثیر للنذر فی حصول الشفاء اھ" (یعنی اس کا یہ عمل عوض کے شائبہ سے خالی نہ رہا کیونکہ اس نے ایک عبادت کو شفاء کے مقابلے میں لا کھڑا کر دیا اور ساتھ اس میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ وہ حصول شفاء میں نذر کو مؤثر اعتقاد کرنے لگے وجہ ایں خلاف شرع عقیدہ ہے)

بخلاف نذر منجز کے کہ اس میں یہ علت نہیں "فھو تبرع محض بالقربۃ للہ تعالیٰ والزام النفس بما عساہ لا تفعلہ بدونہ فیکون قربۃ کما فی رد المحتار ج ۳ ص ۶۶" (یعنی نذر منجز ایک ایسی چیز ہے جس سے مقصود اللہ کی عبادت ہے اور نفس کو ایسی چیز کے ساتھ لازم کرنا ہے جسے بغیر نذر کے نفس کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا لہٰذا یہ عبادت ہوگا۔

"نماز و روزہ کے متعلق کوتاہیاں"

(فدیہ صوم و صلوٰۃ)

مثل دیگر طاعات مالیہ (مذکورہ سابقہ) اس میں بھی متعدد کوتاہیاں واقع ہوتی ہیں۔

اگر کسی کی کچھ نمازیں یا روزے رہ گئے ہوں جو اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکے، مرتے وقت فدیہ کی وصیت کرنا ضروری ہے۔

مثلاً ایک کوتاہی یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ ان کے ذمہ بہت سی نمازیں اور روزے چھوٹے ہوئے ہیں۔ مگر مرنے کے وقت بھی فدیہ کی وصیت نہیں کرتے حالانکہ ایسے شخص کو فدیہ کی وصیت کرنا واجب ہے۔

(لوجوب الفدیۃ عن الصوم نصا وعن الصلوٰۃ قیاسا)

مقدار ایک روزہ اور ایک نماز کی فدیہ کے برابر صدقہ فطر کی ہے۔ خواہ غلہ یا قیمت یا ایک مسکین کو دو وقت کھانا کھلا دینا اور نمازیں ایک دن کی پانچ فرض اور ایک وتر کل چھ ہیں۔

فدیہ کے بھروسہ پر نمازیں اور روزے قضا نہیں کرنے چاہئیں

اس کے متعلق ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے آدمی فدیہ کے بھروسہ اپنے اوپر نمازیں اور روزے چڑھاتے چلے جاتے ہیں کہ ہم مالدار ہیں۔ فدیہ کی وصیت کر جائیں گے۔ تو اس میں ایک تو بڑی خرابی یہ ہے کہ گویا نماز روزہ ان کے نزدیک قابل اہتمام ہی نہیں۔ خصوصاً مالداروں کے گویا اس کا جرمانہ رکھ کر ان کو سبکدوش کر دیا گیا ہے (نعوذ باللہ من ذالک)

دوسرے چونکہ نمازوں کا بہت عدد بڑھ جاتا ہے۔ اور اس لئے اس کا مجموعہ فدیہ اکثر تہائی وصیت سے متجاوز ہو جاتا ہے۔ (اگر کل ادا کیا تو وارثوں کو ضرر پہنچایا گیا اور اگر کل ادا نہ ہوا تو اس کے ذمہ بار رہا اور یہ دونوں امر غیر مشروع ہیں۔

اور اسی فدیہ کے بھروسہ پر رہنے کے متعلق اس زمانہ میں نئی غلطی مگر بہت بڑی غلطی یہ ایجاد کی گئی ہے کہ روزہ اتنا ہی جو زیادہ وسعت بدن کے ہیں ان کی طرف سے فدیہ دے دینا کافی ہے۔ روزہ رکھنا فرض نہیں۔ اس کا بطلان اچھی طرح سے احقر نے رسالہ اصلاح ترجمہ دہلویہ کے متن میں مختصراً اور اس کے تتمہ یعنی تفسیر عبادت طریقہ میں مبسوطاً اور عزیزم مولوی شبیر احمد صاحب سلمہ دیوبندی نے القاسم کے نمبر ۳ جلد میں عقلاً و نقلاً ثابت کر دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے)

قدرت یا امید قدرت کے ہوتے ہوئے فدیہ دینا درست نہیں ہوتا

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ باوجود اس کے کہ وہ نمازیں قضا کر سکتے ہیں اور صحت سے بھی مایوس نہیں ہیں کہ بعد صحت کے روزے قضا کر سکتے ہیں۔ مگر پھر بھی ازراہ نسخہ فدیہ کا یاد کر کے اس کے استعمال کو کافی سمجھتے ہیں۔ سو سمجھ لینا چاہئے کہ قدرت یا امید قدرت ہوتے ہوئے فدیہ دینا درست نہیں ہوتا۔ پس نماز پر تو انسان ہر وقت قادر ہے۔ اگر رکوع و سجدہ نہ ہو سکے اشارہ ممکن ہے۔ پس مرض میں بھی وقت کو ادا اور

قادر کو قضا کر سکتا ہے۔ اس کا فدیہ تو اس لئے جائز نہیں رہا۔ روزہ تو جب تک صحت کی امید ہے۔ بعد صحت کے بقدر زمانہ صحت اس پر قضا کرنی واجب ہوگا۔

البتہ اگر ایسا مرض ہو گیا کہ اب بالکل امید صحت کی نہیں رہی۔ یا ایسا بوڑھا ہو گیا کہ اب بالکل امید قوت کی نہیں رہی۔ یا کسی نے عمر بھر روزہ رکھنے کی نذر کر لی تھی۔ مگر اب اس سے بالکل عاجز ہو گیا۔ حاصل یہ کہ ایسا عذر لازم ہو گیا کہ اب قضا پر قادر ہونے کا قطعاً احتمال نہیں رہا۔ ان حالات میں حیات میں بھی روزہ کا فدیہ دینا جائز اور کافی ہے۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۱۴۱)

اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر قضا نمازیں بہت کثرت سے ہو گئیں اور مرض کی ایسی حالت ہو کہ اشارہ سے بھی زیادہ قضا نہیں پڑھ سکتا۔ اور امید صحت کی منقطع ہو گئی۔ تو بقدر قدرت قضا کرنا واجب ہوگا۔ اور بقیہ کا فدیہ حیات میں بھی دینا درست ہوگا (ولکن لم ارہ فلیراجع)

زندگی میں جواز فدیہ کی صورت

اور جو نمازیں اور روزے قضا اور فدیہ سے رہ جاویں۔ ان کے فدیہ کے لئے وصیت کرنا واجب ہوگا۔ البتہ اگر نا امیدی کے قبل بھی اس نظر سے فدیہ دیدے کہ معلوم نہیں میرے ورثہ وصیت پر عمل کریں یا نہ کریں۔ اور یہ بھی نیت رکھے کہ بعد فدیہ کے اگر قدرت قضا کی ہو گئی تو قضا کر دوں گا۔ اور اگر قدرت نہ ہوئی اور مسائل باقی کی رو سے جس مقدار فدیہ کا ناکافی ہونا ثابت ہوگا وصیت بھی کر دوں گا۔ ایسے فدیہ کا کچھ مضائقہ نہیں۔ بلکہ مستحسن اور احتیاط ہے۔ بشرطیکہ اگر مرض الموت میں ہو تو ثلث سے زیادہ نہ دے۔

اور قضا سے نا امیدی ہونے کی حالت میں جو روزہ کے فدیہ کا جواز اوپر مذکور ہوا ہے اس میں ایک اور بھی شرط ہے وہ یہ کہ یہ روزہ کسی اور واجب کا بدل نہ ہو ورنہ اس میں یا اصل واجب کو ادا کرے۔ اور وہ نہ ہو سکا تو صرف وجوب وصیت متعین ہے فدیہ کسی حال میں نہیں ہو سکتا جیسا کفارہ یمین کے روزہ اس وقت ہوتا ہے جب اعتاق و اطعام و کسوت پر قدرت نہ ہو۔ پس اس روزہ کا فدیہ حیات میں درست نہیں اگر اصل اور بدل دونوں پر

قدرت نہ ہو تو مرتے وقت ترکہ میں فدیہ کی وصیت واجب ہوگی (ردالمحتار ج ۱ ص: ۱۹۰)

وارثوں کی کوتاہیاں

ایک کوتاہی وارثوں کی یہ ہے کہ باوجود میت اور وصیت کے اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور میت پر گراں بار رہتے ہیں حالانکہ ثلث کے اندر وصیت مقدم ہے ترکہ پر بھی۔

ایک کوتاہی پہلی کوتاہی سے کم درجہ کی یہ ہے کہ وہ بنا بر میت مرعایت تو اس فدیہ سے کم درجہ کے مصارف ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر یہ فضول مصارف میں اور اس سے بھی مزید بڑھ کر معاصی میں میت کا ترکہ اڑاتے ہیں۔ مگر اس طرف کسی کو توجہ نہیں ہوتی کہ ان مصارف میں کمی کرکے کچھ فدیہ میں دے دیں۔ اور گو ایسی حالت میں دینا بعض فقہاء کے نزدیک مسقط واجب نہ ہوگا لیکن بعض کے نزدیک مثل حالت وصیت کے یہ بھی مسقط واجب ہو جاوے گا۔ اور جو مسقط واجب نہیں ان کے نزدیک بھی اس طرح سے نافع ہونا تو یقینی ہے کہ میت کو اس کا ثواب ہی پہنچ جاوے گا۔ کیا عجب ہے کہ وہ ثواب اس ترک واجب کے عذاب کو زائل کردے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۱۹۱)

اور یہ کوتاہی کم درجے کی اس لئے ہے کہ صورت سابقہ میں بوجہ وصیت کے فدیہ واجب تھا اور اس صورت میں بوجہ وصیت نہ کرنے کے واجب نہیں ہوا۔ لیکن جب اس سے ان محل میں صرف کیا ہے تو یہ اس سے احق واقدم واہم ہے۔

جو فدیہ قواعد شرعیہ کے موافق نہ ہونے سے ادا نہیں ہوتا اس کی ایک مثال

ایک کوتاہی ورثہ ہی کی یہ ہے کہ بعض مقامات پر بزعم خود فدیہ ادا کرتے ہیں اور وہ بوجہ قواعد شرعیہ پر منطبق نہ ہونے کے ادا نہیں ہوتا اور ورثہ پر ارتکاب منہی عمل کا اور میت پر ترک عمل واجب کا وبال رہتا ہے۔

اور وہ طریق غیر منطبق یہ ہے کہ میت کی تمام عمر کے نمازوں اور روزوں کا حساب کرکے اس کی ایک رقم مثلاً دس ہزار روپے تجویز کرکے ایک ملا کے ہاتھ ایک قرآن مجید دس ہزار

روپے کو ہبہ کرتے ہیں، پھر وہ قیمت اس ملا کو بہ نیت فدیہ کے معاف کر دیتے ہیں اور اس کو اسقاط کہتے ہیں اور یہ صورت ان سب اسقاط کی صورتوں سے اسلم جن کو جہلاء عمل میں لاتے ہیں کہ ان میں تو کوئی شائبہ بھی انطباق علی القواعد کا نہیں ان سب سے یہ صورت سرسری نظر میں منطبق سمجھی جاتی ہے۔

لیکن ظاہر ہے جب یہاں بیع مقصود نہیں تو ثمن بھی واجب نہ ہوگا۔ پھر فدیہ کس رقم سے ادا ہوا۔ اور دلیل بیع مقصود نہ ہونے کے علاوہ وجدان کے یہ ہے کہ اگر ملا کو ثمن معاف نہ کیا جاوے بلکہ اس کا مطالبہ کرنے لگیں تو کیا اور تمام دیکھنے والے اس ثمن کو واجب اور اس مطالبہ کو حق سمجھیں گے؟ ہرگز نہیں پھر یہ تو ایک قسم کا فریب دینا ہو۔ البتہ جس کو وسعت کم ہو اس کے لئے دوسرا طریق درمختار میں لکھا ہے۔ وہ قواعد پر منطبق ہے مثلاً ایک روپیہ مسکین کو فدیہ میں دیا اور اس نے بخوشی ولی کو ہبہ کر دیا ولی نے پھر اس کو فدیہ میں دیا۔ اسی طرح اگر ہزار بار کیا تو ہزار روپیہ ادا ہوگئے۔ اور اس میں ہر بار یہ اچھا ہے کہ جب چاہے رکھ لے دوسرے کو نہ دے۔ فقط

تنبیہ: صوم و صلوٰۃ کے فدیہ میں اباحت و تملیک اور ایک مسکین کو نصف صاع سے زائد دینا سب درست ہے لیکن نصف صاع سے کم نہ دے یہ بہشتی زیور و درمختار ج ۱ ص ... ص ۱۸۹ واللہ اعلم بالصواب

خلاصہ مضمون سابق

(تسہیل مضمون مذکور برعایت تفہیم جمہور)

بعنوان مسائل

مسئلہ: جس شخص کے ذمے کچھ نمازیں اور روزے قضا ہوں اور ان کو قضا نہ کر سکا ہو اس کو واجب ہے کہ مرنے سے پہلے ان کے فدیہ کی وصیت کر جاوے۔

مسئلہ: ایک روزے کا فدیہ اس قدر ہے جس قدر صدقہ فطر دیا جاوے۔ اسی طرح ایک نماز کا بھی اسی قدر ہے اور ہر روز کی چھ نمازیں شمار کی جاتی ہیں۔ پانچ فرض اور ایک واجب یعنی وتر۔ مسئلہ: فدیہ کے بھروسے نماز اور روزہ کا قضا کر ڈالنا

یا جو قضا ہو گئے ہیں ان کی ادا میں سستی کرنا سخت گناہ ہے۔

مسئلہ: بیماری میں جو روزے قضا ہوئے اگر اس بیماری کے بعد زمانہ صحت اتنا ملا جس میں کل روزے یا بعض روزے قضا رکھ سکتا تھا۔ اسی قدر واجب ہوں گے باقی واجب نہ ہوں گے تو اگر جس قدر روزے قضا ہوئے، ان کی طاقت مل گئی اور قضا رکھنے نہ پایا تو البتہ آخر عمر میں ان روزوں کے فدیہ کی وصیت واجب ہوگی۔ مسئلہ: فدیہ کی وصیت ثلث ترکہ سے نافذ ہوتی ہے یعنی تجہیز و تکفین اور قرض سے جو بچے مثلاً تین سو روپے بچے تو سو روپے سے زائد میں وصیت جاری نہ ہوگی۔ البتہ اگر بالغ وارث اپنے حصہ میں جائز رکھے تو ان کو اختیار ہے۔ مسئلہ: جب تک روزہ قضا کرنے کی قدرت رہے اس وقت تک فدیہ دینا کافی نہیں۔ بلکہ قضا ہی رکھنا فرض ہوگا۔ ایک مترجم قرآن کے حاشیہ پر وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ کی تفسیر میں جو اس کے خلاف لکھا ہے وہ بالکل غلط ہے اس پر عمل حرام ہے۔ اہل علم نے اپنی تحریرات میں اس کی غلطی ظاہر کر دی ہے۔

مسئلہ: اسی طرح جب تک امید صحت اور قدرت کی ہو فدیہ دینا کافی نہیں۔ البتہ اگر کوئی ایسا مرض ہو کہ اس سے صحت کی امید نہ رہے اور مرض کی حالت میں موت نہ ہو یا بہت بوڑھا ہو گیا اور قوت روز بروز گھٹتی جاتی ہو۔ تو ایسے شخص کو ادا اور قضا روزہ کے بدلے فدیہ دینا درست ہے۔ اسی طرح سے اگر کسی نے دائمی بارہ مہینے روزہ رکھنے کی نذر کی تھی اور اب ہار گیا تو اس کو بھی روزانہ روزے کا فدیہ دینا درست ہے۔

مسئلہ: لیکن مرض و ضعف میں نماز جو کہ اشارہ سے بھی درست ہے۔ اس لیے قضا نمازوں کا فدیہ اسی وقت درست ہو سکتا ہے۔ جب اشارہ سے بھی ان کے ادا کرنے کی قدرت نہ رہے۔ جیسے مرض الموت میں ایسی حالت ہو جاتی ہے مگر اس مسئلہ کو زیادہ تحقیق بھی کر لیا جاوے۔

مسئلہ: اگر کوئی ایسی حالت میں کہ فدیہ کافی نہ ہو۔ اس مصلحت سے فدیہ دیدے کہ شاید میری وصیت کو وارث پورا نہ کریں اور یہ بھی نیت رکھے کہ اگر صحت و قوت عود کر آئے تو اس فدیہ کو کافی نہ سمجھوں گا بلکہ نفل سمجھوں گا اور روزے قضا کروں گا تو اس کا مضائقہ نہیں۔

مسئلہ: جو روزے قسم کے کفارہ میں اس پر واجب تھے حیات میں اس کا فدیہ درست نہیں لیکن اگر اخیر عمر تک ادا سے عاجز رہے تو مرتے وقت فدیہ کی وصیت کرے۔

مسئلہ: اگر میت بلا وصیت مر جاوے۔ تب بھی ورثہ کا بہت ثواب ہوگا۔ اگر اس کی نماز اور روزہ کا فدیہ ادا کر دیں۔

مسئلہ: ایک عمل بعض جگہ عوام میں اسقاط کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے فدیہ ادا نہیں ہوتا۔

مسئلہ: جہاں رقم فدیہ بہت زیادہ ہو اور اس قدر گنجائش ہو نہیں تو بالکل اس کو نظر انداز کرنے سے یہ صورت کر لیں کہ مثلاً وارث روپیہ کسی مسکین کو بہ نیت فدیہ دیں پھر وہ اپنی خوشی سے اس وارث کو وہ رقم ہبہ کر دے۔ یہ وارث پھر اس کو بہ نیت فدیہ کے دیں۔ تو گویا بیس روپے فدیہ میں پہنچے اسی طرح اگر سو بار کیا تو ہزار روپیہ ادا ہو گئے مگر گنجائش ہوتے ہوئے ایسا نہ کرے۔

مسئلہ: فدیہ میں اختیار ہے خواہ مساکین کو بٹھلا کر کھلا دے۔ خواہ غلہ بقدر صدقہ فطر دیدے یا اتنی قیمت دیدے مگر ایک مسکین کو ایک حصہ سے کم نہ دے۔ زیادہ دینا درست ہے یعنی ایک مسکین کو کئی دفعے ایک تاریخ میں دیدینا بھی درست ہے۔

صدقہ نافلہ کے متعلق کوتاہیاں

(اصلاح معاملہ بصدقہ نافلہ)

منجملہ عبادات متعلقہ بمال زکوٰۃ جس کا اوپر سے ذکر چلا آرہا ہے۔ ایک صدقہ نافلہ ہے اس میں بھی مثل دیگر اعمال کے متعدد کوتاہیاں واقع ہو رہی ہیں۔

شریعت میں صدقات نافلہ کا بھی حکم ہے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ باوجود زائد علی الحاجۃ ہونے اور مصارف ضروریہ پیش آنے کے محض بوجہ بخل کے بجز زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے صدقہ نافلہ میں ایک کوڑی خرچ نہیں کرتے بلکہ میں نے ان میں سے بعض سے سنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک فہرست دیدی ہے۔ ہم کو اس سے زیادہ کرنا کیا ضرور۔ تو ایسے لوگ صرف یہی نہیں کہ صدقات نافلہ میں بے رغبت ہوں بلکہ اس سے ترقی کر کے ان کو ناپسند اور ان کو زیادت علی الشریعۃ سمجھتے ہیں۔ یہ شیطان کی بہت بڑی رہزنی ہے جو براہ تعصب دین کے

بے ہودہ بھی کی ہے۔ اور منکر ہو کو بصورت مستحسن دکھلایا ہے۔ چونکہ منشاء اس کا بخل ہے۔ اس لئے ناپسندیدہ ہونا اس ترک صدقہ کا ظاہر ہے اور علاوہ قواعد کلیہ شرعیہ کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کسی درجہ میں بہتم بالشان ہونے کی تصریح بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ ان فی المال لحقا سوی الزکوٰۃ۔ یعنی مال میں زکوٰۃ کے سوا اور بھی بعض حقوق ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استشہاد میں اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ وآتی المال علی حبہ ذوی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ وآتی الزکوٰۃ۔ ترجمہ: اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو

اور وجہ استشہاد ظاہر ہے کہ آتی المال آتی الزکوٰۃ سے علیحدہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ یہ علاوہ زکوٰۃ کے ہے۔ اور اس کو صدقات واجبہ کے ساتھ خاص نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ آتی المال کے بعد مصارف کو بعنوان استحقاق واحتیاج کے بیان فرمانا مشیر اس طرف ہے کہ سوق الکلام ان کے حقوق وحاجات کو پورا کرنا ہے۔ اور ان کے مصارف زکوٰۃ کی حیثیت سے مذکور نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد زکوٰۃ کا مستقلاً بیان ہے جس سے ثابت ہوا کہ زکوٰۃ کے علاوہ جو آتی المال ہو وہ اس حیثیت سے مطلوب ہے کہ ان مصارف کی اعانت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ صدقات واجبہ میں خود وہ تصدق بھی شرعاً مقصود ہوتا ہے۔ اعانت کی یہ خصوصیت مقصود نہیں ہوتی۔ پس یہ قرینہ ہے اس کا کہ یہ شامل ہے صدقات نافلہ کو بھی۔

ایک شبہ کا ازالہ

اور بعد استشہاد بالآیت کے اس شبہ کا جواب بھی ہو گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک فہرست دیدی ہے پھر اس سے تجاوز کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جواب یہ ہوا کہ اس فہرست میں صدقہ نافلہ بھی تو داخل ہو گیا۔ چنانچہ ابھی ظاہر ہوا۔ پھر اگر فہرست سے مراد فہرست واجبات کی لی جاوے۔ تو اول تو جب دونوں فہرستیں ہم کو دی گئی ہیں پھر وجہ کیا کہ ایک فہرست کو لیا جاوے اور دوسری کو چھوڑا جاوے۔ دوسرے تجاوز کرنے کے یہ معنی ہی غلط

گیا ہے کہ نفل کو ادا کیا جاوے۔ اگر یہ ہے تو نفل کے فضائل منصوصہ کا کیا جواب ہوگا۔ بلکہ مطلب اس کا یہ ہے کہ حدود کو نہ چھوڑا جاوے۔ مثلاً جس جگہ صرف کرنا ممنوع ہے وہاں پر صرف کیا جاوے۔ یہ نفل تو غیر واجب کو واجب سمجھ لیا جاوے۔ پہلا تجاوز عملی و معصیت ہے اور دوسرا تجاوز اعتقادی اور بدعت ہے۔ اور جب یہ نہ ہو تو وہ تجاوز نہیں ہے۔

اور بعض صدقات نفل کے اعتبار سے ایک ادنی جرب ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ بعضے ان میں سے تامل کرنے سے فہرست واجبات ہی میں داخل معلوم ہوتے ہیں۔ وہ ان کو نفل کہنا باعتبار ان کی ذات کے قطع نظر خصوصیات سے ہے ورنہ خصوصیت کے اعتبار سے وہ واجب ہی ہے۔

"واجبات کی دو قسمیں ہیں"

پس واجبات کی مشہور فہرست مطلق واجب کی فہرست نہیں ہے بلکہ واجبات موظفہ کی فہرست ہے۔ یعنی ایک وہ واجبات ہیں۔ جو فی نفسہٖ واجب ہے۔ عوارض و خصوصیات کا اس میں دخل نہیں۔ جیسے زکوٰۃ صدقہ فطر وغیرہ خواہ کوئی مستحق بھی نظر ہو یا نہ ہو ان میں سے مقدار فرض نکالنا ضروری ہے۔ پھر مستحق کو تلاش کر کے اس کو دینا ضروری ہے۔ ان کو واجبات موظفہ کہنا چاہیے۔

دوسرے وہ واجبات کہ اگر کوئی مستحق معلوم نہ ہو تو اس کا تلاش کرنا ضروری نہیں۔ اس مرتبہ میں وہ نفل ہے لیکن اگر کوئی مستحق روبرو آجاوے۔ وہ سخت احتیاج درجہ اضطرار تک ہو یا کوئی مصیبت دینی عارض ہو جاوے اور اس کی تکمیل درجہ ضرورت تک ہو تو اس وقت اس میں خرچ کرنا واجب ہوگا۔ کبھی علی الکفایہ کبھی علی التعیین۔ مثلاً کوئی مسافر محلہ کی مسجد میں اترے اور سب اہل محلہ اپنے گھروں میں کھا پی لیں اور اس کو نہ پوچھیں تو سب گنہگار ہوں گے۔ اس وقت اس کی اعانت سب اہل محلہ پر اور اس کی اعانت نہ کرنے کی صورت میں سب گنہگار ہوں گے۔ تو یہ اعانت سب پر واجب ہے علی الکفایہ۔

اور اگر کوئی کھانے کو بیٹھا اور عین اسی وقت بہت زیادہ بھوکا ایسے میں کوئی گرسنہ آیا جس کی جان بھوک سے نکلی جاتی ہے اور اس نے آکر اس شخص سے سوال کیا

تو حضرت استاذی مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کیا کوئی اس کا قائل ہو سکتا ہے کہ اس شخص پر اس سائل کو بقدر ضرورت کھانا دینا واجب نہیں اور یہ وجوب اس وقت علی التعیین ہوگا۔

پس حاصل یہ ہوا کہ بعض صورتیں صدقہ نافلہ کی بھی واجب ہیں اور تقابل اور وجوب کے اجتماع کا اشکال ابھی مرتفع کر دیا گیا ہے۔ اور بعض صدقات نافلہ جو ہر حال میں نافلہ رہا کریں گے ایسے بہت کم نکلیں گے لیکن جتنے بھی ہوں وہ گو فہرست واجبات میں داخل نہ ہوں مگر ان میں جواب سابق جاری ہوگا۔ یعنی ہم کو دوسری فہرست بھی ملی ہے۔ پس دونوں فہرستوں پر عمل کرنا چاہئے اور تارکین صدقہ نافلہ کے ذمہ میں یہ تیسری کوتاہی تھی کہ محض بخل کی وجہ سے الخ وجہ اس کی یہ ہے کہ جب اس کا بھی کوئی مصلحت الٰہی ہوتی ہے جیسے اتقاء و تکثیر روابط مصالح تحبب و ازالہ کے یا عدم حصول خشوع و خصوص یا قسم مادہ حرص و بخل وغیر ذالک سو وہ مذموم نہیں لیکن یہ ترک اس مصلحت کے وجود تک محدود ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ ترک متروک ہو جاتا ہے۔ اور یہ مسئلہ فن سلوک کا ہے یہ مقام اس کے ذکر کا نہیں ہے۔ ایسے تارک نوافل کو اصطلاح میں متعذر کہتے ہیں۔ یہاں تک بحث تھی ترک صدقات نافلہ کی جو کہ اس کے متعلق ایک کوتاہی ہے۔

"صدقہ نافلہ میں زیادہ غلو بھی درست نہیں"

ایک کوتاہی اس باب میں اس کے مقابل یہ ہے کہ ان کو اس باب میں اس قدر غلو ہوتا ہے کہ حقوق واجبہ ضائع ہو جاویں، گو قرض خواہ روتے پھریں۔ مگر ان کو اس کا شوق ہے کہ کوئی سائل اور مسافر محروم نہ جانے پاوے۔ خاص خاص تاریخوں میں خاص صدقات قضا نہ ہوں اور اس پر بعض اوقات فخر بھی کرتے ہیں اور دوسرے خود غرض لوگ اور بعضے بے غرض مگر کم فہم لوگ مدح بھی کرتے ہیں حدیث وارد ہے ابدأ بمن تعول، اپنے زیر پرورش والوں سے شروع کرو۔ اس طرز کو ناجائز سمجھتا ہوں کہ حقوق واجبہ اہل و عیال کے ہوں یا قرض

ثواب ہونے کے یہ ان نوافل سے مقدم ہے بلکہ اگر کسی کے ذمہ کوئی حق واجب بھی نہ ہو مگر اپنی طبیعت کے انداز سے جانتا ہے کہ ناداری کا تحمل نہ کر سکے گا تو ایسے شخص کو بھی جائز نہیں کہ تمام ذخیرہ مصارف خیر میں صرف کر کے خالی ہاتھ رہ جاوے۔ حدیث "افضل الصدقۃ ما کان عن ظھر غنی" بہترین صدقہ وہ ہے جو کہ انسان تمام مصارف ضروریہ سے بے نیاز ہو کر کرے۔ اس پر صاف دال ہے۔ اور اکثر تو ایسے لوگ ریا و افتخاراً خرچ کیا کرتے ہیں۔ سو ان کا مذموم ہونا ظاہر ہی ہے (یہاں چندہ جمع کرنے والوں کو بھی متنبہ ہونا چاہئے کہ ایسے لوگ جو اپنی حیثیت سے زائد جوش میں آکر دینا چاہیں تو یہ حضرات نہ لیا کریں)

صدقہ صرف اللہ کے نام پر دینا چاہئے کسی دوسرے کے نام پر دینا شرک ہے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے آدمی جو صدقہ خاص نکالتے ہیں ان کا دل گوارا نہیں کرتا کہ محض حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے خرچ کریں۔ بلکہ وہ ہر چیز کو کسی بزرگ شہید ولی کے نامزد کر دیتے ہیں۔ سو اگر خود وہ بزرگ ہی اس سے مقصود ہے تو وہ "ما اھل بہ لغیر اللہ" (یعنی جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو) میں داخل ہو کر بڑی دور یعنی حد شرک تک پہنچ گیا۔ اور بعض غلاۃ جہلاء کا واقعی یہی عقیدہ ہے۔ سو ایسی چیز کا تناول بھی درست نہیں۔

اور اگر مقصود اس عمل سے حق تعالیٰ ہے اور ان بزرگ کو محض ثواب ہی بخشنا ہے تو وہ اس حد تک تو نہیں پہنچی اور ظاہراً جائز بھی ہے۔ لیکن عوام بلکہ بعض خواص کالعوام کے حالات و خیالات کی تفتیش سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ محض ثواب ہی پہنچانے کو مقصود نہیں سمجھتے بلکہ ان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ فلاں ولی کو ثواب پہنچے گا تو وہ خوش ہوں گے اور ہماری اس حاجت میں مدد کریں گے خواہ تصرف باطن سے اور یہ عقیدہ بھی ہے اور اس کا بھی قریب شرک ہونا ظاہر ہے۔ اور خواہ دعا سے سو احتمال دعا کا عقیدہ تو ناجائز نہیں۔ لیکن دو عقیدے اس میں بھی فاسد ہیں ایک اس احتمال

کے وثوق کا عقیدہ کرنا کہ جس پر کوئی دلیل نہیں اور دعا میں عقیدہ کرنا کذب نفس اور مخالف ہے۔ آیت: ولا تقف ما لیس لک بہ علم۔ جس کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے مت پڑ کی دوسرے کے بعد قرض وثوق دعا اس دعا کے بالخصوص مقبول ہو جانے کا عقیدہ کرنا کیونکہ بعض اوقات حضرات انبیاء علیہم السلام کی بھی کسی مصلحت سے قبول نہیں ہوتی۔ تا بغیر انبیاء چہ رسد۔

اس لئے مصلحت یہی ہے کہ جب بزرگوں کو کچھ بھیجنا ہو اپنی حاجت کا خیال ان میں نہ ملایا کریں کہ توحید کے خلاف ہے سمجھا کرو۔ دوسرے اگرچہ ہیں احتیاط کی تو اخلاص کے خلاف ہے۔ ایسی مثال ہوگی کہ کسی زندہ کو ہدیہ دیا وہ سمجھا کہ محبت سے دیا۔ وہ خوش ہوا پھر معلوم ہوا کہ کسی مطلب کو دیا تو وہ مکدر ہو جاوے گا۔

صدقہ میں ردی اور خراب چیز نہ دینا چاہئے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ اکثر لوگ اللہ کے نام کی وہ چیزیں نکالتے ہیں جو کسی کے کام کی نہ رہی ہو۔ مثلاً کھانا جب دیں گے کہ سڑنے لگے کپڑا جب دیں گے کہ گل جاوے۔ وعلی ھذا حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باخذیہ الا ان تغمضوا فیہ واعلموا ان اللہ غنی حمید۔ ردی چیز کی طرف نیت مت لے جایا کرو کہ اس میں سے خرچ کرو حالانکہ تم کبھی اس کے لینے والے نہیں۔ ہاں مگر چشم پوشی کر جاؤ تو اور بات ہے۔ اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی کے محتاج نہیں تعریف کے لائق ہیں۔ اس باب میں کافی ہدایت ہے۔ حق تعالیٰ کا اس میں یہ ارشاد ہے:

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون الآیۃ ... تم خیر کامل کو کبھی نہ حاصل کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے۔ اور اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ پرانا کپڑا مثلاً خدا کی راہ میں دینا ممنوع ہے۔ حدیث میں نیا کپڑا پہن کر پرانا دے دینے کی خود فضیلت آئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ برا ہے کہ جب دے نکما ردی چیز ہی دے اور اگر حسب عادت تو عمدہ چیز دینے کی ہو اور پرانی بھی چیز کبھی دے دیا کرے تو مضائقہ نہیں۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ پرانی بھی دو

کر سکتے ہیں یا فائدہ بھی ہو سکتا ہے۔ ان سب امور میں درستی ہونی چاہیے

وارثوں کو محروم کر کے تمام مال خرچ نہیں کرنا چاہیے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے آدمی صرف وارثوں کو محروم کرنے کے لئے سب مال خیرات کر ڈالتے ہیں۔ بعض اس غلطی کا یہ ہے کہ وارثوں کے لئے چھوڑ جانے کے ثواب کی ان کو خبر نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی موقع پر یہ ارشاد فرمایا ہے۔ انک ان تذر ورثتک اغنیاء خیر من ان تذرہم عالۃ یتکففون الناس۔ اور ترجمہ یہ ہے کہ اگر تم اپنے وارثوں کو غنی چھوڑ جاؤ یہ بہتر ہے اس سے کہ تم ان کو فقیری کی حالت پر چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں سے بھیک مانگتے پھریں۔ اور گو وہ ثلث اختیاری ہے جس میں وصیت کے تصدق کرنے میں حرج نہیں۔ لیکن حدیث میں ہے کہ ثلث میں سے اگر کچھ بچا لیا جاوے تو نیت والے کو ثواب ملتا ہے۔ تو کیا مسلمان وارث بیچارے اتنے بھی گئے گزرے ہوئے۔

کوئی تاریخ متعین کر کے صدقہ دینا بدعت ہے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض صدقات کو بطریق بدعت خرچ کرتے ہیں۔ جیسے خاص تاریخ کی پابندی سے یا ہیئت کے، سو ان میں اس کی تفصیل اصلاح الرسوم میں ملاحظہ فرمائی ہوگی۔

میت کی کوئی چیز وارثوں کی اجازت کے بغیر صدقہ کرنا درست نہیں

ایک کوتاہی یہ ہے کہ اکثر شرائط شرعیہ کا لحاظ نہیں کرتے، خواہ وہ شرائط ظاہرہ ہوں۔ مثلاً میت کے کپڑے سب در و بست نکال کر مدارس و مساجد و مساکین کو دے دیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ ترکہ مشترکہ میں بالغین کا اذن شرط ہے اور اذن بھی وہ جو طیب خاطر سے ہو شرم اور دباؤ اور پابندی رسم کی مجبوری سے نہ ہو۔ اور نابالغوں کا اذن بھی معتبر نہیں یہ بات بھی بہت اہم ہے۔ اور خواہ شرائط باطنہ ہوں مثلاً قبول ہونے کی یہ شرط ہے کہ ریا و افتخار سے نہ ہو مال حرام سے نہ ہو۔ اس میں بہت بے پروائی ہے۔ اکثر نام آوری کے لئے خرچ ہوتا ہے۔ اگر مقصود در حقیقت سے نیک

کاموں میں لگاتے ہیں اور یہ بھی سمجھ رکھتے ہیں کہ حلال اس زمانے میں کہاں ہے۔ تو گویا نیک کاموں میں خرچ کرنا بالکل ہی چھوڑ دیا۔ جواب یہ ہے کہ یہ تو غلط ہے کہ اس زمانہ میں حلال نہیں۔ ابواب فقہیہ دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ معاملات میں بہت توسع ہے۔ پھر اگر حلال غالب بھی ہو تب بھی صرف کرنا امور خیر میں جائز ہے۔ تو اس میں بخل ناجائز، حرام ہے۔ اس کی تفصیل کا محل دوسرا ہوگا۔ فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔

خلاصہ مضمون سابق

(تسہیل مضمون مذکور بعبارت تیسیر ہو)

مسئلہ: علاوہ صدقات واجب کے کبھی کبھی کچھ نفل صدقہ بھی نکالا کرو اور حاجتمندوں کو دیا کرو اور نیک کاموں میں خرچ کیا کرو۔ مسئلہ: نفل صدقہ میں یہ خیال کیا کرو کہ کسی کا حق واجب ضائع نہ ہو۔ مثلاً اپنے اہل وعیال کو پہلے دو۔ کسی کا قرض ہو اس کو پہلے دو۔ جب ان سب سے بچے نیک راہ میں اٹھاؤ۔

مسئلہ: بعض نفل صدقہ بعض خاص موقع پر واجب ہو جاتے ہیں۔ جیسے کوئی بھوکا آجاوے۔ تمہارے پاس کھانا زیادہ موجود ہو تو اس کی امداد واجب ہوگی۔ یا کہیں اشاعت علوم دینیہ کی ضرورت ہو۔ اور وہاں مدرسہ قائم کیا جاوے۔ تو سب پر واجب ہوگا کہ حسب علوم دینیہ کی ضرورت ہو اور وہاں مدرسہ قائم کیا جاوے تو سب پر واجب ہوگا کہ حیثیت سے اعانت کریں۔ مسئلہ: اتنا خیرات کر ڈالنے کہ خود محتاج ہو کر بیٹھ رہے۔ اور پھر بے صبری ہونے لگے۔ اس لئے کہ گناہ میں مبتلا ہو جاوے۔ مسئلہ: جو شخص اپنی گنجائش سے زیادہ دے اپنے والوں کو چاہئے منع کرے اور سمجھاوے۔ مسئلہ: بعض لوگ بزرگوں کو اس لئے ثواب پہنچاتے ہیں کہ وہ خوش ہو کر ہمارا کام کر دیں گے۔ سو یہ شرک ہے اور اگر یہ سمجھ کر دعا کریں گے اور وہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ تو یہ دونوں مقدمات بھی غلط ہیں۔ نہ کہیں یہ ثابت ہے کہ وہ ضرور دعا کریں گے۔ اور نہ یہ ثابت ہے کہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ پس ایسی مشکوک بات کا پختہ یقین کر لینا بھی گناہ ہے۔ مسئلہ: اللہ کی راہ میں جو چیز دی جاوے وہ اچھی کار آمد ہونا چاہئے۔ ایسا شخص کبھی پرانے پھٹے بھی دیدے۔

ثواب ملتا ہے۔ اور ہمیشہ تنگی اور محتاجی کر دینا برا ہے۔ مسئلہ: جس کے وارث موجود ہوں۔ اپنا تمام مال خیرات میں نہ لٹا دیوے۔ خاص کر جب وہ حاجت مند ہوں۔

مسئلہ: بعض بدعات کا رواج ہو گیا ہے۔ ان میں صرف کرنے سے ثواب نہیں ہوتا پس ان میں خرچ نہ کرے۔ مسئلہ: مردہ کے سب کپڑے اللہ کی راہ میں اس طرح دیدینا کہ نہ غیر حاضر وارثوں سے اجازت لی جاوے۔ اور نہ نابالغوں کے حصے جدا الگ کر دیئے جاویں۔ جیسا عام رواج ہو رہا ہے جائز نہیں۔

مسئلہ: صدقہ قبول اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس میں نمائش نہ ہو۔ فخر و قصد شہرت نہ ہو۔ اور وہ مال بھی حلال ہو۔ اگر کسی کے حلال حرام ملے ہوں تو حلال غالب ہو۔ مثلاً دس روپے میں اگر چھ حلال۔ اور چار حرام ہوں۔ اور ان سب روپوں میں تمیز نہ رہے تو مجموعہ کو نیک کام میں لگانا جائز ہے۔ مگر جو ان چار روپوں کے کمانے کا گناہ الگ ہوگا۔

مختلف مالی تبرعات کے متعلق کوتاہیاں

(اصلاح معاملہ بہ تبرعات مالیہ متفرقہ)

متعلق تبرعات مالیہ متفرقہ کے اور بھی بعض حالات ہیں، جن میں مختلف کوتاہیاں ہوتی ہیں مختصراً ان کا بیان بھی مناسب مقام ہے۔ ایک ان میں سے سائل کو دینا ہے۔ اس میں چند کوتاہیاں ہوتی ہیں، بعض دینے میں اور بعض نہ دینے میں۔

سائل سے بے رخی اور اسے تکلیف نہیں پہنچانا چاہئے بلکہ اسے دیکھ کر اللہ کی نعمت یاد کرنا چاہئے۔

چنانچہ بعضے تو بوجہ بخل یا بے دلی کے سائل سے نہایت نفرت اور بے رخی کرتے ہیں۔ گو وہ کیسا ہی محتاج یا اپاہج ہو۔ اس کے حال پر ذرا توجہ نہیں کرتے بلکہ بعضے تو بالعکس اس سے تمسخر یا اس کے ساتھ سختی کرتے ہیں۔ دھکے دلوا دیتے ہیں۔ جھڑکتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں سائل کا بڑا حق آیا ہے۔ درحقیقت سائل کو دیکھ کر حق تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرنا چاہئے کہ ہم کسی کے دروازے پر سائل نہیں ہوئے۔ اور اس نعمت کے شکریہ میں سائل پر رحم اور اس کی اعانت کرنا چاہئے۔

اسی مضمون کو شیخ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے نظم میں خوب ادا فرمایا ہے۔

نہ خواہندہ بر در دیگراں

بشکرانہ خواہندہ از در مراں

البتہ ضروری نہیں کہ جو مانگے وہ ضرور ہی دے۔ یہ اس کی وسعت اور اپنی گنجائش پر ہے اور اگر اللہ نے دینے کو نہ دیا ہو تو اس کو نرم جواب دیکر سمجھا دے کہ اس وقت میرے پاس گنجائش نہیں ہے۔ اگر دوسرے وقت وسعت ہوئی اور تمہاری حاجت اس وقت تک رفع نہ ہوئی تو انشاء اللہ تعالیٰ خیال رکھوں گا۔

صدقہ دیکر احسان جتلانا ممنوع ہے

بعض لوگ دیتے تو ہیں لیکن دیکر اس کو خریدنا چاہتے ہیں یعنی اس کے منتظر رہتے ہیں کہ وہ ہمارا احسان مند ہو، ہمارا شکریہ ادا کرے، جب ہم سے ملے ہم کو سلام کرے۔ اگر ہم کچھ حکم دیں تو وہ اس کا امتثال کرے اور اگر سائل کی طرف سے کسی امر میں کوتاہی ہو تو اس کو سخت تعجب ہوتا ہے اور نہایت ناگوار گذرتا ہے اور آئندہ کو سلسلہ احسان کا بند کر دینے کا ارادہ کر لیتے ہیں بالخصوص جب اس کی طرف سے کسی معاملہ میں، گو اس میں وہ سائل ہی حق پر ہو، صفائی کا برتاؤ عمل میں آوے تو اس وقت تو صاف صاف کہتے ہیں کہ یہ بڑا نمک حرام ہے، ہم نے اس اس طرح اس پر احسان کئے اور اس نے ہمارا خیال نہ کیا۔

اس طرح بے مروتی کی مذموم خو جس کی مذمت قرآن مجید میں آئی ہے وہ یہی ہے۔ اس سے صدقہ کا اجر باطل ہو جاتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے ایسے دینے والوں کی مدح و فضیلت بیان فرمائی ہے جو دیکر اس کا صلہ اور شکریہ نہیں چاہتے۔ لوجہ اللہ خدمت کرتا ہی ہے — قال اللہ تعالیٰ انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا...... ہم تم کو محض خدا کی رضامندی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں، نہ ہم تم سے اس کا عوض (بدلہ) چاہیں اور نہ اس کا شکریہ (ترجمہ بیان)

بعض اس کے مقابل یہ افراط کرتے ہیں کہ ہر سائل کو دینا فرض سمجھتے ہیں بعض تو آنا خر

کے واسطے کہ نام ہوگا کہ فلاں شخص کے پاس سے کوئی سائل محروم نہیں آتا اور بعضے بوجہ غایت حرص و غفلت علم کے ان کی حاجت روائی کو فرض شرعی سمجھتے ہیں۔ اور بعضے بوجہ طمع یا خوف دینوی، کے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ان بزرگ میں کوئی کامل ہو۔ اس کی خدمت کرنے سے ہم الامال ہو جاویں گے۔ مال میں اولاد میں ترقی ہوگی۔ اور اگر نہ دیں گے۔ شاید بددعا کریں۔ یا ناراض ہو جاویں۔ تو ہم برباد ہو جاویں گے اور اس افراط کے سبب (جس کا منشا مختلف ہے کہ بعض میں تفاخر بعض میں کثرت تمول ہے اور قلۃ العلم بعض میں غرض دینوی) یہ لوگ اکثر قرضدار بھی ہو جاتے ہیں اور اس قرض کا خمیازہ کبھی اپنے کو بھگتنا پڑتا ہے۔ کبھی اولاد کو کبھی ادا نہیں ہوتا۔ اور آخرت کا گناہ سر پر رہتا ہے۔ حق تعالیٰ نے یہ نہیں اجازت دی کہ خود ننگے ہو جاؤ مگر سائل کا پیٹ بھرو۔ قال اللہ تعالیٰ ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک (اور نہ رکھو اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ۔ اس میں تفریط مذکور اولاً کی اصلاح ہے)۔ ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوما محسورا۔ اور نہ کھول دے اس کو بالکل، پھر تو بیٹھ رہے الزام کھایا ہارا ہوا (یعنی ایسی کشادہ دستی نہ دکھلاؤ کہ پھر بھیک مانگنی پڑے)

کمانے کے قابل شخص کو سوال کرنا جائز نہیں

بلکہ بعض اوقات، باوجود اپنی نیک نفسی دکھانے کے بھی بعض سائل کو دینا بجائے ثواب یا جائز کے گناہ اور ناجائز ہوتا ہے۔

فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر ایک سائل قوی مکتسب ہو۔ یعنی ہاتھ پاؤں سے درست ہو اور معاش کی قدرت رکھتا ہو تو ایسے سائل کو سوال کرنا بھی حرام ہے اور سوال پر اس کو دینا بھی حرام، کیونکہ اعانت علی المعصیت ہے۔ ناجائز ہے اور جب ناجائز ہوا۔ تو ایسے دینے سے دوہری مشکل ہو گئی۔ نیکی برباد، گناہ لازم اور اکثر تو بلا ٹالنے کے لئے اس طرح دیتے ہیں کہ ثواب کی بھی نیت نہیں ہوتی۔ تو اس صورت میں ثواب نہ ملنا اور زیادہ ظاہر ہے۔

اور ان لوگوں نے ایک غلطی یہ کی کہ یہ تو سمجھ لیا کہ ہم پر سے بلا ٹل گئی لیکن یہ نہ سمجھا کہ ہمارے دینے سے سائل یہ سمجھے گا کہ لپٹنے سے اور سر ہونے ہی سے ملا کرتا ہے۔ تو یہ سمجھ کر اور بھائی

مسلمانوں کو پریشان کرے گا۔ تو اپنی بلا اپنی گردن سے اوروں کے سر ڈالی۔ البتہ اگر ایسے قرضدار مکتسب کو بلا سوال دے دے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ با وجود قوی مکتسب ہونے کے بعض صورتوں کا استثنا بھی آیا ہے۔ ان مواقع استثناء میں سوال پر وعید کا توجہ نہیں ہے۔ کیونکہ ان مواقع میں سوال بھی جائز ہے۔ اور وہ مواقع یہ ہیں۔

لا تحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوي الا لذي فقر مدقع او غرم مفظع او لذي دم موجع ...الحديث ..... صدقہ غنی کے لئے حلال ہے اور نہ قوی و تندرست کے لئے مگر تین شخصوں کے لئے (۱) ایسے فقیر کے لئے جس کو فقر نے مٹی کے ساتھ ملا دیا ہو (۲) بھاری قرض دار کے لئے (۳) ایسے شخص کے لئے جس پر دیت واجب ہو اور ادا کرنے کی طاقت نہ ہو۔

حاصل ان مواقع کا یہ ہے کہ اس شخص پر بوجہ قرض کے یا کسی حادثہ کے یا ایسے ہی کسی سبب کے مالی بار اتنا پڑ گیا کہ اگر بہت کوشش کرے تب بھی اتنا ذخیرہ جمع نہ ہو سکے کہ روزمرہ کے خرچ پورے ہو کر اس بار سے سبکدوشی حاصل کر سکے تو ایسا شخص اگر سوال نہ کرے تو پھر کیا تدبیر کرے اس لئے ایسے شخص کو سوال کی اجازت ہے جب سوال جائز ہے تو پھر کیا تدبیر کرے اس لئے ایسے شخص کو سوال کی اجازت ہے جب سوال جائز ہے تو اس کے سوال پر دینا بھی جائز ہے۔ اور اسی حکم میں ہے وہ مسافر جس کو سفر میں کوئی خسارہ یا حاجت ایسی پیش آگئی کہ اگر کمانا شروع کرے تو بس سفر ہی میں رہ جائے۔ گھر نہ پہنچ سکے اور گھر سے بھی خرچ منگانا یا تو ممکن نہ ہو یا اتنی مہلت نہ ہو اور اسی حکم میں وہ شخص بھی ہے جو کوئی کار سے مجبور ہو کر نہ ہونے کے متحمل تعب کا نہیں اس لئے مکتسب نہیں ہو سکتا۔ پس ان سب لوگوں کو سوال پر بھی دینا جائز ہے۔

اور اگر سبب اس افراط کا تنہا غرور و شہرت یا طمع رغبت دنیوی ہے تو اس دینے کا بیکار ہونا بلکہ موجب گناہ ہونا بہت ہی ظاہر ہے اور بالخصوص اگر یہ شہرت و رغبت بے شرعی فقیروں سے ہے جیسے اس زمانہ میں اکثر دنیا پرست لوگ پیشے جھگڑوں کی خوف رعب سمجھ کر اپنا مال اور دین دونوں خراب کرتے ہیں تو اس کو تو عاقل طالب جنت ہرگز نہیں کریں گے۔

یہ ذکر تو سائل کے دینے نہ دینے کے متعلق کرتا ہوں گا۔ اور ایک اور عمل ہے جو مقصود بالذکر ہے کہ اپنے مال میں سے قرض مانگنے والے کو قرض دینا ہے۔ اس میں بھی چند کوتاہیاں ہوتی ہیں۔

اگر گنجائش ہو تو قرض مانگنے والے کو قرض دینا چاہیے

ایک یہ کہ بعض لوگ باوجود اس کے کہ اپنے پاس حاجت سے زائد رقم رکھی ہے یا آسانی انتظام کر سکتے ہیں اور مانگنے والا سخت حاجت مند ہے اور بے اعتبار بھی نہیں مگر پھر بھی عادت ہے کہ کسی کو قرض دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ بعض دفعات جھوٹ بولتے ہیں کہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ وجہ اس کی یا بخل ہے یا بے رحمی ہے یا جہل کہ یہ سمجھتا ہے کہ قرض دینے سے فائدہ کیا ہوگا اس لئے دینا تجویز کرتے ہیں۔ اگر بخل یا بے رحمی ہے تو اس کا مذموم ہونا ظاہر اور مسلم ہی ہے محتاج بیان نہیں اور اگر جہل ہے تو اس کا فائدہ سمجھانا ضروری ہے۔ تاکہ اس علم سے وہ جہل مرتفع ہو جاوے سو اول تو جس قلب میں ترحم کا جوش ہوتا ہے وہ اس وقت فائدہ کو بھی نہیں سوچتا خود ترحم حامل ہی نا ماتحت ہو جاتا ہے۔ کیا جو شخص اپنی اولاد کی پرورش کرتا ہے گو اس میں فائدہ بھی ہے دنیا کا بھی آخرت کا بھی۔ مگر کیا پرورش کے وقت اس فائدہ کو سوچتا ہے کیا اگر فائدہ نہ ہو تو پرورش نہ کرے گا۔ پس مسلمانوں میں باہم وہی ترحم تو ہونا چاہئے جو ماں باپ میں ہوتا ہے۔

اگر بدون فائدہ سمجھے ہوئے قرض دینے کی ہمت نہ ہو تو فائدہ بھی سمجھ لینا چاہئے اور گو فائدہ دنیوی بھی ہے مثلاً ممنون کے قلب میں محسن کی محبت پیدا ہونا باہم الفت و ہمدردی بڑھنا لیکن مسلمانوں کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے فائدہ دنیویہ کو مطمح نظر نہ بنانا چاہئے اس لئے اس سے قطع نظر کر کے فائدہ اخرویہ سمجھنا چاہئے اور وہ ثواب ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور پرنور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے جنت کے دروازہ پر لکھا دیکھا کہ صدقہ دینے سے دس گنا ثواب ملتا ہے اور قرض دینے سے اٹھارہ گنا اور حدیث میں اس کی وجہ بھی آئی ہے کہ صدقہ تو وہ شخص بھی مانگ لیتا ہے جس کو حاجت نہ ہو۔ مگر قرض بدون حاجت کے اور حاجت بھی اکثر اضطراری بلکہ جب تک وہ یوں نہ اپنی گردن کو کون بندھ سکے یعنی غالب عادت یہی ہے۔ پس صدقہ دینے میں ضرورت نہیں کہ رفع اضطرار ہوا ہو اور قرض دینے میں رفع اضطرار ہوتا ہے اور اضطرار اور پریشانی کو رفع کرنا ظاہر ہے کہ کس قدر عظیم راحت پہنچانا ہے جس

لہٰذا اس کا ثواب زیادہ ہوا

رہی تخصیص اٹھارہ عدد کی۔ تو اس کا نکتہ جاننا ہم کو ضروری ہے اور نہ کسی طبیب کے نسخہ میں مریض کو منصب نہیں۔ وزن ادویہ کی لم دریافت کرنے کا بلکہ تسلیم اور اعتقاد ضروری ہے۔ اسی طرح ہمارا مذہب بندہ ہونے کی حیثیت سے یہی ہونا چاہئے۔

زبان تازہ کردن باقرار تو
نینگیختن علت از کار تو

حدیث میں اٹھارہ عدد کی تخصیص کیوں کی گئی

مگر تبرعاً طلبہ کی تفریح کے لئے کوئی بات سمجھ میں آجاوے تو اس کے ذکر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن چونکہ وہ تفریحی اور تخمینی مضمون ہوگا اس لئے اگر اس میں کوئی حدیث نکل آوے تو حرج بھی نہیں کیونکہ اصل بیان اسی پر ہے کہ یہ نکات راجح ہیں۔ بہرحال وہ نکتہ جو خاطر ناچیز میں اس کے متعلق آیا ہے وہ یہ ہے کہ اصل میں ثواب قرض کا صدقہ سے بحیثیت عدد کے دو گنا ہوتا ہے۔ لیکن صدقہ دس گنا مضاعف ہوتا ہے تو قرض میں بیس ہو جانے چاہئیں۔ تو قرض کا ایک درہم صدقہ کے دو درہم کے برابر ہے لیکن چونکہ وہ درہم واپس آجاوے گا۔ تو بیس میں سے دو درہم کم ہو کر اٹھارہ رہ گئے۔ واللہ اعلم

اور جب قرض کا ثواب صدقہ سے مضاعف ہونا معلوم ہوگیا تو اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جو نصوص سے ثابت ہے کہ دس حسنہ کا ثواب کا یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ ورنہ تفاوت خلوص سے اس سے بڑھ کر سات سو بلکہ ہزاروں تک پہنچتا ہے۔ جب صدقہ کا ثواب دس سے زائد بھی ہوتا ہے تو قرض کا ثواب اس سے مضاعف کیوں نہ ہوگا پس قرض کا ثواب بھی ایک عدد پر نہیں بلکہ نسبت حقیقی معتبر ہوگا یعنی جس قدر صدقہ کا ثواب ہوگا اس سے دگنا ہو جاوے گا اور کبھی اسی حساب سے ہزاروں کو پہنچے گا۔ مثلاً اگر صدقہ کا ثواب سات سو تک ہے تو قرض کا ثواب چودہ سو تک ہوگا جو ... ... ملے گا تو گویا یوں سمجھو کہ ایک روپیہ قرض دیا اور حدیث میں چودہ سو روپیہ کا ثواب ملا۔

نکو کرد با بداں چنیں جزا دارد

کہ جز نیکی عوض نگزارد

تخم جاں بستانہ ور عوض جاں دہد

آنکہ در دست نیاید آں دہد

اور صدقہ تو بطور مثال کے فرض کیا ورنہ جب صدقہ میں سات سو کا عدد نہیں تو حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضاعف لمن یشاء واللہ واسع علیم ۔

یعنی سات بالیں ہر بال میں سو سو دانے، اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے، اور اللہ بہت بخشش کرنے والا ہے، سب کچھ جانتا ہے۔

تو قرض میں بھی بارہ سو ساٹھ کی صورت ہوگی۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ توقع ہے۔ کیا اس کو بھی نامردہ کہے گا۔

رہا تضاعف ثواب قرض میں ثواب صدقہ کی تقریر کی تفصیل میں جناب فخر الدین رازی کا حوالہ ہے جس کے حوالہ کی قید اس لئے لگائی گئی کہ اس سے کوئی یہ نہ سمجھ جاوے کہ قرض کا ثواب علی الاطلاق صدقہ سے مضاعف ہوتا ہے۔ ورنہ یہ سمجھ کر یا تو صدقہ کی جگہ بھی قرض ہی دینے لگے۔ اور بالکل صدقہ میں بے رغبت ہو جاوے۔ اور اس میں بھی فساد دیکھے۔ سو یہ بات ہے کہ مختلف احکام مختلف حیثیات سے ہوتے ہیں۔ سو ایک حیثیت سے تو جس کا ذکر ہوا قرض کا ثواب زیادہ ہے مگر دوسری حیثیات سے صدقہ کا ثواب قرض سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً قرض میں واپسی ہوتی ہے۔ صدقہ میں واپسی نہیں ہوتی۔ اور اس وجہ سے صدقہ لینے والے کے قلب پر کوئی بار نہیں رہتا اور قرض لینے والے کے قلب پر بار رہتا ہے۔

ایک خدشہ کا ازالہ

اور یہ جو قرض دینے میں فائدہ دنیویہ بیان کیا ہے کہ باہم الفت و محبت و ہمدردی بڑھتی ہے تو یہ فائدہ مقصود نہیں۔ مگر چونکہ واقعی ہے اس لئے اس پر کوئی خدشہ واقع ہو۔

تو اس کا رفع کرنا ضروری ہے۔ تو اس میں ظاہرا ایک خدشہ ہے وہ یہ کہ ہم تو کثرت سے اس کے خلاف یہ دیکھتے ہیں کہ قرض دینے سے بجائے الفت کے قطع ہو جاتی ہے اور ہمیشہ کے لیے باہم رنج و کدورت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک تجربہ کار بزرگ کا ارشاد ہے۔

صد دوست از قرض رستان جم چہ
فان المقترض معتمر عن الحبیب

تو اس فعل کو آلۂ وصل کہنا کیسے صحیح ہوگا۔ دفع اس خدشہ کا یہ ہے کہ یہ قطع محبت اثر قرض کا نہیں ہے اس کا اثر تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا یعنی زیادت محبت و الفت۔ بلکہ یہ اثر مستقرضین یعنی لینے والوں کی بدتمیزی کا ہے۔ وہ یہ کہ اکثر لوگوں کی حالت دیکھی جاتی ہے کہ قرض لے کر بے فکر ہو جاتے ہیں۔ باوجود گنجائش کے اور تمام فضول کاموں کے قرض کے ادا کا اہتمام نہیں کرتے۔ بعضے تو بہت ہی ٹال کر دیتے ہیں اور بعضے دیتے ہی نہیں۔ اگر تقاضا کیجئے برا مانتے ہیں۔ اور ان کی اس حرکت سے مقرض یعنی قرض دینے والے کو کلفت ہوتی ہے۔ اور جب یہی کلفت روز مرہ مدتوں تک پہنچے تو ضرور اس کا اثر یہ ہوگا کہ محبت قلب سے نکل جاوے گی اور رنج و شکایت پیدا ہو جاوے گی۔ تو ایسی بے عنوانی کے اثر کو قرض کی طرف منسوب کرنا بڑی غلطی ہے۔ پس خدشہ بانشا و اساسا منقلع و منقطع ہو گیا۔

لیکن محض اس کلفت سے تنگ دل ہو کر قرض دینے کا سلسلہ بند نہ کرنا چاہئے کیونکہ یہ بھی اجر سے خالی نہیں۔ احادیث میں اس سے کم تر تنگ دلی پر وعدۂ ثواب آیا ہے کہ اگر کوئی چیز کہیں رکھ کر بھول جاؤ اور اس کی تلاش میں تھوڑی سی پریشانی ہو۔ پھر وہ مل جاوے تو اس میں بھی ثواب ہے۔ تو قرض وصول نہ ہونے پر یا وقت پر وصول نہ ہونے پر تو اس سے بہت پریشانی ہوتی ہے۔ تو اس میں اس سے زیادہ اجر کیوں نہ ملے گا۔ اس لئے بقدر تحمل اتلاف کو بھی برداشت کر لینا چاہئے لیکن اس کے ساتھ قرض لینے والے کو بھی وصیت کرتا ہوں کہ اس کو بھی چاہئے کہ قرض دینے والے کا احسان مانے۔ اور اس کو تکلیف نہ دے۔ اور وقت پر اس کی امانت پہنچا دے تاکہ پھر بھی قرض لینے کا منہ رہے۔

اور اس نادہندی کی بدولت بعضوں کو قرض نہیں ملتا۔ پھر کافروں سے سودی لیتے ہیں۔

اور تباہ ہوتے ہیں۔ ورنہ اگر وقت پر دوسرے کا حق پہنچ جایا کرے۔ تو بہت مسلمان ایسے ہیں کہ وہ خود اپنی مصلحت سے اپنے روپیہ کا قرض پر چلتے رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں کہ حفاظت سے بچے رہیں۔ اور تجارت کو یہ لوگ پسند نہیں کرتے۔ یا تو بوجہ احتمال خسارے کے اور یا بوجہ توحش تعلقات کے۔ یا بوجہ عدم مناسبت کے تو ایسے لوگوں کا روپیہ قرض میں آسانی سے ملتا ہے اور غیر قوموں کو سود دے کر جا بجا تباہ ہونے سے بچا سکتے ہیں۔ لیکن معاملات خراب ہیں کہ لے کر دینا نہیں چاہتے۔ دو چار جگہ ٹھوکر کھا کر سب سے متوحش ہو جاتا ہے اور قبول نہیں کرتا وعدہ کا سخت خلاف جو دیکھ چکا ہو پھر ہمیشہ کو ترک کر جاتا ہے۔ وہ کسی کو بھی قرض نہیں دیتا۔ اور ایک بڑے عظیم خیر کا سد ہو جاتا ہے جس کا وبال ان نادہندوں کی گردن پر ہوگا۔ اس کا نام بھی مذکور ہوا یعنی قرض نہ دینا ہے۔ جس کا مفصل بیان ہو چکا۔

نادار کو مہلت دینا قرآن کی رو سے واجب ہے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ قرض تو دیتے ہیں لیکن تقاضا بے ڈھب کرتے ہیں وقت آنے پر مہلت دینا جانتے ہی نہیں۔ حالانکہ نص قرآنی وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ۔ اور اگر وہ تنگ دست ہے تو اس کو کشادگی تک مہلت دینی چاہیے۔

تنگ دست نادار کو مہلت دینا واجب ہے اور اس کی بھی فضیلت احادیث میں آئی ہے۔

رہن کی چیز سے نفع حاصل کرنا سود میں داخل ہے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے بدون سود کے قرض نہیں دیتے۔ پھر سود کے طریقے مختلف ہیں۔ بعض صورتیں تو وہ ہیں جن کو یہ لوگ بھی سود سمجھتے ہیں جیسے آنہ دو آنہ روپیہ پر لینا یا ٹکہ روپیہ پر لینا۔ اور بعض وہ صورتیں ہیں جن کو سود نہیں سمجھتے۔ مگر واقع میں وہ سود ہیں۔ جیسے رہن رکھ کر اس سے نفع حاصل کرنا۔ اس کا سود ہونا مع جواب شبہات عوام و خواص کے رسالہ صفائی معاملات میں احقر نے ثابت کر دیا ہے۔ اور بھی تاجروں میں بہت صورتیں تجارت میں مگر ان دونوں قسم کے سود لینے والوں میں بعضے ایسے جری ہیں کہ اس کو حلال سمجھتے ہیں۔ کوئی بعض عبارت فقہیہ سے

بزعم خود تمسک کرتا ہے۔ کوئی تمدنی و قومی مصلحتوں کو شریعت پر مقدم ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کوئی حربی کی روایت کو پیش کرتا ہے۔ علماء شکر اللہ تعالیٰ سعیہم اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کا بدلہ دے، نے ان سب کی اچھی طرح اپنی تحقیقات سائبہ و کتابوں میں خدمت کر دی ہے۔ بندہ نے بھی بقدر ضرورت رسالہ صفائی معاملات میں جس کا اوپر حوالہ ہے اور رسالہ تحذیر الاخوان میں و اپنی تفسیر بیان القرآن تحت آیۃ یاایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوٰ الخ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو۔ میں اس کی کافی بحث لکھ دی ہے۔ ان کا مطالعہ منصف کے لئے ان شاء اللہ کافی ہے۔

اور سود کی ان صورتوں میں سے کوئی صورت ظاہر میں بھی تو کسی ضابطہ فقہیہ پر منطبق نہیں۔ بجز ایک صورت بیع بالوفاء کے وہ ایک صورت اس کی بھی تحقیق قابل لحاظ ہے۔

بیع بالوفاء کی تحقیق

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس وقت کے عرف میں دو معنی بیع بالوفاء کے مشہور ہیں۔ ایک تو یہ کہ زید نے عمرو سے کہا کہ ہم کو ایک ہزار روپے قرض دے کر ہمارا باغ رہن رکھ لو اس شرط پر کہ اگر ہم دس سال کے اندر ہزار روپیہ ادا کر دیں تو اپنا باغ پھیر لیں ورنہ اگر ادا نہ کریں تو وہ باغ اسی ہزار روپے میں تمہارے ہاتھ بیع ہے۔ دوسرے یہ کہ زید نے عمرو سے کہا کہ تم ہمارا باغ ہزار روپے میں خرید لو اور زر ثمن ہمیں دیدو۔ اور یہ وعدہ ہے کہ اگر ہم دس سال میں تمہارا زر ثمن واپس کر دیں تو تم ہمارا باغ واپس کر دو۔ اور بیع کا اقالہ یعنی فسخ کر دو۔

سو اول معنی کے اعتبار سے تو بالاجماع حرام اور سود ہے اور دوسری صورت کو بھی فقہاء متقدمین نے منع کیا ہے لیکن بعض متاخرین نے لوگوں کو مبتلائے سود دیکھ کر اجازت دیدی ہے۔ اگر کسی شخص کا دل بوجہ حاجت بے مروتی کے ویسے قرض دینے کو گوارا نہ ہو۔ اور بوجہ ضعف قوت تقویٰ کے وہ متقدمین کے قول کو بھی نہ لے۔ تو بجائے سود کی اور صورتوں کے بیع بالوفاء دوسری یعنی معنی ثانی بوجہ شبہ ہیئت سے کم حرمت ہے کیونکہ متفق علیہ تو نہیں لوگوں کا ہم یہی پر لطف کرکے بتاتے ہیں۔ خواہ مخواہ بچنا ہو ورنہ کم از کم اسی کو کر لیا کریں اور دل سے تو بچیں۔ یہ بحث تھی قرض کے متعلق کوتاہیوں کی۔

کوئی چیز عاریت دینے میں بخل نہ کرنا چاہیے

اور ایک ان اعمال مالیہ مقصودہ بالذکر میں سے کسی کو کوئی چیز عاریۃً دینا ہے۔ اس میں بھی بعض لوگ بہت بخل کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اس میں بخل کرنے کو ناپسند اور اعمال منافقین سے فرمایا ہے۔ حیث قال فویل للمصلین الذین ہم عن صلوتہم ساہون الذین ہم یراؤن ویمنعون الماعون۔ سو ایسے نمازیوں کے لیے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں جو ایسے ہیں کہ ریاکاری کرتے ہیں اور برتنے کی چیز تک نہیں دیتے۔

اور اسی قسم میں سے وہ چیز جو بطور رعایت نہ مانگی جاوے بلکہ بطور تملیک ہی مانگی جاوے۔ لیکن وہ بہت کم قیمت جیسے ایک تولہ نمک جیسے ایک لوٹا پانی جہاں پانی کی فراغت ہو۔ جیسے ایک مٹھی گھاس اور عاریت جیسے سوئی، چھلنی، دیگچہ، قلم بنانے کا چاقو، ایک خط لکھنے کے لیے قلم دوات و مثل ذالک البتہ اگر کوئی ضرر ہو۔ مثلاً ایک شخص کا تجربہ ہو گیا ہے کہ وہ چیز لے کر نہیں دیتا یا خراب کر دیتا ہے یا بے پروائی سے کہیں ڈال دیتا ہے اہتمام کر کے ادا نہیں کرتا تو ایسے شخص کو عاریت دینے سے انکار کر دینا جائز ہے لیکن کم قیمت چیز کے دینے سے بھی انکار نہ کرے۔

ان طاعات مذکورہ کے علاوہ اور بھی تطوعات مالیہ ہیں کہ وقتاً فوقتاً ان کو عمل میں لانا موجب نفع خلائق ہے۔ جیسے مہمانوں کی خدمت استادوں کی اور پیروں کی خدمت، دوستوں کو ہدیہ دینا، روزہ داروں کے لیے افطاری لے آنا، اقارب کے ساتھ ہمدردی کرنا۔ اور بعض صورتوں میں اقارب کی خاص خدمات والی نفقہ واجب ہے۔ جس کی تفصیل کتب فقہیہ میں مذکور ہے بالخصوص جو صدقات جاریہ ہیں۔ جیسے مسجد کی امداد تعمیر یا لوٹا بوریہ وغیرہ سے مدارس اسلامیہ کی اعانت۔ کنواں بنا دینا، پل بنا دینا، راہ پر درخت لگا دینا، قرآن مجید یا کتب دینیہ وقف کر دینا۔ و مثل ذالک کہ ان سب کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا جاتا ہے۔

اب میں طاعات مالیہ کی فہرست میں ان مذکورات بعد الزکوٰۃ پر اکتفا کرتا ہوں۔ طالب دین صاحب فہم اور متروک صورتوں کو اس سے سمجھ کر عمل کر سکتا ہے۔

میت کے معاملہ کے متعلق کوتاہیاں

(اصلاح معاملہ پر تیسرا)

یہ معاملے تین قسم کے ہیں۔ ایک قبل الموت (یعنی حالت مرض میں) دوسرے وقت الموت (یعنی موت کے بہت قریب) تیسرے بعد الموت (یعنی موت کے بعد جب تک اس کے متعلق کوئی تذکرہ یا کوئی کارروائی جاری رہے) اور ان تینوں قسموں میں مختلف کوتاہیاں واقع ہوتی ہیں۔ جو اختصار کے ساتھ ذکر کی جاتی ہیں۔

حالتِ مرض

حالت مرض میں بھی حتی الامکان نماز کی پابندی ضروری ہے

اس میں ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ لوگ بہ نیت ترحم مریض کو نماز کے وقت کی اطلاع نہیں کرتے اور نماز پڑھنے کے لئے اس سے نہیں کہتے کہ اس کو تکلیف ہوگی۔ بعضے مریض تو خود بھی جاہل یا کاہل ہوتے ہیں گو پہلے سے نماز کے پابند ہوں مگر مرض میں (یا دوسرے سے کہ کپڑے خراب ہیں، بدن ناپاک ہے یا ساتر نہیں ہے۔ یا یہ کہ وضو وغسل نہیں کیا جاتا۔ اور تیمم کو دل نہیں گوارا کرتا۔ اور اس سے

طبیعت صاف نہیں ہوتی۔ وغیرہ ذالک۔ نماز قضا کر دیتے ہیں۔ یہ تو جہل ہے۔ بلکہ یہ بھی ہے کہ کون اہتمام کرے تیمم کا یا وضو سیدھا کرنے کا کہ اس میں تکلیف ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ تحمل سے زائد نہیں۔ مگر کسی قدر آرام کا فوت ہوتا ہے۔ اور دل کو سمجھا لیتے ہیں کہ اچھے ہو کر سب پوری کر لیں گے۔ اس لئے نماز چھوڑ دیتے ہیں۔ اور یہ کاہلی ہے۔

اور علاج اس کا یہ ہے کہ اس کو سمجھایا جاوے کہ شریعت نے ہر حال میں آسانی کی رعایت کی ہے۔ بدن یا پارچہ کا صاف ہونا تو کچھ فرض نہیں اگر میلے ہیں ہونے دو۔ اسی طرح نماز پڑھو اور اگر ناپاک ہے تو ان کے پاک کرنے میں زیادہ تکلیف نہیں ہوتی۔ تو پاک کرنا کیا دشوار ہے۔ آخر تھوڑی بہت مشقت سے تو کوئی کام بھی خالی نہیں۔ چنانچہ مرض میں دوا پینا کیا مشقت نہیں؟ بعض اوقات کروٹ بدلنی مشقت ہے مگر مصلحت بدنی کے لئے اس کو گوارا کرتے ہیں۔ مگر نماز کے لئے بھی تو مصلحت روحانی ہے۔ جس کی رعایت بدن سے بھی اہم اور اقدم ہے۔ کسی قدر مشقت گوارا کرنی چاہوے۔ تو یہ کیوں گرانی ہے۔ اور اگر پاک ہونے میں سخت تکلیف ہوتی ہے۔ تو بدون پاک کئے ہوئے نماز پڑھ لو کہ شرع کی اجازت ہے۔ حرج اٹھا دیا ہے اور وضو اور غسل اگر نہیں ہو سکتا تو تیمم کی اجازت ہے اور اگر وضو ہو سکتا ہو اور غسل نہ ہو سکتا ہو تو وضو کر لو اور بجائے غسل کے تیمم کر لو اور طبیعت کا صاف ہونا تو کوئی چیز نہیں اور اگر نماز پڑھ لی تو اس سے طبیعت تو ویسی ہی صاف ہو گئی اگر آدمی کو حس ہو تو معلوم ہو کہ اس سے اندر بھی ٹھنڈک اور ہلکی ہو جاتی ہے۔ یہ جہل کا علاج ہے۔

اور ناپاک کپڑے اور بدن کے پاک کرنے کے متعلق جو بھی مضمون ہوتا ہے وہ علاج ہے کاہلی کا بھی کہ کم ہمتی مشقت تو ہر کام میں ہوتی ہے مثلاً ناگوار دوا پینے ہی میں بلکہ ترقی کر کے کہا جاتا ہے کہ بعض اوقات غذا کھانے میں بھی بعض مشقتیں لاحق ہو جاتی ہیں مثلاً مرچ لگ گئی منہ جل گیا۔ لقمہ گلے میں اٹک گیا یا شوربے وغیرہ کا بلکہ بعض اوقات پانی کا پھندا پڑ گیا۔ کیسی بری حالت ہو جاتی ہے بعض اوقات پان کھانے میں چونا زیادہ ہوا یا تیز ہوا۔ اور منہ اور زبان کے ٹکڑے اڑ گئے مگر ان عارضی مشقتوں کے سبب کوئی بھی کھانا پانی نہیں چھوڑتا اگر کسی مریض کو کہا جاوے کہ تم منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل کر اگر فلاں شخص سے جا کر ملو جو یہاں سے ایک فرلانگ پر ہے تو تم کو دس روپیہ یا سو روپیہ یا ہزار روپیہ مل جاویں تو اس وقت بیماری

مشقتیں راحت معلوم ہونے لگیں۔ تو کیا خدا تعالیٰ کے یہاں کا ہرا اتنی قدر بھی نہیں رکھتا خصوصاً جبکہ دنیوی کاموں سے بہت زیادہ ان دینی کاموں میں سہولت رکھی گئی ہے۔ چنانچہ جب کھڑے نہ ہو سکیں بیٹھ کر پڑھیں۔ اگر بیٹھ کر نہ پڑھ سکیں تو لیٹے لیٹے پڑھیں اور رکوع سجدہ سر کے اشارہ سے کریں۔ اور ایسا شاذ و نادر ہے کہ اس قدر ضعف ہو جاوے کہ سر سے بھی اشارہ نہ کر سکیں لیکن اگر اتفاق سے ایسی نوبت آ جاوے تو پھر شریعت کی سہولت دیکھئے کہ نماز کا مؤخر کر دینا اور بعد میں قضا کر لینا اس حالت میں جائز فرما دیا۔ پس ان سہولتوں کے بعد کسی کے پاس کیا عذر ہے اور یہ خیال کہ اچھے ہو کر قضا پڑھ لیں گے نہایت ہی جرأت کا خیال ہے۔ کیا ان کے پاس کوئی سند و پروانہ اس معاہدہ کا ہے کہ وہ اس مرض سے ضرور اچھے کر دیئے جاویں گے۔ ممکن ہے کہ یہ ان کا آخری مرض ہو۔ مرض میں بوجہ اس کے کہ ہر مرض پیام موت ہے۔ آدمی کو زیادہ تنبیہ اور تہیۂ آخرت کی طرف زیادہ توجہ چاہئے۔

کہ شاید ہمیں نفس واپسیں بود

یہ تو ان مریضوں کا ذکر تھا جن کو خود بھی جہل یا کسل سے نمازوں کا اہتمام نہیں ہوتا۔ بعض مریض ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو پورا اہتمام ہے لیکن مرض کے غلبہ سے ان کو بعض اوقات وقت کی اطلاع نہیں ہوتی یا نماز کے وقت پر نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے یا غایت ضعف سے آنکھیں بند ہو کر غفلت سی ہو جاتی ہے لیکن اگر ان کو نماز کے لئے آگاہ کیا جاوے تو ہرگز قضا ہی نہ کریں۔ مگر پاس کے لوگ اس وجہ سے کہ ان کو اس مریض کی راحت جسمانیہ کے متعلق تو فکر رہے لیکن دین کی کچھ مبالات نہیں۔ اس مریض کو اطلاع ہی نہیں کرتے۔ یا اگر اس کو کسی طرح اطلاع بھی ہو گئی تو اس کی امداد نہیں کرتے مثلاً اس کے لئے پانی یا تیمم کے لئے کلوخ نہیں لاتے اس کی چارپائی قبلہ کی طرف نہیں بدلتے۔ اس کو پاک کپڑے نہیں بدلوا دیتے۔ اس تساہل میں یا تو مریض پھر غافل ہو گیا۔ یا اس پر بھی کسل غالب آ گیا اور ایسی اس کی نماز ضائع ہو گئی۔ ان لوگوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اپنے جس عزیز کی تھوڑی سی معمولی تکلیف گوارا نہیں۔ اس کے دوزخ میں جلنے کی تکلیف کیسے گوارا کر لیتے ہیں۔ اور اگر غایت بے رحمی سے اس کی یہ تکلیف گوارا کر بھی لیں تو اپنی کیسے گوارا کریں گے۔ اس لئے کہ یہ تعاون فی الدین واجب ہے۔ اور یہ امر بالمعروف بالید کی ایک فرد ہے جو کہ محل قدرت پر

تو بیع قبول میں فرض ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اور اگر یہ صورت ہو کہ جب تک وقت نماز کا ہوش نہیں ہے تو بے ہوشی میں نماز معاف ہوئی تو اس کا دفعیہ یہ ہے کہ اس بے ہوشی میں نماز معاف نہیں ہوتی وہ وہ بے ہوشی ہے کہ جس میں کلام کرنے سے بھی آگاہ نہ ہو پھر اس میں بھی مطلق معافی نہیں بلکہ یہ تفصیل ہے کہ اگر چھ نمازیں متصل بے ہوشی میں گذر جائیں تب تو بالکل معاف ہے یعنی نہ ادا نہ قضا اور اگر اس سے کم بے ہوشی ہوتی ہے مثلاً چار نمازیں یا پانچ نمازیں اس حالت میں گذریں تو اس وقت ادا کا مکلف نہیں۔ مگر ہوش میں آنے کے بعد ان کی قضا واجب ہوگی۔ اور اگر قضا نہیں کی تو فدیہ کی وصیت مرتے وقت واجب ہوگی۔ اور اگر وصیت میں بھی غفلت ہوئی تو ورثہ کو خوب ہوگا۔ اگر فدیہ ادا کر دیا لیکن اس صورت میں اپنے حصے میں سے ادا کریں نہ کہ ترکہ سے ادا کریں۔

وضو اور قیام کی قدرت ہوتے ہوئے تیمم سے اور بیٹھ کر نماز نہیں ہوتی

بعضے مریض یہ کوتاہی کرتے ہیں کہ باوجودیکہ وضو سے کوئی ضرر نہیں پھر تیمم کر لیتے ہیں۔ بعض دفعہ اس کے لوگ وضو سے روکتے ہیں کہ میاں تیمم کرو شریعت میں آسانی ہے۔ اسی طرح بعض دفعہ باوجود قدرت علی القیام بیٹھ کر نماز پڑھ لیتے ہیں۔ بعض دفعہ نماز کی ادا باوجود قدرت ضبط کے عبارت کی سستی سے کر لیتے ہیں۔ آداب خوب صاف لفظوں سے کہتے ہیں اور اس کی پروا بھی نہیں کرتے کہ ہماری نماز نہیں پائی جائے گی۔ سو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ مطلق مرض سے تیمم یا تھوڑی اجازت نہیں اس میں ایک خاص حد کی تحقیق کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح قدرت ضبط ہوتے ہوئے آداب ادا کرنے سے نماز جاتی رہتی ہے۔ نماز بڑی احتیاط کی چیز ہے اس کو بے کار نہ سمجھئے۔

بعضے ان ظاہری بے احتیاطیوں کے مقابلہ میں ایک دقیق بے احتیاطی کرتے ہیں۔ چونکہ ان کے علم میں بڑی سختی ہے وہ یہ کہ خواہ ان پر کیسی ہی مصیبت گذر جاوے۔ خواہ کیسا ہی مرض بڑھ جاوے اور خواہ مر کیوں نہ جاویں مگر تیمم جانتے ہی نہیں مر ہی گئے۔ کہیں گے کہ وضو ہی کریں گے

سو حقیقت میں اس قول کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ نے ایسا حکم دیا ہے جو واقع میں ناقص ہے اس لئے ہم اس کو قبول نہیں کرتے۔ اصل میں شیطان کی مطرودیت^{حـه} کا مبنیٰ اس کا یہی خیال ہے کہ یہ حکم حق تعالیٰ کا نامناسب ہونے کے سبب قابلِ عمل نہیں۔ یہ مصیبت تو اس کے عقیدے کی ہوئی۔

اور اگر اس کو کوئی مرشد بھی پہنچا ... تو اہلِ نفس سے صحبت ملی ہوئی خوب فرمایا ہے ؎

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا
ولیکن میفزائے بر مصطفیٰ

ولیس من البر الصیام فی السفر ...

اور دوسری حدیثیں بھی اس کی صاف دال ہیں۔ یہ تو تمام بیان افراط کے متعلق تھیں۔

حالتِ مرض میں بھی مریض کا ستر بغیر ضرورت کے دیکھنا جائز نہیں

ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ مریض کا ستر چھپانے کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ اگر ذرا کھل گیا تو کوئی پردہ نہیں رہا باقی۔ اگر ران کھل گئی تو کچھ خیال نہیں کیا جاتا۔ اگر بضرورت تداوی کسی موقع کے کھولنے اور دیکھنے کی حاجت ہوئی تو اس میں احتیاط نہیں کرتے حالانکہ بقاعدہ الضرورۃ تتقدر بقدر الضرورۃ اتنا ہی بدن کھلے جس کے کھلنے کی ضرورت ہے۔ یا صرف انہیں لوگوں کے سامنے کھلے جن کا تعلق اس تداوی سے ہے۔ وہ بھی دیکھتے ہیں اور دوسرے حاضرین اور عیادت کرنے والے بھی بے تکلف دیکھیں گے بلکہ اس کو ہمدردی سمجھیں گے۔

غرض نہ دوسروں کو دیکھنا جائز اور نہ مقدارِ ضرورت سے زیادہ دیکھنا جائز یہاں تک کہ اگر عورت کے جننے کے وقت کافرہ دائی بلاوے تو موقع ولادت کا دیکھنا تو اس کو اگر حاجت ہو درست ہے لیکن یہ یاد رہے کہ کافر عورت نامحرم مرد کے حکم میں ہے۔ اس کے روبرو عورت کا سر کھولنا حرام ہوگا۔ کیونکہ اس کا کھولنا بلا ضرورت ہے۔

اسی طرح اگر عورت کے ہاتھ میں فصد لی جاوے تو فصاد کو صرف موقع فصد کا دیکھنا جائز ہے مگر دوسرے حاضرین کو وہاں سے ٹل جانا یا آنکھ بند کر لینا یا منہ پھیر لینا واجب ہے۔ اور دوں کو اجازت

حـه شرعی دربار سے رد کیا جانا ۱۲

نہیں کہ اس کے ہاتھ کا وہ حصہ کھلا ہوا دیکھیں۔ اسی طرح عضو میں اگر پھوڑا یا ناسور ہو جس کا کھلا ہوا بدن دیکھنا پڑے تو صرف اس کو بقدر ضرورت دیکھنا درست ہے۔ دوسروں کو درست نہیں۔ اسی طرح اگر کسی عضو مستور میں دنبل وغیرہ میں شگاف دیا جائے تو جراح یا ڈاکٹر کے سوا یا ایسے شخص کے سوا جس کے دیکھنے میں کوئی مصلحت معالجہ کی ہو دوسروں کو اس موقع کے دیکھنے کی اجازت نہیں۔ یہ جزئیات استطراداً ذکر کر دیئے گئے اصل مقصود بیان کرنا مریض کے متعلق ہے کہ اس میں بے پروائی برتی جاتی ہے۔

ناپاک اور حرام دوا سے پرہیز کرنا چاہئے

ایک کوتاہی دوا کے متعلق یہ کی جاتی ہے کہ دوا کے حلال و حرام طاہر و نجس ہونے کی کچھ پروا نہیں کی جاتی خصوصاً امراء کے یہاں کہ انگریزی نسخے میں یہ تمیز نہیں خواہ تناول یا استعمال کے ساتھ ہی دم نکل جاوے مگر کچھ انقباض ہی نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کے حال پر تعجب ہے کہ جس چیز کو طبیعت قابل نفرت بتلا دے مثلاً پیشاب پینا اس سے تو نفرت ہو اور جس چیز کو شریعت قابل نفرت بتلا دے۔ مثلاً شراب پینا اس سے نفرت نہ ہو تو گویا اس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہیں کہ یہ شخص اپنے کو نفس کا بندہ سمجھتا ہے خدا کا بندہ نہیں سمجھتا۔ تو کیا مسلمان ہونے کے یہی معنی ہیں مصرعہ

ببیں کہ از کہ گسستی و با کہ پیوستی

ایک وسوسہ کا ازالہ

اور اگر یہ وسوسہ ہو کہ دوا کے لئے تو شرع میں بھی اجازت ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کا دعویٰ علی الاطلاق محض غلط ہے اصل مذہب میں تو کسی حالت میں بھی دوا کے لئے ایسی چیز کی اجازت نہیں ہاں مضطر بالمخمصہ یا مخصوص باللقمہ کے لئے ایسی چیز سے ابقاء حیٰوۃ فرض ہے اور تداوی کا اس پر قیاس اس لئے صحیح نہیں کہ مقیس علیہ میں نفع مادۃً متیقن ہے اور مقیس میں غیر متیقن چنانچہ اطباء خود فن ہی کو ظنی کہتے ہیں اس لئے نفس معالجہ ہی واجب نہیں بخلاف سد مخمصہ کے کہ واجب ہے اس دوا میں ایسی چیز کی مطلقاً اجازت نہیں خواہ مرض کیسا ہی ہلاکت کا

اور نفع کیساتھ مجرب سمجھا جاوے۔

البتہ بعض متاخرین نے ضرورت شدیدہ اور تجربہ نفع کی قید کیساتھ اجازت دیدی ہے مگر جو بے احتیاطی کرتے ہیں وہ ان قیدوں کا کب لحاظ کرتے ہیں بلکہ وہ تو محض احتمال نفع ہی پر صرف برائے تعجیل صحت ہی کے لئے بلکہ بعض اوقات بدون مرض کے محض تقویت طبیعت ہی کے لئے یا مرض کے غیر خطرناک ہونے پر بھی بے تکلف ان چیزوں کا استعمال کرتے ہیں پس وہ اس فتویٰ سے کیسے تمسک کر سکتے ہیں۔ یہ تو جواز و عدم جواز میں گفتگو تھی باقی جو لوگ قلب سلیم طبیعت طاہر رکھتے ہیں وہ تو خلاف اولیٰ اجازت سے بھی منتفع ہونا پسند نہیں کرتے۔ جس طرح بعض لطیف المزاج لوگ بعض اشیاء مکروہ طبعی کو حلق سے اتار نہیں سکتے اور اگر دھوکہ سے اتر جاوے تو معدہ اس کو قبول نہیں کرتا۔ اسی طرح جن کا مزاج لطافت دینی رکھتا ہے ان کی ان اشیاء مکروہ شرعی کے تناول یا استعمال سے یہی کیفیت ہے اور ادویہ مفرحہ کچھ برانڈی ہی وغیرہ کے ساتھ خاص نہیں۔ بہت سی ادویہ طب یونانی میں بھی ایسی ہی موجود ہیں جیسے جند بیدستر، بادزہر اعرابی اور لوبیب کیمیں تعجب کاؤ۔

ہم نے اپنے ایک طبیب دوست سے استدعا کی ہے کہ ایسی دواؤں کی ایک فہرست شائع کر دیں۔ اور خاص کر ایسی چیزوں کا استعمال نہیں چھوڑا اکثر وبال عظیم یہ ہے جہاں مریض خود متقی اور ایسی اشیاء سے نفور ہو۔ مگر اس کی بے خبری میں یا اس کو دھوکہ دے کر کھلا پلا دی جاوے۔ پس تو اس کو اگر خبر ہو گئی تو بیحد کلفت ہوتی ہے اور اس کلفت سے اس کا مرض بڑھتا جاتا ہے۔ اور اس طرح سے اس کو جسمانی ضرر بھی لاحق ہوتا ہے اور اگر خبر بھی نہ ہوئی تو اس خیر خواہ نے پرائی دنیا کی درستی کے لئے اپنا دین برباد کیا۔ جس کو برباد کرنا خود اپنی دنیا کی درستی کے لئے بھی مذموم و مبغوض شرعی ہے۔ اور یہ تو اس سے بھی بڑھ کر ہوا کہ حظ آخرت تو ترک ہوا ہی کوئی حظ دنیا بھی نصیب نہ ہوا۔ خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہے۔

دعا غلاموں کی طرح کرنی چاہیے نہ کہ شکایت کرنے والوں کی طرح

ایک کوتاہی اس قسم کے سوال یعنی دعا و ختم و صدقہ و نذر میں ہوتی ہے کہ ان میں حدود شرعیہ

کا خلوص و حضور رکھنے کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ مثلاً دعا بصیغہ شکایت ہوتی ہے۔ اللہ میاں سے کہا جاتا ہے۔ اے اللہ کیا ہوگا۔ جس میں تو بالکل ہی تباہ ہو جاؤں گا۔ یا تباہ ہو جاؤں گی۔ یہ بچے کس پر ڈالو گی بس ہی میرا آپ ہی سہارا ہی نہ رہے گا۔ اے اللہ ایسا تو نہ کیجیو۔ گویا شکایت کی جاتی ہے۔ اور رائے اللہ دی بات ہے۔

استغفر اللہ کیا حق تعالیٰ کا یہی ادب ہے۔ یہی عظمت ہے۔ دعا کو علاجوں کی طرح اجازت ہے بلکہ محبوب ہے تاکہ رضا بالقضا واجب ہے۔ مصرعہ

ہرچہ آں خسرو کند شیریں بود

ختم پڑھا جاتا ہے بعض جگہ تو غیر مشروع الفاظ سے مثلاً یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ اور بعض جگہ اس سے خاص غرض دنیاوی مقصود ہوتی ہے کہ الفاظ تو مشروع مگر اس کا ثواب بزرگوں کو اس عقیدہ سے بخشا جاتا ہے کہ وہ خوش ہو کر کچھ سہارا لگا دیں گے۔ یا بجائے اللہ کے دعا ہی کا اعتقاد ہو اگر اس طرح سے کہ وہ دعا ان کی رد ہو ہی نہیں سکتی۔ جس کے متعلق احقر نے بقدر ضرورت النور کی جلد (۳) نمبر ایک کے پرچہ میں صفحہ ۳۱ پر کچھ مفصل لکھ دیا ہے۔

صدقہ کے متعلق کوتاہیاں

صدقہ میں چند کوتاہیاں ہوتی ہیں۔ بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ کسی بزرگ کے نام کا کھانا پکا کر تقسیم کرتے ہیں کہ کسی بزرگ کے نام کا کھانا پکا کر تقسیم کرتے ہیں۔ یا کھلاتے ہیں اور مثل ختم مذکور مقرب کے اس میں بھی عقیدہ دعا و روا کی ان بزرگ کے متعلق رکھتے ہیں جس کی نسبت ابھی لکھا گیا ہے بعض لوگ کچھ نقد یا بکرا وغیرہ شب بھر مریض کے پاس رکھ کر اور بعض لوگ اس کا ہاتھ لگا کر خیرات کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس تلبس سے یا اس لمس سے مریض کی تمام بلائیں گویا اس صدقہ کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں پھر اس کے دینے کے ساتھ وہ بھی چلی جاتی ہیں۔ سو یہ اعتقاد محض خلاف شرع ہے۔

صدقہ دینا جو ایک فعل ہے اس کا اثر حدیث میں آیا ہے کہ بلا دفع ہو جاتی ہے۔ اس نص سے قبل خود جرم صدقہ میں لپٹ کر مریض سے دور ہو جانے کا اعتقاد بدعت ہے نصوص کی

بخصوص تو اس کا نہ مانع ہے اس فعل سے اور معتقد عوام کا اس کا ایک گونہ اختراع ہے۔ قبل اس فعل کے، اور مزاحمت نص کی دلیل ضعیف سے بھی جائز نہیں چہ جائیکہ بلا دلیل۔ بعض لوگ مریض کی طرف سے بکرا ذبح کرتے ہیں اور خصوصیت ذبح کو دافع بلا میں موثر سمجھتے ہیں۔ جس کی حقیقت اعتقاد ہے جس کا ادراک مشاہدہ بالائے سے تو نہیں ہو سکتا بلکہ ضرورت ہے نقل کی، اور نقل مفقود ہے۔ اس لئے یہ اعتقاد لقول علی اللہ ہونے کے سبب ناجائز ہے۔ اور اگر کوئی عقیدہ پر قیاس کرے۔ تو وہ خود غیر مدرک بالقیاس ہے۔ اور حکم غیر قیاسی مقتصر رہتا ہے مورد نص پر اس میں قیاس جائز نہیں۔ اور اگر کوئی کہے کہ میں صدقہ کو مقصود سمجھتا ہوں تو اس کی تکذیب کے لئے یہ امتحان کافی ہے کہ اگر اس سے کہا جاوے کہ تم اس بکرے کو خریدنے کے عوض اسی کی قیمت میں گوشت خرید کر دو یقیناً اس بکرے کے گوشت سے زیادہ آوے گا بھائیں کو تصدق کر دو تو ہرگز اس عمل کا التزام کرنے والے اس پر راضی نہ ہوں گے اور یہ کہیں گے کہ اس میں وہ اثر نہ ہوگا۔ سو اگر محض تصدق ہی مقصود ہے تب تو یہی وجہ کہ یہاں تصدق زیادہ گوشت کا ہوا۔ اس میں زیادہ اثر سمجھنا چاہیے تھا۔ مگر جب اس پر بھی ایسا نہیں سمجھا تو پھر اس میں بجز فعل

ذبح کے کیا چیز کم ہے۔ جس کی کمی سے اثر کم ہو گیا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ عوام الناس اس فریق میں ذبح کو ہی مقصود سمجھتے ہیں۔ پس دعویٰ قصد تصدق کا غلط ٹھہرا۔ بعض لوگ ذبح کا اہتمام نہیں کرتے بلکہ گوشت خریدتے ہیں۔ لیکن بجائے آدمیوں کے چیلوں کو کھلاتے ہیں سو اس میں دو بدعت ہیں۔ گوشت کے خصوص کا موثر سمجھنا پھر چیلوں کے کھانے کی خصوصیت میں اثر جاننا ایسی تخصیصات پر ابھی گفتگو آ چکی ہے۔ بعض لوگوں نے صدقہ کے لئے خاص چیزیں تجویز کر رکھی ہیں جیسے ماش اور تیل اور پیسے جن میں اکثر سیاہ رنگ کی چیز معلوم ہوتی ہے جس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہیں کہ بلا کو ایک کالی چیز کہ اس کے جلب المناسب کے لئے بھی کالی چیزوں کو تجویز کیا۔ سو اول تو بلا کوئی جسم نہیں جو سواد کے ساتھ موصوف ہو۔ اور اگر کوئی توجیہ اس کی صورت مثالیہ کے اعتبار سے اس کی کر بھی لی جاوے تب بھی خود یہ ایک خلاف شرع دعویٰ ہے کہ اس کا دافع بھی تصدق بالاسود ہی ہوگا۔ نص میں مطلق تصدق کو دافع بلا فرمایا ہے خواہ

یا نا موزوں ہو یا لا یعنی ہو۔ پھر تصدق کا محل سب سے اچھا مسلمان مساکین ہے۔ بعضے جنّیوں کو اور بعضے چیلوں کو اس کا مصرف متعین قرار دیتے ہیں۔ خود اس مصرف کے مساوی ہونے یا راجح ہونے کا دعویٰ مزاحمت ہے نص کی نزد متعین ہونا۔ اس میں تو نص کا بالکل ابطال ہی ہے۔

وصیت کے متعلق کوتاہی

ایک کوتاہی وصیت کے متعلق ہے وہ یہ کہ بعض اوقات مریض اپنے بعد کے لئے خلاف شرع وصیت کرتا ہے اور کوئی اس کو تنبیہ بھی نہیں کرتا تاکہ اس کی اصلاح کر دیا جائے اور بعض اوقات دوسرے لوگ مریض کو ایسی وصیتوں کی رائے اور ترغیب دیتے ہیں مثلاً ثلث سے زیادہ کی وصیت یا کسی وارث کیلئے وصیت یا کسی وارث جائز کے محروم کرنے کی وصیت یا کسی معصیت کی وصیت کہ میرے مرنے کے متعلق فلاں کام بدعت کا بطور فخر کیا جاوے مثلاً تیجہ، دسواں وغیرہ کیجو یا قبر میں عہدنامہ وغیرہ رکھیو یا ایسا ایسا کفن دیجو یا میرا عرس کیا کیجو و مثل ذالک اسی طرح ان کاموں کیلئے کچھ وقف کر جانا اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر مریض ایسی غلطی کرے تو دوسروں کو اصلاح کر دینا چاہئے اور اگر وہ اصلاح قبول نہ کرے تو وہ وصیت لازم نہیں ہوتی بلکہ بعض پر تو عمل جائز نہیں ہوتا جیسے وصیت بالمعاصی۔ ان احکام میں فقہاء و علماء سے وقت پر تحقیق کر کے عمل کرنا چاہئے۔ یہ چند کوتاہیاں ہیں حالت مرض میں جو اس وقت خیال میں آ گئیں۔ تتبع یا تأمل سے اور بھی کوتاہیاں نکلیں گی جن کے لئے مذکورہ کوتاہیوں کے ضمن میں جو اصول شرعیہ بیان ہو گئے ہیں یا تو وہی یا بعض کوتاہیوں کے لئے علماء سے رجوع کرنا کافی ہو گا۔ اب دوسری حالت کے متعلق کچھ ضروری امور عرض کرتا ہوں۔

"حالت وقت الموت"

حالت نزع میں رونے پیٹنے کی بجائے اس کو کلمہ کی تلقین اور اس کے خاتمہ بالخیر کی دعا کرنی چاہئے۔

اس وقت کی کوتاہیوں میں عورتیں زیادہ مبتلا ہیں۔ مثلاً اس وقت بجائے اس کے کہ کلمہ پڑھیں حق تعالیٰ سے میت کی سہولت نزع و ختم بالخیر کی دعا کریں رونا پیٹنا چلانا ہی یہ کلمات جزع و فزع کے کہتی ہیں کہ اگر مریض کو کچھ ہوش ہوا تو وہ پریشان ہوتا ہے اور اس پریشانی سے

تو پیان ہو۔ کبھی تو ناامیدی دیکھ کر اس سے دل شکستہ ہوتا ہے اگر اس وقت تمنا بیوی کی بھی ہو اور مریض کے دل شکنی اور تشائم خود بیمار کو ہے حدیث میں نص ہے کہ مریض کو امید دلایا کرو۔ اس سے وقت قریب تھا۔ لیکن اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے تو یہ حرکت اس حکم کے کس قدر خلاف ہے اور کبھی اس سے وہ خلق کی طرف مشغول ہوتا ہے حالانکہ یہ وقت خاص توجہ الی اللہ کا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اگر وہ خود بھی اس عالم کی طرف بلا ضرورت شرعیہ (مثل وصیت وغیرہ) متوجہ ہوتا تو اس کی توجہ کو حق تعالیٰ کی طرف منعطف و مصروف کیا جاتا۔ مگر خود ہی اس خلقت کی طرف اس کو متوجہ کرنے کا سبب بن جاتی ہیں۔ اور اگر ان کلمات میں کچھ اتفاقاً اس میت کے خلاف السلام کی برائی کا آ گیا تو اور ایسا تھا تو یہ قصہ میت کا دیسا کہ حدیث میں ہے یہ ہے کہ فرشتے اس کو ٹھونکتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ تو کیا ایسا ہی تھا۔

غرض اس نامعقول حرکت سے پریشانی اور پریشانی ہوتی ہے۔ اور مثلاً بعض عورتیں اس وقت اس کی بی بی کو سامنے لا کر کھڑا کرتی ہیں۔ یا کبھی بی بی صاحبہ خود ہی تشریف لا کر کھڑی ہوتی ہیں۔ اور پوچھا جاتا ہے کہ اس کو یا مجھ کو کس پر چھوڑے جاتے ہیں اور اس غریب کو جواب پر مجبور کرتے ہیں اسی طرح بعض اوقات اس کے بچوں کو سامنے لاتی ہیں کہ ان کا کون ہوگا یا یہ کہ ان کو پیار کر لو۔ ان کے سر پر ہاتھ رکھ دے۔ جس سے وہ غریب تو پریشان ہوتا ہی ہے اور توجہ علی الخلق کا فراق پہنچتا ہے لیکن بچے کس قدر دل شکستہ اور ناامید ہو جاتے ہیں یہ حماقت شعار اتنا نہیں سمجھتیں کہ اس وقت کا تو مقتضا یہ تھا کہ اگر خود بھی بچوں کو یاد کرتا تو اس کو کہا جاتا کہ تم حق تعالیٰ کی طرف خیال رکھو البتہ اگر میت ہی یاد کرے تو سرسری طور پر سامنے کر دیں تاکہ اس کا دل اس میں اٹکا نہ رہے لیکن اگر خود یاد نہ کرے تو ہرگز اس کو یاد نہ دلاوے اور یہ بھی مقتضا تھا کہ بچوں کو وہاں سے ہٹا دیا جاتا۔ تاکہ وہ پریشان نہ ہوں اور اگر وہ گھبرانے والے ہیں تو سمجھا کر ان کو دلاسا دیا جاتا کہ تم کیوں گھبراتے ہو اس سے زیادہ ہم تمہارے شفیق اور خدمت کرنے والے موجود ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ طیب قلب سے صلہ اور تسلیہ محزون عبادت عظمیٰ ہے۔ اسی طرح بیوی کی تسلی کرتے کہ بھائی لا علاج کا علاج ہمارے قبضہ سے باہر ہے۔ اور اس کا علاج تمہاری پریشانی سے بھی نہیں ہو سکتا۔ باقی تمہاری راحت رسانی اور دلجوئی کے لئے ہم حاضر ہیں۔ تم اس قدر پریشان نہ ہو۔

غرض اس میں ایک تو یہ پریشانی ہے دوسرے دنیا مخلوق کی طرف اس کو متوجہ کرنا جس کا

اور بد تر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض مریض بھی جو نا مزاج کے ہیں وہ بھی بہکا ناشائستہ حرکت کرتے ہیں۔ اسی واسطے سخت ضرورت اس امر کی ہے کہ قریب موت کے وقت میت کے پاس عاقل وغیرہ لوگ ہوں۔ اگر گھر کی عورتیں اتفاق سے ایسی ہوں تو ان کے رہنے کا مضائقہ نہیں ورنہ مردوں میں جو ایسے لوگ ہوں ان کو پاس رہنا چاہئے۔ اور وہ ان سب امور کی احتیاط اور انتظام رکھیں۔

بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ بدنامی کے خیال سے یا غلبت جہالت یا لوگوں کی وجہ سے نہ اس وقت یٰسین پڑھیں اور نہ پڑھنا تجویز کریں۔ یا اس طرف التفات نہ کریں۔ اور نہ کلمہ کا اہتمام کریں۔ نہ اس کو متوجہ کریں جب کہ اس کو ہوش ہو اور نہ خود اس میں مشغول ہوں۔ جب کہ اس کو ہوش نہ ہو بلکہ دنیا کے فضول تصرف میں خصوصاً ان جھگڑوں میں جن کی ضرورت بعد میں ہوتی مگر ابھی سے مشغول ہو جاتے ہیں۔ بعض جگہ تو کوئی اس کے پاس بھی نہیں رہتا اور وہ تنہا ہی ختم ہو جاتا ہے۔ سب ادھر ادھر مال و متاع پر قبضہ کرنے کی فکر میں بھاگے بھاگے پھرتے ہیں اور بعض جگہ اس لئے اس کے پاس نہیں بیٹھتے کہ اس کی بیماری لگ جانے کا خوف ہوتا ہے۔ اول تو بعض محققین کے نزدیک نفس تعدیہ ہی غلط ہے دوسرے بعض قول پر کہیں ہوا بھی تو بلا اذن خالق نہیں ہوتا اور بلا اذن دائم ہوتا ہے چنانچہ مشاہدہ شاہد ہے کہ اکثر جگہ کچھ بھی نہیں ہوتا پھر کتنی سنگدلی کی بات ہے کہ بچے کر تو خود محض سے بچ بھی گیا، اور اپنے ایک بھائی مسلمان و دینی اس مریض کو مرض حقیقی میں مبتلا کیا۔ کیونکہ اس طرح تنہا رہ جانے سے اس کی بعض ضروریات میں تو گزشت ہونے سے اس کو تکلیف بھی ہوگی اور اس کی دل شکنی بھی ہوگی۔ اور ان کے طرز عمل سے یہ معلوم کرتے کہ یہ مرض متعدی مہلک میں گرفتار ہونا یوں بھی ہو جاوے تو کتنی کلفت اس پر مرتب ہوتی اور ان مخاطب صاحب کی ایک ذرہ بھی احتیاط ہوتی تو ایسی احتیاط دل شکنی کے قابل ہے۔ اور اصل تو یہ ہے کہ جو طبیعت اور ہمدردی کے تعصب لگا کر اس مہلک احتیاط میں زیادہ حصہ لیتا ہے۔

یہ لوگوں کی شکایت تھی جو کہ مریض کے لئے مخواہ پاس رہ کر یا اس کو تنہا چھوڑ کر اس کے متوجہ الی اللہ کرنے کا اہتمام نہیں کرتے۔

بعض لوگ ان کے مقابلہ میں دوسری طرف غلو کرتے ہیں یعنی بہ ظلم خود اس کو متوجہ الی اللہ کرتے ہیں اس قدر متشددانہ برتاؤ کرتے ہیں کہ اس کے پیچھے ہی پڑ جاتے ہیں کہ وہ ذرا غافل ہوا اور ان پر تقاضا

شروع ہو اکلمہ پڑھنا استغفار پڑھے اور اگر اس کو ہوش نہ ہو تو برابر اس کے سرہانے میں جب تک کہ روح ان کا حکم نہ دے۔ اور اگر ہوش آگیا اور اس نے پڑھ بھی لیا تو اس پر کلمہ نہیں کرتے پھر پڑھواتے ہیں۔ چاہئے یہ ہی کہ ان کو نہ کسی طرح پڑھوا کر رہے۔ دم نہ لے۔ البتہ یہ وجہ اس جا پانہ ذرا مختلف ہے۔

اس بات میں علماء کا ارشاد ہے کہ اگر وہ ہوش میں ہو تو اس کو بھی چاہئے کہ کلمہ و استغفار کی طرف متوجہ کریں۔ اور جب وہ ایک بار پڑھ لے تو پھر کہنے پھر چپ رہیں۔ پھر جب تک وہ کوئی دنیا کا کلام نہ کرے دوبارہ پڑھنے کو نہ کہیں وہ مرض میں اور نزع میں پریشان ہوتا ہے مگر اس کے قلب میں تنگی پیدا ہو کر کلمہ و استغفار سے وحشت پیدا ہو کر بات ناگواری ہوئی یا خدانخواستہ منہ سے انکار نکل گیا تو کس درجہ مضر ہے تو اس وقت کا ایسا فعل بھی تو مدت شرع سے قابل اعتراض نہیں کیونکہ وہ وقت ہوش وحواس قائم کا نہیں ہے لیکن جب وہ دیکھنے والوں کی نظر میں اس میت کی کتنی رسوائی ہے جس کا سبب یہ پڑھوانے والا ہوتا ہے۔ اور اگر وہ بالکل بے ہوش ہے تو اس کو کچھ پڑھنے پڑھانے کو نہ کہیں۔ اس کے قریب پکار پکار کر سورہ یٰسین شریف اور کلمہ وغیرہ پڑھتے رہیں تا کہ قدرے اثر ہو۔ جب مر جائے تو قلب سے توجہ بر موقع ہے اور اس کی توجہ میں خاتمہ ہو۔

بعض آدمی اس سے بڑھ کر یہ کرتے ہیں کہ آخر وقت تک اس سے باتیں کرانا چاہتے ہیں۔ اور پڑھ کر اس سے کہتے ہیں کہ ان نادان مختلف نے تو اس سے فقط یہی پڑھوانا چاہا تھا جو کہ دین کا کام ہے انہوں نے دنیا کی باتیں کرانا چاہیں یعنی جہاں وہ ذرا بے ہوش ہوا اس کو پکارتے ہیں کہ میاں فلانے ذرا آنکھ کھول کر تو دیکھو میں کون ہوں تو کہیے جو کچھ ہو گئے کیسی بات کو دل چاہتا ہے اور اسی طرح خرافات خرابیاں سب اس کو دق کرتے ہیں ان عقل کے دشمنوں سے کوئی پوچھے کیا ان باتوں کا وقت ہے اگر اس کا مرض مرض موت نہیں ہے اور اچھا ہو جاوے گا تو اچھا ہونے کے بعد جتنی چاہے باتیں کر لیجیو۔ اس وقت اس کو کیوں تکلیف دیتے ہو مرض میں ایسا تعب ہوتا ہے کہ بات کرنا تو بڑی بات ہے بات سننا بھی کسی طرح ریختا جیا گراں گزرتا ہے اور یہ بزرگ اس سے مجلس آرائی کی توقع رکھتے ہیں اور اگر اس کا مرض مرض موت ہے تو ایسی باتیں کرنا اور بھی برا ہے۔

کیونکہ قطع نظر تکلیف سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ اب اس کو دنیا میں بہت تھوڑا وقت ملے گا سو اس کو تو اچھے مصرف میں صرف کرنا چاہیئے۔

البتہ اگر کوئی ایسی بات ہو جو سننا ضروری ہے مثلاً کسی امانت کو پوچھا جاوے کہ تم نے کہاں رکھدی ہے یا قرضہ اور لین دین کے بارہ میں پوچھا جاوے جس کا حال بدون اس کے دوسرے ذریعہ سے معلوم نہیں ہو سکتا یا کافی نہیں ہو سکتا یا اور اسی قسم کا کوئی حق واجب ہو اس کے متعلق پوچھ پاچھ کرنے کا مضائقہ نہیں بلکہ ضروری ہے بشرطیکہ اس کو زیادہ وحشت اور تکلیف نہ ہو جو تحمل سے زائد ہو سو ایسی بات درحقیقت دنیا کی بات نہیں اور نے واجب ہے جو طاعت کی فرد عظیم ہے اور چونکہ صورتاً دنیا ہی کی بات ہے اس لئے بہتر ہے کہ ایسی بات کا جواب لینے کے بعد پھر تہلیل و استغفار وغیرہ پڑھوا دیں۔ بشرائط مذکورہ سابقہ بعض لوگ قریب مرگ کو رو بقبلہ کرنے کا مسئلہ سن کر یہ کرتے ہیں تو اس کا تمام بدن اور منہ پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں اور اگر وہ نزع وغیرہ میں بدن یا گردن کو حرکت دے جو حرکت اضطراریہ ہوتی ہے تو پھر دوبارہ زور کر کے رخ بدل دیتے ہیں۔

سو خوب سمجھ لینا چاہیئے اس مسئلے کا یہ مطلب نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب اس پریشانی نہ ہو بارہ بالکل بے حس و حرکت ہو جاوے اس وقت رو بقبلہ کر دیں نہ یہ کہ اس سے کشاکشی کر کے اس کو تکلیف پہنچا دیں (ردمختار)

نامحرم مرد کو مرنے کے بعد بھی دیکھنا جائز نہیں

ایک بے احتیاطی ہوتی ہے کہ اس وقت اکثر نامحرم عورتیں بھی اس کے سامنے آ کھڑی ہوتی ہیں گویا پردہ ضروری نہیں رہتا سو اگر اس کو تا ہوش ہے کہ وہ دیکھتا سمجھتا ہے تب تو اس کے سامنے آنا ایسا ہے جیسا تندرست کے سامنے آنا۔ مرض سے احکام معاف نہیں ہو گئے اور اگر اس کو اتنا ہوش نہیں ہے تو بہت سے بہت اس نے نہ دیکھا مگر ان عورتوں نے اس نامحرم مرد کو بلا ضرورت دیکھا جس کی ممانعت حدیث، افعمیاوان انتما ترجمہ: کیا تم دونوں بھی اندھی ہو گئی ہو کیا تم دونوں اسے نہیں دیکھ رہی۔

مصرح ہے اور اگر کہا جاوے کہ اس وقت تو کسی مفسدہ کا احتمال نہیں ہے سو جواب یہ

ہے کہ اول تو حکم نہ رہے مفسدہ کی کیا نہیں۔ یہ وہ ہے کہ ہم نے مفسدہ بھی دیکھا بعض عورتیں اس وقت رنج کر باشتی ہو گئی ہیں اور عمر بھر خیالات محض میں مبتلا رہی ہیں اگر ان کے تعلق کی گنجائش نہیں رہی۔ تو حیوانات تو نہیں ۔۔۔ انھیں بھی زنا کرتی ہیں ۔۔۔ الحسب عزتی تو صادق آگیا۔

اگر عورت مرتے وقت شوہر کو مہر معاف کر دے تو اس کا اعتبار نہیں ہوتا

ایک کوتاہی جو نہایت عام ہے کہ جب کوئی عورت مرنے لگتی ہے تب کہتے ہیں کہ شوہر کو معاف کر دے اور وہ معاف کر دیتی ہے اور شوہر اس معافی کو کافی سمجھ کر اپنے کو دین مہر سے سبکدوش سمجھتا ہے اور اگر کوئی وارث مانگے بھی تو نہیں دیتا اور نہ اس کا دینا ضروری سمجھتا ہے۔

سو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اس وقت کی معافی وصیت ہے اور وصیت وارث کے حق میں نافذ نہیں ہوتی جب تک کہ سب ورثہ بالغ بشرط بلوغ اس کو منظور نہ کریں۔

اور اگر بعض منظور کریں بعض نہ کریں تو منظور کرنے والوں کے حصہ کے قدر نافذ ہوگی۔ باقی باطل ہوگی اور نابالغ تو اگر منظور بھی کریں تو صحیح نہیں۔ پس اس صورت میں جو وارث نابالغ ہیں ان کے حصہ کا مہر اور اسی طرح جو بالغ وارث منظور نہ کریں ان کے حصے کا مہر بدستور واجب الادا ہوگا۔ اور معافی ان کے حق میں محض باطل ہے۔ مثلاً اس عورت کے وارث علاوہ شوہر کے تین بھائی ہیں ایک نابالغ اور دو بالغ جن میں سے ایک نے اس معافی کو منظور کیا اور دوسرے نے نامنظور کیا اور مہر چھ سو روپے تھا تو اس صورت میں یہ حکم ہوگا کہ تین سو تو حصہ شوہری میں آکر معاف ہو گئے۔ اور سو روپے بالغ منظور کرنے والے کے حصے میں آکر معاف ہو گئے۔ آگے دو سو روپے رہے سو نامنظور کرنے والے کا حق اس شوہر کے ذمہ ہے اور سو میں نابالغ کا حق اس کے ذمہ ہے یہ دو سو روپے ادا کرنا ہوں گے۔ یہ مختصر تذکرہ ہوا حالت موت کے بدعات کی بعض کوتاہیوں کا۔ اب حالت بعد الموت کے متعلق لکھا جاتا ہے۔

حالت بعد الموت

اس میں اس قدر موقوف بدعات شائع ہیں جن کا احصار مشکل ہے ان میں سے اکثر کو میں نے اصلاح الرسوم فصل چہارم میں مفصل مدلل لکھا ہے یہاں صرف ان کی فہرست لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۱) دفن میں اعزہ وغیرہ کے انتظار میں دیر کرنا۔

(۲) قبر پر اناج لے جانا۔

(۳) جانماز اور اوپر کی چادر ترکہ میں سے خریدنا۔

(۴) میت کے کپڑے بلا تقسیم ورثا کے مساکین کو دے دینا۔

(۵) تیجہ دسواں وغیرہ کرنا۔

(۶) برادری کو یا مساکین کو تفاخراً کھانا دینا۔

(۷) کئی بار عورتوں کا جمع ہونا جس میں ایک اجتماع بالقصد عدت کے ختم پر ہوتا ہے۔

(۸) بلا ضرورت دور دور سے مردوں تک مہمانوں کا آنا اور میت والوں پر بار ڈالنا۔

(۹) خاص تو میت کے سبب تعزیت کے لئے اول روز کسی عزیز کے یہاں سے کھانا آنا۔

(۱۰) حفاظ وغیرہ کو کچھ دے کر قرآن پڑھوانا۔

(۱۱) برس تک سوگ کرنا یہ تو عام اموات کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے اور بعض معاملہ خاص بزرگوں کے ساتھ ہوتے ہیں جن کو رسالہ مذکورہ کے باب مذکور کی فصل دوم و سوم میں ذکر کیا گیا ہے۔ جیسے

(۱۲) عرس و فاتحہ مروجہ کے منکرات اور

(۱۳) شب برات کا حلوہ اور عاشورہ کا کھچڑا اور شربت کہ ان کی بحث بھی بہت ضروری ہے اگر شوق ہو اس میں ملاحظہ فرمالیا جاوے۔ اب بعض وہ معاملات اس تیسری حالت کے متعلق مختصراً لکھتا ہوں جو اس میں نہیں لکھے گئے۔

میت اگر وصیت نہ کرے تو اس کی نماز روزہ کا فدیہ ترکہ مشترکہ سے نہ دیں

چنانچہ ان میں سے ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے تدین کے جوش میں اگر ترکہ مشترکہ میں بلا وصیت میت نماز روزہ کا فدیہ دلاتے ہیں سو اس میں حکم یہ ہے کہ اگر وہ وصیت کرے تو ثلث میں سے دینا حق ورثاء پر مقدم ہے اور اگر وہ وصیت نہ کرے جس کو دینا ہو خاص اپنے حصے ترکہ یا اپنے بچے مال سے دے۔

حیلۂ اسقاطِ مروجہ کی تردید

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگوں نے بچنے کے فدیہ کے ایک حیلہ اختراع کیا ہے کہ ایک قرآن مجید لیتے ہیں اور تمام عمر کی نماز و روزہ بلکہ کبھی کبھی کے سب ہی کا حساب لگا کر اس قرآن کی اتنی بڑی قیمت تجویز کر کے کسی مسکین کو دے دیتے ہیں اور اس کا نام اسقاط رکھا ہے چونکہ وہ رسم کسی قاعدہ فقہیہ پر منطبق نہیں اس لئے محض باطل ہے۔

مردہ دفن کر کے اذان دینے کا ثبوت نہیں

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ مردہ دفن کر کے قبر پر اذان کہتے ہیں۔ چونکہ شریعت میں کہیں وارد نہیں، اس لئے واجب الترک ہے۔

اگر کہیں کوئی نماز جنازہ جاننے والا نہ ہو تو کیا کرے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض دیہات میں جہاں کوئی نماز پڑھنے والا میسر نہیں ہوتا تو بدون نماز جنازہ کے دفن کر دیتے ہیں۔ میں نے ایک خطبہ میں جس جگہ بہت دیہاتی جمع تھے اس کی تدبیر بتلا دی تھی کہ اگر ایک آدمی بھی وضو کر کے جنازہ سامنے رکھ کر کھڑا ہو کر صرف چار بار اللہ اکبر کہہ دے تو نماز فرض جنازہ کی ادا ہو جائے گی۔ کیونکہ رکن اس نماز کا یہی چار تکبیریں ہیں۔ باقی دعائیں وغیرہ سنت ہیں۔ سو جہاں ایسا موقع ہو اتنا ہی کر لیں۔ ترکِ فرض کی معصیت سے تو محفوظ رہیں گے۔

قبر میں رکھ کر میت کے بدن کو رو بقبلہ اچھی طرح کروٹ دے دینا چاہئے

ایک کوتاہی یہ کرتے ہیں کہ مردہ کو قبر میں رکھ کر صرف منہ تو قبلہ کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں۔ باقی سارے بدن کو کروٹ نہیں دیتے۔ حالانکہ کتب فقہ میں مصرح ہے کہ تمام بدن کو اچھی طرح کروٹ دے دینا چاہئے۔

میت کا منہ کھول کر قبر کو دکھانے کی کوئی اصل نہیں

ایک کوتاہی یہ کرتے ہیں کہ قبر میں رکھنے کے بعد اس کا منہ کھول کر قبر کو دکھانا ضروری سمجھتے ہیں۔ سو شریعت میں اس کی کچھ اصل نہیں۔

قبر میں عہد نامہ یا شجرہ وغیرہ نہ رکھنا چاہیئے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ قبر میں عہد نامہ یا شجرہ وغیرہ رکھتے ہیں اور میت کے گلنے سڑنے سے اس کی بے ادبی ہوتی ہے سو اس کو بھی ترک کرنا چاہیئے۔ البتہ جس چیز کا ادب شریعت میں من وجہ نہیں اس کا قبر میں رکھدینا درست ہے جیسے کسی بزرگ کا کپڑا وغیرہ۔

قبر پختہ کرنا ممنوع ہے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے قبر پختہ بناتے ہیں جس کی نصاً حدیث میں ممانعت آئی ہے۔

لڑکیوں کو میراث نہ دینا ظلم ہے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ لڑکیوں کو میراث نہیں دیتے جو بنص قرآن حرام اور ظلم ہے۔

بیوہ کو تمام منقولات کا مالک سمجھنا بھی ظلم ہے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے بیوہ عورتیں اپنے کو تمام منقولات کا مالک سمجھتی ہیں۔ یہ بھی ظلم ہے جو چیز شوہر نے اس کو ہبہ کر دی ہو وہ بیشک اس کی ہے۔ ورنہ اور سب ترکہ مشترکہ ہے حسب فرائض سب کو دینا چاہیئے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ جو چیز جس وارث کے قبضہ میں آجاتی ہے وہ اس کو چھپا لیتا ہے مگر یاد رکھو کہ قیامت کو سب کھلنا پڑے گا۔

اگر دلہن میکے میں یا سسرال میں مرجاوے تو اس کا مال سب ورثہ کو ملے گا

ایک کوتاہی یہ بھی ہے کہ مشہور ہے کہ اگر دلہن اپنے میکے میں مرجاوے تو اس کے تمام سامان پر وہ لوگ قبضہ کرلیتے ہیں اور اگر سسرال میں مرجاوے تو وہ قابض ہوجاتے ہیں ہم نے کہیں تقسیم شرعی ہوتے سنا ہی نہیں اس میں بھی اوپر کی وعید کو یاد رکھنا چاہیئے۔

میت پر کسی قسم کا قرض اگر دلیل سے ثابت ہو تو انکار نہ کرنا چاہیئے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض قرضہ کمک کے دست گردان قرض جو میت کے ذمہ ہو اور دلیل شرعی سے ثابت ہو اس کو کوئی شاذ و نادر ہی ادا کرتا ہے۔ صاف انکار کردیتے ہیں جیسا کہ میت کا ہوا ایسا ہی قرضہ اوروں کے ذمہ ہے وہ لوگ اس کو بھی کھا جاتے ہیں۔ دونوں امر صریح ظلم ہیں۔ خصوصاً میت پر اگر قرضہ ہو تو ورثہ کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ بروئے حدیث اس کی روح جنت میں جانے سے معلق رہے گی جب تک قرض ادا نہ ہو تو کیا اپنے عزیز کے لئے اتنا بڑا حرمان گوارا ہوگا۔

اگر میت کا کوئی وارث بطن مادر میں ہو تو اس کے تولد تک میراث تقسیم نہیں ہوگی

ایک کوتاہی یہ ہے کہ کبھی میت کے وارثوں میں وہ بچہ بھی ہوتا ہے جو ابھی بطن مادر میں ہے ہم کو یاد نہیں کہ کبھی مستفتی نے سوال میں کبھی اس کو ظاہر کیا ہو۔ اور ہم جواب دینے والے لوگوں کی بھی کوتاہی ہے اس کا احتمال ہی نہیں ہوتا اور نہ سائل سے اس کی تحقیق ہی نہیں کرتے۔ مذہب کا ضروری مسئلہ ہے۔ بہت زیادہ قابل اعتنا رکھتا ہے۔ بدون اس کے تولد کے تقسیم ترکہ کی صورت معلق رہے گی۔ بعد تولد کے صحیح سوال قائم ہوگا۔

کفن میں میت کے لنگی باندھ دینا بدعت ہے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض جگہ کفن میں میت کی لنگی باندھی جاتی ہے۔ جو بالکل بدعت ہے بعض اردو خوانوں کو ازار یا اس کا ترجمہ لنگی دیکھ کر دھوکہ ہوا ہے سو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہاں پاجامہ مراد ہے۔

چونکہ نئی کے بعد کا رواج جاری اس شروع ہوا ہے اس لئے ہم اس کا نام یہی ہوگیا۔

شوہر اپنی مردہ بیوی کا منہ دیکھ سکتا ہے اور اس کے جنازہ کا پایہ بھی پکڑ سکتا ہے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ شوہر کو اس کی مردہ بیوی کا منہ نہیں دیکھنے دیتے نہ اس کے جنازہ کا پایہ پکڑنے دیتے ہیں یہ محض لغو ہے۔ میت کو ہاتھ لگانا تو بلا ضرورت جائز نہیں لیکن منہ دیکھنا درست ہے اور پایہ پکڑنا مستحب ہے۔ بلکہ اگر کوئی محرم قبر میں اتارنے والا نہ ہو تو اور اجنبیوں سے شوہر احق ہے اور عورت کے لئے تو مردہ شوہر کو دیکھنا اور ہاتھ لگانا بھی درست ہے۔

کثرت آدمی کیلئے جنازہ کو دیر کرنا جائز نہیں

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض جگہ نماز جمعہ کے انتظار میں جنازہ کو رکھے رکھتے ہیں کہ زیادہ نمازی نماز پڑھیں گے۔ سو یہ بالکل جائز نہیں۔ جس قدر جلد ممکن ہو نماز اور دفن سے فراغت کرنا واجب ہے۔

اگر میت نے کسی خاص شخص سے نماز پڑھوانے یا کسی خاص جگہ دفن کرنے کی وصیت کی تو شرعاً ایسی وصیتیں لازم نہیں ہیں

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض اموات کسی خاص شخص سے نماز پڑھوانے یا کسی خاص مقام پر دفن ہونے کی وصیت کر جاتے ہیں تو احیاء اس کا اس قدر اہتمام کرتے ہیں کہ بعض اوقات بعضے واجبات شرعیہ بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔ سو جان لینا چاہئے کہ ایسی وصیتیں پورا کرنا لازم نہیں ہے بلکہ اگر کوئی امر خلاف شرع لازم آوے تو اس پر عمل جائز بھی نہیں۔

الحمد للہ قسم سوم سے بھی فراغت ہوئی اس وقت ذہن میں یہی امور ظاہر ہوئے جو انشاء اللہ تعالیٰ تقریباً کافی ہیں باقی اگر کوئی اور بات قابل تحقیق خیال میں آوے تو علماء سے رجوع کر لیا جاوے۔ جیسا حالت قبل موت کے بیان کے ختم پر بھی عرض کیا ہے۔

سفر کے معاملے میں کوتاہیاں

(اصلاح معاملہ سفر)

منجملہ ان امور کے جن میں انقلاب واجب الاصلاح واقع ہوا ہے۔ سفر بھی ہے جو ایک معمولی روزانہ کی حالت ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے انقلاب کی طرف ذہن بھی نہیں جاتا مگر جاننے والے علمی اور عملی سے جانتا ہے کہ اتنا بڑا خفیف امر بھی اس انقلاب سے محفوظ نہیں رہا۔ چنانچہ مختصراً اس کو بھی لکھا جاتا ہے۔

بلا ضرورت سفر نہیں کرنا چاہئے

منجملہ ان کوتاہیوں کے جو سفر کے متعلق ہیں۔ ایک یہ ہے کہ بکثرت سفر بلا ضرورت کیا جاتا ہے جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں ناپسند فرمایا ہے کہ جب سفر میں تمہاری حاجت پوری ہو جاوے تو جلدی گھر واپس لوٹ آؤ۔ اس واسطے کہ سفر سے کھانے پینے سونے میں خلل پڑتا ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب بلا ضرورت ابقاء سفر پسند نہیں تو اس کا احداث تو بدرجہ اولیٰ ناپسند ہوگا کیونکہ احداث سے ابقاء آسان اور سہل ہے اور وہ بھی جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ سفر میں تمام سامان ضروری آسائش کا مختل ہو جاتا ہے۔

اور جس طرح طبعی آسائش میں خلل پڑتا ہے اسی طرح شرعی زندگی میں بعض دینی معمولات میں بھی اختلال واقع ہوتا ہے جو مبتدی کے لئے خصوصیت کے ساتھ اور منتہی کے لئے بھی ایک درجہ میں مضر ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ ایک حدیث میں نص ہے کہ اگر مرض یا سفر کے سبب معمولات میں خلل پڑتا ہے تو حق تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ میرے بندے کے لئے اتنا ہی ثواب لکھنا جتنا حالت صحت و حضر میں لکھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اختلال معمولات اوراد کا مضر نہیں۔

جواب یہ ہے کہ یہ اس سفر کیلئے ہے جو بضرورت ہو۔ اس لئے کہ اوپر غیر ضروری سفر کا ناپسندیدہ ہونا ثابت ہو چکا ہے تو اس کو وجہ کے باب میں عذر کیسے کیا جاوے گا۔ اور اجر کی قید اس لئے لگائی کہ ایسے سفر میں قصر صلوٰۃ کی مشروعیت پر شبہ نہ ہو۔ حتی کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو سفر معصیت میں بھی قصر مشروع ہے تو اس قید سے یہ شبہ جاتا رہا۔ حاصل یہ ہے کہ قصر تو احکام دنیویہ سے ہے۔ اس کے سفر کا مرضی یا نامرضی ہونا مانع نہیں بخلاف اجر کے کہ احکام اخرویہ میں سے ہے۔ اس کا مدار رضا پر ہے جیسے ایک شخص کسی دنیوی غرض سے قتال کر کے شہید ہو جاوے تو اس کے متعلق جو احکام دنیویہ ہیں مثلاً غسل نہ دینا وغیرہ وہ تو اس صورت میں بھی مرتب ہو جاویں گے باقی جو احکام اخرویہ ہیں مثلاً اجر و ثواب و درجات وہ مرتب نہ ہوں گے جب تک وہ قتال عند اللہ مرضی و پسندیدہ نہ ہو کہ نیت خالص اعلاء کلمۃ اللہ کی ہو۔

ایک اور شبہ کا ازالہ

اور یہ بھی شبہ نہ کیا جاوے کہ کھانے سونے میں خلل پڑنا تو مجاہدہ ہے۔ اور مجاہدہ بھی اصل طریق ہے تو اس کا سبب کہ سفر ہے کسی حال میں ناپسندیدہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ اول تو ہر اختلال فی الطعام والمنام مجاہدہ نہیں۔ مجاہدہ وہی ہے جو بغرض اصلاح نفس کیا جاوے تو اگر ایسا ہے تو اس میں کلام نہیں چنانچہ عنقریب اسی کے جواز کی تحقیق آتی ہے کلام تو اس سفر میں ہے جو محض بلا مصلحت معتد بہا کیا جاوے مثلاً مدت تعطیل پوری کرنے کو، یا محض شہروں کی سیر کرنے کو، یا تماشے دیکھنے کو، وغیرہ ذلک یا اس سے بڑھ کر کسی معصیت کی تحصیل و تکمیل کو اس میں

کہ ان میں اصلاح نفس ہے نہیں اس میں جو اختلال ہوگا وہ محتاج کس طرح ہوگا۔

ایک تیسرے شبہ کا ازالہ

اور یہ بھی شبہ نہ کیا جاوے کہ بہت سے بزرگوں سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنی تمام عمر ہی سیر سیاحت میں گزار دی۔ ایک جگہ قرار بھی نہیں لیا۔ اور ظاہر ہے کہ تمام عمر کسی کو حاجت نہیں رہتی تو ان لوگوں نے کیا حدیث کے خلاف کیا۔

جواب یہ ہے کہ حاجت منحصر دنیوی اور نفسانی ہی حاجت میں نہیں ہے۔ اس سے زیادہ اپنی اصلاح اور حفظ دین کی حاجت ہے۔ سو بعضے بزرگوں کو اپنے تجربے سے یا کسی شیخ کامل کی تشخیص سے قیام میں مضرتیں محسوس ہوئیں مثلاً خلق سے زیادہ تعلق ہو جانا، لوگوں کا معتقد ہو جانا، جس کا اس سے عجب وغیرہ کا اندیشہ ہو یا بد اندیشوں سے اندیشہ ضرر لاحق ہونا وغیر ذالک۔ اور سفر میں ان آفات سے نجات دیکھی اور فوائد سفر سے محفوظ رہنے کی امید دیکھی۔ اس لئے سفر اختیار کیا سو وہ سفر بلا ضرورت نہ ہوا۔ جیسا کہ سیر میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اکثر سفر میں رہتے تھے سو اختلاف مذاق سے مصلحتیں بدل جاتی ہیں مگر اس کی تشخیص کرنا کہ ہمارے لئے سفر نافع ہے یا مضر ہے بجز اہل البصیرت کے ہر شخص کو اپنی رائے پر موقوف نہ کر لینا چاہیے کسی شیخ کامل سے مشورہ کر کے کرے کہ اس کی اور اس کے متعلقین اہل حقوق کے مصالح پر بھی نظر کرے اور جس طرح دینی مصلحت سے سفر ہے اسی طرح دنیاوی مصلحت بھی جو حسب قواعد شرعیہ کی مصلحت ہو مجوز سفر ہے۔ جیسا کہ کسی معاش حلال کے لئے سفر کرنا یا تعدیل مزاج کے لئے سفر کرنا جبکہ طبیب نے تجویز کیا ہو یا کسی دوست یا قریب سے ملنا محبت و سرور کے لئے سفر کرنا، یا کسی نافع تحقیق کے لئے سفر کرنا بشرطیکہ اس میں غلو نہ ہو جیسا کہ بعض شائقان تحقیقات جدیدہ کو غلو ہو گیا ہے کہ ان کی مساعی تمام اس مثل کا مصداق ہو جاتی ہیں۔ کوہ کندن و کاہ برآوردن جن کی مذمت اس آیت میں آئی ہے وکم اهلكنا قبلهم من قرن هم اشد منهم بطشا فنقبوا في البلاد الآیۃ

اور جب بلا ضرورت سفر مذموم ہے تو معصیت کے لئے سفر کرنا تو بہت ہی قبیح ہوگا۔ پھر بعض امور تو صورۃً بھی معصیت ہیں۔ جیسے کسی نامحرم عورت سے نفسانی خواہش پورا کرنے کو سفر کرنا، یا ناچ رنگ دیکھنے کے لئے سفر کرنا، یا نامشروع رسم شادی میں شریک ہونے کے لئے سفر کرنا، وغیر ذالک۔

اور بعض امور عوام کے نزدیک طاعات و قربت ہے مگر اہل علم کے نزدیک معصیت ہے۔ جیسے آج کل کے اعراس میں جانا مزارات پر نذر و نیاز کے لئے حاضر ہونا یا عوام کے نزدیک مباح ہے اور اہل علم کے نزدیک قبیح ہے۔ جیسے ان شادیوں میں باراتوں میں شریک ہونا جن میں ناچ رنگ وغیرہ ہو۔ لیکن آج کل اخیر و امور کے سارے کام ہوں تو آج یہ لطف تسلی کرلیتے ہیں کہ اس میں کوئی نہیں، ناچ نہیں محض دکھانا کیا بات ہے۔ لیکن اہل علم کے نزدیک جس طرح یہ امور معصیت ہیں اسی طرح نمود و فخر و ریا کا سامان سب معصیت ہے، ان دونوں میں فرق کرنا اہل علم کی نظر میں کمال تعجب ہے۔ ولنعم ما قیل ؎

با حلال مشتبہ نزد عوام باد حرام
زہے شریعت و ملت زہے طریقت و کیش

اور بعض امور ایسے دقیق ہیں کہ بعض اہل علم بھی ان کو مباح یا قربت سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض راسخین فی العلم بھی اس کی تحقیق نہیں کر سکتے ہیں مثلاً شیخ کامل کی زیارت کے لئے سفر کرنا جبکہ والدین مانع ہوں۔ تو بعض اہل علم بھی اس خیال میں مبتلا ہیں کہ پیر کا حق والدین سے زیادہ ہے کیونکہ وہ مربی روح ہے اور والدین مربی جسم ہیں۔

سو حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ مقدمہ علی الاطلاق کلیہ ہو تو دوسرا مقدمہ ضرور محتاج اثبات ہے۔ یعنی جو مربی روح کا حق ہو مربی جسم سے زیادہ ہے۔ بات یہ ہے کہ تربیت روح کے مراتب مختلف ہیں ایک مرتبہ تو تربیت فی الفرائض والواجبات کا ہے اس میں تو بے شک شیخ کا حکم مقدم ہے مگر والدین پر اور وہ بھی نہ اس وجہ سے کہ وہ شیخ ہے

بلکہ اس وجہ سے کہ وہ واجبات شرعیہ کی طرف رہبری کر رہا ہے اور اگر والدین اس سے روکتے ہیں تو معصیت کی طرف بلا رہے ہیں اور لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق یعنی ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ تو فی الحقیقت یہی ترجیح ہے لیکن واقع میں یہاں خالق کی اطاعت مقدم ہوئی مخلوق کی اطاعت پر نہ کہ شیخ کی اطاعت مقدم ہوئی اطاعت والدین پر۔

اور ایک مرتبہ تربیت فی التطوعات کا ہے سو اس میں والدین کا حکم مقدم ہے تطوعات پر اسی وجہ سے کہ یہاں والدین کی اطاعت مقدم ہو گئی ہے خالق کی اطاعت پر بلکہ اس وجہ سے کہ یہاں خالق کا امر ہی نہیں۔ ان تطوعات کے لئے بلکہ خالق نے مخلوق کی احتیاج کی رعایت

فرمایا۔ یہ حکم فرمادیا کہ کسی کی مصلحت کی رعایت کرو سو فی الواقع یہاں بھی خالق ہی کی اطاعت ہوئی۔
دوسری مثال جس کی غور تک راسخین فی العلم ہی پہنچتے ہیں۔ سفر کرنا طلب علم دین کے لئے جبکہ والدین مانع ہوں کہ یہاں بھی بظاہر تحصیل علم دین مقدم ہے۔ مگر غور طلب بات یہ ہے کہ آیا ہر درجہ تحصیل علم کا واجب و فرض ہے کہ وہ اطاعت والدین پر مقدم ہو۔ سو اس میں محققین کی رائے میں تفصیل ہے کہ ایک درجہ واجب کا ہے وہ مقدم ہے حقوق والدین پر مگر وہ اردو میں بھی حاصل ہو سکتا ہے اور وہ عربی کے بعض نصاب سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے تبحر فی العلوم النقلیۃ کی کوئی بھی ضرورت ہے۔ کہ خواہ والدین کو کیسی ہی جسمانی یا روحانی کلفت ہو مگر یہ جو دن زاید ملنے کے ایک ایک حرف کے دھوکے ہوئے اور بہت نذر کریں گے۔ اور ایسے مفتیین حقوق ترہاہی ہوتے آگئے ہیں۔ میرے نزدیک تو جو لوگ ان کے طبعی رسیت کا انتظام کرتے ہیں وہ بھی علامت سے ذہین ہیں کہ اعانت کرتے ہیں اس غیر مشروع پر۔

اور ایک مضمون اس باب میں اس سے زیادہ نازک ہے وہ یہ کہ بعض ظاہرین یہاں تک تو پہنچ جاتے ہیں کہ صورت مذکورہ میں شیخ کی یا استاد کی خدمت و صحبت میں رہنا نہ چاہئے بلکہ والدین کی خدمت و اطاعت کرے مگر ان کی نظر میں اس قدر غلو ہو جاتا ہے کہ اس سے آگے کی نظر کو نہیں دیکھتے صرف یہ دیکھتے ہیں کہ یہ طالب جس کام میں مشغول ہے وہ مندوب ہے اور اطاعت والدین کی واجب ہے اور واجب مقدم ہے مندوب پر پس اس شخص کو مجبور کرتے ہیں کہ اپنے شغل کو چھوڑ کر والدین کے پاس جاوے۔ سو انہوں نے اتنا تو صحیح سمجھا کہ واجب مقدم ہے مندوب پر مگر غلطی یہ ہوئی کہ اس کو مندوب سمجھ لیا اور غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ اس کے جزو حال کو دیکھا جزو مآل کی تحقیق نہ کیا بعض امر ایسا ہوتا ہے کہ باعتبار حال کے وہ غیر ضروری نظر آتا ہے لیکن باعتبار مآل کے مقدمہ ہوتا ہے کسی امر واجب کا اور ظاہر ہے کہ مقدمہ واجب کا واجب ہے۔

پس اس بنا پر وہ واقع میں واجب ہی ہوتا ہے اور واجب کا تقدم حق والدین پر ہوتا ہے اس لئے ان ظاہر بینوں کا حکم اس میں غلط ہو جاوے گا۔ اور یہ امر اس قدر دقیق ہے کہ بعض دفعہ اہل ظاہر اس کو قبول کرنے میں بھی تامل کرتے ہیں۔ محققین نے یہاں تک کہا ہے کہ اگر خلوت و ریاضت سے صحبت طول ہو جاوے اور قرائن سے معلوم ہو کہ اگر اس حالت کو استمرار ہو تو البتہ

بے کار ہو جاوے گی تو اس شخص پر واجب ہے کہ تھوڑی دیر تفریح مباح میں مشغول ہو، باہر نکلے، دوستوں سے ہنسے بولے۔ جب طبیعت میں تازگی و نشاط پیدا ہو جاوے۔ تب پھر خلوت میں جا بیٹھ جب با رہے۔

ان محققین پر بڑی ملامت کی گئی ہے کہ اوراد کو جو عبادات میں شامل ہیں، مزاج کو خوش کرنے کا کام بھی نہیں واجب کہتے ہیں مگر جو شخص علوم شرعیہ میں انسان کے معاملات کا ذریعہ رکھتا ہے اس کو اس حکم میں کچھ بھی تعجب نہ ہوگا۔ حدیث تو اس سے زیادہ کی تصریح کر رہی ہے وہ حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب و پاخانہ کے دباؤ کے وقت نماز پڑھنے کو منع فرمایا ہے۔ سو دیکھئے کہ پیشاب و پاخانہ مزاج سے بھی ادون ہے۔ اور فرض نماز اوراد سے بھی اعلیٰ ہے۔ جب کسی شخص پر خاص حالت میں نماز کو تو علماء اور عقلا کرنے سے منع فرمایا تو ان بعض محققین پر ملامت کی کیا گنجائش ہے تو اس ضرورت کے وجوب کا سبب یہی ہے۔ تشغل و بطالت و کسل کا علاج واجب ہے تا کہ اس کا اثر فرض نفس و واجبات تک نہ پہنچ جاوے۔ اور اس واجب کا طریق مدار اس شخص کے لئے یہی مزاح ہو گیا تھا کہ اس سے یہ مزاح بھی واجب ہو جاوے گا۔

اسی طرح بعض حالات میں مبصر کو کسی خاص شخص کی استعداد دیکھ کر ادراک ہوتا ہے کہ اگر اس کو تحریر فی العلوم و احاطہ نقلیات و عقلیات کا نہ ہوا یا یہ شخص کسی شیخ کامل کے پاس جذب نہ رہا تو آئندہ کسی وقت اس کے کسی ضروری جزو دین میں خلل واقع ہونا غالب ہے اور اس کی حفاظت چونکہ واجب ہے۔ اور اس کا طریق یہی تجربہ تفریع للعبد و الی مقدمہ الواجب واجب ہے اس لئے مبصر اس شخص کے لئے اس شعبہ کی ماہری کو واجب کہے گا۔ اور اس ظاہر بین کے حکم و تجویز کو غلط سمجھے گا۔ چنانچہ محققین کے کلام میں ایسی تصریحات موجود ہیں۔ پس اس ظاہر بین کو چاہیے کہ وہ حدیث الشاھد یری ما لا یری الغائب پر عمل کر کے اپنی رائے پر وثوق نہ کرے اور اس طالب کو تقدیم حق والدین کی رائے نہ دے۔

خضر علیہ السلام کے تصرفات کا مبنی یہی آلہ تھی تو وہ کمال موسیٰ سے اس لئے بڑھا ہوا نہ تھا کہ خضر اس بات کا کشف تھا اور ان واقعات کو فراست اور بصیرت سے کوئی تعلق نہ تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا کام یہی تھا۔ اس لئے ان کی نظر سے یہ امور غائب رہے اور یا درا کی بصیرت

دوسرا کشف سے افضل و اکمل ہے اس لئے افضل موسیٰ ہی تھے۔

بعض جگہ اس مبصر کے نزدیک خود اس طالب پر اندیشہ اس کا نہیں ہوتا کہ بدون تحصیل العلوم کے اس کا کوئی ضروری دینی جزو مختل ہو جاوے گا۔

مگر یہ طالب ہے ایسے مقام کا رہنے والا جہاں جہل و فساد غالب ہے اور اس کے ساتھ ہی کسی کو تحصیل علم دین کی طرف توجہ نہیں جس سے ان کی اصلاح ہو بس اگر اس نواح والوں پر بطریق فرض کفایہ ہی تحصیل واجب ہے مگر کوئی اس میں مشغول نہیں تو سب ہی گنہگار ہوں گے اور ان سب میں یہ طالب بھی گنہگار ہوگا اور گناہ سے بچنا واجب ہے اس لئے اس واجب پر نظر کر کے یہ مبصر اس طالب کو رائے دے گا کہ تم والدین کے امر کو چھوڑ کر تحصیل علوم میں حاصل کرو۔ اور اپنی قوم کی اصلاح کرو۔ اس نے ایسے مشتبہ مواقع میں بھی یا محض ظاہر پرست کی رائے پر وثوق نہ کرے کسی محقق حکیم مبصر جامع ظاہر و باطن سے فتویٰ لے کر اس کا اتباع کرے۔

تیسری مثال ایسے امور قید کی جن کو بعض اہل علم بھی مباحات یا قربت سمجھتے ہیں مگر محققین واجبین اس کو رد کرتے ہیں۔ سفر کرنا حج نفل کے لئے بظاہر قربت معلوم ہو۔ ہے مگر بعض اشخاص کے خاص حالات سے محقق کو اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا حج کرنا اس لئے مضر ہوگا کہ یا تو اس سے فرض نماز کی پابندی نہ ہوگی یا اہل و عیال کے حقوق واجبہ ضائع ہوں گے۔ یا قلت زاد راہ کے سبب تکلیفیں اٹھاوے گا اور اس کے قلب میں بیت اللہ یا صاحب البیت سے تنگی پیدا ہوگی جیسا بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے یا یہ کہ سوال حرام میں مبتلا ہوگا و نحو ذلک۔ اور یہ سب معاصی ہیں اور معصیت کا سبب بھی معصیت ہے اس لئے وہ محقق اس شخص کو حج سے منع کرتا ہے اس لئے کہ جس طرح مقدمۃ الواجب واجب قاعدہ ہے۔ اسی طرح مقدمۃ الحرام حرام بھی ایک قاعدہ ہے جس میں بعض اوقات عمل عامہ بالاظہر ہونے سے غلطی ہو اور اس کا اہل بصیرت کے بعض احکام پر استعجاب بھی ہونے لگتا ہے۔ چنانچہ ایک محقق کا بیان ہے کہ اگر کسی شخص کو شریعت سفر حج کی اجازت نہ دے اور قرائن قویہ سے معلوم ہو کہ اگر وہاں کے حالات اس شخص کے سامنے بیان کئے جاویں گے تو اس کو اس قدر شوق ہوگا کہ یہ اضطرارا سفر حج پر چل کھڑا ہوگا۔ تو ایسے شخص کے سامنے ایسے شوق انگیز حالات بیان کرنا بھی جائز نہیں۔ ان محقق پر اس حکم میں بہت ملامت ہوئی۔

کر دو تو یہ دونوں کے حالات بیان کرنے کو منع کر دیا۔ مگر ان بزرگ حضرات نے یہ دیکھا کہ جس دلیل سے یہ منع کر رہے ہیں آیا اس کے کسی مقدمہ میں کوئی خدشہ ہے اگر ہے تو اس کو صاف کرنا چاہیئے اگر نہیں ہے تو ماننا چاہیئے مقدمات کو تسلیم کر کے نتیجہ میں کلام کرنا محض تحکم و اعتساف ذہنی دلی وجہ رہ جاتی ہے۔ یہی بے دلیل دعویٰ جس کی بنا پر محققین اکثر بدعات کو منع کرتے ہیں اور عامی لغو کے لوگ یا اہل بدعت ان سے الجھتے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

وکم من عائب قولا صحیحا

وآفته من الفهم السقیم

سفر شروع کرنے کے بعد کی کوتاہیاں

یہاں تک ذکر تھا اس کوتاہی کا جو سفر شروع کرنے سے متعلق واقع ہوتی ہے۔ بعض کوتاہیاں بعد سفر شروع کرنے کے ہوتی ہیں مثلاً بعضے آدمی رفیقان سفر سے ذرا ذرا بات پر الجھتے ہیں کہیں اس پر کہ تم نے ہی باری میں جاگے کیوں نہیں؛ کہیں اس پر کہ اسباب کیوں اٹھاتے ہیں تو کیوں نہیں اٹھاتے اس پر کہ تم نے گاڑی کا کرایہ زیادہ دے دیا کیا اور زیادہ خرچ کر دیا۔ خصوصاً سفر حج میں کہ اکثروں بھی زوالی مزاج سا ہو جاتا ہے کہ یہ بات سخت بدخلقی میں داخل ہے۔ اول تو یہ امر قابل خیال و مطالبہ کے نہیں دوسرے اگر ان کا مطالبہ کرنا رفیق سے مطلوب ہے تو اس کا یہ طریق نہیں کہ اس کے عیب جتاتے اور وہ اس کے عیب لگاتے۔ بلکہ طریقہ سہل اور مجرب نسخہ یہ ہے کہ تم آپ سے کچھ مت کہو خود برابر کام کئے جاؤ اس سے خود وہ شرماوے گا۔ وہ خود بھی کام کرنے لگے گا۔ اور اگر وہ اس سے بھی متاثر نہ ہو اور تم میں صبر و تحمل نہ ہو تو بہتر ہے کہ اس سے بقدر ضرورت تعلق کر دو اور جواب دے دو کہ اب ہم تم رفیق نہیں ہیں مثل اور مسافروں کے اس سے معاملہ رکھو نہ دوستی نہ شرکت۔ نہ دشمنی و عداوت۔

بعض لوگ رفیقوں سے تو اچھا معاملہ رکھتے ہیں لیکن دوسرے مسافروں سے بدخلقی کرتے ہیں کبھی اپنے نفس کے لئے اور کبھی اپنے رفیق کے لئے۔ خصوصاً ریل میں کہ ایک آدمی یا دو آدمی کئی کئی آدمیوں کی جگہ گھیر کر کچھ خود بیٹھ کر کچھ اسباب و بستر پھیلا کر بیٹھتے ہیں اور نئے آنے والوں کو تو اکثر آنے ہی نہیں دیتے۔ طرح طرح کے حیلے کرتے ہیں کبھی زور و ظلم سے بھی کام لیتے ہیں اور اگر وہ چلے

نہ آنے دیا کریں بیٹھنے کی جگہ نہیں دیتے کہ کوئی اٹھے۔ وہ راہ لگ کر بے پروا قطع کرتے ہیں اور ان کو ذرا مروّت ونرمی نہیں آتا یہ نہیں سوچتے کہ اگر ہم ان کی جگہ ہوتے اور یہ ہماری جگہ تو ہم اس وقت ان سے کیسی مدارات کے متمنی ہوتے۔ پس ویسی ہی مدارات ہم کو ان سے کرنا چاہئے اور نہ یہ سوچتے ہیں کہ یہ مزاح بھی جائز نہیں۔ جیسا کہ اوپر بھی بعض ناجائز امور کا ریل میں ارتکاب کیا جاتا ہے جس کی جزئیات کو بقدر ضرورت ہمارے محب و کرم مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی نے ایک رسالے کی شکل میں جمع فرمایا ہے جس کا نام رفیق سفر یا زاد المسافرین ہے اور انشاء اللہ عنقریب طبع ہو جائے گا۔ اس لئے ہم ایسے جزئیات کے ذکر کا اس جگہ اہتمام نہیں کرتے اور ریل پر قصداً کوئی جزئیہ قلم میں آ جاوے سو وہ اور بات ہے۔

بعضے آدمی مشترک سواریوں میں جیسے گھوڑا گاڑی یا اونٹ گاڑی یا موٹر یا ریل ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ جس سے دوسروں کو اذیت ہوتی ہے۔ خاص کر ایسے غرباء کو اذیت جو ان کی وجاہت کے سبب ان کے سامنے ...... دم بھی نہ مار سکیں۔ مثلاً سگریٹ پینا اور دھواں باہر چھوڑنے کا کوئی خاص اہتمام نہ کرنا۔ یا شب کے وقت غل مچا کر باتیں کرنا یا گانا بجانا اور کوئی بیہودہ فحش مذاق کرنا یا قول یا فعل فحش اختیار کرنا اور اس کو مشغلہ سفر سمجھنا چاہئے، تو یہ کہ دوسروں کو راحت پہنچاوے اور اگر اس کی توفیق نہ ہو تو کم از کم اس پر تو عمل رکھیں۔ مصرعہ

مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں

بعضے آدمی مالک سواری سے بدعہدی کرتے ہیں مثلاً معاہدہ ہوا ہے چار آدمی کے بٹھلانے کا اور بٹھاتے ہیں پانچ چھ۔ اگر وہ نزاع بھی نہ کرے تب بھی اس کو رضا نہ سمجھنا چاہئے اور یہ غضب نہ کرنا چاہئے کہ جب خاموش ہو گیا تو راضی ہی ہے۔ کیونکہ بعض اوقات خاموشی بوجہ مروت و لحاظ کے ہوتی ہے مگر دل سے رضا نہیں ہوتی۔ تو ایسی خاموشی کافی نہیں۔ اور بعض دفعہ وہ نزاع بھی کرتا ہے مگر خواہ مخواہ اس کو دبا لیتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں میاں ایسی کیا بے مروتی ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ میاں سواریاں ہی کیا ہیں دو تو بچے ہی ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ ارے بھائی دو پیسے زیادہ لے لینا۔ کبھی کہتے ہیں کہ کسی دوسرے وقت کم بٹھا لینا اور یا کبھی دباؤ ہی سے دباؤ سے کام لیتے ہیں۔ اور اس سے بحث نہیں کہ یہ عذر جائز ہے یا ناجائز ہے۔ سیدھی بات تو یہ ہے کہ جب معاہدہ ہو چکے تو مالک سے صاف اطلاع کرے اور اس کے متعلق مستقل گفتگو کرے جس طرح باہم طے ہو جائے اس کے موافق عمل کرے محض اپنے جی کو سمجھا لینا کافی نہیں۔

مزدوری کے متعلق کوتاہی

بعضے آدمی مزدور کی مزدوری نہیں ٹھہراتے، پھر بیٹھے تو بلا کسی ضابطہ کے جو جی میں آیا دے دیا۔ گو وہ دوسرا راضی ہو یا نہ ہو۔ اس کا ظلم ہونا تو ظاہر ہی ہے اور بعضے اپنے زعم میں بے وجہی سے بچتے ہیں اور ضابطہ کی پابندی کرتے ہیں یعنی اس جگہ کے قواعد کے موافق کرائی مزدوری اس قدر دیا جاتا ہے وہ دے دیتے ہیں اسی طرح گاڑی وغیرہ کا کرایہ گھنٹوں کے حساب سے دینے کو کافی سمجھتے ہیں ہم نے خود دیکھا ہے کہ بعض اوقات دوسرا آدمی یعنی مزدور یا گاڑی والا اپنی ناراضامندی تعریضاً ظاہر کرتا ہے کہ صاحب ایک پیسہ تو فلانا بھی دے دیگا۔ دیکھئے! کیا وزنی اسباب ہے یہ اس کا تو زیادہ دینا چاہئے۔ فی عدد کا حساب تو مختلف مقدار کی گٹھریوں میں ہے۔ دیکھئے! چاروں گٹھریاں بڑی بڑی ہیں۔ مشکل سے اٹھائی ہیں ایک ایک عدد دو آدمیوں کے اٹھانے کا ہے۔ آپ اس کو بھی اسی حساب دیتے ہیں؟

غرض اس طرح سے وہ اپنی ناراضامندی کا اظہار کرتا ہے۔ مگر یہ حضرات ان سب معروضات کو یکسر ٹال دیتے ہیں کہ صاحب ان لوگوں کی یہ عادت ہی ہوتی ہے۔ غرض التفات ہی نہیں کرتے اگر وہ زیادہ بولا دھمکا دیتے ہیں۔ ملامت کرتے ہیں وہ غریب خاموش ہو کر رہ جاتا ہے۔

عقد اجارہ میں مزدور یا مالک کی رضامندی شرط ہے

سو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ عقد اجارہ میں مزدور یا مالک کی رضامندی شرط ہے کوئی ضابطہ مقرر ہو جانا شرعاً کافی نہیں یہ مسئلہ تسعیر کا ہے جس کو فقہاء نے ناکافی لکھا ہے۔ البتہ اس سے منتفع ہونے کی ایک صورت ہے جو شرع کے موافق ہے وہ یہ کہ پہلے سے یہ کہہ دیا جاوے کہ دیکھو ہم اس ضابطہ کے موافق دیں گے اس کے بعد جب اس نے کام شروع کر دیا، سواری میں بیٹھ لیا اب وہ اس کے حق میں عقد اور لازم ہو گیا۔ خوب سمجھ لینا چاہئے۔

بعضے آدمی اسباب شرط سے زیادہ لاد دیتے ہیں بلکہ بعضے کچھ شرط ہی نہیں کرتے اور سواری والا یہ سمجھ کر خاموش ہو جاتا ہے کہ معمول کے موافق ہوگا۔ مگر عین وقت پر اس کے زعم میں ثابت ہوتا ہے زیادہ لاد گراں گزرتا ہے۔ اور باہم اختلاف اور نزاع ہوتا ہے پھر جو کوئی غالب آ گیا سو اس میں شرعی حکم یہ ہے کہ جہاں سواری کا مالک خود کہہ سکے کہ اس سے زیادہ اسباب نہ رکھا

جاوے اور پھر اس سواری کو وہ کرایہ کرے تو اس مشورہ کا اس نے منظور کر لیا پھر اس سے زیادہ لے جانا کسی طرح جائز نہیں جب تک وہ بھی راضی نہ ہو۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مالک کا راضی ہونا شرط ہے جس نے شرط ٹھہرائی ہے کسی دوسرے ملازم وغیرہ کا راضی ہونا کافی نہیں۔ البتہ اگر ملازم کو خصوصیات شرط ٹھہرانے کے بھی دے گئے ہوں تو پھر اس کی رضا بھی کافی ہے۔

ریل وغیرہ میں قانون سے زائد اسباب لے جانا جائز نہیں

یہاں سے ریل میں قانون سے زائد اسباب لے جانے کا حکم اور یہ بھی کہ اگر ریلوے کے ملازم چھوٹے بڑے زیادہ کی اجازت دیدیں تو اس کا نا جائز ہونا بھی معلوم ہو جاوے گا خواہ وہ کچھ لے کر اجازت دیں یا ویسے ہی رعایت کریں۔ کیونکہ وہ ریل کے مالک نہیں اور اگر مالک کی طرف سے کوئی شرط معافی وغیرہ نہیں ہے تو پھر اس سے کرایہ کرتے وقت دکھلا دے کہ یہ اسباب ہے یا وزن بتلا دے کہ اتنا ہوگا اس سے زیادہ نا جائز ہوگا۔

میں نے اپنے بعض اساتذہ کتب ابتدائیہ سے رئیس الاتقیاء حضرت مولانا مظفر حسین صاحب قدس سرہ کی حکایت سنی ہے کہ اسباب دکھلانے کے بعد اگر کوئی شخص ایک خط بھی دیتا تھا کہ فلاں شخص کو دے دیجئے تو فرما دیتے تھے یہ گھوڑے والے سے اجازت لے لو کیونکہ یہ شرط سے زیادہ ہے۔

میرا اس حکایت کے نقل کرنے سے یہ مقصود نہیں کہ یہاں تک رعایت واجب ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ دیکھئے یہ احتیاط والے امر غیر واجب تک کی رعایت و اہتمام کرتے ہیں جس سے غرض یہی ہوتی ہے کہ دوسرے دیکھنے والے واجب کا تو خیال کریں گے تو مطمح نظر ان کا تعلیم ہی ہے۔ اب اس کے بعد شبہ تقریباً التقشف کا بھی زائل ہوگیا سو اس حالت میں ہم کو امر واجب کی تو رعایت و اہتمام کرنا چاہیے۔ یہ غلطیاں تو معاملات کے متعلق تھیں جو سفر میں ہوتی ہیں۔

سفر میں نماز چھوڑ دینا دیانات کے خلاف ہے

بعض غلطیاں دیانات کے متعلق ہوتی ہیں۔ مثلاً بعض آدمی سفر میں نماز چھوڑ دیتے ہیں۔ اور یہی کہہ لیتے ہیں کہ قصر اور نماز میں بڑی مشکلیں پڑتی ہیں اس لئے قضا کر لیں گے مگر کوئی ان سے پوچھے کہ وہ مشکلیں قابل برداشت ہیں یا ناقابل برداشت ہیں۔ اگر قابل برداشت ہیں تو فرض کے لئے برداشت کرو اور ناقابل برداشت ہیں تو جو لوگ سفر میں نماز کے پابند ہیں وہ کیسے برداشت

ایسے ہیں کہ واللہ اگر کسی خفیف سی دنیوی غرض کی تکمیل میں اس سے بدرجہا زائد اہتمام کرنا پڑے تو خوشی خوشی سب گوارا کریں مگر وہ تو دین ہی کے نام سے روح قبض ہوتی ہے۔ بعض نماز پڑھتے ہیں مگر اس کے شرائط و ارکان کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ کوئی تیمم ہی کر رہا ہے اور پانی اسٹیشن پر پائپ کے اندر موجود مگر طبیعت گوارا نہیں کرتی کہ وہ پانی پاخانہ کا ہے گو اس میں پاخانہ ملا ہوا نہیں مگر منسوب پاخانہ کی طرف ہے۔

غضب کی بات ہے کہ شریعت سے بڑھے ہوئے دینیات میں طبیعت کو ترجیح دی جاوے۔ بعض تیمم کسی کپڑے پر جس پر غبار بھی نظر نہ ہو اجازت تیمم کی صورت میں بھی جائز نہیں۔ اور تختہ پر گرد موجود ہے مگر اس کو یہ کہہ کر کہ بار بار اس کا کیا اعتبار۔ کاش اگر مسائل شرعیہ کی تحقیق کرتے تو یہ مسئلہ بھی ان کو معلوم ہوتا کہ ایسی صورت میں ان کے اس وہم ہی کا کچھ اعتبار نہیں۔ اصل اشیاء میں طہارت ہے جب تک تختہ کا نجس ہونا یقینی نہ ہو اس وقت تک طاہر ہے۔

بعضے استقبال قبلہ ہی کی فرضیت نہیں سمجھتے محض اس لئے کہ رخ سیدھا کرنے میں قدرے تکلیف کرنا پڑتا ہے۔ سو اگر دیکھا جاتا کہ یہ لوگ دنیا کے کسی کام کے لئے خفیف مشقت بھی گوارا نہیں کرتے تو ان کے اس عذر کو سنا جاتا۔ گو سننے کے بعد اس کا غلط ہونا سمجھا دیا جاتا کہ دینی احکام کو دنیاوی مصالح پر قیاس نہیں کر سکتے کہ یہ تجارب سے اختیاری امور ہیں اور وہ محض بجانب الٰہی کے غیر اختیاری کو ایک کا قیاس دوسرے پر محض بے معنی۔ لیکن جب دنیوی مقاصد کے لئے بڑی بڑی مصیبتیں جھیل جاتے ہیں اس حالت میں تو نماز کے باب میں ان کا یہ عذر قابل سماعت بھی نہیں چہ جائیکہ مقبول ہو۔

بعضے کوئی کھڑے ہو کر نہیں پڑھتے باوجودیکہ کھڑے ہو سکتے ہیں۔ سو ان کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ البتہ اگر قیام پر قدرت نہ ہو یعنی کسی سہارے سے بھی کھڑے نہ ہو سکیں تب البتہ بیٹھ کر پڑھنا درست ہے اس مسئلہ میں لوگ بحالت مرض بکثرت غلطی کرتے ہیں یعنی ذرا مشقت ہوئی اور بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے در مختار و رد المحتار میں تصریح ہے کہ اگر کسی سہارے سے کھڑا ہو سکے تب بھی کھڑا ہونا فرض ہے۔ اسی طرح اگر تمام قراءۃ میں کھڑا ہو سکتا ہے یا بقدر تکبیر تحریمہ کھڑا ہو سکتا ہے تو اتنا ہی کھڑا ہونا فرض ہے۔

بعضے آدمی باوجودیکہ جماعت کر سکتے ہیں مگر پھر تنہا تنہا پڑھ لیتے ہیں بعضے آدمی سمجھتے ہیں کہ جماعت کے لئے اتحاد مکان شرط ہے اور ہر درجہ جدا مکان ہے ایک درجہ میں اتنی جگہ نہیں اس لئے جماعت

نہیں کرتے۔ سو ہمارے نزدیک تو دوسری گاڑی تو بیشک دوسرا مکان ہے لیکن ایک گاڑی کے متعدد ڈبے سب ایک ہی مکان ہیں۔ ان میں جماعت ہو سکتی ہے اور اگر کسی صاحب علم کی یہی تحقیق ہو یا کسی عالم کی اس تحقیق میں کوئی تقلید کرتا ہو کہ ہر درجہ جدا مکان ہے تو یوں کریں کہ ایک ایک درجہ میں دو دو آدمی جماعت کرلیں مگر اس صورت کا التزام نہ ہو تو ایک ہی وقت میں دو دو آگے پیچھے اور چونکہ یہ مسجد محلہ نہیں اس لئے اس میں تکرار جماعت کا اختلاف بھی نہ ہوگا۔

حد سے زیادہ تشدد بھی نہیں کرنا چاہئے

بعضے آدمی ان بے احتیاطیوں کے مقابلہ میں اس قدر محتاط بنتے ہیں کہ ان کی احتیاط درجۂ تشدد تک پہنچ جاتی ہے مثلاً ریل کے اندر ہرگز نماز نہ پڑھیں گے۔ اسٹیشن ہی پر نماز فرض پڑھیں گے جس میں بعض اوقات طرح طرح کی پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے مثلاً اسباب ریل ہی میں رکھا ہے اور کچھ جا تو ہم پاکر اکثر طبیعت ادھر مشغول رہی یا دوسرے مسافروں نے ان کی جگہ پر قبضہ کر لیا یا نہیں کیا لیکن ان کو اس احتمال پر پریشانی رہی اور جلد گاڑی نے سیٹی دیدی اور ان کو نیت توڑنا پڑی یا ایسا نہیں کیا لیکن مضطرب ہو گئے اور بعض اوقات گاڑی چھوٹ گئی۔ اور ان کے اسباب کا نقصان یا سفر کا حرج ہوا اس وقت خود نماز سے قلب میں ضرر تحرجۂ تنگی پیدا ہو گئی یا خود ان کو تنگی نہیں ہوئی لیکن جو لوگ ہمیشہ دین کو تنگ دیکھا کرتے ہیں اور اس وجہ سے ان کو دین سے توحش ہے ان کا تنفر اور توحش اور بڑھ گیا۔ اور ان کی فہرست میں ایک عدد اور بڑھ گیا کہ دیکھئے دین پر عمل کرنے سے یہ پریشانی اور مضرت ہوتی ہے وہ اس جاہل کو کون سمجھائے کہ اس کی پریشانی کا سبب خود اس کا تشدد ہے نہ کہ دین سو حدیث میں ہے۔ یسّروا ولا تعسّروا وبشّروا ولا تنفّروا۔ ترجمہ: تم دونوں کو چاہئے کہ آسان طریقہ اختیار کرو اور لوگوں کو تنگی میں نہ ڈالو اور لوگوں کو بشارت سناؤ ان کو نفرت نہ دلاؤ۔ ظاہر ہے قول اور فعل دونوں کو عام ہے۔

اور اس پر بعض اوقات ایک طرہ اور ہوتا ہے کہ اسٹیشن پر اتر کر جماعت کرنے کے لئے امام صاحب ایسے تجویز ہوتے ہیں کہ وہ فرصت کا وقت پاکر قرأت میں تطویل اور رکوع اور سجود میں اطمینان سے تعدیل ضروری کر دیتے ہیں اگر گاڑی نہ کھلے تب بھی مقتدیوں کو خصوص اس مجمع میں مختلف طبائع کے لوگ ہوتے ہیں کیسی پریشانی ہوتی ہے۔ گو یہاں بزرگ کو عمر بھر میں آج ہی موقع ہاتھ

کا ظاہر ہے۔ تو اس سے پہلے کسی کو نظر ہوا اور نہ آئندہ ہو گا۔ یہ ہے اس لئے اس وقت کو غنیمت سمجھا اور عمر بھر کا سامان آج ہی شب الا ما شاء اللہ صرف ہو گیا۔

دو جاہل صوفیوں کی حکایت

اسی طرح دو بزرگوں کی حکایت ہے کہ ریل میں اپنے رفقاء کے ساتھ سوار تھے۔ ایک صاحب نے تو یہ کیا کہ نماز ظہر کے لئے اترے اور چڑھ بیٹھتے ہی پرد وظیفہ شروع کر دیا کہ میں تو عمر بھر کا نفل ہوں گا۔ بیچارے رفیق مصیبت میں آگئے کہ مغرب و عشاء اور سحری تک کا بھی۔ ایک صاحب مغرب کے وقت اترے اور نماز کے بعد صلوٰۃ الاوابین شروع کر دی اور گاڑی پر سے مشغول ہی رہے۔ اور منزل کسی قدر بہلے پر اور مقام قطع الکل سو شریعت ایسے تشددات کو پسند نہیں کرتی۔ جس نے خود کو اس سے بڑھ کر دیدہ رخصت پر عمل ہو۔ جہاں اور معلوم ہوا ہو گا اس ارشاد کا ان اللہ یحب ان یؤتی رخصہ کما یحب ان یؤتی عزائمہ۔ یعنی رخصت پر عمل کرنے میں بہت سی مصلحتیں ہیں کہ وہ سبب ہو جاتا ہے دینی سہولت اور بشاشت اور انشراح اور انبساط اور دلچسپی کا اور یہ مقصد عظیم ہے۔ مقاصد ایسی الیسے بہت ہیں قطع مسافت کے متعلق ہیں۔

عارضی قیام کے متعلق کوتاہیاں

بعض کوتاہیاں عارضی قیام کے متعلق ہیں یعنی کسی مقام پر ایک دو شب ٹھہرنا ہو خواہ سرائے میں یا کسی خاص میزبان کے یہاں۔ اگر سرائے میں قیام کیا ہے تو وہاں بعض لوگ ایسی بے تمیزی کرتے ہیں کہ دوسرے مسافروں کو اس سے تکلیف ہو۔ سرائے کے مقیم و اہل کی تکلیف نہ ہونے پاوے۔ مثلاً بعضے لوگ بلا ضرورت شور و غل مچاتے ہیں بلا ضرورت جاگتے ہیں اور رات کے ساتھ قصہ کہانیاں بکتے ہیں۔ بعضے آدمی گانے بجاتے ہیں جس سے دوسرے مسافروں کے آرام و نوم میں خلل پڑتا ہے۔ بعضے ایسا کرتے ہیں کہ دوسرے مسافر کے آنے سے پہلے جگہ روک لیتے ہیں اپنی ضرورت سے زائد گھیر لیتے ہیں دوسرا غریب آکر پریشان ہوتا ہے اس کی ہمت نہیں ہوتی کہ جگہ مانگ لے اور اگر مانگے تو جھگڑا ہوتا ہے۔ ان کو کیا حق ہے کہ دوسرے کی سابق قبضہ کی ہوئی جگہ لے لیں یہ شریعت کے بھی خلاف ہے۔ اور مروت سے بھی بعید ہے۔ اگر یہی معاملہ ان کے ساتھ ہو تو کیسی ناگوار گذرے تو انصاف کا مقتضا یہ ہے کہ جو چیز خود کو پسند نہ ہو دوسروں کے لیے بھی پسند نہ کرے۔ اور مثلاً بعضے لوگ باوجود کہ جگہ کافی ہے نماز کے لئے خاص موقع ہی گھر کو ٹھہری ہی میں مدت لیتے ہیں۔ بعض لوگ دوسرے مسافروں پر ہی لیا کرتے

ہیں جس سے بعض اوقات ٹھیکہ دار کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور بعض اوقات دوسرے مسافروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ مثلاً بعض لوگ چلتے وقت ٹھیکہ دار کا حساب صاف کر کے نہیں جاتے یا آنکھ بچا کر نکل گئے یا نزاع و جھگڑا کر کے چلے گئے۔ اس میں علاوہ گناہ کے جس میں حق اللہ و حق العبد دونوں ضائع کئے جاتے ہیں۔ ایک خرابی یہ ہوتی ہے کہ دوسرے مسافروں کا بھی اعتبار جاتا ہے اور ان کے لئے ضوابط سخت تجویز کئے جاتے ہیں اس کا سبب یہ شخص بنتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کی نسبت حدیث میں۔ مفتاح الشر و مغلاق الخیر آیا ہے۔

اگر کسی کے پاس جانا ہو تو اسے پہلے سے اطلاع دینی چاہئے

اور اگر کسی میزبان کے پاس ٹھہرے ہیں، تو اس میں

بعضے یہ کوتاہی کرتے ہیں کہ بدون اس کے کہ اس کو اپنی آمد کی اطلاع دیں اس کے پاس بے وقت کھانا کھانے کے وقت جا پہنچتے ہیں کہ اس وقت اس کو کھانا تیار کرنے میں کلفت ہوتی ہے۔ اگر حساب سے پہنچنے کا وقت نہ وقت ہو تو چاہئے کہ کھانے کا انتظام پہنچنے کے وقت بطور خود کر لیں۔ اور فارغ ہو کر وہاں جاویں اور جاتے ہی اطلاع کر دیں۔

بعضے یہ کوتاہی کرتے ہیں کہ اول اس کو اپنی آمد کے وقت سے اطلاع تو دیدی مگر اس وقت پہنچے نہیں وہ بے چارہ اسٹیشن پہ آیا سواری کا کرایہ دیا وقت صرف کیا انتظار کیا اور یہ نواب صاحب ذرا رائے بدل دی یا کسی دوسرے میزبان کے اصرار کرنے سے پھسل گئے۔ بعض اوقات کئی کئی وقت اسی طرح تکلیف اٹھاتا ہے اور ان کو یہ توفیق بھی نہیں ہوتی کہ وقت موعود آنے کے قبل اس کو مکرر اس ارادہ کے فسخ و تبدیل کی اطلاع کر دیں۔

خوب یاد رکھو کہ یہ سب معاملے خلاف ہے گو لوگ اس کو بری بات بھی نہیں سمجھتے ہیں۔ حدیث میں فرمایا ہے۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ۔ ترجمہ۔ مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

پھر جب اس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا سالم نہ رہا المسلم بدرجہ مقصود فی الحدیث کہاں رہا۔ مشکل یہ ہے کہ آج کل بندگی تسبیح پڑھنے کا نام رہ گیا کسی کی راحت و کلفت کی پروا ہی نہیں۔ کیا دیکھتے کہ اس خاص کوتاہی میں بہت سے ثقات و مشہورین اہل العلم والدین بھی مبتلا ہیں۔ اور اس

کو تنگی تو ان کے قلب میں آتا ہی نہیں۔

بعضے ایسا کرتے ہیں کہ کھانا کھا کر بیٹھے گئے تھے اس کو یہ اطلاع نہیں کی کہ میں کھانا کھا چکا ہوں اس وقت اہتمام نہ کیا جائے۔ وہ بیچارہ خود تو غریب پڑھا ہوا ہے اور نہ لحاظ سے یہ پوچھ سکتا ہے کہ آپ کھانا تو نہیں کھا چکے۔ غرض اس نے احتمال پر کھانا تیار کیا جب اس کے سامنے کھانا آیا۔ تو بہت بے تکلفی سے ایک جملہ میں اس کے تمام انتظام کا خون کر دیا کہ میں تو کھا چکا تھا۔ بندۂ خدا پہلے کس نے منہ بند کر دیا تھا۔ کہہ دینا تھا۔

بعضے ایسا کرتے ہیں کہ کھانا کھانے بیٹھے اس وقت فرماتے ہیں کہ میں تو گوشت نہیں کھاتا یا میں تو مچھلی نہیں کھاتا۔ ظالم اگر پہلے ہی اس کو اطلاع دے دی جاتی تو کیا مشکل تھا۔ اب وہ منتظر فکر میں پڑ گیا۔ کہیں پڑوس سے بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ کہیں گھر میں کچھ تشدد کرتا ہے۔ غرض زر دادن و درد سر خریدن کا مصداق بن گیا۔

بعضے ایسا کرتے ہیں کہ بے اطلاع میزبان کے کہیں چل دیئے۔ اب وہ تلاش کرتا پھرتا ہے اور گھر میں سب بیٹھا ہے یا کچھ وقت گزرنے پر آئے۔ تب سب کا روزہ کھولا۔ یا آ کر کہہ دیا کہ مجھ کو فلاں شخص نے اصرار کر کے کھلا دیا تھا۔ میں نے انکار بھی کیا مگر اس نے مانا ہی نہیں۔ اس بھلے مانس نے یہ خبر نہیں کہ کسی کی بھی دعوت لے کر جانا جائز ہے کہ دوسرے کی دل شکنی ہو۔ اور وہ بھی ایسے شخص کی جس کا حق مقدم اور سابق ہو۔

بعض آدمی ایسا کرتے ہیں کہ دوسرے کی دعوت قبول کر لی اور میزبان سے اجازت لینا تو کیا اس کو اطلاع بھی نہیں کی۔ بعض ایسا کرتے ہیں کہ رخصت ہونے کا قصد دل میں کر لیا مگر میزبان کو نہیں بتلایا۔ اب عین وقت پر آ کر دستار باندھ رہے ہیں کہ گاڑی میں جانا ہے گا۔ سواری کا انتظام کر دو۔ اس کا سامان ضیافت بھی ضائع گیا اور بعض اوقات خصوص قصبات میں عین وقت پر سواری کے انتظام میں دشواری بھی ہوتی ہے۔ غرض یہ سب پریشان کرنے کی باتیں ہیں۔ جن سے احتیاط و احتراز واجب ہے۔

مسافر کی گھر سے متعلق کوتاہیاں

اب بعض کوتاہیاں اپنے گھر والوں کے متعلق رہ گئیں۔ ان کے ذکر پر مضمون کو ختم کرتا ہوں مثلاً سفر میں جا کر گھر والوں کو ایسے

ہو لے کہ ان کو اپنی خیریت تک کی اطلاع نہیں دی۔ ان سے اپنا اطمینان کر لیا۔ سب کو جو عافیت کچھ ظاہر آتا تھا۔ اب بھی بعافیت پہنچ گئے۔ مگر وہ تو پردیسی ہیں ان کو سفر میں ہزاروں حوادث کا احتمال ہوتے ہیں ان کو بھی مطمئن کرنا چاہئے تھا۔ اور مسلمانوں کو اپنی واپسی کے وقت کی اطلاع دی۔ مگر اس وقت نہیں پہنچے وہ بے چارے اس اجنبی میزبان سے کہیں زیادہ پریشان ہوتے ہیں۔ اس کو صرف اپنی تکلیف سے پریشانی ہوئی اور گھر والوں کو تعلق محبت کے سبب بے چینی پریشانی ہوتی ہے کہ خدا جانے خیریت بھی ہوگی اور مشغلہ وجود اطلاع کر سکنے کے باوجود مصلحت کے دفعۃً گھر آجانا احادیث میں اس کی بھی ممانعت ہے جس کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ طرف عورتیں شوہر کے گھر پر نہ ہونے کی وجہ سے زیب و زینت چھوڑ دیتی ہیں۔ سو ایسا نہ ہو کہ اس بے تکلف حالت میں دیکھ کر اس کو نفرت ہو جائے جو بنیاد ہو جاوے مصالح خانہ داری کے بنیاد بن اگر پہلے سے اطلاع ہو تو وہ آراستہ اور پیراستہ ہو جاوے۔

ممکن ہے کہ صوفیہ کرام کے ہاں کی بہت اور بھی قوانین ہوں گے مگر فی البدیہ جو خیال میں آ گئیں۔ وہ لکھ دیں فہیم آدمی ان ہی کے اصول سے دوسری کوتاہیوں کی بھی اصلاح کر سکتا ہے فقط

واللہ موفق السبیل لا ریب فیہ ولا شبہ فقط

تعلیم نسواں کے متعلق کوتاہیاں

اصلاح معاملہ بہ تعلیم نسواں

چونکہ بعد ورود حدیث طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ، ترجمہ: علم طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے، وغیرہ ذلک من النصوص الموجبۃ لتحصیل العلم علی الرجال والنساء اس بحث پر مستقل کلام کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ خصوصاً جبکہ اس سے بہت قبل اس میں مجملاً اس سے تعارض بھی ہو چکا ہے لیکن بعض واقعات وخصوصیات کے اکثر زیادہ تر ان میں ہندوستانی مستورات کے حالات ہیں جن کا مشاہدہ اکثر ہوتا رہتا ہے اس باب میں مستقل اور کسی قدر مفصل گفتگو کئے جانے کو مقتضی ہونے کے سبب اس کا بقدر ضرورت مکرر ذکر کیا جاتا ہے

تعلیم نسواں کے متعلق لوگوں کی تین قسمیں

سو جاننا چاہیئے کہ اس مقدار میں جہاں تک تتبع کیا گیا، تین خیال کے لوگ ہیں۔ ایک یہ کہ تعلیم نسواں کے نہ مخالف ہیں، نہ حامی مگر تعلیم کا اہتمام نہیں۔

دوسرے وہ کہ اس کے مخالف ہیں۔

تیسرے وہ کہ اس کے حامی ہیں اور ان سب سے مختلف کا اجتناب واقع ہوتی ہیں۔

پہلی قسم کے لوگوں کی غلطی اور ان کے شبہات کا جواب

چنانچہ اول طبقہ کی کوتاہی جو سب کو معلوم ہے اس حد تک ہے کہ مستورات کو تعلیم دینے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ نہ مردوں کے نزدیک اور نہ خود ان مستورات کے نزدیک اور دلیل ان لوگوں کی جماعت کے اعتقاد کا منشا ہو گیا ہے یہ ہے کہ کیا عورتوں کو کوئی نوکری کرنا رہ گیا ہے جو ان کے پڑھانے کا اہتمام کیا جاوے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے نہ تعلیم کی غرض سمجھی اور نہ ان نصوص و روایات میں غور کیا جو مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے یکساں وارد ہیں جن میں تحصیل علم کو فرض و واجب قرار دے رہے ہیں اور نہ اس تعلیم کو سمجھا جو کہ فرض ہے۔

علوم سے غرض نوکری نہیں ہے

سو سمجھ لینا چاہئے کہ علوم سے غرض نوکری نہیں ہے کیونکہ جو علم علی العموم واجب التحصیل ہے وہ علم معاش نہیں ہے بلکہ وہ علم دین ہے جس سے انسان کے عقائد و اعمال و معاملات و معاشرت و اخلاق درست ہوں۔ جس کا ثمرہ دنیا میں اولئک علیٰ ھدیً من ربھم، ترجمہ: یہ لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے، کی دولت اور آخرت میں، اولئک ھم المفلحون (یہی لوگ ہیں کامیاب ہونے والے) کی بشارت ہے۔ سو ان کا وجوب ظاہر ہے۔ سمعاً بھی عقلاً بھی۔

دلائل سمعیہ یہ ہیں۔

(۱) طلب العلم واجب علی کل مسلم (رواہ عن انس)

(۲) طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (البیہقی عن علی)

(۳) طلب الفقہ حتم واجب علی کل مسلم (الحاکم فی تاریخہ عن انس)

(۴) تعلموا العلم وعلموہ الناس (رواہ عن ابی سعید وصحب عن ابی بکرۃ)

(۵) تعلموا العلم قبل ان یرفع (الدیلمی عن ابن مسعود وعن ابی ہریرۃ)

(۶) یا ایھا الناس علیکم بالعلم قبل ان یقبض (ضیاء والخطیب عن ابی امامۃ)

(۷) یا ایھا الناس خذوا من العلم قبل ان یقبض العلم (احمد والدارمی عن ابی امامۃ)

فی تفسیرہ وابن مردویہ عن ابی امامۃ)

م۔ ورد من لا یعلمہم دخل عن معنی ایضاً کما فی کنز العمال وغیر ذالک من النصوص الدالۃ

علی حل والحرمۃ۔

دلیل عقلی

اور دلیل عقلی یہ ہے کہ اصلاح عقائد و اعمال کی فرض ہے اور وہ موقوف ہے ان کی تحصیل پر۔ چنانچہ ظاہر ہے۔ اور فرض کا موقوف علیہ فرض ہے۔ پس تحصیل علم فرض ہوا۔ اور ہر چیز جس پر موقوف ہونا اعمال کا علم پر بالکل بدیہی ہے۔ مگر اس سے ترقی کر کے کہا جاتا ہے کہ صحت بھی ہے چنانچہ بے علم عورتیں جس حالت میں ہیں سب دیکھتے ہیں کہ ان کو شرک کفر کی کچھ تمیز ہے نہ ایمان اور اسلام کی کچھ محبت ہے۔ جو چاہیں خدا تعالیٰ کی شان میں بک دیتی ہیں۔ جو چاہیں احکام شرعیہ کے مقابلہ میں زبان پر لا کر بیٹھتی ہیں۔ اولاد کے لئے یا شوہر کو مسخر کرنے کے لئے ٹونے ٹوٹکے۔ جادو منتر جو کچھ کوئی بتلا دیتا ہے بلا امتیاز مشروع و نامشروع کے سب ہی کچھ کر گذرتی ہیں۔

جب عقائد ہی میں یہ حالت ہے تو نماز روزہ کا کیا ذکر ہے۔ حتیٰ کہ بعض کی نوبت ترک سے گذر کر استخفاف بلکہ استہزاء و تعبیر بدفالی تک پہنچ جاتی ہے یعنی بعض تو باوجود ترقی سمجھنے کے اس کو ترک بھی کر دیتی ہیں۔ اور بعض اس کی وقعت بھی نہیں کرتیں کہ کوئی ضروری امر نہیں سمجھتیں اور بعض اس کو منحوس و موجب مضرت اعتقاد کرتی ہیں۔ اور یہ دونوں درجہ کفر صریح ہیں۔ اور اول فسق و کبیرہ ہے۔

جب نماز روزہ میں یہ کیفیت ہے جس میں ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہوتا تو زکوٰۃ و حج جس میں پیسہ کا بھی خرچ ہے اس کو تو پوچھو ہی مت ....! اور جب عقیدہ اخص دیانات کا یہ حال ہے تو معاملات کا درستی کا تو احتمال ہی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نماز روزہ کی صورت تو دینی ہے۔ اور معاملات تو عوام کی نظر میں بالکل دنیا ہی کی شکل رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کی درستی کا اہتمام تو خاص لوگ کرتے ہیں۔ جاہل مستورات کیا درستی کریں گی۔

پھر جب معاملات کے ساتھ یہ طرز عمل ہے تو معاشرت کی اصلاح تک تو کیا رسائی ہو سکتی ہے کیونکہ معاملات کو حقوق العباد تو سمجھا جاتا ہے۔ بخلاف معاشرت کے کہ اس میں یہ بھی خیال نہیں ہے اس لئے اس کا بالکل ہی اہتمام کم ہے۔ پھر جب معاملات و معاشرت سے تعلق ہو تو

ہے تو اخلاقِ باطنی مثلاً تواضع و اخلاص و زہد و محبت و صبر و شکر و نحو ذالک کی طرف آئیے تو یہ ہوئی، کیونکہ معاملات کا زیادہ اور معاشرت کا اس سے کم دوسروں تک تو اثر پہنچنا معلوم ہے۔ نیز ان پر بعض اوقات نیک نامی و بدنامی کا ترتب بھی ہو جاتا ہے۔ بخلاف اخلاقِ باطنی کے کہ اس کا غالب اثر اپنی ہی ذات تک محدود ہے۔ اور بوجہ خفا کے دوسروں کو ان کا علم بھی کم ہوتا ہے جس سے نیک نام یا بدنام ہو سکیں۔ اس لئے اس کا اہتمام تو بالکل ہی نادر ہے حتیٰ کہ بہت سے خواص میں بھی نایاب تا بعوام چہ رسد]

بہرحال ان سب امورِ مذکورہ میں قلتِ مبالات کا اصل منشا و سبب قلتِ علمِ دین ہے۔ پھر جہاں بالکل ہی علم نہ ہو (اور اس سے بڑھ کر یہ فطرۃً عقل بھی کم ہو۔ جیسا کہ طبقۂ اناث [illegible] ناقص العقل ہیں۔ غرض جہاں یہ متفق ہو نہ علم ہو نہ عقل تو وہاں جو مفاسد ہیں ان کی کیا حد ہو گی؟

غرض عقل اور مشاہدہ دونوں شاہد کہ بدون علم کے عمل کی تصحیح ممکن نہیں اور عمل کی تصحیح واجب اور فرض ہے ۔۔۔ پس تحصیلِ علمِ دین کا فرض ہونا جیسا اوپر نقلاً بیان کیا گیا ہے۔ عقلاً بھی ثابت ہو گیا اور عملاً فرض ہونا اس سے اوپر بیان کیا گیا ہے تو دونوں طرح تحصیلِ علمِ دین فرض ہوا۔

پس ان لوگوں کا یہ خیال کہ جب عورتوں کو نوکری کرنا نہیں ہے، تو ان کی تعلیم کیا ضرور ہے؟ محض غلط ٹھہرا۔ یہ جواب ہوا ان کی مذکورہ کوتاہی کا۔

تعلیمِ نسواں کی فرضیت پر ایک شبہ اور اس کا جواب

البتہ اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ علمِ دین کی فرضیت سے تعلیم بطریقِ متعارف کا واجب ہونا لازم نہیں جو کہ مستورات کو کتابیں بھی پڑھائی جائیں۔ بلکہ یہ فرض اہلِ علم سے پوچھ پاچھ رکھنے سے ادا ہو سکتا ہے۔

سو اس کی تحقیق یہ ہے کہ واقعی یہ بات صحیح اور ہم تعلیمِ متعارف کو فی نفسہٖ واجب بھی نہیں کہتے۔ لیکن یہاں چند مقدمے قابلِ غور ہیں۔

اول یہ کہ مقدمہ واجب کا واجب ہوتا ہے گو لغیرہٖ ہی۔ جیسے جو شخص پیادہ سفرِ حج قطع کرنے پر قادر نہ ہو۔ اور اس شخص کے زمانہ میں ریل اور آگبوٹ و جہاز ہی ذریعہ قطعِ سفر کا متعین ہو۔ اور اس کے پاس اس قدر وسعت و استطاعت بھی ہو۔ تو اس شخص پر واجب ہو گا کہ سفر کا عزم کرے

اور ریل اور آگبوٹ کا ٹکٹ خرید کر اس میں سوار ہو۔ سو ریل اور آگبوٹ کا ٹکٹ خریدنا اور اس پر سوار ہونا فی نفسہ شرعاً فرض نہیں۔ لیکن چونکہ ایک فرض کا ذریعہ ہے اس لئے یہ بھی فرض ہوگا۔ گویا لغیرہٖ یہ مقدمہ تو ثابت ہو چکا۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ تجربہ سے معلوم ہو گیا ہے کہ علم کا اذہان میں قابل اطمینان درجہ میں محفوظ رہنا موقوف ہے کتب کے پڑھنے پڑھانے پر جو کہ تعلیم کا متعارف طریق ہے اور محفوظ رکھنا علم دین کا واجب ہے۔ پس بنا بر مقدمہ اولیٰ بطریق متعارف تعلیم کا جاری رکھنا بھی واجب ہے۔ البتہ یہ واجب علی الکفایہ ہے۔ یعنی ہر مقام پر اتنے آدمی دینیات پڑھے ہوئے ہونے چاہئیں کہ اہل حاجت کے سوالوں کا جواب دے سکیں۔

تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ یہ بھی تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ مردوں میں علماء کا پایا جانا مستورات کی ضروریات دینیہ کے لئے کافی وافی نہیں۔ دو وجہ سے اول پردہ کے سبب اگر وہ بھی اہم الواجبات ہے ا(ور) سب عورتوں کا علماء کے پاس جانا قریباً ناممکن ہے اور گھر کے مردوں کو اگر واسطہ بنایا جاوے تو بعض مستورات کو تو گھر کے ایسے مرد بھی میسر نہیں ہوتے اور بعض جگہ خود مردوں ہی کو اپنے دین کا بھی اہتمام نہیں ہوتا تو وہ دوسروں کے لئے سوال کرنے کا کیا اہتمام کریں گے۔

پس ایسی عورتوں کو دین کی تحقیق از بس دشوار ہے اور اگر اتفاق سے کسی کی رسائی بھی ہو گئی یا کسی کے گھر میں باپ بیٹا بھائی وغیرہ عالم ہیں تب بھی بعض مسائل عورتیں ان مردوں سے نہیں پوچھ سکتیں۔ ایسی بے تکلفی شوہر سے ہوتی ہے تو سب شوہروں کا ایسا ہونا خود عادتاً ناممکن ہے۔ تو ان کی عام احتیاج رفع ہونے کی بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ کچھ عورتیں پڑھی ہوئی ہوں۔ اور عام مستورات ان سے اپنے دین کی ہر قسم کی تحقیقات کیا کریں پس کچھ عورتوں کو بطریق متعارف تعلیم دین دینا واجب ہوا۔

پس اس شبہ کا بھی جواب ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ جیسے مردوں کی طرح عورتوں میں ایسی تعلیم ہونا ضروری ہے اور اس غلط خیال عدم ضرورت تعلیم نسواں کا بالکلیہ استیصال ہو گیا۔

روشن طبیعت والوں کے شبہات اور ان کا جواب

اب روشن طبیعت کے متعلق کچھ لکھا جاتا ہے جو تعلیم نسواں کے مخالف

ہیں۔ اور اس کو حشمت و ذریعہ ساماں سمجھتے ہیں۔ دعویٰ ان کا یہ ہے کہ ہم نے جتنی پڑھی لکھی عورتوں کو آزاد اور بے باک اور تہذیب و حیا اور وقار اور عفت سوز بنا دیا ہے۔ خاص کر اگر لکھنا بھی جانتی ہوں تو اور بھی شرم و حجاب رخصت ہو جاتی ہیں جس کو چاہا خط لکھ بھیجا۔ جس کو چاہا پیام و سلام بھیج دیا۔ اس کی نوبت دور تک بھی پہنچ جاتی ہے کہ نفسانی جذبات کو ان کے ذریعہ تحریر پہنچا دیتی ہیں۔ اور ان کے پاس سے پہنچتی ہیں کبھی تو وہ بھی اسی طرح نرم نرم جواب دیتی ہیں اور سلسلہ بڑھتا ہے یہاں تک کہ جو کچھ واقع ہونا ہے واقع ہوتا ہے۔ اور کبھی جواب نہیں دیتیں اور سکوت کرتی ہیں تو مریض القلب لوگ اس سے یہی خیال کرتے ہیں کہ ان کے نیم راضی ہونے پر … وہ لوگ آئندہ کے پیام و سلام و تحریر سے اس کی کوشش کرتا ہے ہیں جو … قاعدہ اکثریہ ہے کہ بعض کو طرز بیان جاودانہ ہوتا ہے جو نسوانی طبع مضمون طبع پر نرم … ہوتی ہیں تو شیطان کا دام … زیادہ عجیب نہیں ہوتا اور اگر کسی کو مکتوب الیہا نے ناراضی بھی ظاہر کی اور اس ناراضی کا جواب کاتب تک بھی پہنچ رہا ہے مگر اپنے شوہر یا والدین کے خوف سے کہ خود جانے کیا گمان کریں گے اور کیا معاملہ کریں گے بچے ڈر و خوف سے اس کو اخفا کرتی ہیں اور اسطرح یہ لوگ سمجھتے ہیں ہر طرح کی مضرت سے محفوظ رہتے ہیں اس لئے ان کی جسارت بڑھتی ہے اور پھر وقت موقع پر اسی کا سلسلہ جنبانی کرتے ہیں۔

اور ان سب خرابیوں کا منشا ان مستورات کا تعلیم یافتہ ہونا ہے مگر وہ ناخواندہ ہوتیں تو ان کے پاس مضمون بھیجنے سے اندیشہ ہوتا کہ دوسرے کو مطلع کرنے کا سبب ہو جاوے گا اس باب کے مسدود ہو جانے کا۔

اور یہ مفسدہ اس صورت میں زیادہ متحقق ہے جبکہ کسی عورت کے مضامین اخباروں میں بھی چھپتے ہیں اور ان مضامین کو دیکھ کر بعض … شیاطین الانس تو سمجھتے ہیں کہ تحریر کے رنگ طبیعت اور جذبات … کا اس کی تحریرات کے خیالات … زیادہ سمجھتے ہیں بالخصوص اگر وہ کوئی نظم بھی ہو تو اور بھی آفت اور اس زمانہ میں تو ایک اور غضب ہے کہ انشاء کے ساتھ صاحب مضامین کا نام و پتہ تک صاف لکھا جاتا ہے کہ فلانے کی بیوی فلانے کی بیٹی۔ فلاں جگہ کی رہنے والی اور یہ تمام تر فواحش ان کے لکھے پڑھے ہونے سے پیدا ہوتی ہیں اور اگر ان خفیہ … روایتوں کی کبھی … شوہر یا اہل خاندان کو اطلاع بھی ہو گئی تو … پڑھا آدمی ہوشیار … ہوتا ہے … تاویل کر لیتی

کہ کبھی ان پر حرف بھی نہ آنے دے گا اور الٹا منہ ناک بنا دیں گی۔ مکاری سے دور رہیں گی کہ ہم کو یوں کہا کہیں خودکشی اور کنویں میں ڈوبنے کی دھمکی دیں گی حتیٰ کہ اس غریب باز پرس کرنے والی کو خوشامد کرنا پڑے گی اور ڈر کے مارے پھر کبھی زبان تک نہ ہلا دے گا۔

بعض لڑکیاں تعلیم یافتہ طبقہ الاناث میں یہ ہوتی ہے کہ بیہودہ کی کتابیں مثلاً پڑھتی ہیں۔ عشق بازی کے قصے رینالڈس اور مگاہٹ کے ناول شوق انگیز غزلیں پھر ان سے طبیعت بگڑتی ہے کبھی ایسی غزلیں وغیرہ گھر پڑھتی ہیں کہ دروازہ میں یا پڑوس اور ملحقہ میں یا سڑک پر آواز جاتی ہے۔ اور آواز پر کوئی فریفتہ ہو کر درپے ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ ناکام بھی رہا تا ہم رسوائی اور پریشانی کا سبب تو بن ہی جاتا ہے۔

یہ خلاصہ ہے ان صاحبوں کے خیالات کا اور میں ان واقعات کی تکذیب نہیں کرتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ ان صاحبوں نے کوتاہ نظری سے کام لیا۔ واقعات کے حقائق میں غور نہیں کیا اصل یہ ہے کہ ان سب خرابیوں کا ذمہ دار تعلیم نہیں ہے بلکہ طرز تعلیم ہے یا نصاب تعلیم ہے یا طرز عمل ہے یا سوء تدبیر ہے یعنی یا تو یہ ہوا کہ ایسی کتابیں نہیں پڑھائی گئیں جن سے احکام حرام و حلال اور تفصیل ثواب و عقاب اور طریقہ تہذیب اخلاق معلوم ہو اور جن سے خوف و خشیت و معرفت و عظمت حق حاصل ہو ان کو بے تربیت شتر بے مہار بنا کر چھوڑ دیا ہے انہوں نے اپنی رائے سے اردو کے مختلف رسالوں کا مطالعہ کر کے لکھنے پڑھنے کی لیاقت بڑھائی ہے اور تعلیم یافتہ کا لقب پا کر اس طرح تعلیم کو بدنام کیا ہے۔

تو ظاہر ہے کہ محض حروف شناسی کو تو تعلیم کہہ سکتے ہیں اور نہ صرف حروف شناسی اصلاح اعمال و اخلاق کی کفالت کر سکتی ہے۔

اور یا یہ ہوا ہے کہ باوجود نصاب تعلیم کے مفید و کافی ہونے کے اس نصاب کے مضامین کو قلب میں جمانے کی کوشش نہیں کی گئی اور عمل کی نگرانی نہیں کی گئی۔ مثلاً اس کی ضرورت ہے کہ جس روز کسی لڑکی نے یہ مسئلہ پڑھا کہ غیبت حرام ہے اس کے بعد اگر وہ غیبت کرے تو فوراً اس کو یاد دلا دے کہ تم نے کیا پڑھا تھا۔ اس کے خلاف کرتی ہو اور مثلاً ان کو پردہ کی ضرورت یا بیت آداب کے بارے کی تاکید پڑھائی گئی اور پھر اس میں کوتاہی یا غفلت کا مشاہدہ ہوا۔ تو فوراً اس کو روکنا چاہیے یا ان کو جس دن زیور کی مذمت پڑھائی گئی۔ پھر انہوں نے کسی تکلف کے کپڑے یا غیر ضروری زیور کی ہوس کی تو فوراً ان کو متنبہ کیا جاوے۔ اسی طرح امید ہے کہ اخلاق فاضلہ و اعمال صالحہ کا ملکہ ان میں پیدا ہو جاوے گا۔

اور یا یہ ہوا ہے کہ ان کی خود طبیعت اور طینت ہی میں صلاحیت اور قابلیت نہیں ہے تو ایسی صورت میں تربیت نااہل را چوں گردکان بر گنبد است کا اور شعر ہے ؎

شمشیر نیک ز آہن بد چوں کند کسے
ناکس بہ تربیت نشود اے حکیم کس

کا مضمون ہے۔

یہ گفتگو تو خود ان کے احوال و اعمال کے متعلق تھی اور جو افعال دوسرے شریر لوگوں کے شمار کر لئے ہیں ان کا انسداد سو تدبیر سے ہوتا ہے اس کے انسداد کی اچھی تدبیر یہ ہے کہ واسطہ کے ساتھ بہت سختی کی جاوے اور اپنے مردوں کو بالکل صاف اطلاع دیدی جاوے۔

غرض مفاسد کے اسباب یہ ہیں جب یہ ہے تو اس میں عورتوں کی کیا تخصیص ہے۔ یہی اسباب فساد اگر مردوں کو پیش آویں۔ وہ بھی ایسے ہی ہوں گے۔ پھر کیا وجہ کہ عورتوں کو تعلیم سے روکا جاوے۔ اور مردوں کو تعلیم میں ہر طرح کی آزادی دی جاوے بلکہ اہتمام کیا جاوے۔

اس فرق کی وجہ بجز اس کے کچھ نہیں معلوم ہوتی کہ عورت سے صدور قبائح یا اس کی طرف نسبت قبائح عرفاً موجب ذلت اور رسوائی ہے اور یہی امور اگر مرد سے صادر ہوں یا اس کی طرف منسوب ہوں تو وہ عرفاً موجب ذلت اور رسوائی نہیں ہے اس لئے عورت کے لئے ان مفاسد کے احتمال کو مانع تعلیم سے قرار دیا ہے۔ اور مردوں کے لئے نہیں۔ باقی شرعاً تو یہ ہے کہ اس باب میں مرد و عورت یکساں ہیں کہ عورت کے لئے معصیت مذموم و قابل ملامت ہے تو اسی درجہ میں مرد کے لئے بھی۔ اور اگر مرد کے لئے موجب طہارت و نزاہت ہے تو اسی درجہ میں عورت کے لئے بھی۔ پس جب شرعاً دونوں برابر ہیں اور عرفاً متفاوت پس اس تفاوت سے متاثر ہونا یعنی ایک کے لئے ان احتمالات کا اعتبار کرنا دوسرے کے لئے نہ کرنا عرف کو شرع پر ترجیح دینا ہے۔ جو بہت بڑا شعبہ ہے جاہلیت کا جس کا منشا کبر اور ترفع ہے۔ اور یہ صرف میرا ہی دعویٰ نہیں بلکہ مدعا علیہم کو اقرار بھی ہے چنانچہ بکثرت ان لوگوں کی زبان سے سنا گیا ہے کہ میاں مرد کا کیا ہے۔ اس کی مثال تو برتن کی سی ہے کہ دس دفعہ سن گیا اور جب دھو یا صاف ہوگیا اور عورت کی مثال موتی کی آب کی سی ہے کہ اگر ایک دفعہ اتر گئی تو پھر چڑھ نہیں سکتی۔ اس کے معنے دوسرے لفظوں میں صاف یہ ہی ہیں کہ مردوں کے لئے معصیت کو خفیف سمجھتے ہیں۔ اور عورتوں کے لئے شدید

تو علاوہ بے پردگی کے اس میں ان کو انہی مستورات کے بے دین ہونے کا بھی اندیشہ اور سخت اندیشہ ہے۔

تیسرے طبقہ والوں کی غلطیوں کی نشاندہی

اب صرف تیسرے طبقہ کے متعلق کلام باقی رہ گیا جو تعلیم کے حامی تو ہیں لیکن اس تعلیم کے تعین میں یا اس کے طریق کی تجویز میں ان سے غلطی ہوتی ہے چنانچہ ان میں سے بعض کا حال یہ ہے کہ بعض مستورات خواندہ ہیں ان کے اوپر یہ چلتا ہے خود ان کو صرف حروف شناس بنا کر چھوڑ دینا پھر ان کا اپنی رائے سے مختلف رسالوں کا مطالعہ کرنا۔ اور تحصیل تعلیم کے بعد کسی کی نگرانی نہ کرنا جس کی تفصیل مضامین بالا میں ساتھ ساتھ مذکور ہوتی ہیں۔

عورتوں کو دنیوی علوم بغیر ضرورت کے نہیں پڑھانے چاہئیں

اور بعض کا یہ حال ایسا ہوتا ہے مثلاً بعض مستورات کو بجائے علوم دینیہ پڑھانے کے ان کو تاریخ و جغرافیہ یا اس سے بڑھ کر انگریزی پڑھاتے ہیں اور صیغے پڑھ کر ہم کو پڑھاتے ہیں جس کی وجہ صرف تقلید اہل یورپ کی ہے یعنی ان کے نصاب تعلیم میں شائستگی و تہذیب اس کی بنا ہے مگر یہ خیال نہیں کرتے کہ ہم میں اور ان میں اگر رسوم و عادات و طبائع و زبان کا بھی فرق نہ ہوتا تاہم سب سے بڑا فرق مذہب ہی کا ہے کہ ہم مذہب اسلام کا التزام رکھتے ہوئے ہیں اور وہ یا تو کوئی مذہب نہیں رکھتے اور نہ رکھنا ان میں لیے کہتے ہیں اور یا ہمارے مذہب کے مغایر دوسرا مذہب رکھتے ہیں۔

اس لئے ان کے یہاں یا تو تعلیم مذہبی بالکل نہ ہوگی صرف زبان کی تعلیم ہوگی یا دنیوی مصنوعات کی تعلیم ہوگی اور یا دوسرے مذہب کی تعلیم ہوگی۔

بہرحال ان لوگوں کی اس تعلیم کا تو ایک خاص مبنیٰ ہے۔ لیکن ہم لوگ اگر نسواں کی تعلیم تجویز کریں تو اس کا ایک مبنیٰ ہے سبب غرض تعلیم سے ان کی ذات سے جس کا ابھی ذکر ہوا۔ اور ہماری غرض وہ ہے جس کا مختصر بیان مضمون ذیل اصلاح خیال کے ذکر میں ہوا ہے یعنی اصلاح عقائد و اعمال و معاملات و معاشرت و اخلاق اور یہ غرض منحصر ہے علم دین میں تو ظاہر ہے کہ ہم ان کی تعلیم کا اقتضاء کرنا ہر طرح بے ربط ہے البتہ اگر کسی کو تحصیل معاش کی بھی حاجت واقع ہونے والی ہو تو بعد علوم دینیہ کے اس کو ان علوم کا حاصل کر لینا بھی مضائقہ نہیں جو اس زمانہ میں معاش کا موقوف علیہ ہو جیسے اس وقت انگریزی و تاریخ جغرافیہ وغیرہ باقی اگر کسی شخص کو کوئی ضرورت نہ ہوگی اور ظاہر ہے کہ

کسب معاش کی حاجت صرف مردوں کو ہوتی ہے اور عورتیں اول اس وجہ سے کہ ان کا نان و نفقہ مردوں کے ذمہ ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ اسلام میں پردہ کی تاکید ہے اور وہ اسباب خاص معاش کے جو خاص علوم پر موقوف ہیں، پردہ کے ساتھ حاصل نہیں کئے جا سکتے اس لئے عورتوں کے لئے تعلیم بالکل فضول ہے اور ان کے وقت کی اضاعت ہوگی بلکہ فضول سے متجاوز ہو کر ہر طرح مضر ہوگی جیسا کہ عنقریب ان مضار کا بیان بھی آوے گا۔

بہرحال یہ علوم جن کا لقب تعلیم جدید ہے عورتوں کے لئے ہرگز زیبا نہیں۔ البتہ ضرورت دنیا میں سے بقدر ضرورت لکھنا اور حساب اور کسی قسم کی دستکاری کہ اگر کسی وقت کوئی سرپرست نہ رہے تو محنت کے ساتھ چار پیسے کما سکے یہ مناسب ہے۔ رہا تعلق شائستگی کا جس کو دل چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے کہ علم دین کی برابر دنیا بھر میں کوئی دستور العمل اور کوئی تعلیم شائستگی اور تہذیب نہیں سکھلاتا۔ چنانچہ ایک شخص لیجئے جس پر علم دین نے پورا اثر کیا اور ایک وہ شخص لیجئے جس پر تہذیب جدید نے پورا اثر کیا ہے پھر دونوں کے اخلاق اور معاشرت و معاملہ کا موازنہ کیجئے تو آسمان و زمین کا تفاوت پائیے گا البتہ اگر تصنع و تکلف کا نام کسی نے تہذیب رکھ لیا ہو تو اس کی یہ غلطی ہوگی کہ ایک مفہوم کا مصداق اس نے غلط ٹھہرا لیا اور اگر کسی کے ذہن میں اس وقت کوئی دین دار ایسا آیا جس میں تہذیب حقیقی کی کمی ہو تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس نے علوم دینیہ کا پورا اثر نہیں لیا۔

دین صرف نماز روزہ ہی کا نام نہیں ہے

بلکہ دین کے اجزاء متعدد ہیں۔ عقائد، اعمال و معاملات و معاشرت و اخلاق بالعموم لوگ صرف نماز روزہ کے احکام کے جاننے کو علم دین اور ان احکام کی پابندی کرنے والے کو دیندار سمجھتے ہیں سو خود یہی غلطی ہے سب اجزاء دین کے احکام ضروریہ کا جاننا اسی طرح علم دین اور سب کی پابندی دینداری ہے۔ سو جس کو دین دار لقب دے کر قلیل التہذیب قرار دیا گیا ہے وہ واقع میں سب اجزاء دین کا متبع نہیں اور کلام اس میں ہے جس نے سب اجزاء کا اثر لیا ہو پس وہ شبہ رفع ہو گیا بندہ نے اس قسم کے شبہات کے جواب کے لئے رسالہ حقوق العلم لکھا ہے (جو قابل ملاحظہ ہے)

غرض تہذیب علم دین کے برابر کسی علم سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہی علم دین تو تھا جس نے سلف میں اپنے اثر سے وہ اخلاق و شائستگی پیدا کی کہ خود یورپ کو بھی اس کا اعتراف بلکہ اس سے غیر واقف بھی ہے مگر ہم اپنے گھر کی دولت سے بے خبر ہو کر دوسروں سے اس کی دریوزہ گری کرتے پھرتے ہیں۔

و دایہ عارف الرومی حیث قال ـ

یک سبد پر نان ترا بر فرق سر | تو ہمی جوئی لب نان در بدر
تا بزانوئی میان قعر آب | وز عطش وز جوع گشتستی خراب

لڑکیوں کے لئے آزاد اور بیباک استانی مقرر نہیں کرنی چاہیے

بے حیا استانی لڑکیوں کو
آزاد بیباک بنادیتی ہے

تعلیم دلانے میں یہ تجربہ ہے کہ ہم صحبت کے اخلاق و جذبات کا آدمی میں ضرور اثر ہوتا ہے خاص کر جب وہ شخص ہم صحبت ایسا ہو کہ متبوع اور معظم بھی ہو اور ظاہر ہے کہ استاد سے زیادہ ان خصوصیات کا کون جامع ہوگا تو اس صورت میں وہ آزادی و بیباکی ان لڑکیوں میں بھی آوے گی۔ اور میری رائے میں سب سے بڑھ کر جو عورت کا حیا اور انقباض طبعی ہے اور یہی مفتاح ہے تمام خیر کی۔ جب یہ نہ رہا تو اس سے پھر کوئی خیر متوقع ہے نہ کوئی شر مستبعد ہے یہ حدیث کہ۔ اذا فاتک الحیاء فافعل ما شئت۔ اگرچہ عام ہے لیکن میرے نزدیک مناسبت کا عموم النساء کے لئے بہ نسبت رجال کے زیادہ ہے اس لئے کہ مردوں میں تو پھر بھی عقل کسی قدر مانع ہے اور عورتوں میں اس کی بھی کمی ہوتی ہے ـ اس لئے کوئی مانع ہی نہ رہے گا۔

اسی طرح اگر استانی ایسی نہ ہو لیکن ہم سبق اور مکتب لڑکیاں ایسی ہوں تب بھی اسی کے قریب مضرتیں واقع ہوں گی۔

اس تقریر سے اس طریقہ کا حال بھی معلوم ہو گیا ہوگا جس کا اس وقت بہت تکلف سے شیوع ہے یعنی لڑکیوں کا عام زنانہ اسکول بنانا اور مدارس عامہ کی طرح اس میں مختلف اقوام اور مختلف طبقات اور مختلف خیالات لڑکیوں کا روزانہ مجمع ہونا۔ گو استانی مسلمان ہی ہو اور پردہ ڈولیوں ہی میں ہو اور گو یہاں آکر بھی پردہ ہی کے مکان میں رہنا ہو لیکن تاہم واقعات نے دکھلا دیا ہے اور تجربہ کرا دیا ہے کہ یہاں ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں جن کا ان کے اخلاق پر برا اثر پڑتا ہے اور یہ صحبت اکثر عفت سوز ثابت ہوئی ہے اور اگر استانی بھی کوئی آزاد یا مکار مل گئی تو کریلا اور نیم چڑھا کی مثال صادق آجاتی ہے۔

اور دوسری جزئی یہ کہ اگر بچیاں مشن کی میم سے بھی صرف زنانہ یا صنعت و انگریزی تعلیم یا صنعت سیکھنے

کے بہانہ سے اختلاط ہونے لگے تب تو نہ آبرو کی خیر ہے اور نہ ایمان کی۔ مگر افسوس صد افسوس ہے کہ بعضے لوگ ان آفات کو مایۂ افتخار سمجھ کر خود اپنے گھروں میں بلاتے ہیں بعضے تو نہ دیکھ کر ان آفت مجسمہ سے بھی تو بچی اور بنا لیے ہو کر تو یا ذکر کسی بڑی بوڑھی مسلمان عورت کا ضروری ہو کہ کسی طرح میں ایک بار سلام ہو جو بھی خطرناک ہے جن عورتوں کے ذکر کا اوپر وعدہ تھا ان میں سے بعض کی تو اور بعض کا ذکر اوپر دوسرے فتنہ کے متعلق خیال کے ضمن میں ہو چکا ہے۔

لڑکیوں کی تعلیم کا اسلم طریقہ

اسلم طریق لڑکیوں کے لئے یہی ہے جو زمانہ دراز سے چلا آتا ہے کہ دو دو چار چار لڑکیاں اپنے اپنے تعلقات کے مواقع میں آویں اور پڑھیں اور حتی الامکان اگر ایسی استانی مل جاوے جو خود نیک ہو تو تجربہ سے یہ تعلیم زیادہ بابرکت اور بااثر ثابت ہوتی ہے اور بدرجہ مجبوری اس کا بھی مضائقہ نہیں اور جہاں کوئی ایسی استانی نہ ملے۔ اپنے گھر کے مرد پڑھا دیا کریں پڑھانے کا تو جو طرز ہو۔

نصاب تعلیم

اور نصاب تعلیم یہ ہو کہ اول قرآن مجید حتی الامکان صحیح پڑھنا یاد رہے۔ پھر کتب دینیہ سہل زبان کی جن میں تمام اجزائے دین کی تعلیم ہو جیسے بہشتی زیور کے دسوں حصے ضرورت کے لئے کافی ہیں اور اگر کوئی مرد تعلیم دے تو مسائل مخصوصہ جو ہوں ان کو چھوڑ دے اپنی بیبی کے ذریعہ سمجھا دے۔ اور اگر یہ انتظام بھی نہ ہو سکے تو ان پر نشان کر دے تاکہ ان کو یہ مقامات محفوظ رہیں پھر دو میاں بیوی ہو کر خود سمجھ لیں گی یا اگر عالم شوہر ہے تو اس سے پوچھ لیں گی یا شوہر کے ذریعہ سے کسی عالم سے تحقیق کرا لیں گی۔ (چنانچہ بندہ نے بہشتی زیور کے دستور العمل میں جو ٹائٹل پر مطبوع ہوا ہے۔ اس کا خلاصہ لکھ دیا ہے مگر بعضے لوگ اس کو دیکھتے ہی نہیں اور اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ اگر کوئی مرد پڑھانے لگے تو ایسے مسائل کس طرح پڑھا وے۔ اس لئے اس کو مکرر یہی کتاب میں مناسب تھا لکھ دیا گیا ہے) بہشتی زیور کے اخیر میں مفید رسالوں کا نام بھی لکھ دیا گیا ہے جن کا پڑھنا اور مطالعہ عورتوں کو مفید ہے اگر سب نہ پڑھے ضروری سمجھ کر پڑھ کر باقیوں کو مطالعہ میں ہمیشہ رکھیں۔ اور تعلیم کے ساتھ ان کے عمل کی بھی نگرانی رکھیں اور اس کا بھی انتظام کریں کہ ان کو دین کا شوق ہو۔ تاکہ علمی شغل رہے اور اس سے علم و عمل کی تجدید و تقویت ہوتی رہتی ہے۔ ان کو ترغیب دیں کہ مطالعہ کتب مفیدہ سے بھی

فارغ نہ رہیں اور ضروری نصاب کے بعد اگر طبیعت میں قابلیت دیکھیں عربی کی طرف متوجہ کریں تاکہ قرآن و حدیث و فقہ اصلی زبان میں سمجھنے کے قابل ہو جاویں۔ اور قرآن کا خالی ترجمہ جو بعض لڑکیاں پڑھتی ہیں۔ میرے خیال میں سمجھنے میں زیادہ غلطی کرتی ہیں اس سے لڑکی کے لئے مناسب نہیں یہ تو سب پڑھنے کے متعلق بحث تھی۔

عورتوں کو لکھنا سکھلانے کے متعلق حکم

اور لکھنا اگر قرآن سے طبیعت میں بے باکی معلوم نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ضروریات خانگی کے لئے اس کی بھی حاجت ہو جاتی ہے اور اگر اندیشہ خرابی کا ہو تو مفاسد سے بچنا جلب مصالح وغیرہ سے اہم ہے۔ ایسی حالت میں لکھنا نہ سکھلاویں اور نہ خود سیکھنے دیں اور یہی فیصلہ ہے عقل کے اس اختلاف کا جو لکھنا عورت کے لئے کیسا ہے۔ اب مضمون ختم کرتا ہوں۔

"استاذ شاگرد اور ہم جماعت ساتھیوں کے حقوق کے متعلق کوتاہیاں"

(اصلاحِ معاشرہ، ادائے حقوقِ معلم و متعلم و شریکِ تعلم)

علومِ دینیہ کا جس طرح تعلیم و تعلم ضروری ہے اسی طرح اس تعلیم و تعلم کے سبب جن لوگوں سے ساتھ تعلقات ہوتے ہیں۔ ان تعلقات کے حقوق کا ادا کرنا بھی ضروری ہے اور یہ حقوق جس طرح فی نفسہٖ دلائل سے ضروری ہیں۔ اسی طرح تجربہ سے ثابت ہوا کہ برکاتِ علمیہ کے موقوف علیہ ہونے کے اعتبار سے بھی ضروری ہیں اور جن سے یہ تعلقات ہوتے ہیں وہ تین جماعتیں ہیں: اول معلمین یعنی اساتذہ، دوسرے متعلمین یعنی تلامذہ، تیسرے شرکاء فی التعلم یعنی ہمدرس و ہم سبق، پس تینوں جماعتوں کے کچھ حقوق و آداب ہیں اور قبل دیگر اعمال کے ان میں بھی کم و بیش کوتاہیاں کی جاتی ہیں۔

متعلمین کی کوتاہیوں کی تفصیل

چنانچہ مشاہدہ ہے کہ بعضے تو استاد کے حقوق و آداب بھی ادا نہیں کرتے۔ پھر ان میں بھی دو قسم کے ہیں بعض تو زمانہ تحصیلِ علوم ہی میں کوتاہیاں کرتے ہیں اور بعض اس زمانہ میں تو کسی قدر رعایت کرتے ہیں مگر بعد

معاشرت بھی متعلق اس کا اہتمام نہیں کرتے ورنہ بعضے مخلصین علوم میں بھی کوتاہیاں کرتے ہیں یہ دو قسم کے ہیں۔ بعضے تو ظاہر حقوق میں بھی کوتاہی کرتے ہیں اور بعضے ایسا تو نہیں کرتے مگر جن حقوق وآداب کے سمجھنے میں کسی قدر سلیقہ کی حاجت ہے ان میں کوتاہی کرتے ہیں اور ان سب میں اکثر معدود ہیں جو بعد مفارقت کے استاد کو یاد نہیں رکھتے اور سب میں بڑھ کر وہ بدنصیب ہیں جو کسی نفسانی مقتضی سے استاد کے مخالف ہو جاتے ہیں۔ یہ سب اقسام ان لوگوں کے ہیں جو استادوں کا حق ادا نہیں کرتے۔ اور ان مضیعین حقوق اساتذہ سے زیادہ معدود وہ حضرات ہیں کہ اپنی شاگردی کے زمانہ میں شاگردوں کا کوئی حق اپنے ذمہ نہیں سمجھتے اور اپنے حقوق واجبہ سے گذر کر غیر واجب بلکہ غیر جائز کے ادا کے بھی متوقع و منتظر رہتے ہیں اور صاف یا باشارات ان کا مطالبہ ان سے کرتے ہیں اور ان سے بھی زیادہ وہ لوگ ہیں بلکہ شاید قریب قریب کل کے ایسے ہی ہیں کہ ہم جنسوں کے حقوق کا تو ان کے دل میں خطرہ بھی نہ گذرتا ہوگا۔

تنبیہ دوستوں احباب سے، ہم دوستی بھی ہو جاتی ہو مگر یہ بات کہ محض اس علاقہ سے باہم دوسرے کے کچھ حقوق اپنے ذمہ سمجھتے ہوں یہ بات بہت نادر بلکہ قریب قریب معدوم ہے اور جب سمجھتے ہی نہیں تو پھر ادا کرنے کے اہتمام کا تو کیا ذکر ہے بلکہ بعض جگہ تو نہایت افسوس کی بات ہے کہ بجائے باہم الفت و وفاق و رعایت حقوق کے ایک طرف سے یا کبھی دونوں طرف سے بغض و حسد و خلاف و عقوق دیکھا جاتا ہے اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ ان سب حقوق کی کچھ کچھ جزئیات بطور نمونہ لکھ دی جاویں۔ خود ان جزئیات کے بیان میں انشاء اللہ تعالیٰ ایسے اصول بھی آجاویں گے کہ ان اصول سے دوسری غیر مذکور جزئیات کا سمجھنا اور رعایت کرنا سہل ہو جاوے گا۔ اور ہر چند کہ تینوں قسم کے حقوق وآداب میرے نزدیک فطری ہیں اور ذرا بھی فطرت میں سلامتی ہو تو ان کے معلوم کرنے اور نیز عمل پر تقاضا کرنے کے لئے صرف وجدان کافی ہے لیکن اس خیال سے شاید کسی احتمال پرست کو گمان ہو کہ مثل دیگر حقوق کے یہ حقوق شریعت میں منقول نہیں۔ نقل مصلحت معلوم ہوا۔

تو بالخصوص پر نقل کرنے کے ساتھ ساتھ ان حقوق کی تقریر کرنا جاذب ہے اور حتی الامکان ترتیب کا بھی لحاظ رکھوں اس طرح کہ اول حقوق استاد کے پھر شاگرد کے، پھر ہمدرس کے بیان کروں گا۔

حتی الامکان اس لیے کہ یہ ممکن ہے کہ کسی شخص سے دو یا تین جماعتوں کے حقوق متعلق ہوتے ہوں تو خاص اس میں وہ ترتیب ملحوظ نہ رہے گی۔ گو ایسا قلیل ہوگا۔

اور جاننا چاہیے کہ استاد عام ہے سبق پڑھانے والے اور پوچھنے پر مسئلہ بتلانے والے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والے اور اصلاح نفس کے طریقے بتلانے والے یعنی پیر کو، اسی طرح شاگرد عام ہے تلمیذ متعارف اور سائل عن الدین اور مرید کو، اسی طرح مجلس عام ہے متعارف مجلس سبق اور کسی عالم کی مجلس میں شرکت کرنے والوں اور پیر کے پاس جمع ہونے والوں کو۔

اور جاننا چاہیے بعد سوق نصوص کے بطور تفریع یا توضیح یا تفصیل یا تتمیم کے کچھ جزئیات کا بھی تذکرہ کروں گا وہ بھی گویا اصل ہی کے ساتھ ملحق ہوگا۔

حقوق و آداب معلم

آیۃ: لقد من اللہ علی المؤمنین الی قولہ تعالیٰ۔ یعلمہم الکتاب والحکمۃ الآیۃ

(البتہ احسان کیا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر (الی قولہ) اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت)

اس آیۃ کریمہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت بعثت پر منت ہونے کی علت میں تعلیم کتاب و حکمت کو ذکر فرمانا صاف دلیل ہے کہ جو شخص کسی کو دین کی تعلیم کرے وہ اس شخص کے حق میں نعمت الٰہی ہے اور اس کی قدر و تعظیم اس پر لازم ہے اور اس تعلیم میں سبق پڑھانا اور مسئلہ بتلانا وغیرہ سب داخل ہیں کہ یہ سب تعلیم کے طریقے ہیں حتیٰ کہ کسی کی تصنیف سے مستفید ہو جانا اس قدر سے اس کے شاگردوں میں داخل ہو جاتا ہے اس کے حقوق بھی مثل استادوں کے ثابت ہو جاویں گے۔

آیۃ: و قال لہ موسیٰ ھل اتبعک الی آخر القصۃ

(حضرت موسیٰ نے حضرت خضر سے کہا کہ کیا میں تمہاری پیروی کروں)

ان آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ ہے اس سے چند حقوق و آداب ثابت ہوتے ہیں اول استاد کی خدمت میں خود شاگرد جا کر رہے اس کو تکلیف نہ دے

کر اگر پڑھا دیا کریں اگرچہ استاد کبھی اعتبار سے شاگرد سے رتبے میں کم ہی ہو تب بھی اس کا اتباع کرے۔

سوم:- جس بات کے پوچھنے کو وہ منع کریں اس کو نہ پوچھا کرے۔ اس کی مخالفت یا اس کو ترک نہ کرے۔

چہارم:- اگر کبھی غلطی سے اس کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہو جاوے تو معذرت کرے۔ پنجم اس کے تنگ ہونے یا مرض وغیرہ سے کسل مند ہونے کے وقت سبق بند کر دے

استاد کے ساتھ گفتگو کے آداب ملحوظ رکھنا

آیۃ: یا ایہا الذین آمنوا لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا واسمعوا - الآیۃ

(ترجمہ) اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت کہو راعنا اور کہو انظرنا اور سنو۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ استاد کے ساتھ گفتگو میں بھی ادب ملحوظ رکھے تاکہ ملامت نہ ہووے۔

آیۃ: انما المؤمنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ واذا کانوا معہ علی امر جامع لم یذہبوا حتی یستاذنوہ

(ترجمہ) بجز این نیست کہ مومن وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ اور جب ہوتے ہیں ساتھ رسول کے کسی اجتماعی بات پر تو نہیں جاتے جب تک اجازت نہ لے لیں۔

استاد کی خدمت میں بلا اجازت نہ جاوے

اس آیت سے استاد کا یہ حق ثابت ہوا کہ اس کی خدمت سے بلا اذن نہ جاوے خواہ اذن صراحۃً ہو یا دلالۃً

تعلیم دین بھی احسان ہے

حدیث:- عن ابن عمر رضی اللہ عنہ من صنع الیکم معروفاً فکافئوہ فان لم تجدوا ما تکافئونہ فادعوا لہ حتی تروا انکم قد کافأتموہ (رواہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن حبان فی صحیحہ والحاکم فی مستدرکہ کذا فی الترغیب)

(ترجمہ) جو شخص تم پر احسان کرے اگر تم اس کی مکافات کر سکتے ہو تو کر دو ورنہ اس کے لئے دعا کرو یہاں تک کہ تم سمجھو کہ تم نے اس کی مکافات کر دی۔

کیا کوئی شخص تعلیم دین کے معروف یعنی احسان ہونے سے انکار کر سکتا ہے۔ جب اس کا احسان ہونا مسلم ہو گیا تو اس کے مکافات میں اس کی ہر قسم کی خدمت مال سے جان سے دل سے ہو گی جو

حدیث ہذا میں مامور بہ ہے۔

اور جب کسی قسم کی استطاعت نہ رہے تو اس وقت اقل درجہ دعا ہی سے یاد رکھنا ضروری ہے

حدیث:۔ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ رواہ احمد والترمذی۔

ترجمہ:۔ جس نے آدمیوں کا شکر ادا نہ کیا، اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر نہ ادا کیا۔

اس حدیث کے عموم میں استاد بدرجہ اولیٰ داخل ہے کہ بہت بڑی نعمت یعنی علم دین کا واسطہ ہے اس کی حق شناسی میں کوتاہی کرنا بنص حدیث حق تعالیٰ کی ناشکری ہے جس کا محل وعید ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔

قال تعالیٰ لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم (مقابل شکرتم) ان عذابی لشدید الآیۃ۔

ترجمہ:۔ اگر تم شکر کرو گے تو ہم اور زیادہ دیں گے اگر تم کفران نعمت کرو گے تو یاد رکھو ہمارا عذاب شدید ہے۔

یہ حدیثیں تو عموم سے اس پر دال ہیں، آگے خصوص کے ساتھ دلالت کرنے والی احادیث منقول ہیں۔

استاد اور شاگرد ایک دوسرے کو مغالطہ میں نہ ڈالے

حدیث: عن معاویۃ رضی اللہ عنہ قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الاغلوطات رواہ ابو داؤد

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (علوم میں) مغالطہ دینے سے منع فرمایا ہے۔

اس سے ایک ادب استاد کا ثابت ہوا وہ یہ کہ بعض طلبا کی عادت ہے کہ خواہ مخواہ کتاب میں احتمالات نکال کر استاد کے سامنے بطور اعتراض پیش کیا کرتے ہیں اور خود بھی سمجھتے ہیں کہ محل اعتراض نہیں ہیں مگر اپنی ذہانت جتلانے اور استاد کا امتحان کرنے کے لئے ایسی نامعقول حرکت کرتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ یہ مغالطہ ہو کر ظاہر کیا جاتا ہے کہ یہ مقام مشتبہ ہے حالانکہ خود اپنے نزدیک بھی مشتبہ نہیں اور اسی سے شاگرد کا بھی ایک حق ثابت ہوگیا وہ یہ کہ بعض مدرسین کی عادت ہے

مگر کسی مقام پر خود ہی متنبہ ہے کہ شاگرد پر ظاہر نہیں کرنا چاہئے بلکہ گاہے مراعات تعزیر کر دیتے ہیں۔ اور اس کو دھوکا دیتے ہیں کہ اس مقام کی یہی تقریر ہے ورنہ کرتا ہوں یہ امتحان نہیں۔

علمِ دین پھیلانے والا سب سے زیادہ سخی ہے۔

حدیث: عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم هل تدرون من اجود جودا قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال اللہ تعالی اجود جودا ثم انا اجود بنی آدم واجودهم من بعدی رجل علم علما فنشره یاتی یوم القیامۃ امیرا وحده۔ رواه البیهقی۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ انہوں نے ازراہِ ادب عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ سخی اللہ تعالیٰ ہے پھر تمام بنی آدم میں سب سے زیادہ میں سخی ہوں اور پھر سب سے زیادہ سخی وہ شخص ہے کہ جس نے علمِ دین سیکھا اور اس کو پھیلایا یہ شخص قیامت میں تنہا بمنزلہ ایک امیر کے آوے گا (بیہقی)

اس حدیث میں بعد اللہ و رسول کے سب سے زیادہ صاحبِ جود اس عالم کو فرمایا ہے جو علم کو شائع کرے جس طریق سے بھی ہو خواہ تدریس سے یا وعظ و تلقین سے خواہ تصنیف سے۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص کسی پر جود کرے اس کا کتنا حق ہوتا ہے پس یہ شیوخ العلم جن لوگوں پر جود و فیاضی کر رہے ہیں اور وہ متعلمین ہیں، تو ان پر ان کا کیسا کچھ حق ہو جاوے گا۔

اگر استاد کسی کتاب پڑھنے سے منع کرے تو شاگرد کو اس پر عمل کرنا چاہئے

حدیث: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتب لامیر السریۃ کتابا وقال لا تقرأه حتی تبلغ مکان کذا وکذا فلما بلغ ذلک المکان قرأه علی الناس واخبرهم بامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم (رواه البخاری)

ترجمہ: جنابِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک امیرِ لشکر کو ایک تحریر لکھ کر دی اور ایک مصلحت کے سبب یہ فرمایا کہ جب تک فلاں مقام پر نہ پہنچ جاؤ اس کو مت پڑھنا۔ چنانچہ اسی کے موافق عمل کیا۔ (بخاری)

اس حدیث سے ایک ادب ثابت ہوا جو طالب علموں پر لازم ہے وہ یہ کہ استاد اگر کسی کتاب

پڑھنے سے کسی خاص وقت میں منع کرے مثلاً اس کے نزدیک شاگرد کی استعداد سے زیادہ ہے یا اس مصلحت سے اس وقت پڑھنے سے منع کرتا ہے تو طالب علم کو چاہیے اس پر عمل کرے۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہر طرح مبارک ہی تھا اور اس کا پڑھنا اور جاننا ہر وقت عبادت تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مصلحت سے ایک وقت معین کے قبل تک اس کے مطالعہ سے منع فرمایا اور ان صحابی نے ویسا ہی کیا۔

شاگرد کے بے ڈھنگے سوال پر اگر استاد غصہ کرے تو صبر کرنا چاہیے

حدیث ۱: عن زید بن خالد الجھنی ان

النبی صلی اللہ علیہ وسلم سألہ رجل عن اللقطة فقال اعرف وکاءها او قال وعاءها وعفاصها ثم عرفها سنة ثم استمتع بها ان کنت فقیرا والا تصدق بها فان جاء ربها فأدها الیه قال فضالة الابل فغضب حتی احمرت وجنتاه او قال احمر وجهه فقال مالک ولها معها سقاؤها وحذاؤها ترد الماء وترعی الشجر فذرها حتی یلقاها ربها

رواہ البخاری۔

ترجمہ: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے لقطہ (گری ہوئی چیز) کے بارے کا مسئلہ دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اس کا سر بند اور ظرف پہچان لے۔ اور سال بھر تک اس کی تعریف کر اگر کوئی مالک نہ ملے (اور تو محتاج ہو) تو اس سے نفع اٹھا (ورنہ صدقہ کردے) پھر اگر اس کا مالک آوے تو اس کو دیدے۔ اس سائل نے کہا کہ گمشدہ اونٹ کا کیا حکم ہے۔ اس سوال سے آپ پر اتنا غصہ نمودار ہوئے حتی کہ رخسار ہائے مبارک سرخ ہوگئے۔ آپ نے فرمایا۔ تجھے اس سے کیا کام ہے اس کے ساتھ تو اس کی مشک ہے اور اس کے موزے۔ پانی پر جا کر پانی پیتا ہے اور درختوں سے چارہ کھاتا ہے (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی بے ڈھنگے سوال پر استاد غصہ کرے تو شاگرد کو چاہیے کہ اس کو گوارا کرے مکدر نہ ہو۔ جس طرح یہاں اس صحابی نے برا نہیں مانا۔

جہاں تک ہوسکے استاد کے ساتھ رہنے کی کوشش کریں

حدیث ۲: عن ابی ھریرة رضی اللہ عنہ فی حدیث طویل

وان ابا ھریرۃ رضی اللہ عنہ کان یلزم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشبع بطنہ ویحضر ما لا یحضرون ویحفظ ما لا یحفظون (رواہ البخاری)

ترجمہ: ایک طویل حدیث میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے پیٹ بھر غذا ملنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہمیشہ رہتے تھے۔ اس قدر اور لوگ حاضر نہ رہتے تھے اور احادیث اس قدر یاد کرتے تھے کہ اور لوگ نہ یاد کر سکتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر پیٹ بھرائی کھانا مل جاوے تو حتی الامکان استاد سے جدا نہ ہو کہ اس کی عنایت بھی بڑھ جاتی ہے اور فوائد علمیہ بھی حاصل ہوتے ہیں اور اس کی خدمت کا بھی موقع ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رض سے موقع بموقع بہت سی احادیث میں وارد ہے۔

استاد کی تقریر کے وقت بالکل خاموش رہنا چاہیے

حدیث: عن جریر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ فی حجۃ الوداع استنصت الناس (رواہ البخاری)

ترجمہ: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں خطبہ کے وقت حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لوگوں کو چپ کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استاد کی تقریر کے وقت بالکل خاموش اور متوجہ رہنا چاہیے کبھی بے بات نہ کرے کسی کی طرف التفات نہ کرے۔

اگر استاد کسی بات پر ناراض ہو تو ان کو خوش کرنا چاہیے

حدیث: عن جابر رضی اللہ عنہ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنسخۃ من التوراۃ فقال یا رسول اللہ ھذہ نسخۃ من التوراۃ فسکت فجعل یقرأ ووجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتغیر فقال ابوبکر رضی اللہ عنہ ثکلتک الثواکل ما تری ما بوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنظر عمر فقال اعوذ باللہ من غضب اللہ ورسولہ (الحدیث) (رواہ الدارمی)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک نسخہ توراۃ کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ نسخہ توراۃ کا

تا ہے۔ آپ سن کر خوش ہوتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اس کو پڑھنا شروع کیا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عمر روویں تجھ کو رونے والیاں۔ رسول اللہ صلی اللہ کے روئے انور کو تو دیکھو کہ خوشی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھتے ہی فرمایا۔ پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کے غصے سے اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے غصہ سے (دارمی)

اس حدیث سے ایک حق استاد کا ثابت ہوا کہ اگر وہ کسی بات پر غصہ کرے تو شاگرد کو معذرت کرنا اور اس کو خوش کرنا ضروری ہے۔ دوسرا حق بحث شاگرد کا ثابت ہوا کہ اگر اس سے کوئی امر نامناسب صادر ہو تو اس کو تنبیہ کرنا ضرور ہے اور اس سے اس کی اصلاح ہوتی ہے تیسرا حق شریک علم کا ثابت ہوا کہ اگر اس کی غلطی پر جس پر خود مطلع نہ ہوا۔ خیر خواہی سے مطلع کر دے کہ وہ اس کا تدارک کرے اور وہ بھی اس کو قبول کرے۔ جیسا حضرت شیخین سے واقع ہوا۔

اہل علم اور استاد کے ساتھ ادب و تواضع سے پیش آنا چاہئے

از حدیث فی الترغیب والترہیب للمنذری عن ابی ہریرۃ رض

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعلموا العلم وتعلموا للعلم السکینۃ والوقار وتواضعوا لمن تتعلمون منہ۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم سیکھو اور علم کے لئے سکینہ اور وقار اختیار کرو اور جس سے علم سیکھتے ہو اس کے ساتھ تواضع اور ادب سے پیش آؤ (ترغیب و ترہیب)

اس حدیث میں ترغیب عجز و انکسار و تواضع اہل علم کے ساتھ استاد کے ساتھ ادب و تواضع سے پیش آنے کا صریح امر ہے۔

استاد کے حقوق کے متعلق مختلف کوتاہیاں

اب بعد سوق نصوص کے واقعات پر نظر کرکے کوتاہیاں اس باب کے متعلق عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سو جاننا چاہئے کہ جو لوگ استاد کے حقوق ضائع کرتے ہیں جیسا کہ تمہید مضمون میں بیان کیا گیا

مختلف اقسام ہیں بعض تو خود زمانہ تحصیل علوم میں بھی کوتاہیاں کرتے ہیں پھر ان میں بعضے تو کوتاہی حقوق میں بھی کوتاہی کرتے ہیں جیسے ان کا ادب کرنا مثلاً آنے جانے کے وقت سلام نہ کرنا اس کی طرف پشت کرکے بیٹھنا، یا ادھر پاؤں پھیلا دینا، اور جیسے اطاعت کم کرنا، مثلاً کوئی بات ٹال دی، کسی بات کو ٹال دیا اور جیسے خلوص میں کمی کرنا، مثلاً اس سے فریب کرنا، جھوٹ بولنا، اپنی خطا کی تاویل کرنا اور جیسے خدمت میں کمی کرنا خواہ بدنی ہو، مثلاً بن کر پنکھا جھلنا، اس کا بدن دبانا۔ وغیر ذالک۔ اور خواہ مالی ہو مثلاً حق تعالیٰ نے پیسے کو وسعت دی ہے اور استاد نادار ہے، اس وقت اس کی خدمت میں کچھ نقد یا سامان یا طعام بطور ہدیہ کے پیش کرنا۔ اس میں ایسے متکبر ہیں کہ وہ بدنی خدمت کو عار و ذلت سمجھتے ہیں۔ اور بعض ان سے دریغ کرتے ہیں۔ خصوصاً اگر استاد ان کا تنخواہ دار ہو تو تنخواہ دے کر سب حقوق سے اپنے کو سبکدوش سمجھ بیٹھتے ہیں۔ واقعی پھر کوئی حق واجب تو نہیں رہتا لیکن کیا واجب کے بعد تطوع کا کوئی درجہ نہیں خصوصاً جبکہ اس میں اپنے ہی نفع ہو تجربہ سے یہ معلوم ہوا کہ استاد کا دل جس قدر خوش رکھا جاوے گا۔ اسی قدر علم میں برکت ہوگی۔

استاد کا حق ادا نہ کرنے کے متعلق ایک عجیب حکایت

میں نے ایک جگہ کسی بہت بڑے عالم کی حکایت یہی دیکھی ہے کہ ان کے استاد ان کے وطن کی طرف اتفاق سے آنے تھے۔ سو سب شاگرد ان کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوئے اور یہ عالم بوجہ اس عذر کے کہ وہ اپنی والدہ کی خدمت میں مشغول تھے حاضر نہ ہوسکے۔ چونکہ ایسی مشغولی بھی کہ حاضر ہونے سے فرضیت خدمت میں کوئی حرج واقع ہوتا۔ کسی قدر سستی سے بھی کام لیا۔ استاد کو یہ کم توجہی ناگوار ہوئی اور یہ فرمایا کہ بہ برکت خدمت والدہ کے ان کی عمر تو طویل ہوگی مگر ہم سے حقوق میں کمی کرنے کے سبب ان کے علم میں برکت نہ ہوگی۔ چنانچہ عمر تو بہت ہوئی لیکن تمام عمر گذر گئی نشر علم کے اسباب ان کے لئے جمع نہ ہوئے۔ کچھ ایسے اتفاقات وقتاً فوقتاً پیش آتے رہے کہ کبھی کسی شہر میں رہنا ہی نصیب نہ ہوا۔ ہمیشہ گاؤں ہی میں رہتے رہے۔ جہاں نہ درس و تدریس کا سلسلہ ہو نہ دیگر طرق اشاعت علم کا۔

غرض کہ استاد کے مکدر ہونے سے علم کی برکت جاتی رہتی ہے اور اس کی خوشی سے برکت ہوتی ہے۔

ہیں جو حقوق واجب نہیں ہیں۔ ان کی رعایت کرنے سے اپنا ہی نفع ہے۔

اور کم غور کرنے کے قابل بات یہ ہے کہ اگر استاد بھی اسی قاعدہ پر عمل کرے کہ تعلیم واجب سے زیادہ ایک حرف نہ بتلاوے ایک منٹ زیادہ نہ دے۔ تقریر ایک بات سے زیادہ ہرگز نہ کرے تو کیا اس طرح سے اس کو علم حاصل ہو سکتا ہے وہ بے چارہ اس کی تعلیم و تفہیم میں اپنا خون جگر کیا کرتا ہے تو اس کو کیا زیبا ہے کہ اس کے حقوق میں ضابطہ سے ایک انگل نہ بڑھے۔ یہ تو بڑی بے حسی و قساوت ہے۔

کتابوں کا مطالعہ کرنا بھی استاد کے حقوق میں داخل ہے۔

اور بعضے ایسے موٹے موٹے حقوق کی تو رعایت کرتے ہیں لیکن ایسے حقوق میں کوتاہی کرتے ہیں جن کے سمجھنے میں سلیقہ کی ضرورت ہے۔ مثلاً مطالعہ کم دیکھنا جس سے عبارت پڑھنے میں غلطیاں ہونے سے یا مقام کے نہ سمجھنے کے سبب استاد کو کئی بار تقریر کرنے کی ضرورت واقع ہونے سے یا اسی کم سمجھنے کے سبب فضول سوال کرنے سے استاد کو تنگی و انقباض و پریشانی ہو تو کیا محسن کا یہی حق ہے کہ اس کو بلا وجہ پریشان کیا جاوے اور یہاں بلا ضرورت ہی ہے کیونکہ مطالعہ کے اہتمام سے یہ سب قباحات رفع ہو سکتے تھے میں یہ نہیں کہتا کہ مطالعہ دیکھنے سے پھر عبارت میں غلطی یا فہم مطالب میں کمی نہیں ہوتی۔ ضرور ہو بھی ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے استادوں کو ایسی بصیرت عطا فرمائی ہے کہ وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اس نے اپنی کوشش صرف کی ہے یا نہیں۔ پس باوجود بذل جہد کے جو کمی رہ جاتی ہے وہ چونکہ اس کی وسعت سے خارج ہے اس سے جتنا تکدر نہیں ہوتی اس میں اس شاگرد کو معذور سمجھا جاتا ہے۔ اور بے پروائی و سستی معلوم ہونے سے بے حد ناگواری ہوتی ہے۔

استاد کی تقریر کے وقت ادھر ادھر نہیں دیکھنا چاہیے

اور مثلاً استاد کی تقریر کے وقت دوسری طرف التفات کرنا کہ استاد تو اس کی طرف متوجہ اور یہ دوسری طرف متوجہ اس سے استاد کو بہت کوفت ہوتی ہے خصوصاً ایسی حالت میں جب کوئی سوال بھی کرے۔ ایسا اگر توجہ سے تقریر سنتا تو پھر یہ سوال ہی نہ کرتا۔ اس وقت استاد کو سخت شکایت ہوتی ہے کہ ناحق ہی مجھ کو پریشان کرتا ہے۔

مہمل اور لغو اور اپنی ذہانت دکھلانے کیلئے سوال نہیں کرنا چاہیے

اور مثلاً ایسا سوال کرنا جس کا جواب

یا جس کی لغویت خود بھی معلوم ہے۔ جس طرح بعض طلباء کی عادت ہے کہ محض اپنی ذہانت دکھلانے یا استاد کا امتحان لینے یا محض مشغلہ و تفریح کی غرض سے دور از کار اٹکل پچو سوالات کیا کرتے ہیں۔

ایک حکایت

جیسے ایک طالب علم کی حکایت سنی ہے کہ انہوں نے حدیث میں پڑھا کہ طلوع شمس کے وقت نماز نہ پڑھو۔ تو آپ کیا فرماتے ہیں کہ آیا طلوع بھی عام اور طلوع شمس بھی عام خواہ کسی مقام کا طلوع شمس ہوا اور یہ مشاہدہ سے ثابت ہے کہ ہر وقت کہیں نہ کہیں طلوع ہوتا ہی رہتا ہے۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ کبھی شخص کو کسی وقت بھی نماز پڑھنا جائز نہ ہو۔ ہر چند اس کو سمجھایا گیا کہ یہاں جہاں کا طلوع شمس ہو رہا ہے ان لوگوں کو اس وقت کے اعتبار سے لا تصلوا کا حکم ہے۔ مگر ان بزرگوار نے مانا ہی نہیں۔ یہی فرماتے رہے کہ نہیں صاحب دونوں ہی میں عموم ہے۔ ان سے کہا گیا کہ بھائی اس سے تو نماز کی فرضیت ہی لغو ہوئی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ خواہ کچھ ہو جائے انصاف یہ ہے۔ کیا یہ سوال قابل پیش کرنے کے ہے؟ اور کیا سچ مچ ان باؤلے کو یہ شبہ تھا۔ محض فضول وقت ضائع کرنے کے لئے اس نے یہ حرکت کی اور بجائے اس کے کہ اس کے زعم کے موافق اس کی ذہانت ظاہر ہوتی۔ اور الٹا اس کا کوڑھ مغز ہونا ثابت ہو گیا۔ ایسے طالب علموں کو کبھی علم نصیب نہیں ہوتا۔

غرض استاد کو کبھی پریشان نہ کرے۔ بلکہ ادب کی بات تو یہ ہے کہ اگر استاد کسی سبب سے یا خود کسی کے سبب سے وہ پریشان ہو تو اس وقت یا تو سبق ملتوی کر دے یا بجز بہت ہی ضروری بات کے زائد باتیں نہ پوچھے۔

اور مثلاً تعیین سبق یا مقدار سبق میں استاد کی رائے نہ ماننا جیسے بعض طلباء کی عادت ہے کہ باوجود استاد کی رائے معلوم ہونے کے پھر اپنی رائے پر اصرار کرتے ہیں کہ ہم تو فلاں ہی کتاب شروع کریں گے۔ یا اتنا ہی سبق پڑھیں گے یا فلاں ہی شخص سے پڑھیں گے۔ ان امور میں تو طالب علم کو یہ کہہ لینا چاہئے کہ "هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون"۔

ترجمہ: یعنی کہاں تجربہ کار اور کہاں ناتجربہ کار۔ اس کو تو اس پر عمل کرنا چاہئے

بہ سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

کنایہ است از خلاف نفس کردن و کر خدمت حق کردن یہ وہ حقوق ہیں کہ جن کو کیجئے کے لئے سلیقہ کی ضرورت ہے۔ یہاں تک یہ سب جزئیات ہوئیں ان اضاعات حقوق کی جو زمانہ تحصیل علوم میں کم سرزد ہوتی ہیں۔

فراغت کے بعد کی کوتاہی

ایک قسم وہ ہے جو بعد مفارقت استاذ کا کوئی حق اپنے اوپر نہیں سمجھتے یا سمجھتے ہیں مگر عمل کا اہتمام نہیں کرتے۔ اور اس بلا میں بہت زیادہ ابتلا ہے اور تو کیا کرتے کبھی خط بھیجنے کی اور استاد کی خیریت پوچھنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ سمجھتے ہیں کہ جب پڑھنا تھا پڑھ لیا، کیا صاحب محسن کا حق صدور احسان ہی کے زمانہ تک ہوتا ہے، پھر نہیں رہتا؟ اگر یہ بات ہے تو پھر بعد بالغ ہو جانے کے والدین کے حقوق بھی رخصت ہو جاویں گے۔ ولا قائل بہ۔

پھر یہ بھی کہ گو صدور احسان کا اس وقت استاد سے نہیں ہو رہا ہے لیکن اس احسان کے آثار کا ظہور و ترتب تو اس وقت بھی ہو رہا ہے بلکہ زیادہ اسی وقت ہو رہا ہے کیونکہ جتنا کمال علمی اس وقت تمہارا ظاہر ہو رہا ہے اس کا منشاء وہی درس ہے جو تم نے حاصل کیا استاد ہی کا فیض ہے تو جیسے کسی نے خوب کہا ہے یعنی

فعادوا فاثنوا بالذی انت اهله

ولو سکتوا اثنت علیک الحقائب

غرض یہ ناسپاسی ہی کی بات ہے کہ اپنا کام نکالا اور الگ ہو گئے یہ تو پوری خود غرضی ہے بلکہ ناسپاسی کی انتہا یہی ہے کہ ہمیشہ جب تک جان میں جان ہے وہ وقت یاد رکھے کہ جب یہ اس کے سامنے کتاب رکھ کر بیٹھتا تھا اور یہی سمجھے کہ گویا ابھی اس کے پاس سے پڑھ کر اٹھ کر آیا ہوں اور پھر پڑھنے کے لئے جانا ہے تو اس وقت جتنے حقوق کی پابندی کرتا تھا جن کی بقدر ضرورت تفصیل بھی ہو چکی ہے وہی حقوق اب بھی باقی ہیں ایسا کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ اپنا فیض علوم و برکات میں ترقی ہوگی۔ قال تعالیٰ لئن شکرتم لازیدنکم۔

بلکہ ان حقوق کو ایسا مستمر سمجھے کہ استاد کی وفات کے بعد بھی وہ حقوق ملحوظ رکھے جو اس وقت ادا کئے جا سکتے ہیں اور ان کا خلاصہ دو امر ہیں۔ ایک اس کے لئے ہمیشہ دعائے مغفرت کرنا دوسرے اس کے اہل و اقارب کی تعظیم و خدمت کرنا اسی طرح استاد کے دوستوں اور معاصرین کا احترام کرنا

اور ان کی وجہ سے قرآن کی خدمت کرنا۔

احادیث میں اس قسم کے حقوق والدین کے لئے آئے ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے جو بعد وفات نبویہ آپ کے اہل کی خدمت کریں گے اور آپ کی عترت سے محبت رکھیں گے۔ اب صرف ان مخصوص حقوق اساتذہ میں سے وہ لوگ رہ گئے جن کو میں نے تمہید میں منصب کہا ہے، یعنی جو نفسانی اغراض سے استاد کے مخالف ہو جاتے ہیں، ان کی شان میں تقریراً یا تحریراً گستاخی کرتے ان اشعار کا مصداق بنتے ہیں۔

از خدا جوئیم توفیق ادب ✻ بے ادب محروم گشت از فضل رب
ہر کہ گستاخی کند اندر طریق ✻ باشد اندر بحر حیرت غریق
بد ز گستاخی کسوف آفتاب ✻ شد عزازیلے ز جرأت رد باب

استاد تو وہ چیز ہے کہ اگر بضرورت دینیہ اس کے خلاف کرنا پڑے تب بھی تو باپ کی طرح دین کے باب میں تو اس کی موافقت نہ کرے لیکن ادب اور احترام اس کا ترک نہ کرے۔ کیونکہ وہ بھی ایک قسم کا یعنی روحانی باپ ہے۔ گو تعارض حقوق کے وقت باپ سے پیچھے ہو مگر حقوق غیر متعارضہ میں تو اس کا بھی وہی حکم ہے۔ آنحضرت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اسی روحانیت و تعلیم دینیہ ہی کے سبب تو یہ ارشاد وارد ہے۔

النبی اولی بالمؤمنین من انفسہم وازواجہ امہتہم وفی بعض القراءت وھو اب لھم۔

پس مستحق بھی آپ کا وارث و نائب ہے گو اس درجہ میں نہ سہی۔ چنانچہ آپ کے حقوق علی الاطلاق باپ کے حقوق پر مقدم ہیں۔ اس وجہ سے کہ آپ کے حقوق حقوق الہیہ ہیں جو سب پر مقدم ہیں۔ یہ مختصر بیان ہوا اقسام مخصوصہ حقوق و آداب اساتذہ کا۔

تنخواہ دینے سے استاد کے حقوق سے سبکدوش نہیں ہو جاتا

ان سب اقسام میں ایک بڑی سخت شکایت یہ ہے کہ جو اساتذہ کسی مدرسہ سے تنخواہ پاتے ہیں۔ ان کے حقوق اور بھی ضعیف سمجھتے ہیں۔ افسوس یہ نہیں سمجھتے کہ جو بدلہ ہے ان حقوق کی وہ تنخواہ پانے سے منعدم نہیں ہو گئی تو

مستغنی کیسے منقود ہو جاوے گا اول تو تنخواہ کیا اس احسان کا بدل ہو سکتی ہے دوسرے تنخواہ انہوں نے بھی دی پھر اس سے زیادہ اس نے ادا کر دیا۔

اور اگر کہا جاوے کہ جب بیت تنخواہ کی دی تھی تو احسان کم ہو گیا یہ بھی محض غلط ہے تو جب تنخواہ کم ہو جاوے مگر احسان تو ویسا ہی ہے اور شاید اس مقام پر بعض کو یہ خیال ہو کہ ہم فلاں استاد کے بہت حقوق ادا کرتے ہیں تو تتبع سے یہ معلوم ہوا ہے کہ نرا استاد سمجھ کر حقوق ادا کم کرتے ہیں۔ جس استاد کے حقوق کچھ ادا ہو رہے ہیں ان میں کوئی دوسرا کمال بزرگی وغیرہ کا سمجھ کر ایسا کرتے ہیں اور منشا یہ ہے کہ جہاں نری استادی ہو وہاں کیا ہوتا ہے۔ اگر وہاں بھی رعایت حقوق کی ہو تو قابل مدح و تحسین ہے اسی طرح بعض اساتذہ کو جاہ دنیوی حاصل ہونے سے اس کی تعظیم و تکریم کی جاتی ہے وہ بھی کوئی دلیل شاگردی کی خوبی کی نہیں۔ وہ اس سے خود اپنی بڑائی کا سامان کرتا ہے۔ چنانچہ اگر استاد جاہ و شہرت میں شاگرد سے کم ہوتا ہے۔ بعض نالائق اپنے کو اس کی طرف منسوب کرتے ہوئے عار کرتے ہیں۔ مگر ایسے استاد کا بھی حق ادا کرے تو مبارک عادت اور قابل قدر ہے

شاگرد کے حقوق

اب بعد بیان حقوق و آداب معلم کے اسی طرز مذکور پر کچھ حقوق متعلم یعنی شاگرد وغیرہ کے بیان کرتا ہوں کہ اولاً بعض نصوص اور ثانیاً بعض جزئیات از قبیل واقعات مذکور ہوں گے۔

آیت: ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن۔

ترجمہ: بلا خدا کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور مناظرہ کر اچھا اور نرم طریق سے۔

شاگرد کے ساتھ نرمی اور ان کی استعداد کی رعایت کرنی چاہیے

اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ مستفیدین کے ساتھ رحم و طلب نرمی ہو۔ کیونکہ آیت میں مدعوین ایسے ہی لوگ ہیں۔ رعایت ان کے مذاق و استعداد اور

نرمی و ملاطفت کی رکھنا چاہیئے اور اگر طالب ہوں جیسے بالمعنی المتعارف طالب علم وغیرہ ہو تو ان کے ساتھ تو رعایت مذکورہ نہایت درجہ ضروری ہے ان کے ساتھ ابتدائی خطاب میں بھی مثلاً کتاب کی تقریر کا ادع میں بھی ابتدائی خطاب مراد ہے۔ اور ان کے سوالات کے جوابوں میں بھی خواہ تحقیقی جواب ہو یا الزامی کرجادلہم سے یہی مقاولت مراد ہے۔

آیت ۵ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر الآیۃ مع قولہ تعالیٰ السابق ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر الآیۃ۔

ترجمہ تم بہترین امت ہو لوگوں کی ہدایت کے واسطے پیدا کئے گئے ہو اچھی باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے منع کرتے ہو تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیئے کہ خیر کی طرف لوگوں کو بلائے

لوگوں کو دینی نفع پہنچانا علماء پر واجب ہے

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے علماء کو لوگوں کے نفع دینی پہنچانے کے لئے رکھا ہے بناءً علی تفسیر الرحم و معنی تفسیر بالامر والنھی پیدا کیا ہے اور یہ نفع پہنچانا ان پر واجب ہے کما یدل علیہ صیغۃ الامر۔ پس اس صورت میں مستفیدین پر اپنا احسان سمجھنا ان کو بے وقعت سمجھنا اور ان پر حکم چلانے میں حد سے تجاوز کرنا ان پر سختی برادر کرنا نہایت نازیبا امر ہے وہ اگر اپنی خواہش سے استفادہ کرتے ہیں تو گویا ادائے واجب میں معلم کے معین ہیں۔ پس ان کے ساتھ اس درجہ ایسا معاملہ کرنا چاہیئے۔ جیسا اپنے معین فی الدنیا کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے۔ اور ان کے ساتھ ایسے طریقے سے پیش آنا چاہیئے جس سے ان کو نفع پہنچے لانہ ھو مقتضی الامر اور ظاہر ہے کہ اگر سختی یا بے وقعتی یا بے پروائی کی جاتی ہے ان کا نفع مفقود ہے یا ناقص ہو جاتا ہے خصوصاً ان کے سوال کے جواب میں جب وہ سوال تعنت و عناد سے نہ ہو جھڑکنا تو ارشاد خداوندی و اما السائل فلا تنھر یعنی سائل کو مت جھڑکو کے بھی خلاف ہے یا بدون ان کے کسی مصلحت کے محض اپنی بڑائی اور اس کی برائی ظاہر کرنے کو ان پر اس طرح احسان رکھنا اور اپنے احسان کو جتلانا کہ جس سے ان کی تحقیر یا ان کو اذیت ہو تو ارشاد خداوندی کے خلاف ہے۔

آیت ۲۷ ... لا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذی الآیۃ بعد تعمیم تفسیر قولہ۔

ومما رزقناهم ینفقون کما نقله البیضاوی ومما رزقناهم من الانوار المعرفة ینفقون ۔

(ترجمہ) صدقہ دیکر احسان نہیں جتاتے اور نہ کسی قسم کی تکلیف دیتے ہیں اور جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں جیسا کہ نقل کیا اس کو بیضاوی نے یعنی جو ہم نے انوار معرفت ان کو عطا کئے ہیں لوگوں پر ان کا فیضان کرتے ہیں۔ ۱۲

طالب علم کے ساتھ بھلائی کرنے کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت

حدیث ۵
عن ابی سعید

الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الناس لکم تبع وان رجالا یاتونکم من اقطار الارض یتفقهون فی الدین فاذا اتوکم فاستوصوا بهم خیرا (رواہ الترمذی)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اور لوگ تمہارے تابع ہیں تمہارے پاس دور دراز ملکوں سے لوگ علم دین سیکھنے اور سمجھنے کو آویں گے ان کے بارے میں میری وصیت کے موافق بھلائی سے پیش آنا۔ (ترمذی)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ جو شخص علم دین طلب کرنے کے لئے آوے اس کے حق میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر کی اور حسن سلوک کی وصیت فرماتے ہیں گو ابھی تحصیل بھی شروع نہیں کی اور بعد تحصیل کے تو اور بھی تعلقات و خصوصیات جو کہ مقتضیات زیادت آلیہ حقوق میں زائد ہوں گے۔

پس حقوق اور بھی کس قدر کثیر اور قوی ہو جاتیں گے اور چونکہ دوسری نصوص سے صاحب افادہ کو تنگ کرنے کی ممانعت ثابت ہے۔ کما قال تعالیٰ ولا یضار کاتب ولا شہید آیۃ: یعنی لکھنے والے اور گواہ کو تکلیف نہ پہنچانا چاہئے۔

اس سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ طلباء کو بھی اپنی حوائج علمیہ وما یتعلق بہا کی درخواست معلمین اور مہتممین سے اسی درجہ تک کرنی چاہئے کہ ان کو کلفت نہ ہو، یہ ان کے ذمہ واجب نہیں کہ جتنے طلباء آویں سب کے لئے طعام اور سبق کا انتظام ضرور ہی کر دیا کریں۔ البتہ بشرط سہولت اس کا انتظام اور پھر بعد کام شروع کر دینے کے ان کے مصالح علمیہ کی رعایت حسب حدیث ضروری ہے۔

کسی مقام کی غلط تقریر کرنا یا کسی سائل کو غلط مسئلہ بتلانا جائز نہیں

حدیث عن سمرۃ

بن جندب و المغیرۃ بن شعبۃ قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب فہو احد الکاذبین (رواہ مسلم)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری طرف سے کوئی بات بیان کرے اور وہ جانتا ہو کہ وہ تو جھوٹ ہے وہ جھوٹا ہے (مسلم)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سبق کی تقریر میں غلط مطلب بتلا دینا یا مستفتی کو غلط مسئلہ بتلا دینا یہ حرام ہے۔ جیسا بعض مدرسین و مفتیین کی عادت ہے کہ طالب علم یا سائل سے اپنا جہل چھپانے کے لئے غلط سلط ہانک دیتے ہیں اور اگر طالب علم قبول نہیں کرتا اور کچھ قدح کرتا ہے۔ کبھی مغالطات و تلبیسات سے اور کبھی غضب اور سب و شتم سے اس کو خاموش کر دیتے ہیں۔ اتنا کہنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ یہ مقام ہماری سمجھ میں نہیں آیا پھر سوچیں گے۔ یا یہ کہ دوسرے مدرس سے خود پوچھ لیں یا اس طالب علم ہی کو پوچھنے کی اجازت دیدیں اس سے عار آتی ہے حالانکہ یہ کوئی عار کی بات نہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون عالم ہوگا۔ آپ نے بہت سے سوالوں پر لاادری فرما دیا اور جب وحی نازل ہوئی اس وقت بتلا دیا اور واقعی جب احاطہ کل علوم کا خاصہ حق تعالیٰ جل شانہ کا ہے تو بعض چیزوں کا نہ جاننا ممکن کے لوازم سے ہے۔ تو اس لازم کا اگر اقرار کر لیا تو کون سی نئی بات ہوئی بلکہ واقع میں تو غیر معلومات ہمارے معلومات سے زیادہ ہی ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ:

وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔

اور تم کو تو بہت تھوڑا علم دیا گیا۔

ایک حکایت | میرے ایک ابتدائی کتب کے استاد علیہ الرحمۃ نے اپنی ایک حکایت بیان فرمائی تھی کہ انہوں نے کسی معلم سے فارسی پڑھنے کی درخواست کی انہوں نے کہا کہ بھائی پڑھنے سے پہلے یہ سن لو کہ تم مجھ کو ملا اکمل سمجھ کر پڑھنا چاہتے ہو یا عالم بعض اگر شق اول ہے تو بھائی مجھ کو معاف رکھو کیونکہ میں عالم الکل نہیں اور اگر ثانی ہے تو بے شک مجھ میں یہ صفت ہے لیکن اس کے مقتضا سے کبھی یہ بھی ہوگا کہ کسی مضمون کی نسبت یہ کہہ دوں گا کہ مجھ

کو معلوم نہیں تو مجھ کو پریشان مت کرنا اور دوسری جگہ حل کر لینا۔

سبحان اللہ کیسی پاکیزہ بات انہوں نے کہی۔ یہ بھی سمجھنا ہر عالم پر ضروری ہے۔

اسی طرح اگر اولاً اپنی غلطی معلوم نہ ہوئی لیکن بعد تقریر کے از خود یا طالب کے متنبہ کرنے سے اطلاع ہو گئی تو چاہیے کہ فوراً اسی تقریر سے انکار رجوع ظاہر کر دے ورنہ غلط تقریر کرنے میں یا غلطی پر اڑے رہنے میں چند خرابیاں ہیں۔ ایک تو گناہ جیسے حدیث موصوف سے معلوم ہوا، اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ یہ تو تعریف حدیث کے ساتھ خاص ہے۔ بات یہ ہے کہ جتنے علوم دینیہ ہیں، سب حکایات عن الرسول ہیں۔ خواہ لفظاً یا معناً (ومن ثم قیل ان القیاس مظہر لا مثبت)

اور جتنے علوم آلیہ ہیں وہ علوم دینیہ کے تابع ہیں۔ والتابع له حكم المتبوع

پس اس طرح سے اس حدیث کا مضمون تمام علوم مقصودہ ومبادی للمقصودہ کو عام ہے۔ پس غلط تقریر یا اس پر اصرار کرنے میں گناہ ہونا ان سب میں عام ہے۔ ایک خرابی یہ ہوئی۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ اگر طالب علم کو معلوم ہو گیا کہ یہ تقریر غلط ہے تب تو طبعاً استاد سے تنفر اور اس کی تحقیر قلب میں پیدا ہو گی اور اس کے ہوتے ہوئے پھر توقع استفادہ کی نہایت دشوار ہے۔ تو یہ بغض استاد کا اشتعال بالواجب کا سبب ہوا اور اہانت معصیت ہے اور اگر طالب علم کو پتہ نہ لگا تو وہ بے چارہ عمر بھر کے لئے جہل میں مبتلا رہا۔ پھر یہی سلسلہ آگے معلوم نہیں کہاں تک چلے گا۔ پھر اس وبال کی کوئی حد ہے۔ ذرا سی عار پر نار کو اختیار کرنا کون عقل و دین کی بات ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ استاد کے اخلاق اکثر طلبہ میں سرایت کرتے ہیں۔ یہی ہٹ دھرمی اور سخن پروری کی صفت ذمیمہ اس میں پیدا ہو جاوے گی۔ اور استاد صاحب اس حدیث کے مصداق بنیں گے۔ من سن سنة سيئة فعليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده الحديث رواه مسلم، یعنی جو شخص کوئی برا کام جاری کرتا ہے اس کو اس کا بھی گناہ ہوگا اور اس کے بعد جو بھی یہ کام کرے گا اس کا بھی گناہ ہوگا۔

بہرحال گناہ بھی اور شاگرد کے حقوق کی اضاعت بھی۔ گناہ کی تقریر ہو چکی اور اضاعت حقوق ظاہر ہے کہ اس کی خیر خواہی کے خلاف اس کے واجب ہے۔ ثالث اس کے اخلاق کا اثر داخل کرنا عمل میں مبتلا کرنا کہ ایک قسم کا غش اور خیانت ہے جو کہ دین میں خصوصیت کے ساتھ اس سے تحذیر ہے؛

بغیر علم کے مسئلہ بتانا جائز نہیں

حدیث ۲۰ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ ومن اشار علی اخیہ بامر یعلم ان الرشد فی غیرہ فقد خانہ (رواہ ابوداؤد)

کسی سائل کو کسی نے بلا علم کے مسئلہ بتلا دیا تو اس کا وبال اس بتانے والے پر ہے۔ اور جس شخص نے اپنے بھائی مسلمان کو مشورہ دیا اور وہ جانتا ہے کہ وہ مشورہ ٹھیک نہیں ہے تو اس نے اس کی خیانت کی۔ (ابوداؤد)

اس حدیث میں غلط مسئلہ بتلانے کو گناہ ہونا اور غلط بات بتلا دینے کا (جس میں دین کی بات بھی آگئی) خیانت ہونا صاف منصوص ہے۔

اگر کوئی بات معلوم نہ ہو تو کہہ دے کہ معلوم نہیں اپنی طرف سے نہ کہے

حدیث ۲۱ عن عبد اللہ

قال یا ایہا الناس من علم شیئا فلیقل بہ ومن لم یعلم فلیقل اللہ اعلم فان من العلم ان یقول لما لا یعلم اللہ اعلم قال اللہ تعالیٰ قل ما اسئلکم علیہ من اجر وما انا من المتکلفین متفق علیہ۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے لوگو جو شخص کسی بات کا علم رکھتا ہو تو اس کو چاہئے کہ بتا دے، اور جو نہ جانتا ہو اس کو چاہئے کہ کہہ دے کہ اللہ جاننے والا ہے۔ کیونکہ یہ کہنا بھی علم کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے کچھ مزدوری نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں (کہ اپنی طرف سے کچھ بنا کر کہہ دوں)۔ رواہ البخاری ومسلم۔

اس حدیث میں صریح تاکید ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو کہہ دے کہ معلوم نہیں۔ یہ سب تقریر پچھلی میں بھی ہے، سب پر عمل کرنا معلم اور طالب علم دونوں کا حق ہے۔

حدیث و عمل
شفیق احمد بانی

شاگردوں کے نشاط و شوق باقی رکھنے کی بھی رعایت کرنی چاہیے

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ انہ کان یذکر الناس فی کل خمیس فقال لہ رجل یا ابا عبد الرحمن لوددت انک ذکرتنا فی کل یوم فقال اما انہ یمنعنی من ذلک انی اکرہ ان املکم وانی اتخولکم بالموعظۃ کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتخولنا بہا مخافۃ السآمۃ علینا۔ متفق علیہ۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو وعظ سنایا کرتے تھے، کسی شخص نے عرض کیا کہ حضرت روز روز وعظ کہیے۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے روز وعظ کہنے سے یہ امر مانع ہے کہ میں تم کو ملول نہیں کرنا چاہتا اور تمہاری خبر گیری اور نگہداشت ایسی ہی کرتا ہوں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری خبر گیری فرمایا کرتے تھے کہ ہم ملول نہ ہوں (بخاری و مسلم)

اس حدیث سے مستفید ہوا کہ معلم کا ایک حق یہ معلوم ہوا کہ ان کے نشاط و شوق کے باقی رکھنے کی بھی رعایت کرے، اس میں یہ بھی داخل ہو گیا۔ سبق اتنا پڑھاوے اسی طرح کہ جتنا وہ تحمل کر سکتے ہیں۔ ورنہ اگر وہ اس مقدار کا تحمل بھی نہ ہو سکا یعنی اس کا مطالعہ، اور تکرار و ضبط دشوار ہو تو یہ جو اصل تحمل ختم ہو گا اسی طرح وقت میں اس کی رعایت کریں کہ ان کی طبیعت تازہ ہو، کہ ان کو تقاضا کسل اور اسی طرح نیند کا غلبہ یا اور کسی سبب سے دماغ پریشان نہ ہو جیسے بعض مدرسین خصوصاً اس کے اہمال سے اس قدر خرچ کر دیتے ہیں کہ وہ بھاگ جاتے ہیں یا استعداد حاصل نہیں ہوتی اور وہ اس میں مست ہیں کہ ہم طلبہ کے ساتھ خوب محنت کرتے ہیں حالانکہ وہ سب محنت اکارت جاتی ہے۔ اسی کی نظیر ہے ارشاد حق تعالیٰ کا یہ مضمون الذین ضل سعیہم فی الحیوۃ الدنیا وہم یحسبون انہم یحسنون صنعا۔ (آیت)

(ترجمہ) یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کی کرائی محنت سب گئی گزری ہوئی اور وہ اسی خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

اسی طرح ہفتہ میں کم از کم ایک روز کی تعطیل ہونا ضروری ہے۔ بعضے تعطیل میں بھی طلبہ کی جان مارتے ہیں اور اس کو بھی بڑی کارگزاری سمجھتے ہیں۔

ع دوستی بے خرد چوں دشمنی است

نااہلوں کو دینی خدمات کا متولی بنانا قیامت کی علامت ہے

حدیث ۵ ۔ عن ابی ھریرۃ فی حدیث طویل قال

النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ (بخاری)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دینی خدمت نالائقوں اور نااہلوں کے سپرد ہو جاویں تو قیامت کا انتظار کرنا چاہیے۔ (بخاری)

اس حدیث کے عموم میں یہ بھی داخل ہوگیا کہ اگر کسی طالب علم کا کوئی سبق کسی دوسرے کے سپرد کرے تو اس کا لحاظ رکھے کہ وہ شخص اس کا اہل ہو اگر نااہل ہو یا غیر شفیق کو سپرد کرے گا تو سخت گناہ گار ہوگا یہ بھی شاگرد کا ایک حق ہے۔

شاگرد کے تین حقوق

حدیث ۶ ۔ عن عبد اللہ بن عمرو قال تخلف عنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفرۃ سافرناھا فادرکنا وقد ارھقتنا الصلوۃ ونحن نتوضأ فجعلنا نمسح علی ارجلنا فنادی باعلی صوتہ ویل للاعقاب من النار مرتین او ثلاثا (رواہ البخاری)

حضرت عبد اللہ ابن عمرو فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں ہم سے پیچھے رہ گئے آپ ہم سے ایسے وقت آکر ملے کہ نماز کا وقت آگیا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے۔ جلدی کی وجہ سے ہم نے پاؤں دھونے میں بہت جلدی کی کہ کچھ سوکھا رہ گیا آپ نے دیکھ کر دو تین بار فرمایا خبردار ہو جاؤ عذاب دوزخ ان ایڑیوں کے لئے ہے جو سوکھی رہ گئی ہیں (بخاری)

اس حدیث سے تین حق شاگردوں کے ثابت ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ صرف ان کے تعلیم علوم ہی پر اکتفا نہ کرے بلکہ ان کے اعمال و اخلاق کی بھی حتی الامکان نگرانی رکھے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کے پاؤں کے خشک رہ جانے پر تنبیہ فرمایا۔ اور یہ باب بالکل ہی مسدود ہو گیا ہے۔ اساتذہ صرف سبق پڑھا دینے کو ضروری سمجھتے ہیں۔ تعلیم کے ساتھ تربیت کی طرف توجہ نہیں فرماتے اور عملی غلطی پر متنبہ نہ کرنا تو اور بھی غضب ہے کیونکہ اس کا تو انہوں نے بالتصریح التزام کیا ہے جیسا بعض معلمین قرآن کی عادت دیکھی گئی ہے کہ شاگرد پہلو میں بیٹھا ہوا غلط پڑھ رہا ہے اور وہ بہرے گونگے بنے بیٹھے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ بعضے اساتذہ شاگردوں سے ایسے کام لیتے

ہیں کہ ان کے اخلاق اور تباہ ہوتے ہیں تو اگر اصلاح نہ کرے تو نقصان زیادہ کرے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی وجہ سے احتمال ہو کہ بدون آواز بلند کئے ہوئے تقریر پہنچ نہ سکے مثلاً مجمع بڑا ہے یا اور کوئی عارض ہے تو بلند آواز سے تقریر کرنا حق ہے شاگرد کا۔ ورنہ تقریر ہی بیکار ہے دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح با آواز بلند فرمایا۔

تیسرے اگر احتمال ہو کہ ایک بار تقریر کرنے سے طلباء نہ سمجھیں گے تو دوسری تیسری بار بھی تقریر کر دینا مناسب ہے۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو تین بار فرمایا۔

اور آئندہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی عادت مستمرہ معلوم ہوتی ہے۔ حدیث

۸ عن انس رضی اللہ عنہ کان اذا تکلم بکلمۃ اعادہا ثلاثا حتی تفہم عنہ (رواہ البخاری)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات اہتمام سے فرماتے تھے تو تین مرتبہ فرماتے تھے تاکہ لوگ خوب سمجھ لیں (بخاری)

یہ حدیث ثامنہ ثالثہ مذکورہ حدیث سابق میں نص ہے۔

کبھی کبھی شاگردوں سے امتحان بھی لینا چاہئے

حدیث ۹ عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من الشجر شجرۃ لا یسقط ورقہا وانہا مثل المسلم فحدثونی ما ہی فوقع الناس فی شجر البوادی قال عبد اللہ ووقع فی نفسی انہا النخلۃ فاستحییت ثم قالوا حدثنا ما ہی یا رسول اللہ قال ہی النخلۃ (رواہ البخاری)

حضرت عبد اللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک ایسا درخت ہے کہ اس کے پتے نہیں جھڑتے اور مثل مسلم کے ہے بتاؤ وہ کیا ہے۔ سب لوگ جنگل کے درختوں کو سوچنے لگے کہ کون سا درخت اس شان کا ہے۔ میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہے مگر چونکہ میں چھوٹا تھا اس لئے مجھ کو حیا آئی اور چپ رہا پھر لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ارشاد فرمائیے کہ کون سا درخت ہے تو آپ نے فرمایا کھجور کا درخت (بخاری)

اس حدیث سے طلباء کے امتحان لینے کی مشروعیت نکلتی ہے جس کے فوائد بدیہی ہیں پس ان فوائد کے حاصل کرنے کے لئے امتحان لینا بھی منجملہ حقوق تلامذہ کے ہے۔

تعلیم میں شاگرد کی استعداد کا لحاظ رکھنا چاہئے

حدیث نمبر: قال علی حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ (رواہ البخاری)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ لوگوں سے ایسی بات کرو جو وہ سمجھیں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تکذیب کریں (بخاری)

اس حدیث سے ایک یہ بات معلوم ہوئی کہ طالب علم کی تعلیم میں اس کے فہم و استعداد کا لحاظ رکھے اور اسی کے لحاظ سے ترتیب کتب و مقدار و عدد سبق تجویز کرے جیسا کہ ارشاد حق کونوا ربانیین کی ایک تفسیر امام بخاری نے یہ ہی نقل کی ہے۔ الذی یربی الناس بصغار العلم قبل کبارہ۔ حدیث آئندہ سے بھی مرفوعاً اس کی اصل نکلتی ہے۔

کوئی فن یا کوئی کتاب کسی خاص طالب علم کیلئے مضر ہو تو اس کو اس سے روکنا چاہئے

عن انس قال ذکر لی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لمعاذ من لقی اللہ لا یشرک بہ شیئا دخل الجنۃ قال الا ابشر بہ الناس قال لا انی اخاف ان یتکلوا (رواہ البخاری)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی سے فرمایا کہ جو شخص مرے اور خدا سے ملے۔ اور وہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ سمجھتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ حضرت معاذ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سنا دوں۔ فرمایا کہ مت سناؤ کیونکہ میں خوف کرتا ہوں کہ اس پر تکیہ کر لیں گے۔ (بخاری)

یہ حدیث نص ہے اس میں کہ باوجود کہ یہ مضمون من لقی اللہ الخ کا مقاصد مطلوبہ شرعیہ سے تھا مگر بعض لوگوں تک اس کا پہنچنا اس لئے پسند نہیں کیا گیا کہ وہ اس سے مغرور ہوتے ہیں اسی طرح جو کتاب یا کوئی فن کسی خاص طالب علم کے لئے نامناسب ہو اس کو اس سے روکنا بذمہ معلم لازم ہے اور اس طالب علم کو بھی اس میں اطاعت فرض ہے۔

شاگردوں کے ساتھ نرمی اور آسانی کا معاملہ کرنا چاہیے

حدیث ۵۲: عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا۔ (رواہ البخاری)

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دینی امور میں لوگوں سے آسانی کرو تکلیف میں مت ڈالو خوشخبری سناؤ دین سے نفرت مت دلاؤ (بخاری)

اس حدیث کے عموم سے معلوم ہوا کہ طالب علم کے ساتھ درس میں بھی تیسیر و عدم تنفیر کی رعایت رکھے۔ تقریر بھی ایسی صاف و سلیس کرے جو ذہن نشین ہو جاوے۔ مقدار اسباق میں بھی اس پر زیادہ بار نہ ڈالے اسی طرح ایک شق یہ بھی معلوم ہوا کہ تنبیہ و تادیب میں اتنی سختی نہ کرے کہ شاگرد کو وحشت ہو جاوے اس میں میاں جی لوگ بکثرت مبتلا ہے۔

شاگرد کے لیے اللہ تعالیٰ سے علم نافع کی دعا بھی کرنی چاہیے

حدیث ۵۳: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال ضمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال اللھم علمہ الکتاب (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو سینہ سے لگایا اور یوں فرمایا کہ یا اللہ اس کو قرآن کا علم عطا فرما دے (بخاری)

اس حدیث سے شاگرد کا حق علاوہ تعلیم کے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے لیے حق تعالیٰ سے دعا بھی کیا کرے کہ اس کو علم نافع عطا ہو۔

شاگرد کی دلجوئی کے متعلق ایک مثال

حدیث ۵۴: عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول بینا انا نائم اتیت بقدح لبن فشربت حتی انی لاری الری یخرج فی اظفاری ثم اعطیت فضلی عمر بن الخطاب قالوا فما اولت یا رسول اللہ قال العلم (رواہ البخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ خواب میں مجھے ایک پیالہ دودھ کا دیا گیا میں نے خوب سیر ہو کر پیا کہ ناخنوں تک سیرابی کا اثر محسوس ہوا پھر میں نے بچا ہوا دودھ عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضور اس کی تعبیر کیا ہوئی

فرمایا دودھ سے مراد علم ہے (بخاری)

اس حدیث سے دو امر معلوم ہوئے ایک باعتبار صورت لبن کے ایک باعتبار معنی لبن کے اول یہ کہ شاگرد کو کھانا اپنے کھانے پینے میں بھی شریک کر لیا کرے کہ اس کا دل بڑھتا ہے اور محبت زیادہ ہوتی ہے جس قدر اس کو استاد سے محبت ہوگی اسی قدر علم میں برکت ہوگی۔

دوسرا یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی باطنی برکت عطا فرما دے تو شاگرد سے اس کو دریغ نہ کرے۔ غرض منافع ظاہری و باطنی کا کچھ حصہ اس کو بھی دیدے۔

اگر کوئی بات غصہ کی صورت میں کہنے سے شاگرد کیلئے بہتر ہو تو اس صورت میں کہے

نصیحت ۵۱ من

ابی مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ قال قال رجل یا رسول اللہ لا اکاد ادرک الصلوۃ مما یطول بنا فلان فما رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی موعظۃ اشد غضبا من یومئذ فقال یا ایھا الناس انکم منفرون فمن صلی بالناس فلیخفف فان فیھم المریض والضعیف وذا الحاجۃ (رواہ البخاری)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ فلاں شخص نماز طول کرنے کی وجہ سے قریب ہے کہ میں نہ پا سکوں (یعنی بددل ہو کر جماعت چھوڑ دوں) تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر برافروختہ ہوئے کہ ایسے کبھی میں نے برافروختہ ہوتے آپ کو نہ دیکھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کو نفرت دلاتے ہو۔ جو آدمی نماز میں امامت کرے اس کو چاہیے کہ (قرأت) تخفیف کرے کیونکہ مریض اور ضعیف اور حاجت مند سب قسم کے لوگ نماز میں ہوتے ہیں (بخاری)

اس حدیث سے دو امر متعلق طالب علموں کے ثابت ہوئے۔ ایک یہ کہ اگر کچھ اسباق کسی اپنے شاگرد یا ماتحت مدرس کے سپرد کئے جاویں اور وہ طالب علم اس کی شکایت کرے تو شکایت سننا چاہیے اور تحقیق کے بعد اس کا انتظام کرنا چاہیے یہ نہیں کہ محض اس کے طالب علم ہونے کے سبب اس کو اور اس کی بات کو محض لاشے سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاوے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی طالب علم سے کوئی امر نامناسب صادر ہو اور کسی طور سے معلوم ہو جاوے

یہ سب اس جگہ کہنے سے زیادہ نفع ہوگا۔ تو وہاں ...ی کی مصلحت کے واسطے تعریض کرنا منقول ہے۔

جس سے ان کی اصلاح کی امید ہو جاوے۔

اگر مصلحت ہو تو تقسیم اوقات اور جماعت بندی کی جا سکتی ہے

حدیث ۲۹۰ عن ابی سعید الخدریؓ

قال قالت النساء للنبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبنا علیک الرجال فاجعل لنا یوما من نفسک فوعدهن یوما لقیهن فیه فوعظهن وامرهن الحدیث (رواہ البخاری)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم پر مرد غالب ہوگئے کہ آپ کا وعظ سننے کا موقع ہم کو نہیں ملتا۔ ہمارا بھی ایک دن مقرر کر دیجئے۔ آپ نے ان کے لئے وعظ و نصیحت اور احکام الٰہی سنانے کا ایک دن مقرر فرمایا (بخاری)

اس حدیث سے تعیین و تقسیم اوقات و جماعت بندی طلبہ کا مصلحت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ جس میں سے ایک عظیم مصلحت یہی ہے کہ ہر ایک کے لئے جو سبق مناسب ہے تو سب ایک سبق کیسے مجتمع ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اس حدیث میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ بعض مضامین عورتوں ہی کے مناسب ہوتے ہیں۔ وہ مستقل خطاب ہی میں زیادہ موثر اور اوقع فی النفس ہوتے ہیں

اگر استاد کو کسی ایک بات پر غصہ آ جائے تو دوسری بات پر اس کا اثر نہ رہنا چاہئے۔

حدیث ۲۹۱ عن زید بن خالد الجہنی رض فی حدیث طویل بعد السؤال عن لقطة الابل وغضبه صلی اللہ علیہ وسلم قال فضالة الغنم قال (صلی اللہ علیہ وسلم) لک او لاخیک او للذئب (رواہ البخاری)

حضرت زید بن خالد جہنیؓ سے ایک طویل حدیث میں اونٹ کے لقطے کے سوال پر آپ کے غصہ ہونے کے بعد یہ الفاظ بھی مذکور ہیں کہ سائل نے عرض کیا کھوئی ہوئی بکری کا کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بکری تیرے لئے ہے یا تیرے بھائی کے لئے یا بھیڑیے کے لئے (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی طالب علم پر کسی بیہودہ سوال پر غصہ کیا جاوے اور اس

ئے بعد پھر وہ کوئی معقول سوال کرے تو اس کے جواب میں پہلے غصے کا اثر آنا چاہئے اور اس سے زیادہ اثر رہنے کا محل وہ ہے کہ جب دوسرا طالب علم کوئی بات پوچھتے تھے۔ وہاں تو بدرجہ اولی پہلا اثر آنا چاہئے۔ بعض مجلے مزاج کے استاد ایک پر غصہ ہوئے تو بس اب ختم درس تک سب ہی پر برستے رہیں گے۔

حدیث ۳۰ عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت لا تسمع شیئا لا تعرفه الا راجعت فیه حتی تعرفه وان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من حوسب عذب قالت عائشة فقلت اولیس یقول اللہ عز وجل فسوف یحاسب حسابا یسیرا قالت فقال انما ذلک العرض ولکن من نوقش الحساب یهلک (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی باتیں سنتی تھیں کہ جو ان کو معلوم نہ ہوں تو برابر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ گچھ کرتی رہتی تھیں یہاں تک کہ سمجھ لیتی تھیں۔ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حساب میں گرفتار ہوا وہ عذاب میں مبتلا ہوا۔ تو حضرت عائشہ رضی نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا کہ حساب آسان کیا جائے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پیشی ہے ورنہ جس سے مناقشہ کیا گیا حساب میں وہ ہلاک ہو گیا (بخاری)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر استاد کی تقریر میں کوئی شبہ رہ جاوے اور طالب علم اس کو پوچھتے تو نازک مزاجی سے ناخوش نہ ہو البتہ اگر فضول سوال ہو تو ناخوشی کا اظہار بھی جائز ہے۔ جیسا کہ اوپر حدیث میں ضالہ ابل کے سوال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برہم ہونا مذکور ہے۔

اگر طالب علم کے فہم یا حافظہ کی کوئی تدبیر معلوم ہو تو کرنی چاہئے

حدیث ۳۱ عن ابی ہریرۃ قال قلت یا رسول اللہ انی اسمع منک حدیثا کثیرا انساہ قال ابسط رداءک فبسطته فغرف بیدیه ثم قال ضمه فضممته فما نسیت شیئا بعده (رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں آپ سے بہت سی حدیثیں سنتا ہوں مگر بھول جاتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اپنی چادر پھیلا۔ میں نے چادر پھیلادی تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ

اس پر میں گیا اور فرمایا کہ اس چادر کو اپنے سینہ سے لگا لے میں نے اس کو اپنے سینہ سے لگا لیا تو اس کی برکت سے پھر کچھ نہ بھولا (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طالب علم کے فہم یا حفظ کی کوئی تدبیر اگر اپنے علم و قدرت میں ہو تو مقتضا شفقت یہ ہے کہ اس کے خیرخواہ اور سعی کا اہتمام فرما دے۔

الحدیث ۲۰

شاگرد کے سوال کے جواب میں اگر ضروری اور مفید باتوں کا اضافہ ہو سکے تو کرے

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان رجلا سألہ ما یلبس المحرم فقال لا یلبس القمیص ولا العمامۃ ولا السراویل ولا البرنس ولا ثوبا مسہ الورس او الزعفران فان لم یجد النعلین فلیلبس الخفین ولیقطعہما حتی یکونا تحت الکعبین (رواہ البخاری)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ محرم میں کیا کپڑا پہنے، فرمایا کہ کرتہ اور عمامہ اور پاجامہ اور بارانی کوٹ اور ورس و زعفران کا رنگا ہوا نہ پہنے جوتہ نہ ہو تو موزے پہنے اور ان کو جوتہ کی طرح کاٹ لے کہ ٹخنے سے نیچے رہیں (بخاری فی باب من اجاب السائل باکثر مما سالہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر طالب علم کوئی بات پوچھے مگر کوئی اور ضروری بات پوچھنے سے رہ جاوے تو شفقت کا مقتضا یہ ہے کہ صرف اسی کے سوال کے جواب پر اکتفا نہ کرے بلکہ وہ دوسری بات از خود بتلا دے۔

یہاں تک بیس حدیثیں اس باب میں ہوئیں اور اتفاق سے ان حدیثوں کا عدد حقوق معلم متعلقہ حدیثوں سے مضاعف بلا قصد ہو گیا۔ جس میں ایک لطیف نکتہ خیال میں آیا کہ بندہ نے تمہید میں عرض کیا تھا کہ اضاعت حقوق تلامذہ میں زیادہ ابتلا ہے تو قدرتی انتظام اس کی اصلاح کا یہ ہوا کہ اس کے دلائل کا عدد بھی مضاعف ہو گیا کیونکہ کثیر دلائل سے تنبیہ کا زیادہ ہونا امر طبعی ہے اور یہ محض نکتہ ہے پس اس پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ پھر حقوق مشترکہ تعلم کے دلائل میں اس سے بھی تضاعف ہونا چاہئے۔ سو اول تو یہ نکتہ ہے اس کا اطراد ضروری نہیں دوسرے چھٹے تعلقات استاد و شاگرد کے تو ابھی اتنی قوت اس حق اخیر کو ہے بھی نہیں۔ تو حق اول کی

زیادہ واضح ہے زیادت تنبیہ کا اور مرشد کے بعد سوق احادیث مثل باب اول یعنی بیان حقوق معلم بیان کئے واقعات جزئیہ کے طرز پر کچھ مضمون ہونا چاہئے تھا چنانچہ اس باب ثانی کے اول میں اس کا وعدہ بھی ہے اور اس وقت ارادہ بھی تھا لیکن اتفاق سے جو کچھ اس کے ضمن میں لکھنا وہ بذیل احادیث مذکورہ مذکور ہو چکا اس لئے اس باب ثانی کو ختم کر کے اب باب ثالث یعنی حقوق مشترکا مع اشعار کے متعلق بقدر ضرورت عرض کرتا ہوں اور عجب نہیں کہ اس میں بھی سوق دلائل اور اس کے ضمن میں واقعات کا آ جانا کافی ہو جاوے۔ (واللہ ولی الھدیٰ)

"ساتھیوں کے حقوق"

آیت ۱: قال اللہ تعالیٰ واعبدوا اللہ (الی قولہ) والصاحب بالجنب الآیۃ
عبادت کرو اللہ کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور اپنے قرابتیوں اور یتیموں اور فقیروں اور قرابتی ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور جو تمہارا ہم صحبت پاس بیٹھنے والا ہو ان سب کے ساتھ احسان کرو۔

اس آیت سے مشترک تعلق کا حق دو طرح ثابت ہوتا ہے۔ ایک اس لفظ سے والجار الجنب اور دوسرے اس لفظ سے والصاحب بالجنب کیونکہ اس کا جار ہونا بھی ظاہر ہے اور صاحب بالجنب ہونا بھی ظاہر ہے۔ چنانچہ مفسرین نے مشترک فی التعلم کے ساتھ اس کی تفسیر کی ہے

ہمسایہ دینی بھائی ہے لہٰذا اس سے بھائیوں جیسا معاملہ کرنا چاہئے

آیت ۲: واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا الآیۃ۔

اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط پکڑو اور متفرق مت ہو اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو تم پر ہے جب تم آپس میں دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی نعمت سے بھائی ہو گئے اور تم دوزخ کے کنارے پر تھے تم کو اللہ تعالیٰ

نے اس سے بچایا۔ الخ

ظاہر ہے کہ تعلم علوم دینیہ اعتصام بحبل اللہ ہے۔ اور یہاں جیسی جماعت صحابہ کو خیر القرون زمانہ ہے جس کی رو سے معتصم بحبل اللہ اور تعلم دین میں مشغول تھے جب یہ اعتصام اور شرکت متحقق ہو گئی اخوت کیسی جو حقوق اخوان کے ہوں گے وہ اس تعلق میں بھی قابل رعایت ہوں گے۔

ساتھیوں کے ساتھ رعایت کرنے کا حکم

آیت ۲: یا ایہا الذین آمنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا یفسح اللہ لکم واذا قیل انشزوا۔ الآیۃ

ترجمہ: جب کہا جاوے تم کو کشادگی کر دو مجلس میں تو تم کشادگی کر دو اللہ تعالیٰ تم کو کشادگی کرے گا۔ (یعنی دنیا و آخرت میں) اور جب کہا جاوے تم کو اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو درجے بلند کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے جو تم میں سے ایمان لائے اور ان لوگوں کے جن کو علم دیا گیا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرکاء تعلم کو بیٹھنے کی جگہ دینے کے لئے اہتمام کرنا چاہئے جو امکان میں ہو۔

اگر کسی عذر کی بنا پر کوئی ساتھی سبق میں نہ آسکے تو دوست کو چاہیے کہ ناغہ شدہ سبق اس کو تکرار کرا دے

حدیث ۱: عن عمرؓ قال کنت انا وجار لی من الانصار فی بنی امیۃ بن زید وہی من عوالی المدینۃ وکنا نتناوب النزول علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل یوما وانزل یوما فاذا نزلت جئتہ بخبر ذلک الیوم من الوحی وغیرہ واذا نزل فعل مثل ذلک۔ (رواہ البخاری)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں اور ایک شخص میرا پڑوسی انصاری عوالی مدینہ میں بنو امیہ کے محلہ میں رہا کرتے تھے اور باری باری جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے ایک دن میں اور ایک دن وہ جب دن میں جاتا تو جو سن کر آتا اس سے بیان کر دیتا اور

جس دن وہ جاتا تو جو سن کر آتا مجھ سے بیان کر دیتا (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنا شریک فی التعلم اگر کسی سبق میں حاضر نہ ہو تو ناغہ شدہ سبق کو اس کو تکرار کر دیا جاوے اور یہ اس کا حق ہے اور یہاں سے مدارس میں باری باری پڑھنے کی بھی اصل نکلتی ہے۔

حدیث ۶ ۔ عن ابی شریح فی حدیث طویل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولیبلغ الشاھد الغائب (رواہ البخاری)

حضرت ابو شریح رض سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ احکام بیان فرمائے اور بعد میں فرمایا کہ جو لوگ حاضر ہیں اور وہ مطلب سنتا ہے وہ غائبوں کو پہنچا دیں (بخاری)

اس حدیث سے بھی مثل حدیث سابق حق بالا ثابت ہوتا ہے۔

مجلس میں بعد میں آنے والوں کے متعلق نصیحت

حدیث ۷ عن ابی واقد اللیثی رض ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینا ھو جالس فی المسجد والناس معہ اذ اقبل ثلثۃ نفر فاقبل اثنان الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وذھب واحد قال فوقفا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاما احدھما فرای فرجۃ فی الحلقۃ فجلس فیھا واما الآخر فجلس خلفھم واما الثالث فادبر ذاھبا فلما فرغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الا اخبرکم عن النفر الثلثۃ اما احدھم فاوی الی اللہ فاواہ اللہ واما الآخر فاستحیی فاستحیی اللہ منہ واما الآخر فاعرض فاعرض اللہ عنہ (رواہ البخاری)

حضرت ابو واقد لیثی رض سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع کچھ آدمیوں کے مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ناگاہ تین آدمی آئے دو تو مجلس میں بیٹھ گئے۔ ایک کنارہ پر سب کے پیچھے اور ایک مجلس میں کشادگی پا کر اندر بیٹھ گیا اور تیسرا چلا گیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا ان تین شخصوں کے حال کی اطلاع نہ دوں ایک شخص نے تو اللہ کی طرف ٹھکانہ ڈھونڈا اللہ تعالیٰ نے اس کو ٹھکانہ دیدیا۔ ایک نے شرم کی اور کنارہ پر بیٹھ گیا۔ اللہ نے اس سے شرم کی اور تیسرے نے اللہ سے اعراض کیا تو اللہ نے بھی اس سے اعراض کیا (بخاری)

اس حدیث سے شرکاء مجلس علم کا یہ حق معلوم ہوا کہ بعد میں آنے والے کو چاہیے کہ دیکھے اگر حلقہ میں گنجائش ہے یا نہیں اگر گنجائش ہو تو بیچ میں بیٹھ جانا مضائقہ نہیں ورنہ لوگوں کو پریشان کر کے ان کے پیچھے جلو بارے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پیچھے بیٹھنے سے عار نہ کرے جیسے ان حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

اگر کوئی ساتھی دیر سے آوے تو اس کو جگہ دینا چاہیے

حدیث ۱۳۔ عن واثلة بن الخطاب قال دخل رجل الی رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو فی المسجد قاعد فتزحزح له رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال الرجل یا رسول الله ان فی المکان لسعة فقال النبی صلی الله علیه وسلم ان للمسلم لحقا اذا رآه اخوه ان یتزحزح له (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

حضرت واثلہ بن خطاب سے روایت کہ ایک شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ مسجد میں تشریف فرما تھے آپ اس کے لئے ذرا سرکے کہ جگہ فراخ ہو جائے تو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ جگہ وسیع ہے تو آپ نے فرمایا کہ مسلمان کا مسلمان پر حق ہے کہ جب اس کو دیکھے تو اس کے لئے کچھ ہٹے اور جنبش کرے (شعب الایمان للبیہقی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریک فی التعلم کا بدرجہ اولیٰ یہ حق ہے کہ اس کے آنے کے وقت ضرور اس کو بیٹھنے کی جگہ دے بعض طلبہ اس میں بہت کوتاہی کرتے ہیں۔

حدیث ۱۴۔ عن علی رض بن ابی طالب قال کنت رجلا مذاء فامرت المقداد ان یسأل النبی صلی الله علیه وسلم فسأله فقال فیه الوضوء (رواه البخاری)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو مذی بہت آتی تھی اس کا مسئلہ پوچھنا تھا خود تو بسبب شرم کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا نہیں، حضرت مقداد رض سے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو۔ حضرت مقداد رض نے پوچھا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مذی نکلنے سے وضو آتا ہے (یعنی غسل نہیں آتا) بخاری۔

اس حدیث سے یہ حق معلوم ہوا کہ اگر کوئی اپنے ہم سبق استاد سے کوئی بات پوچھتا ہوا شرماوے اور اس سے پوچھنے کی درخواست کرے تو خود دریافت کر کے یا مجبور کر کے پوچھ لے البتہ اگر نامعقول سوال ہو تو عذر کر دے یا استاد کسی مصلحت سے کہے کہ جس کا سوال ہے وہ خود کرے تو اس وقت اس کا

پر عمل کرے۔ یہ تو چند نصوص بقناعت اجمالیہ طالب کے لئے اس باب میں نقل کر دیئے گئے ہیں باقی اس کی تفصیل و تکمیل کے لئے حضرات صحابہ رضی کا طرزِ عمل باب معاشرت میں دیکھ لینا کافی ہے۔ اب تو ادائے حقوق تو درکنار بعضے سلسلوں میں تو صریح۔

مرا بخیر تو امید نیست بد مرسان

پر بھی عمل نہیں رہا بلکہ استاد بھائیوں اور پیر بھائیوں میں باہم تحاسد و تباغض اور تنافر و تزاحم و اغراض ہیں اور استاد یا پیر سے ایک دوسرے کی چغلی اور غیبت اور دوسروں کے سامنے تحقیر و تنقیص کرتے ہیں الحمد للہ کہ حق تعالیٰ نے ہمارے سلسلہ کو ہمارے بزرگوں کی برکت سے اس بلا سے تو بہت کچھ محفوظ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھے۔

اب ان ابواب ثلاثہ کو ختم کرتا ہوں جس میں بفضلہ تعالیٰ دس آیتیں۔ چھتیس حدیثیں یعنی سب چھیالیس نصوص ہیں۔ اگرچہ اس سے زیادہ نصوص ذکر نہیں کی گئیں کیونکہ محض نمونہ دکھلانا مقصود تھا جو کہ ایک بڑے عدد سے محدود ہونے کے سبب اس غرض کے لئے کافی ہو گیا کہ یہ حقوق بھی منصوص ہیں۔ یہاں ان ابواب کے مناسب ایک باب رابع اور بھی تھا یعنی خود علم کے حقوق جو بذمہ اہل علم ہیں یا بذمہ غیر اہل علم ہیں اور گو یہ مناسبت بوجہ جزئیت تو نہیں کیونکہ ان ابواب کے متقسم میں خاص معلم و متعلم و شرکاء تعلم مضاف الیہ حقوق کے واقع ہوتے ہیں لیکن بوجہ تعلق فرد ہے اور یہ تعلق مقتضی ہو سکتا تھا کہ اس کا بھی یہاں ذکر ہوتا گو ضمناً ہی۔ لیکن اتفاق سے اس کے قبل احقر اس بحث خاص میں نہایت مفصل مضمون بشکل ایک رسالہ جس کا نام حقوق العلم ہے، لکھ چکا ہے۔ اور وہ چھپ بھی گیا ہے اس لئے وہ مستغنی عنہ ہو گیا۔ اب آخر میں بطور تذنیب کے بعض جزئیات متعلقہ مقام کی تنبیہ میں لکھ کر فارغ ہوتا ہوں۔

تذنیب و تنبیہ اول۔ ہر چند مفہوم معلم کا استاد بالمعنی المتعارف اور پیر اور واعظ اور مصنف یعنی ہر صاحب افادہ دینیہ کو جب تو کسی کو استفادہ ہو سب کو عام ہے لیکن قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ سب حقوق میں متساوی نہیں ہیں۔ ان سب میں استاد بالمعنی المعروف کا حق زیادہ ہے۔ دو وجہ سے۔ ایک تو یہ کہ استاد جس قدر مشقت افادہ تلامذہ کے لئے برداشت کرتا ہے اس قدر دوسرے اہل افادہ نہیں کرتے۔ بعض طرق افادہ میں تو چنداں مشقت ہی

نہیں۔ اور بعض میں گو مشقت ہے مگر وہ اس مشقت کے لئے برداشت نہیں کرتا۔ ورنہ نفعی دینی مثلاً ابتداء بالسلام یا مصافحہ۔ مدد کرنا وغیرہ کرنا ہے مشقت سے حق کا عظیم ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہ وجہ تو تمام مفصل مضمون سے تھی پیر و واعظ و مصنف کو عام ہے۔

اور دوسری وجہ جو صرف پیر میں متحقق ہے یہ ہے کہ شاگرد نے استاد کی تو بیعت کا التزام کیا ہے اور التزام ایک وعدہ ہے اور وفاء عہد لازم ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ اس میں یہ غلطی واقع ہوئی ہے کہ پیر کی تعظیم و خدمت و اطاعت میں دوسروں سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں اور استاد کے حقوق ادا کرنے میں عشر عشیر کے قریب بھی نہیں پہنچتے۔ وهل هذا الا تغيير للشرع۔

تنبیہ ثانی: آیا استاد و پیر کا حق زیادہ ہے یا باپ کا۔ اس میں بھی عام طور پر لوگ اشتباہ و التباس میں مبتلا ہو کر یہ سمجھتے ہیں کہ پیر و استاد روحانی مربی ہے اور باپ جسمانی مربی ہے اور روحانی مربی بڑھا ہوا ہے جسمانی مربی سے۔ اس دعوے کی غلطی یہ ہے اولاً اسی سے سمجھ لینا کافی ہے کہ نصوص میں جس شد و مد سے باپ کے حقوق بتلائے گئے ہیں استاد و پیر کے نہیں بتلائے گئے اور تفصیل یہ ہے کہ اگر ان دونوں کے اوامر میں کچھ تعارض نہ ہو تب تو تحقیق تقدیم حق کی ضرورت ہی نہیں۔ اور اگر تعارض ہو تو دیکھنا چاہئے کہ ان میں سے کوئی امر شرعاً واجب ہے یا نہیں اگر واجب ہے تو وہ مقدم ہے خواہ اس کا آمر باپ ہو یا استاد یا پیر ہو اور اگر واجب نہیں دونوں طرف مباح ہے بس یہ محل بحث ہے اور اس میں نصوص سے باپ کا حق مقدم معلوم ہوتا ہے۔ کما هو ظاهر۔

رہا جواب اس دلیل کا سو اگر صغریٰ مان بھی لیا جاوے اس طرح سے کہ کوئی پیر ایسا ہو جس نے روحانی تربیت بالکل ویسی ہی کی ہو جیسی صورت جسمانیہ کی باپ نے کی تب بھی کبریٰ باطل ہے اس کے اثبات کے محتاج دلیل ہے اور اس کی کوئی دلیل نہیں۔ بس گو مربی روحانی درجہ میں افضل ہو مربی جسمانی سے۔ لیکن ہو اس سے مقصود یہ ہے کہ مربی روحانی کا حق اور اطاعت زیادہ ہے مربی جسمانی سے اس کے لئے دلیل کا مطالبہ کیا جاوے گا۔ اور اگر اس کو مان بھی لیا جاوے تب بھی مقصود مستدل کا حاصل نہیں۔ کیونکہ استاد اور پیر سے زیادہ مربی روحانی رسول اللہ

علیہ وسلم ہیں اور حق تعالیٰ تو جسم اور روح دونوں کے مربی ہیں اور شاید دوسروں نے باپ کا حق زائد کہا ہے۔ پس ان کی اطاعت میں بھی ایک بڑے مربی روحانی کی تعظیم حق ہے۔ ایک چھوٹے مربی روحانی پر ترجیح سمجھ کر۔

اور شیخ نیت ہو یا معقول اور فارسی اور حساب کے استاد بھی ان حقوق مذکورہ میں شریک ہیں یا نہیں۔ اور اسی طرح کا قرابت دار۔ اس میں قواعد سے یہ تفصیل معلوم ہوتی ہے کہ ان میں جو چیزیں مضر ہیں ان کا استاد تو خود مبتذل اور مضر ہے۔ اور استاد کا حق بوجہ مفید اور محسن ہونے کے ہے اور جو چیزیں مضر نہیں ان میں یہ تفصیل ہے کہ اگر علوم دینیہ میں نافع و معین ہیں تب تو چونکہ مقدمہ کا حکم مقصود ہوتا ہے اس لئے ایسے اساتذہ حقوق مذکورہ کے مستحق ہوں گے۔ گو درجات والقاسم میں کمی ہو جس طرح اقارب کے حقوق میں قوت قرابت کے تفاوت سے حقوق میں تفاوت ہوتا ہے۔ اور اگر نہ مضر ہیں اور نہ مفید تب بھی ایک دنیوی احسان ہے اور خود دنیوی احسان پر بھی شکر کرنا نصوص شرعیہ سے ثابت ہے اس لئے ان کا بھی حق ثابت ہوگا۔ گو دینی احسان کی برابر نہ ہی۔

اب یہ دعا کر کے قلم کو رخصت دیتا ہوں کہ حق تعالیٰ ہم طالب علموں کو ان حقوق کے ادا کی توفیق دے اور بوجہ اس کے کہ مضمون بعنوان جس لکھا ہے مناسب جدید کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ البتہ احادیث کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے اگر حضرات اہل علم اشاعت حاشیہ میں بحث فرماویں تو موجب اشاعت اور میری مسرت کا سبب ہوگا۔ الحمد للہ حصہ اول ختم ہوا۔

اصلاحِ انقلابِ اُمّت

جلد دوم

مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے میں پھیلی ہوئی کوتاہیوں کی نشان دہی نیز
عبادات، نکاح وطلاق، حقوق العباد اور دیگر معاشرتی معاملات سے متعلق
معاشرے میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کا شریعت کی روشنی میں حکیمانہ علاج

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ

تسہیل وتزیین

صوفی محمد اقبال قریشی
ناظم ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد

مولانا حسین احمد نجیب
رفیق دارالتصنیف دارالعلوم کراچی

ادارۃ المعارف کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی :

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کو اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں اپنے دین کی نشر و اشاعت کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ آپ نے مختلف موضوعات پر تقریباً ایک ہزار تصانیف کا وہ بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے جو ان شاء اللہ رہتی دنیا تک مسلمانوں کی رہنمائی کرے گا، ان تصانیف میں حضرتؒ نے اپنے زمانہ کی بیشتر ضروریات سے متعلق بڑی نادر تحقیقات و ہدایات جمع فرمادی ہیں، اور شاید ہی عصرِ حاضر کی ضرورت کا کوئی موضوع ایسا ہو جس پر آپ کی تصانیف یا مواعظ و ملفوظات میں کم از کم اصولی ہدایات موجود نہ ہوں۔

حضرتؒ کے تجدیدی کارناموں میں سے ایک اہم کارنامہ زیرِ نظر کتاب یعنی "اصلاحِ انقلابِ امت" ہے۔ اس کتاب میں حضرتؒ نے اُن تمام خرابیوں اور بیماریوں کا انتہائی باریک بینی کے ساتھ جائزہ لیا ہے جو ہماری زندگی کے ہر شعبہ میں اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کے سبب سرایت کرگئی ہیں اور پھر ان کا علاج بھی تجویز فرمایا ہے۔ دراصل یہ ایک سلسلۂ مضامین ہے جو حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے ماہنامہ "القاسم" دیوبند کے لئے تحریر فرمایا تھا، اور اس میں کئی سال تک قسط وار چھپتا رہا، بعد میں اسے کتابی صورت بھی دیدی گئی۔

عرصہ سے احقر کی خواہش تھی کہ یہ کتاب دوبارہ شائع ہو کر افادۂ عام کا سبب بنے۔ لیکن چونکہ اس کتاب سے استفادہ کو آسان بنانے کے لئے اس پر کچھ کام کی ضرورت تھی، اس لئے اشاعت ملتوی رہی، بالآخر کتاب کے پہلے حصہ پر برادرِ عزیز مولوی محمود علی صاحب سلّمہٗ نے عنوانات وغیرہ لگا کر اسے مکمل کردیا، چنانچہ "ادارۃ المعارف" سے یہ پہلا حصہ جو عبادات سے متعلق تھا عرصہ ہوا شائع ہوچکا ہے۔

دوسرا حصہ احقر کی نظر میں بڑا اہم تھا، اس لئے کہ وہ زیادہ تر ان احکام پر مشتمل ہے جو نکاح وطلاق اور گھریلو زندگی کے دوسرے اہم مسائل سے متعلق ہیں، اور جن کو ہمارے معاشرے نے دین سے بالکل خارج تصور کر رکھا ہے، لیکن مولوی محمد علی صاحب اس دوسرے حصے پر کام کرنے سے معذور ہو گئے اس لئے اس کی اشاعت میں پھر تاخیر ہو گئی، بالآخر ہمارے محب محترم جناب صوفی محمد اقبال قریشی صاحب نے یہ کام اپنے ذمہ لیا، اس پر عنوانات لگائے، اور مشکل الفاظ کی تشریح فرمائی، اس کے بعد برادر عزیز مولانا حسین احمد صاحب نجیب رفیق دار التصنیف دار العلوم کراچی نے اس پر محنت سے نظر ثانی کی، اور اس کی تسہیل وترتیب میں مفید اضافے فرمائے، اب یہ کتاب آپ کے سامنے ہے،

اس کتاب میں حضرت تھانوی قدس سرہ نے ان خرابیوں کا انتہائی بالغ نظری کے ساتھ جائزہ لیا ہے جو ہماری گھریلو زندگی میں بُری طرح پھیل گئی ہیں، اور جن کی بنا پر ہمارا معاشرہ گوناگوں آفتوں کا شکار ہو رہا ہے، اس میں نکاح، مہر، نفقہ، عدل، رضاعت، طلاق، لقطہ اور دوسرے حقوق العباد سے متعلق شرعی احکام کی تشریح بھی ہے، اور اس بات کی مؤثر نشاندہی بھی کہ ہمارے معاشرہ میں کس کس طرح غلط فہمیاں یا بے عملیاں پھیلی ہوئی ہیں، اور اُن کے نتائج کتنے تباہ کن ثابت ہو رہے ہیں،

امراض کی یہ تشخیص اور ان کا یہ علاج اُس حکیم الامت کی طرف سے ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے گذشتہ صدی میں تجدید دین کے لئے منتخب فرمایا تھا، اور جسے اُمت کی نبض شناسی کی خاص توفیق مرحمت فرمائی تھی،

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو ان احکام کے سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہو کر اپنی دنیا وآخرت سنوارنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین،

احقر
محمد تقی عثمانی
۲ صفر ۱۳۹۹ھ

دار العلوم کراچی ۱۴

تعارف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ واتباعہ

وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

اما بعد! "اصلاح انقلاب امت" حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی تصنیف ہے جو حقیقی معنی میں حکیم الامت، مشفق ملت اور مجدد وقت تھے، ان کی پوری درخشندہ حیات مبارکہ بالکل اس آیت مبارکہ کے مصداق تھی إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔ اور وہ صحیح معنی میں اس شعر کی عملی تصویر تھے۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

مورخ اسلام حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ اپنے مقالہ "حکیم الامت کے آثار علمیہ" کے باب "اصلاحیات" میں حضرت والا کی اصلاحی تصنیفات کتاب "حیوۃ المسلمین" اور "اصلاح الرسوم، صفائی معاملات، اصلاح امت وغیرہ" میں بطور تعارف تحریر فرماتے ہیں:

"ان کتابوں میں ہر ایک کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں کی اخلاقی، اجتماعی، معاشرتی زندگی خاص اسلامی طرز پر بسر ہو اور ان کے سامنے وہ صراط مستقیم پیش ہو جو ہر حیثیت سے ان کے مقصود کی طرف جاتی ہے۔"

(ماہنامہ معارف، صفحہ ۲۱۳، بحوالہ حیات اشرف، ص ۱۵۵)

پاکستان میں پہلی بار اس کتاب کی جلد اول ادارۃ المعارف کراچی نے شائع کی تھی۔ دوران خدمت کتابت احقر نے برادر محترم جناب مکرم مولانا محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہم سے اس کتاب کی جلد دوم کی اشاعت کے بارے میں استفسار کیا اور یہ بھی عرض کیا کہ اگر اشاعت میں تاخیر بذریعہ حضرت کے ذوق کے مطابق ذیلی سرخیاں نہ ہونے کے سبب ہو رہی ہے تو بندہ اس کیلئے

حاضر ہو، مولانا عثمانی صاحب مدظلہم نے اسے منظور فرما لیا اور کتاب روانہ فرما دی، درحقیقت بندہ اس کا بالکل اہل نہ تھا، "صلاح کار کجا و من خراب کجا"

تاہم حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کی ایک نادر اصلاحی تصنیف کی خدمت کو سعادت جان کر توکلاً علی اللہ اس کام کو شروع کیا، اور ان باتوں کا اہتمام کیا۔

(۱) ہر باب میں ذیلی سرخیاں قائم کر کے شروع میں ایک مختصر فہرست مضامین لگا دی ہے، اس فہرست پر ایک اجمالی نظر ڈالنے سے ہی کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

(۲) کتاب کی زبان چونکہ علمی ہونے کی وجہ سے خاصی مشکل ہے، اس لئے قارئین کی سہولت کے مدِنظر بعض مقامات پر مشکل الفاظ کا مفہوم قوسین میں لکھ دیا ہے،

(۳) اس کے علاوہ قرآنی آیات، احادیث، فقہی عبارات اور فارسی اشعار کا ترجمہ بھی قوسین میں کر دیا ہے، فقہی عبارات کے ترجمہ کے سلسلہ میں برادرم علامہ اختر علی صاحب سینیئر عربی ٹیچر گورنمنٹ ہائی اسکول ہارون آباد نے بڑا تعاون فرمایا، بلکہ بعض عبارات کی تصحیح اور حوالے کے لئے فصل فتاویٰ سے مراجعت فرمائی، حق تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین،

(۴) فقہی اصطلاحات (مثلاً طلاق بائن، خلع وغیرہ) کی تشریح حواشی میں کر دی گئی ہے،

(۵) جدید اردو میں بعض مقامات پر واؤ کا استعمال متروک ہو چکا ہے مثلاً "جاوے" "کھاوے" وغیرہ میں واؤ کو حذف کر کے "جائے" "کھائے" وغیرہ کر دیا گیا ہے،

غرض کہ کتاب کو حتی المقدور عام فہم بنانے کی کوشش کی گئی ہے، جو صاحب اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں وہ احقر مرتب، ناکارۂ اہل اللہ کے لئے بطورِ خاص دعا فرمائیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ زندگی کی بقیہ ساعات میں اپنی مرضیات پر چلنے، نامرضیات سے بچنے کی توفیق بخشتے ہوئے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے افادات زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی توفیق بخشیں، اور ہم سب کو ان پر عمل کی توفیق عنایت فرمائیں ؎

انہی کے طرزِ عمل پہ ہو اپنے عمر بھر چلنا
یرحم اللہ عبداً قال آمینا

آخر میں دوبارہ عرض ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ اس پر عمل کی نیت سے کیا جانا چاہئے،

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی، آمین،

دعاؤں کا محتاج

بندہ محمد اقبال قریشی عفی عنہ

شب جمعہ ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

اصلاحِ انقلابِ امت

عنوان	صفحہ
حرفِ آغاز	۳
تعارف	۵
اصلاح متعلق بہ نکاح	۲۳
نکاح سے متعلق کوتاہیاں	
ناکارہ ہونے کے باوجود بلا ضرورت نکاح کرنا	〃
والدین کا طمع و حرص سے اپنی لڑکی کی زندگی برباد کرنا	۲۴
بعض سادہ لوح نکاح کی غایت صرف کھانا پینا سمجھتے ہیں	〃
بدون مراہقت تام کے نکاح کے مصالح پورے نہیں ہوسکتے	〃
عمر کے تناسب کا خیال نہ رکھنے سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں	〃
بغرض خدمت نکاح مقصود ہو تو کیسی عورت سے نکاح کرنا چاہیے؟	۲۵

عنوان	صفحہ
مرد کو معاوضہ دے کر نکاح کر دینے کے مفاسد	۲۵
مرد اور عورت کے مزاج ناموافق ہونے کے مختلف عوارض	۲۶
نکاح کے معاملہ میں زوجین اور اولیاء زوجین کو نہایت دیانت اور صفائی سے کام لینا واجب ہے	〃
بلا ضرورت براہ ہوسناکی کئی بیویاں کرلینے کے مفاسد	〃
پریشانی کے بڑھ جانے سے دین میں خلل آنے کا ظن غالب ہو تو اس پریشانی سے بچنا واجب ہے	〃
تعدد ازدواج کا انکار تقلید ملاحدۂ یورپ کے سبب ہے	〃
بعض عوارض کے سبب تعدد ازدواج گناہ ہوسکتا ہے	۲۸
بالغ ہوچکے بعد اولاد کی جلد شادی نہ کرنے میں بہت سے مفاسد ہیں	〃

عنوان	صفحہ
بالغ ہونے کے بعد لڑکی کی جلد شادی نہ کرنے کے دنیوی مفاسد	۲۹
جہیز کے انتظار میں نکاح میں تاخیر نہ کرنی چاہئے	"
موزوں رشتہ نہ ملنے کا عذر صحیح نہیں	۳۰
لائق داماد کی ذہنی تراشیدہ صفات	"
غلو ہر امر میں مذموم ہے	"
نکاح کرتے وقت لڑکے میں تین امر کا دیکھنا ضروری ہے	"
موزوں رشتہ نہ ملنے کے تین الزامی جوابات	"
اعتقاداً بیوہ کے نکاح ثانی کو عیب سمجھنا جہالت ہے	"
بیوہ کا نکاح ثانی نہ کرنے سے اس کی عصمت، آبرو اور دین برباد ہونے کا اندیشہ ہے	۳۲
بیوہ کو شفقت اور محبت سے نکاح ثانی کی ترغیب دینا چاہئے	"
بیوہ باوجود کوشش کے نکاح ثانی سے انکار کرے تو تم معذور ہو	"
بچوں والی، عمر رسیدہ، صاحب وسعت بیوہ کے لئے نکاح ثانی ضروری نہیں	"
زوجین کی مرضی کے خلاف نکاح جبراً کر دینے سے بہت سی خرابیاں ہوتی ہیں	۳۲
صغیرہ یا صغیر پر ولایت جبریہ حاصل ہے	۳۳
نکاح سے قبل زوجین سے ان کی مرضی اور رائے معلوم کرنے کا احسن طریقہ	"
موجودہ زمانہ میں نکاح سے قبل متناکحین کی مرضی معلوم کر لینا ضروری ہے	۳۴
خلاف مرضی نکاح کر دینے کے مفاسد	"
غلطی کر کے تمسک بہ تقدیر کا عذر غلط ہے	"
پسندیدہ زمانہ نکاح بعد بلوغ کے ہے	۳۵
قانون شرعیہ سے زیادہ جامع اور رعایت مصالح کوئی نہیں ہو سکتا	"
عورتوں میں فطری طور پر ایک حیا کی شان پائی جاتی ہے	"
ایسا خاص طرز تعلیم جس سے عورتوں میں حیا کا نام و نشان باقی نہ رہے سخت مضر ہے	۳۶
شریعت مقدسہ نے تمام روئے زمین کے انسانوں کے جذبات کی رعایت فرمائی ہے	"
زوجین میں نکاح کے وقت سب سے زیادہ قابل التفات دین اور سب سے کم قابل التفات مال و جمال ہے	"
نکاح کا مقصد اعظم زوجین میں باہم محبت و مودت و توافق ہے	۳۷
محبت و مودت میں بڑا دخل دین کو ہے	"

عنوان	صفحہ
بغیر دین کے صرف مال وجمال بقائے محبت کے لئے کافی نہیں،	۳۸
دین کے ساتھ اگر مال وجمال جمع ہو تو نور علیٰ نور ہے،	۳۹
نکاح سے قبل داماد کے مسلمان ہونے کی تحقیق ضرور کرنا چاہئے،	"
ضرورت اور وسعت ہونے پر نکاح ثانی کرنا واجب ہے،	"
نکاح کس صورت میں فرض ہے؟	"
نکاح کس صورت میں سنت ہے اور کونسی صورت میں ممنوع ہے؟	۴۰
نکاح کا ترک فی نفسہ عبادت نہیں،	"
حالت ضرورت میں عدم نکاح سے فتنہ کثیرہ میں مبتلا ہوگا،	"
نوعمر لڑکوں میں مبتلا ہونا فتنہ عظیم ہے	۴۱
ترک دنیا سے ترک معصیت زیادہ ضروری ہے	"
عورتیں باختیار خود بے نکاح رہنے کو ترجیح نہیں دیتیں،	"
بعض عورتوں کا نکاح ثانی کو عیب سمجھنا قابل گرفت غلطی ہے،	"
منکوحہ کے مال پر نظر رکھنا بڑی بے غیرتی	۴۲
اپنے برابر والوں سے تعلق نکاح قائم رکھنے سے ہر قسم کے مصالح محفوظ رہتے ہیں،	"
چھوٹی عمر میں نکاح کر دینے کی خرابیاں	۴۳
بڑی عمر کی لڑکی سے چھوٹی عمر کے لڑکے کے نکاح کر دینے کی خرابیاں،	۴۴
بعد بلوغ اور درستی عقل کے نکاح میں سلامتی ہے،	"
منکوحہ کے نو تعلیم یافتہ ہونے کو دیکھنا غلطی ہے،	۴۵
مہر کو معاف کر دینے کے باوجود ادا کر دینا ہی مناسب ہے،	"
عورت اگر خلوص کامل سے مرد کی مالی خدمت کرے تو مضائقہ نہیں،	"
عورت میں خدمت گزاری کا مادہ ہونا ضروری ہے،	۴۶
عورتوں کو انگریزی تعلیم دینے سے بہت سے اخلاق ذمیمہ پیدا ہوں گے،	"
نو تعلیم یافتہ عورت اپنے شوہر سے خدمت کی طالب ہوگی،	"
اگر عورت میں حیا نہ ہو وہ صحیح معنوں میں عورت نہیں،	۴۷
عورتوں میں دینی تعلیم کا ڈھونڈھنا ضروری ہے،	"
دینی تعلیم سب تہذیبوں کی جڑ ہے،	"
آجکل کی تہذیب تعذیب ہے،	۴۸
عورتوں کو علم دین گھر ہی پڑھانا چاہئے	"

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
نو تعلیم یافتہ ہونے سے عورت کا بے علم ہونا اچھا ہے،	۴۸	نکاح خواں کو ایجاب کے وقت منکوحہ کا نام بلند آواز سے لینا ضروری ہے،	۵۵
نکاح کے لئے اخبارات میں ناکح و منکوحہ کی اشتہار بازی مذموم ہے،	۴۹	بضرورت شرعیہ عورت کا نام مردوں کی مجلس میں لینا شرم و حیا کے خلاف نہیں	〃
عاقلہ بالغہ کا بلا ضرورت از خود نکاح کرنا مذموم ہے،	〃	**اصلاح بعض اغلاط متعلق تحلیل حرام و تحریم حلال**	۵۶
بزرگوں کے تجویز فرمودہ نکاح میں آثار برکت ہوتے ہیں،	۵۰	اجتہاد بالکل عام ہو تو شریعت کا ایک جزو بھی باقی نہیں رہ سکتا،	۵۷
متدین آدمی کا بازاری عورت سے نکاح کرنا خلاف احتیاط ہے،	〃	ایک مدعی اجتہاد کا جد حقیقی کی منکوحہ سے فتویٰ جواز نکاح،	〃
نکاح سے متعلق بعض کوتاہیاں جن کا تعلق مسائل فقہیہ سے ہے.	۵۱	تفسیر بالرائے کی چند سنگین مثالیں	〃
خفیہ نکاح خلاف سنت ہے،	〃	**ایک آفت کثیر الشیوع!**	۵۸
خفیہ نکاح کی چند خرابیاں،	〃	حرمت مصاہرت سے متعلق چند کوتاہیاں	〃
نکاح معاملات بیع و شراء سے نہیں،	۵۲	بیوی کی ماں یا اس کی بیٹی پر بشہوت ہاتھ پڑ جانے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے،	۵۹
جہل مرکب کی حکایت ایک مثال،	〃	مذکورہ حرمت کا مدار مزاح نہیں بلکہ اس فعل کا خاصہ ہے،	〃
خط و کتابت کے ذریعہ ایجاب و قبول سے نکاح صحیح نہیں ہوتے،	۵۳	بہو پر براہ شرارت ہاتھ ڈالنے سے بیوی اپنے بیٹے پر بھی حرام ہو جائے گی،	〃
خفیہ نکاح کی ایک نئی ایجاد جو سراسر معصیت اور ضلالت ہے،	〃	کسی شرعی حکم کو محض نفس پرستی کے لئے دوسرے امام کی تقلید دین سے مذاق ہے،	۶۰
خفیہ نکاح عورت پر ظلم کا سبب	۵۴	بلا قصد بھی حرمت مصاہرت ہو جاتی ہے	〃
خفیہ نکاح کی دوسری خرابی،	〃		
خفیہ نکاح کے انسداد کے لئے شریعت نے اعلان نکاح کا امر فرمایا ہے،	〃		
بعض اوقات بوجہ شرعی خفیہ نکاح جائز ہوتا ہے	۵۵		

عنوان	صفحہ
بیوی سے مباشرت کے قبل سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔	۶۰
ایک کوتاہی حرمت رضاع	″
ناکارہ دودھ بلا ضرورت پلانا خلاف احتیاط ہے۔	۶۱
حکم شرعی ماننے میں بجائے بدنامی کے نیک نامی ہوتی ہے۔	″
جاہلیت نکاح کا بقیہ اثر ہیں	۶۲
مخنثوں کے متعلق چند کا بیان	″
پردیسی عورت کے شوہر فوت ہونے یا طلاق کے بعد مدت گزر جانے کے دعویٰ کا حکم	۶۳
شہادت قلب معلوم کرنے کا طریقہ	″
نو مسلم عورت کا فوراً نکاح کر دینا صحیح نہیں ہے۔	″
متعہ یعنی نکاح بالکل حرام ہے۔	۶۴
محصنات کی چند کوتاہیاں	″
نکاح موقت اور متعہ بالاتفاق حرام ہیں	۶۵
خریدی ہوئی عورتیں شرعاً کنیز کہلانے کی مصداق نہیں۔	″
تین طلاق کے بعد بدون حلالہ اسی شوہر سے نکاح درست نہیں۔	″
بیک وقت چار عورتوں کا نکاح درست نہیں	۶۶
مسئلہ مصاہرت کے متعلق ایک حضرت فی الہدیٰ کا فتویٰ۔	″

عنوان	صفحہ
چند ٹکوں کی خاطر ایک شخص کی اپنی حقیقی ہمشیرہ کو زانیہ قرار دینے کی خواہش۔	۶۷
ان عورتوں کا بیان جن سے شرعاً نکاح درست ہے۔	۶۸
سالی کی بھی پردہ کرنا واجب ہے۔	۶۹
بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کو حرام سمجھنا سراسر ضلالت ہے۔	″
شوہر سے فسخ نکاح کی خاطر مرتد ہونے سے نکاح باطل نہ ہوگا۔	۷۰
کسی جوش میں تین طلاق کی قسم کھانے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔	″
اولاد کی تعداد میں اتنے بچے سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔	″
متبنیٰ کی بیٹی سے نکاح کرنا حرام نہیں۔	″
بیوہ کے نکاح کے مطلب میں غلو ہو۔	۷۱
ضمیمہ فہرست بالا	۷۲
نامرد کے ساتھ نکاح بالکل صحیح ہو جاتا ہے۔	″
نامرد کو از خود نکاح کرنا گناہ ہے۔	″
نامرد کے پیچھے نماز صحیح ہو جاتی ہے۔	″
خصی اور ہیجڑے کی امامت مکروہ ہے۔	″
نامرد، خصی اور ہیجڑے وغیرہ سے پردہ واجب ہے۔	۷۳
خنثیت مرض ہے، اور قطع عضو سخت گناہ ہے۔	″

عنوان	صفحہ
پہلا بھی عزیزوں میں شامل ہے۔	۷۳
نامرد سے عورت کی تفریق کرانے کا خاص قانون ہے۔	〃
مرض رتقاء والی عورت سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔	۷۴
خنثیٰ کا نکاح کسی سے نہیں ہوسکتا	۷۵
ولد الزنا سے نکاح صحیح ہوجاتا ہے۔	۷۶
نان و نفقہ کی خبرگیری نہ کرنے سے از خود نکاح باطل نہیں ہوتا۔	〃
الخطوب المذیبة للقلوب المنیبة	۷۷
تغیر کے اسباب	〃
خاوند کے دوسری بیوی سے نکاح کرنے پر جاہل عورتوں کی خیالی باتیں۔	۷۸
بعض اوقات عبادت گزار عورتیں بھی بلاسوچے کلمات کفر بک دیتی ہیں۔	〃
شوہر کے نکاح ثانی کر لینے پر عام عقلاء کے نزدیک اس کی پہلی بیوی کو تلقین صبر کرنا اور تسلی دینا۔	۷۹
نکاح ثانی کرنے پر حضرت حکیم الامتؒ کا طریقہ عمل۔	〃
. . . .	
. . . .	
. . . .	

عنوان	صفحہ
جو شخص اپنی اصلاح نہ چاہے نبی بھی اس کی اصلاح نہیں کر سکتا۔	۸۰
اصلاح کے لئے اپنے مصلح سے اعتقاد وانقیاد ہونا ضروری ہے۔	〃
اللہ تعالیٰ معرفت نصیب کرے تو کلفت بھی مسرت ہے۔	۸۱
اسباب تغیر جہالت اور محبت ہے۔	〃
رسم کو جذبات میں بڑا دخل ہے۔	۸۲
امر طبعی میں انسان معذور ہوتا ہے۔	〃
شہوت و غضب حسد و کبر کا صدور جہالت کے سبب ہے۔	〃
ملکات و جذبات کی اصلاح تعلیم دین اور تربیت روحانی سے ہوسکتی ہے۔	〃
ازواج متعددہ والے عموماً ظلم و ستم کے معاصی میں مبتلا ہیں۔	۸۳
تعدد ازواج کی صورت میں باہم عدل رکھنے کے چند فقہی مسائل۔	〃
تعدد ازواج میں عدل نہ ہونے کا احتمال قوی اور غالب ہے۔	۸۴
تعدد ازواج اختیار نہ کرنا ہی اسلم ہے۔	۸۵
حضرت حکیم الامتؒ کے نکاح ثانی کے کیا اسباب ہے؟	۸۶
دل کو سنبھالنے والی چیز سوائے دین کے کچھ نہیں۔	۸۸

عنوان	صفحہ
حضرت حکیم الامتؒ کو نکاح ثانی سے عورت کی محبوبیت نصیب ہونا	۸۸
حضرت حکیم الامتؒ کو نکاح ثانی سے آخرت کی رغبت بڑھنا	״
حضرت حکیم الامتؒ کو نکاح ثانی سے صبر اور رضا بالقضاء اور تفویض الی اللہ کی حقیقت کا مشاہدہ ہونا	۸۹
حضرت حکیم الامتؒ کو نکاح ثانی سے علم و تحمل کی دولت نصیب ہونا	
نکاح ثانی سے دو رسم جاہلیت کا ابطال	״
نکاح ثانی سے تعدد ازواج کی حکمتوں کا انکشاف	״
دو بیویوں کے مابین عدل کرنا سلطنت میں عدل کرنے سے مشکل ہے	״
تعدد ازواج کی ایک مصلحت زوج کی تخفیف ہے	۹۰
سفر حج، جاہ اور بیوی کی بھی بہت سے درجات ہوتے ہیں	۹۱
نکاح ثانی میں حضرت حکیم الامتؒ کی بفضلہ تعالیٰ اضطراراً موافقت سنت کی بہت سی باتیں جمع ہو گئیں	۹۲
حضرت حکیم الامتؒ نے نکاح ثانی ولادہونے کے خیال سے نہیں کیا	۹۳
حدود شرعیہ میں قولاً و فعلاً تجاوز	

عنوان	صفحہ
ذکر کرنے کا سبب کو حکم ہے	۹۵
حضرت حکیم الامتؒ کا نکاح ثانی سے بڑی اہلیہ کو مطلع نہ کرنے کا سبب	״
بعد تقسیم کے بعد پریشانی اور رنج و غم کہاں؟	۹۶
خط کے جواب میں مکمل رسالہ لکھنے کا سبب	۹۷
خاتمہ مکتوب بر نصیحت	״
تعدد ازواج سے بچنے ہی میں سلامتی ہے	״
بصورت تعدد ازواج پہلا دستور العمل شوہر کے لئے	۹۸
بصورت تعدد ازواج دوسرا دستور العمل منکوحہ قدیمہ کے لئے	״
بصورت تعدد ازواج تیسرا دستور العمل منکوحہ جدیدہ کے لئے	۹۹
اشعار	״
ضمیمہ فہرست تحلیل بعض محرمات	۱۰۰
اصلاح معاملہ متعلق ولایت نکاح	۱۰۱
ولایت نکاح کے متعلق چند کوتاہیوں کا بیان	״
دور کے وارث کا نابالغ لڑکی کا نکاح کر دینا	״
ماں کا حق ولایت اس وقت ہے جب عصبات سے کوئی نہ ہو	״
نابالغ بچی کی پرورش میں کوتاہی کے باوجود حق ولایت نکاح باقی رہتا ہے	״

عنوان	صفحہ
سوتیلے باپ کو حق ولایت نکاح کسی صورت حاصل نہیں	۱۰۲
ولی کے جبراً نکاح کرا دینے سے نکاح درست نہیں ہوتا۔	〃
باکرہ بالغہ کا سکوت ہی اذن ہے۔	۱۰۳
نکاح موقوف کے احکام	〃
قبل نکاح باکرہ منکوحہ سے اذن نہ لینے سے نکاح موقوف رہے گا۔	〃
نکاح سے قبل منکوحہ سے اذن حاصل کرنا ضروری ہے۔	۱۰۴
نکاح موقوف کی صورت میں شب زفاف میں عورت اظہار ناراضی کرے تو نکاح نافذ ہی نہیں ہوگا۔	〃
بارہ برس کی عمر کی لڑکی کی اجازت معتبر نہیں۔	〃
باپ دادا کے علاوہ کسی دوسرے ولی جائز نے نابالغ لڑکی کا نکاح کرایا ہو تو بعد بلوغ اس لڑکی کو فسخ نکاح کا اختیار ہوگا۔	۱۰۵
خیار فسخ کے موثر ہونے میں قضاء قاضی مشروط ہے۔	〃
نکاح فسخ ہونے کے چند شرائط	〃
بعض مقامات پر ولی اقرب کا لڑکی کے ساتھ ظلم عظیم۔	۱۰۶

عنوان	صفحہ
غیبت منقطعہ ہونے سے ولایت ولی ابعد کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔	۱۰۶
بالغ لڑکی ولی کی غفلت اور لاپرواہی کی صورت میں خود نکاح کر سکتی ہے۔	۱۰۷
اصلاح معاملات متعلقہ کفاءت	۱۰۸
کفاءت نسب میں ماں کا کچھ اعتبار نہیں	〃
ماں کی طرف سے سیادت نسبیہ صرف حضرت فاطمہؓ اور ان کی اولاد کے لئے ثابت ہے۔	〃
نسب میں فخر کی کوئی بات نہیں۔	〃
شرافت نسبیہ کا شریعت نے اعتبار کیا ہے	۱۰۹
شرافت نسب میں پردیسیوں کو رذیل اور ذلیل سمجھنا صحیح نہیں۔	۱۱۰
کفاءت نسبیہ میں افراط و تفریط مذموم ہے	〃
عجمی عالم بھی عربیہ کا کفو نہیں۔ کفو کا اعتبار صرف باپ کی جانب سے ہوگا	۱۱۱
غیر کفو کی منکوحہ لانے سے چند دشواریاں	۱۱۲
شرع نے کفاءت میں دین کا اعتبار کیا ہے	〃
مرد کی بدرنگی کی تمیز نہیں۔	〃
بعض مبتدعین کفو کے تعین میں اختلاف کی	۱۱۳
بلاد یورپ کی لامذہب عورت سے نکاح صحیح نہیں۔	۱۱۴
خاندانی مصالح موہومہ کے سبب بدعقیدہ یا بدعمل مرد سے نکاح کر دینا ظلم عظیم ہے۔	〃

عنوان	صفحہ
نکاح سے قبل ناکح کے معاملات کی اچھی طرح چھان بین اور تحقیق ضروری ہے۔	۱۱۵
ایک اہم علمی فائدہ	〃
باب کفارت سے متعلق ایک عمدہ بحث	۱۱۶
اختلاف جنس کی صورت میں نکاح صحیح نہ ہوگا	〃
جن عورت کا انسان مرد سے اور جن مرد کا انسان عورت سے نکاح صحیح نہیں۔	۱۱۷
بلقیس کے قصہ سے استدلال صحیح نہیں	۱۱۸
بنی حنیفہ کی جنیہ کی طرف نسبت من گھڑت ہے۔	〃
آدمی کی شکل میں جن صحبت کرے تو غسل واجب ہوگا۔	۱۱۹
جنس مخالف سے نکاح جائز ہونے کی ایک صورت	۱۲۰
جنس مخالف سے نکاح کے مسئلہ میں احتیاط کی راہ	۱۲۱
دنیا اور آخرت کے احکام متماثل نہیں۔	〃
جنت میں توالد نہ ہوگی۔	۱۲۲
فرشتوں اور جن کا انکار نہیں کر سکتے	۱۲۳
ایک شبہ کا ازالہ	۱۲۴
کیا تجانس امامت میں بھی شرط ہے؟	〃
مسئلہ زیر بحث میں ایک عجیب نکتہ	〃
منکوحہ جنیہ کی اولاد کو جن اور منکوحہ آدمیہ کی اولاد کو آدمی کہیں گے۔	〃
ایک علمی نکتہ	۱۲۵

عنوان	صفحہ
کسی پر بلا جن آنے کے وقت دوسری عورتوں کو پردہ کرنا چاہیے۔	۱۲۵
اصلاح انقلاب متعلق مہر	۱۲۶
مہر بعض شارع حق واجب اور لازم ہے۔	〃
دل میں مہر ادا نہ کرنے کی نیت ہو تو وہ شخص زانی ہو کر مرے گا۔	۱۲۷
نکاح اور زنا میں فرق۔	〃
کوئی عمل شرعی بدون نیت عنداللہ معتبر نہیں۔	〃
مہر ادا نہ کرنے کی نیت رکھنے والا خائن اور چور بھی ہے۔	۱۲۸
اپنی وسعت سے زیادہ مہر مقرر نہیں کرنا چاہیے۔	〃
احادیث میں زیادہ مہر مقرر کرنے کی ممانعت اور کم مقرر کرنے کی ترغیب آئی ہے۔	〃
اپنی ہمت سے زیادہ مہر قبول کرنا شرعاً منع ہے۔	۱۲۹
حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مہر کی کم از کم حد دس درہم ہے۔	۱۳۰
موضع اختلاف میں احوط پر عمل کرنا مناسب ہے۔	۱۳۱
مہر زیادہ مقرر کرنے کی خرابیاں۔	۱۳۲
معافی مہر میں طیب نفس سے معاف ہونا شرط ہے۔	۱۳۳

عنوان	صفحہ
زیادہ مہر مقرر کرنے کے مصالح و مفاسد	۱۳۴
کثرت مہر محض رسم پرستی ہے جس میں کوئی مصلحت نہیں،	۱۳۵
مہر مقرر کرتے وقت مقدار کا تعین کرنا ضروری ہے،	۱۳۶
مہر مقرر کرنے کے لئے مال ہونا شرط ہے	〃
بعد وفات شوہر عورت کو مہر میں تمام اشیاء منقولہ و غیر منقولہ پر قبضہ کر لینا شرعاً درست نہیں،	〃
مہر سے متعلق شوہر کی کوتاہیاں،	۱۳۷
عورت اپنے مرض الموت میں مہر معاف نہیں کر سکتی،	〃
شوہر کے مرض الموت میں عورت کو مہر معاف کرنے کی رائے دینا درست نہیں،	〃
زوجہ متوفیہ کی اولاد کے حصہ میں زوج کا تصرف کرنا حرام ہے،	۱۳۸
نکاح یا رخصت سے قبل شوہر سے کچھ لینا حرام ہے،	〃
نابالغ زوجہ کی معافی مہر شرعاً معتبر نہیں	۱۳۹
عورتوں کا مہر مانگنا شرعاً کچھ عیب نہیں	〃
مہر اور نان و نفقہ دونوں علیحدہ علیحدہ حقوق ہیں،	〃
دین مہر مانع وجوب زکوٰۃ نہیں،	
مہر کے وصول ہونے تک عورت کے ذمہ زکوٰۃ نہیں	۱۴۰

عنوان	صفحہ
مہر دو ٹکوں مقرر کرنا حماقت ہے،	۱۴۱
ٹکوں سے مقرر شدہ مہر کی وصولی میں بیجا کوتاہیاں،	〃
مہر میں دوسری جنس کی قیمت لگانے کا طریقہ	۱۴۲
اصلاح انقلاب متعلق عدل بین الزوجین	۱۴۴
دو بیویوں میں عدل و انصاف نہ کرنے کی کوتاہیاں،	〃
عدل نہ کر سکنے کی امید ہو تو دوسرا نکاح کرنا ہی گناہ ہے،	〃
نفقات اور شب باشی میں عدل واجب ہے رغبت اور نشاط غیر اختیاری ہے	۱۴۵
بیویوں میں تبرعات اور تحائف میں بھی عدل واجب ہے،	〃
بیویوں کے سفر میں ساتھ لے جانے کے لئے قرعہ ڈالنا افضل ہے،	۱۴۶
دونوں بیویوں کے مسکن میں برابری واجب ہے،	〃
ایک شب میں دوسری کو شریک کرنا درست نہیں،	〃
ولادت کے وقت برابری کا حکم،	۱۴۷
امور متعلقہ زوجین کے چند مسائل	〃
عدل قائم کرنے کی اہمیت،	〃
خیر الانتباہ فی معاشرۃ النساء	۱۴۸
مصنفہ حاجی عبد الغنی صاحب ساکن محمد پور	۱۵۱

عنوان	صفحہ
نقل مضمون واقعۂ تحریر	۱۵۱
حقوق سے بری ہونے کا معاہدہ کرنے کے باوجود بیویوں میں عدل کرنا چاہئے۔	۱۵۳
اصلاحِ انقلاب متعلق رضاع !	۱۵۵
دودھ شریک بہن بھائی ہونے کے لئے ایک ہی زمانہ ہونا ضروری نہیں۔	〃
حرمتِ رضاعت دو سال کے بعد کسی عورت کا دودھ پینے پر ثابت نہیں ہوتی۔	〃
مدتِ رضاع کے اندر دودھ پینے سے حرمتِ رضاع ثابت ہو جاتی ہے۔	〃
گائے، بھینس، بکری کا ایک ساتھ دودھ پینے سے حرمتِ رضاع ثابت نہیں ہوتی	۱۵۶
بچے کے دودھ پی کر قے کر لینے سے حرمتِ رضاع زائل نہیں ہوتی۔	〃
حرمتِ رضاع واجب ہونے کی صورتیں	〃
بچوں کو دودھ پلانے سے متعلق [illegible]	〃
شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو دودھ نہیں پلانا چاہئے۔	〃
رضاعی بہن کے پاس تخلیہ میں بیٹھنا جائز نہیں۔	۱۵۷
رشتے کے وقت دودھ پلانے والی سے تحقیق کرنا ضروری ہے۔	〃
بغیر ماں کا دودھ بچے کو پلانا درست نہیں	〃
اپنے دودھ پلانے والی کا ادب اور احترام کرنا ضروری ہے۔	۱۵۷
نسبی ماں کا حق رضاعی ماں سے مقدم ہے	〃
فعلِ ناجائز کی کسی کی اولاد کو اجازت نہیں	۱۵۸
فرع قابلِ توجہ اہلِ علم۔	〃
ضروری تنبیہ	〃
ابوابُ الطلاق مالحق بہ !	۱۵۹
طلاق سے متعلق کوتاہیوں کا بیان	〃
مصلحت اور ضرورت کے موقع پر طلاق موجبِ عار نہیں۔	〃
طلاق کو حد درجہ معیوب سمجھنے کی خرابیاں۔	۱۶۰
جہلاء کے اہلِ فتاویٰ کے سامنے جاہلانہ اشکالات۔	۱۶۱
طلاق کے بعد عورت کا حکم مثل اجنبیہ کے	〃
طلاق میں افراط اور تفریط دونوں مذموم ہے	〃
بلا ضرورت شوہر سے طلاق مانگنا سخت گناہ ہے	〃
کسی دوسری عورت کے لئے طلاق کی درخواست بھی ممنوع ہے۔	〃
تین طلاق ایک دم دینا گناہ ہے۔	〃
تین طلاق ایک ساتھ دینے کے ضروری مسائل	۱۶۲
طلاق واحدہ بائنہ بھی بدعت ہے۔	〃
جہیز اور لباس کی خاطر طلاق دینا گناہ ہے۔	۱۶۵

مضمون	صفحہ
غصہ یا ہنسی میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔	۱۶۵
طلاق کی حد وہی تین تک ہے۔	//
تنبیہ	۱۶۶
شوہر کی تنہائی میں طلاق کا مسئلہ	//
غصہ اور مذاق میں بھی طلاق ہو جاتی ہے	۱۶۷
اکراہ میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے	//
طلاق کا لفظ منہ سے نکالتے ہی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔	//
بلا قصد بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔	۱۶۸
نشہ کی حالت میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔	//
کلمۂ کفر صادر ہونے پر تجدید نکاح ضروری ہے	//
شوہر کو باپ یا بھائی کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔	//
ایلاء اور اس کا حکم۔	//
فسخ نکاح بدون قاضی مسلم کے نہیں ہو سکتا۔	۱۶۹
شوہر کے باپ کو اپنی بہو کو طلاق دینے کا کوئی اختیار نہیں۔	//
کسی کا خط بغیر اجازت کھولنے سے بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوتی۔	//
تعلیق میں محض نیت کافی نہیں۔	//
طلاق کے بارے میں اہل علم کا ایک مغالطہ	

مضمون	صفحہ
غائبانہ طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے۔	۱۷۱
مذاق کہنے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے	//
رنجش کی بنا پر بیوی کے ناجائز جگہ پر بھیجنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔	//
شوہر کے مرض الوفات میں طلاق بائن دی تو بیوہ کو میراث ملے گی۔	//
طلاق بائن اور طلاق رجعی میں شوہر سے پردہ کے احکام۔	۱۷۲
طلاق کے بعد عدت میں نفقہ دینا واجب ہے۔	//
بقیہ احکام بعد الطلاق	//
عدت سے متعلق چند کوتاہیاں	//
عدت کی قسمیں۔	۱۷۲
عدت کے اندر نکاح جائز نہیں۔	//
زنا سے حمل رہ جانے کی صورت میں نکاح فوراً جائز ہے۔	//
عدت میں پورے تیس دن کا مہینہ شمار کیا جاتا ہے۔	//
عدت کا شمار طلاق یا وفات کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔	۱۷۳
نابالغہ کا شوہر فوت ہونے کی صورت میں عدت کا حکم۔	//
مدت عدت کے اندر نفقہ واجب ہے۔	//

عنوان	صفحہ
عدت کے اندر بلا عذر گھر سے نکلنا جائز نہیں	۱۷۴
عدت کی مدت گزرنے کے بعد کوئی پابندی نہیں	۱۷۵
معتدہ کو حیض بحث صحیح نہیں۔	〃
بلا تحقیق محض وقوع طلاق سے شوہر یا بیوی پر کوئی حکم لگانا صحیح نہیں،	〃
عدت یا طلاق کے بعد چھوٹے بچوں کی پرورش کس کا بیان	۱۷۶
چھوٹے بچوں کی پرورش کا کون زیادہ مستحق ہے؟	〃
ایک دوسرے پر ڈالنے کی صورت میں بچے کو کون ذمہ دار ہو جائے گا۔؟	۱۷۷
طلاق یا موت کے بعد اثبات النسب کا احکام	〃
مفارقت زوجین کے نو ماہ بعد بچہ کی ولادت ہونے پر ثابت بالنسب کے احکام،	۱۷۸
عدت شوہر کی روح نکلنے کے بعد فوراً شروع ہوجاتی ہے۔	۱۷۹
عورت کی بدچلنی کے باعث طلاق ہوجانے سے بھی مہر ساقط نہیں ہوتا،	〃
مہر کے متعلق ایک کوتاہی جس سے نکاح ہی منعقد نہیں ہوتا،	〃
طلاق یا موت ہوجانے میں مہر مؤجل کا حکم،	۱۸۰
عورت اگر ایک بار مہر معاف کردے تو پھر وصول نہیں کر سکتی،	〃

عنوان	صفحہ
معافی مہر کو اگر شوہر تسلیم نہ کرے تو وہ معافی کالعدم ہوجاتی ہے،	۱۸۰
ایک شبہ کا ازالہ	〃
حضرت امام حسنؓ کے کثرتِ طلاق کا سبب	〃
احکام النفقہ	۱۸۲
نفقہ سے متعلق چند کوتاہیوں کا بیان؛	〃
بیوی کا نفقہ ہر حال میں شوہر پر فرض ہے	〃
کم سن عورت کو اگر شوہر اپنے گھر رکھے تو اس کا نفقہ بھی واجب ہے۔	〃
جوان عورت کا نکاح کم سن لڑکے سے ہو تب بھی اس کے ذمہ بیوی کا نفقہ واجب ہے،	〃
شوہر کی بلا اجازت میکے جانے سے شوہر کے ذمہ نفقہ واجب نہیں۔	〃
[illegible] کا نفقہ بھی واجب ہے	۱۸۳
شوہر طلاق دینے پر مجبور نہیں جبکہ وہ تندرست ہو،	〃
روشن خیال حضرات کو حقیقی ہمدردی کی نشان دہی،	〃
جہیز، حقہ اور موسمی پھل شوہر کے ذمہ واجب نہیں،	۱۸۴
مردوں کی خرابیوں کی زیادہ تر ذمہ دار بھی عورتیں ہیں،	〃
عورتیں چاہیں تو مرد کو متقی بنا سکتی ہیں،	〃

عنوان	صفحہ
شوہر کے ذمہ جوڑا بنانا واجب نہیں جب تک اس کے گھر کے جوڑے موجود ہوں،	۱۸۵
خاوند کے مال کو ضائع کرنے کی بروز قیامت بازپرس ہوگی،	〃
عید بقر عید اور شادیوں کے لئے مستقل جوڑا بنانا شوہر کے لئے ضروری نہیں،	〃
شوہر کی اجازت کے بغیر دینی مصارف میں بھی چندہ دینا جائز نہیں،	〃
مشورہ	〃
عزیزوں کو نفقاتِ واجبہ کے لئے حسبِ وسعت خرچ دینا چاہئے،	〃
شوہر کے ذمہ صدقۂ فطر، قربانی اور عورت کے مملوک زیور کی زکوٰۃ واجب نہیں،	۱۸۶
شوہر اور بیوی کی ملک جدا جدا ہے،	〃
رضا کا مفہوم،	〃
چندوں اور مواریث کی معافی میں طیبِ خاطر شرط ہے،	〃
بھائیوں کو میراث ہبہ کرنے کا مسئلہ	۱۸۷
مہر بخشنے سے نفقہ ساقط نہیں ہوتا،	〃
شوہر کو اپنی بی بی کے رہنے کے لئے جداگانہ گھر یا کمرہ دینا واجب ہے۔	〃
عورت کو اپنے عزیزوں سے علیحدہ رکھنے ہی میں سلامتی ہے،	〃
بی بی پر ساس کی خدمت کرنا فرض نہیں ہے،	۱۸۸

عنوان	صفحہ
حرمتِ مصاہرت میں طلاق سے اور ارتداد میں بلا طلاق نفقہ ساقط ہے،	۱۸۸
نابالغ اولاد کا نفقہ بھی باپ پر واجب ہے	〃
میراث کے مالک بچے کا نفقہ باپ پر واجب نہیں،	〃
محتاج والدین کا نفقہ مالدار اولاد پر واجب ہے،	۱۸۹
ذی رحم محرم کا نفقہ بھی نسبتِ میراث کی طرح تقسیم ہوگا،	〃
کسب سے عاجز صاحبِ حاجت انسان یا جانور کا نفقہ سب پر واجب ہے،	۱۹۰
بے جان چیزوں پر نفقہ کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا،	〃
فقہاء، قضاۃ، علماء اور مفتیین کا نفقہ سب مسلمانوں پر واجب ہے،	〃
علماء وطلباء کا نفقہ سب مسلمانوں پر واجب ہونے کی وجہ	۱۹۱
مذکورہ صاحبان کے نفقہ کے لئے مہتمم مدرسہ کو چندہ دینا اقرب الی الضبط اور اقرب الی الاخلاص ہے،	۱۹۲
علماء کی دینی خدمت معلوم کرنے کا معیار	۱۹۳
باب النفقات الروحانیہ	۱۹۴
نفقاتِ روحانیہ کا مفہوم،	〃

عنوان	صفحہ
بچوں اور اولاد کی روحانی تربیت جسمانی پرورش سے زیادہ ضروری ہے	۱۹۴
دنیا کی محبت نکالنا اور فکر آخرت پیدا کرنا اولاد کے حقوق میں داخل ہے	۱۹۵
لڑکیوں کو دینی تعلیم دلانا ضروری ہے	۱۹۶
تربیت کی ضرورت تعلیم سے بھی اہم ہے	״
تربیت تہذیب مغربی کا نام نہیں	۱۹۷
تہذیب مغربی کو تہذیب کہنا غلط ہے	״
حقیقی تہذیب تہذیب شرعی کا نام ہے	״
تہذیب شرعی میں بھی زیادہ تکلف نہیں	۱۹۸
زبردستی کراہت کے ساتھ کسی سے چندہ وصول کرنا جائز نہیں	۱۹۹
اباحت تصرف میں کوتاہ نظری	۲۰۰
تربیت اخلاق کی نظر سے قرآن و حدیث دیکھنے والے علماء کی چند کوتاہیاں	״
تعلیم و تربیت کا [illegible]	۲۰۱
[illegible]	״
تہذیب شرعی [illegible] کا طریقہ	״
تعلیم و تربیت کے مختصر اور ضروری قواعد	۲۰۲
اصلاح اعمال و اخلاق کے لئے چند مفید مشورے	״
بچوں کی تربیت کا طریقہ	۲۰۳
اولاد کی پرورش کرنے کا طریقہ	۲۰۴
کھانے کا مسنون طریقہ	۲۰۹
مجلس میں اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ	״

عنوان	صفحہ
اصلاح انقلاب لقطہ	۲۱۱
لقطہ کا مفہوم اور اس کی تعریف کا بیان	״
چیز کے ضائع ہونے کا گمان غالب ہو تو اس کا اٹھانا واجب ہے	״
بے کار غرض سے کسی چیز کا اٹھانا گناہ ہے	״
اٹھائی ہوئی چیز کی تشہیر واجب ہے	״
چیز اٹھانے کے بعد کا اختیار	״
نامعلوم اہل حقوق کے اداء حقوق کا طریقہ	״
تصدق کے بعد مالک کے آجانے کا حکم	״
برزخ قیامت میں ظلم کا دعویٰ مورث اور حق کا دعویٰ وارث کرے گا	״
مسافر کا زکوٰۃ بحکم لقطہ کے ہے	״
رفیق کا مال لقطہ کا ہوگا	״
اصلاح انقلاب مفقود	۲۱۳
مفقود کے بارے میں چند کوتاہیوں کا بیان	״
مفقود کا حصہ وراثت رکھنا چاہئے	۲۱۴
مفقود کے مال اور اس کے حصہ امانت کا حکم یکساں نہیں	״
مفقود کے مال کو ورثہ کا مال سمجھنے کی غلطی	״
مفقود کے متعلق امام مالکؒ کے فتویٰ پر عمل کے لئے قضاء قاضی شرط ہے	״
مفقود کی مدت انتظار کا اصل مقصد احتیاط ہے	۲۱۵

عنوان	صفحہ
احکام مفقود سے متعلق چند شبہات اور ان کے جوابات،	۲۱۶
زیادہ عمر والے کا نکاح جائز نہیں،	″
قانون مفقود کے تحت ہونے کا شبہ صحیح نہیں،	۲۱۷
ایک ضروری فرع متعلق مفقود	۲۱۸
مرنے کے بعد بعض بحال زندہ ہونے والے کا حکم،	″
اصلاح انقلاب متعلق بہ تعزیر وتعبیر وتکفیر	۲۱۹
تعزیر، تعبیر اور تکفیر کا مفہوم،	″
حقوق علی العباد کی ایک کوتاہی کی علمی غلطی،	″
حقوق العباد کی تعیین نہیں،	۲۲۰
تعزیر سے متعلق اساتذہ کی ایک عظیم کوتاہی	″
تعزیر بدون ثبوت شرعی کے نہیں دی جا سکتی	۲۲۱
شہادت شرعی کے ثبوت کا طریقہ	″
تعزیر بالمال ہمارے مذہب میں درست نہیں،	۲۲۲
صاحب معصیت نفس پر خود جرمانہ کرے تو گناہ نہیں،	″
کسی جھوٹی بات پر اعتماد صحیح نہیں،	۲۲۳
کسی بچے کو ولد الزنا کہنے کا حکم و احتیاط،	۲۲۴
کسی پر زنا کا حکم لگانے کے لیے خواب، کشف، الہام وغیرہ کا اعتبار حجت نہیں،	۲۲۵
مسمریزم، حاضرات، وظائف وغیرہ سب خرافات میں شامل ہیں،	۲۲۶
قرآن مجید، دیوان حافظ اور مثنوی سے فال نکالنے کا حکم،	″
نجوم، جفر یا نجومی کے واسطے سے کسی خبر کو سن کر یقین کر لینا قریب کفر کے ہے،	۲۲۷
مسلمانوں کے لئے شریعت پر علم و عمل لازم ہے	″
تار پر شہادت مقبول نہیں،	″
قانون شریعت کی تحقیق کی اطلاع ضروری نہیں	۲۲۸
کفر کا فتویٰ دینے میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے،	″
بلا تحقیق کفر کے فتووں کا انجام	۲۲۹
کفر کا فتویٰ دینے کے لئے بعض شرائط	۲۳۰
ہر امر میں حدود شریعت کا پاس واجب	۲۳۱
ثبوت کفر کے بعد تجدید ایمان کے ساتھ تجدید نکاح اور اعادہ حج بھی واجب	۲۳۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصلاح انقلاب امت (حصہ دوم)

اصلاح متعلق بہ نکاح

مثل عبادات مقصودہ (ایسی عبادات جو اصل مقصود ہیں) جن کا بیان حصہ اول میں ہو چکا ہے، مثلاً عقائد، دیانات مثل نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی، معاملات بیع وشراء، معاشرت مثل طعام، لباس، کلام وغیرہ، اخلاق باطنہ مثل ریاء وغیرہ کے امر نکاح میں بھی مختلف کوتاہیوں کا وقوع شائع ہے (یعنی مختلف کوتاہیاں پھیلی ہوئی ہیں) اس لئے مختصراً ان پر بھی متنبہ کرنا ضروری ہے، ذیل ہذا:

ناکارہ ہونے کے باوجود بلا ضرورت محض عرفی رسم سمجھ کر نکاح کرنا:

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ بالکل ضرورت نہ ہونے بلکہ باوجود ناکارہ و نا قابل نکاح کے بیکار ہونے کے، محض خاندانی یا عرفی (رواجی) رسم سمجھ کر اپنی خدمت کی مصلحت سے جوان عورت یا لڑکی سے نکاح کرتے ہیں، اور اپنے ناکارہ ہونے کو منکوحہ اور اولیاء منکوحہ (جس سے نکاح کرنا ہو اور نکاح کرنے والے کے ولی) سے چھپاتے ہیں، تو یہ لوگ اپنی دنیوی مصلحت کے سبب دوسرے آدمی کو یقینی مفسدہ (خرابی) میں مبتلا کرتے ہیں، نتیجۃً اس کے دو امر ہوتے ہیں:

(۱) اگر وہ عورت عفیفہ (پارسا) یا متعففہ (خود کو پارسا رکھنے والی) ہوئی، تب تو وہ تمام عمر کے لئے قید شدید میں مبتلا ہوئی، اور اگر اس صفت سے معرا (خالی) ہوئی تو بدکاری میں مبتلا ہوئی، اور دونوں حالتوں میں زوجین (میاں بیوی) میں ناگوار رنجش و نا اتفاقی لازم ہوگی،

(۲) دوسری صورت میں دونوں کی بے آبروئی بلکہ دونوں کے خاندان کی بھی ساتھ ساتھ رسوائی ہوگی

مال و زر کی طمع و حرص سے اپنی لڑکی کی زندگی برباد کرنا

بعضے لوگ یہ اندھیر کرتے ہیں کہ باوجود شہرت اس امر کے پھر بھی اپنی لڑکی ایسے شخص سے بیاہ دیتے ہیں جس کا سبب اکثر مال و زر کی طمع و حرص ہوتی ہے جس کی اُن کو اپنے لئے توقع ہے، یا پہلے ہی سے لیتے ہیں۔

بعض سادہ لوح نکاح کی غایت کھانا پینا سمجھتے ہیں

اور اس سے بھی زیادہ عقل کے دشمن وہ ہیں جو خود بھی مستغنی نہیں ہوتے صرف اولاد کی احمقانہ خیرخواہی ہی اس کا باعث ہوتی ہے، یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ خیر فراغت سے کھائے پئے گی، اُن سادہ لوحوں (بیوقوفوں) کو یہ خبر نہیں کہ نکاح کی غایت (و مقصد) آیا کھانا پینا ہے یا مصالح زوجیت؟ اگر امر اول غایت ہوتی تو چاہئے تھا کہ جو لوگ کھانے پینے کی وسعت رکھتے ہیں یا خود وہ منکوحہ صاحب وسعت (مالدار) ہے تو ایسی جگہ نکاح ہی نہ کیا جایا کرتا حالانکہ مشاہدہ دیکھا جاتا ہے کہ بنات سلاطین (بادشاہوں کی بیٹیاں) تک اس سے مستغنی (بے نیاز) نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ نکاح سے مقصود دوسری مصالح ہیں،

بدون موافقت تام کے نکاح کے مصالح پورے نہیں ہو سکتے

اور وہ بدون موافقت تام (پورے) نہیں ہو سکتے، اور موافقت حالت مذکورہ میں ہو نہیں سکتی پس وہ مصالح بھی اس حالت میں تام نہ ہوں گے، بلکہ بعض مصالح جو کہ مقتضا ہیں حیثیت بشریہ کے وہ تام کیا حاصل بھی نہیں ہوتے، اس لئے نکاح میں اس امر کی رعایت سخت ضروری ہے، تاکہ زندگی تلخ نہ ہو، پھر مرد کو اگر عورت سے ناگواری پیش آئے تو وہ طلاق دے کر تخلص (آزاد ہوجانے) پر قادر ہے، یا بدون طلاق دوسری عورت سے نکاح کر کے اس ناگواری کی تلافی (کمی پوری) کر سکتا ہے، مگر عورت بیچاری کیا کرے کہ عمر بھر سوختہ (افروختہ دل جلی) رہا کرے، اور تفریق قاضی (حاکم کے عورت کو شوہر سے الگ کر دینے) کا سامان ہر جگہ میسر نہیں ہو سکتا، اور بعض عورتیں اس اظہار کو خلاف غیرت سمجھتی ہیں، بعض جگہ ایسے واقع ہیں کہ عورت کو تپ دق لگ گئی ہے اور گھل گھل کر خاتمہ ہو گیا، کیا یہ ظلم نہیں، خواہ عورت ایسا کرے یا اولیاء منکوحہ ایسا کریں۔

عمر کے تناسب کا خیال نہ رکھنے سے بھی بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں

اور اسی کے قریب ہے عمر کے تناسب کا خیال نہ کرنا، جبکہ لڑکی بے زبان یعنی کنواری یا مثل کنواری (کنواری جیسی) کے مجبور الرائے (یعنی اپنی رائے نہ رکھنے والی) ہو جیسا بعضے لوگ ناکتخدا لڑکیوں کو بڑے بوڑھے عمر رسیدہ مردوں سے لڑکیوں کو بیاہ دیتے ہیں، یہاں بھی وہی مفاسد مرتب ہوتے ہیں جو اوپر مذکور ہوئے، اور اس سے ایک مفسدہ زیادہ وہ یہ کہ اکثر بوڑھا پہلے مر جاتا ہے، اور وہ مظلومہ اکثر توجہ

غرض نا رسم ورواج میں داخل ہونے کے سبب بہت قوموں میں اب تک یہ جہالت موجود ہے، بیوہ بیٹھی رہتی ہے، علاوہ مفاسد مذکورہ کے بعض اوقات یہ غریب کھانے پینے سے محتاج ہو جاتی ہے اگر شرافت عرفیہ (رسمی شرافت) مانع ہونے سے کسی کی مزدوری نہیں کر سکتی، اور اگر مزدوری گوارا کی دوسرے گھر بلکہ بعض اوقات رہنا پڑتا ہے، چونکہ اس کا کوئی سرپرست نہیں ہوتا، بدنفس (برے خیالات کے لوگ) اس بیچاری کے درپے ہوتے ہیں، اور کبھی ترغیب اور کبھی ترہیب (ڈرا دھمکا کر) کبھی کسی حیلہ (وبہانہ) سے خاص کر جب اس میں بھی کوئی نفسانی تقاضا (نفسانی خواہش) ہو اس کی آبرو اور دین خراب کر دیتے ہیں، اور یہی مطلوب خدمت تو وہ دوسرے طریقے سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

بغرض خدمت نکاح مقصود ہو تو کیسی عورت سے نکاح کرنا چاہیے؟

اور اگر نکاح ہی پر موقوف ہو تو ایسی عورت سے نکاح کرے جو خود مختار ہو اور وہ اپنے پورے طور سے رائے قائم کر سکے، اور اس سے اس کی حالت (شفقت پوشیدہ رغبت ہونی) بھی معلوم ہو اور بہتر یہ ہے کہ اس کی حالت سے بوجہ زیادت سن (عمر زیادہ ہونے کے سبب) یہ بھی گمان غالب ہو کہ اس میں تقاضائے نفسانی (نفسانی خواہش) نہیں رہا تو اس صورت میں کسی مفسدہ مظنون (خرابی کا گمان) نہ ہوگا، ہاں یہ ممکن بلکہ غالب ہے کہ ایسی عورت ہم کفو (ہم مرتبہ) کم ملے گی، تو خدمت کے لئے کفو ہی کی کیا ضرورت ہے، اس کا زیادہ لحاظ توالد وتناسل (اولاد کے ہونے اور نسل کے بڑھنے) میں کیا جاتا ہے کہ اگر اولاد غیر کفو سے ہوئی اہل برادری عرفاً اس کو اپنے برابر نہیں سمجھیں گے اور ان سے ازدواج (شادی کرنے) ذریعہ تحقیر ہوگی۔ تو جب یہ مرد از کار رفتہ فرض کیا گیا ہے تو توالد وتناسل کی نوبت ہی کہاں آنے لگی، اس کے لئے غیر کفو ہونا نامناسب ہے۔

مرد کو دھوکہ دے کر نکاح کر دینے کے مفاسد

ایک کوتاہی اس کے مقابل ایک امر یہ ہے کہ منکوحہ کسی وجہ سے ایسی ہو کہ غالب ظن (گمان غالب) ایسا مرد اس کو پسند نہ کرے گا، اور اولیاء منکوحہ نے دھوکہ دے کر کسی سے نکاح کر دیا، مثلاً اس کو کوئی ایسا مرض ہے جو ہمبستری سے مانع ہے، کہیں کہیں ایسا مشاہدہ ہوا ہے کہ عورت رتقاء (جس کی تنگی فرج کے سبب جماع کرنا محال ہو) یا قرناء (فرج میں ایک زائد گوشت کا پیدا ہونا جو وقت جماع میں حاجب ہوتا ہے) ایک جگہ مجنونہ (پاگل) کا نکاح ایک اندھے سے کر دیا تھا، اس نے شوہر کے کاٹ لیا وہ بھاگا، اور بہت رسوائی ہوئی آخر طلاق ہوئی، بڑا جھگڑا پڑا، ایک جگہ عورت بالکل بہری تھی یعنی جلد

ایسی سفید تھی جیسے برص کے مرض میں ہو جاتی ہے، سو مرد تو کہیں صابر شاکر بے نفس ہوتا ہے اور اس کو مرد جھیلتا ہے، مگر تمام زندگی اس کی بے حلاوت (بے مزہ) ہوتی ہے، اور گو احتمال بعض کو ممکن ہے مگر طبائع (طبیعتیں) مختلف ہیں، بعض اس کو بہت مرتبہ سمجھتے ہیں، بعضے وسعت کم رکھتے ہیں اس لئے وہ اس کا اہتمام نہیں کرتے تو جن لوگوں نے اس کو دھوکہ دیا ہے ان پر تو اس تلبیس (دھوکہ دہی) وایذاء رسانی (تکلیف پہنچانے) کا وبال ضرور ہی ہوگا۔

بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ آسیب زدہ لڑکی کو کسی کے سر مڑھ دیا اور جب وہ متوجہ ہوا تو جن صاحب اس کی طرف متوجہ ہوئے، غرض بڑی بے صبری کرکے رہ گیا اور خدمت اس کی جدا اس کے ذمہ رہی، زر دادن درد سر خریدن (رقم دے کر سر کا درد خریدنے) کی مثل صادق آگئی، تو یہ لوگ لڑکی کے لئے شوہر تجویز نہیں کرتے، بلکہ اس کے لئے ایک مرد دنیا تلاش کرلیتے ہیں، اور جبکہ ان عوارض (پیش آنے والی چیزوں) کے ساتھ بی بی صاحبہ بدزبان و بدمزاج بھی ہوں تب تو اچھی خاصی شوہر کے لئے دوزخ ہے۔

اسی طرح اگر وہ اندھی ہو، کانی ہو، مبروص (برص کے مرض میں مبتلا) ہو، مجذوم (جذام کے مرض میں مبتلا) ہو، ان سب کا نتیجہ ظاہر ہے: اگر مرد بے نفس ہوا تو اس کی زندگی ان عنایت فرماؤں کی بدولت برباد ہوئی، اور اس سے صبر نہ ہو سکا تو اس نے اس عورت کو تکلیف پہنچانا شروع کیا جس سے اس پر ایک مصیبت مرض وغیرہ کی تو پہلے ہی تھی ہی، دوسری اور بڑھ گئی اور ان دونوں سے یہ ناچاقی (نااتفاقی) آگے بڑھتی ہے، ہو کر دونوں کے خاندانوں تک نوبت پہنچتی ہے

مرد اور عورت کے مزاج ناموافق ہونے کے مختلف عوارض

ان میں باہم عداوت (دشمنی) ہو جاتی ہے، مقدمہ بازی ہوتی ہے، کبھی تفریق (علیحدگی) کی کوشش کی جاتی ہے، اور مرد انکار کرتا ہے، کبھی مہر کی نالش (دعویٰ) ہوتی ہے، کبھی جھوٹے گواہ معافی کے بنائے جاتے ہیں، اور کبھی باوجود معاف کردینے کے مجبوراً صاف معاف نہ کرنے کا اقرار کرلیا جاتا ہے، غرض ہزاروں طوفان (الجھن) کھڑے ہو جاتے ہیں، ان سب کی جڑ مرد و عورت کا ناموافق ہونا ہے، جس کے اسباب کہیں مرد کے عوارض ہیں، کہیں عورت کے۔

نکاح کے معاملہ میں زوجین اور اولیاء زوجین کو نہایت دیانت اور صفائی سے کام لینا چاہئے

چونکہ نکاح بھی ایک معاملہ ہے، جس کا تعلق دو آدمیوں سے ہے اس لئے زوجین و اولیاء زوجین کو اس میں نہایت دیانت و صفائی سے کام لینا واجب ہے، کہ کسی قسم کا طوفان (مختلف الجھاؤ) کا احتمال (

نہ رہے جہاں تک اپنا ذہن رسائی کرے ہر بات کو صاف کرتے،

باوجود ضرورت نہ ہونے کے بلا وجہ ہوسناکی کئی کئی بیویاں کرنے کے مفاسد

ایک کوتاہی یہ ہے کہ باوجود ضرورت نہ ہونے کے بعض لوگ بلا وجہ ہوسناکی کئی کئی بیبیاں نکاح میں جمع کر لیتے ہیں، اور یا تو بوجہ اس کے کہ مرد میں دین یا وسعت کم ہے اُن میں عدل نہیں ہو سکتا، یا بوجہ اس کے عورتوں میں مادۂ دین و عقل کم ہے باوجود شوہر کے عدل رکھنے کے پھر بھی وہ باہم لڑتی جھگڑتی ہیں یا شوہر سے بگڑتی ہیں، اور عدل نہ رکھنے کی صورت میں مرد پر مخالفت شرع (شریعت کی مخالفت) کا الزام ظاہر ہی ہے جس سے احتراز (بچنا) واجب ہے، اور جہاں غالب گمان اس عدل کا ہو ایسا عدم کے سبب سے بھی کہ تعدد ازواج (بیویوں کے ایک سے زائد ہونے) سے بنا بر اس کے کہ مقدمہ ناجائز کا ناجائز ہے احتراز واجب ہوگا، اور عدل رکھنے کی صورت میں مرد پر یہ الزام تو نہیں لیکن پریشانی میں تو پڑ گیا، جس کے بڑھ جانے سے بعض اوقات دین میں خلل پڑنے لگتا ہے اور بعض اوقات صحت و عافیت میں، اور اس کے واسطے سے اکثر دین میں بھی خرابی آجاتی ہے،

پریشانی کے بڑھ جانے سے دین میں خلل آنے کا ظن غالب ہو تو اس پریشانی و باعث اسباب سے بچنا واجب ہے

جہاں اس کا ظن غالب ہو ایسی پریشانی سے بچنا ضروری ہے، اور اس کے ساتھ ہی پریشانی کے اسباب سے بھی کہ اس .... موقع پر تعدد ازواج ہے بچنا لازم ہوگا، اگر یہ لزوم بدرجۂ وجوب شرعی بھی نہ ہو تا ہم عقل کا اقتضاء (تقاضا) تو ضرور ہے، اور شرعاً بھی مرجح و مستحسن (پسندیدہ اور اچھا) اور اس کا خلاف ناپسندیدہ و غیر مستحسن ہوگا، اور اس کے معنی یہ نہ سمجھے جائیں کہ تعدد ازواج میں فی نفسہٖ کوئی کراہت ہے، نعوذ باللہ کیونکہ اس کی اباحت بلا کراہت منصوص قطعی (قرآن سے ثابت) ہے، اور سلف میں بلا نکیر شائع (رائج) تھی،

تعدد ازواج کا انکار تقلید ملاحدۂ یورپ کا سبب ہے

اس میں کراہت یا حرمت کا اعتقاد یا دعویٰ اور اس کی بنا پر آیات قرآنیہ میں تحریف کرنا جیسا کہ اس وقت تقلید ملاحدۂ یورپ بعض مسلمانوں کے لئے اس کا سبب ہو گئی ہے سراسر الحاد و بددینی ہے، اصل عمل میں شائبہ (شک) بھی کراہت یا ناپسندیدگی کا نہیں، اور نہ اس کا جواز (جائز ہونا) یعنی صحت و نفاذ متیقن عدل کے ساتھ مقید (یعنی نکاح کا صحیح اور نافذ ہونا عدل کر سکنے کی شرط کے ساتھ پابند ہے) بلکہ اگر عدم عدل (انصاف نہ ہو سکنے) کا تیقن (یقین) بھی ہو تب بھی

صحت ونفاذ اس کا یقینی،

محض عوارض کے سبب تعدد ازواج گناہ ہوسکتا ہے | البتہ بعض عوارض کے سبب اس کا جواز بمعنی عدم الاثم (گناہ نہ ہونگے) مرتفع ہوجاتا ہے یعنی جب احتمال غالب عدم عدل کا ہو تو اس وقت باوجود استحسان فی نفسہٖ (بذات خود اچھا ہونے) کے اس عارض خاص کی وجہ سے اس تعدد سے منع کیا جائے گا، لقولہ تعالیٰ:۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً (النساء، آیت ۳)

(پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ کروگے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو)

لیکن مرد عورتوں کی بے اعتدالیوں کا اندیشہ ہو تو اس وقت تعدد سے بجز شرعی رشتگی ممانعت نہیں، لیکن قواعد شرعیہ (شریعت کے اصولوں) کی رو سے مشورۃً ایک پر کفایت کرنے کے لئے کہا جائے گا، اور یہ مشورہ بھی اس معنی کو شرعی ہوگا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا تھا:۔

هَلَّا بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ ( )

"کیا کوئی کنواری نہیں تھی کہ تم اس سے جی بہلاتے اور وہ تم سے دل بہلاتی"

بالغ ہونے کے بعد کنواری لڑکیوں کی جلد شادی نہ کرنے میں بہت سے مفاسد ہیں | اور اس کے مقابل ایک کوتاہی عورتوں کے متعلق ہے، یعنی کنواری جو لوگ کہ حسن تو مردوں کے لئے توسع (وسعت کرنا) بتا کر کئی کئی عورتوں سے شادی کرتے ہیں، اور اس آئندہ کوتاہی کا حاصل عورتوں کے حق میں تنگی کرنا ہے، وہ یہ کہ بعض احوال میں ان غریبوں کے لئے خود شادی ہی کو ہم بالشان نہیں سمجھتے، کہیں صرف عملاً کہیں اعتقاداً بھی بصورت عملاً ایسا کر لیتے ہیں کہ نا عاقبت اندیش کنواری لڑکیوں کو بالغ ہوجانے پر بھی کئی کئی سال بٹھلائے رکھتے ہیں، اور محض ناموری کے سامان کے انتظار میں ان کی شادی نہیں کرتے، حتیٰ کہ بعض بعض جگہ تیس تیس اور کہیں چالیس چالیس برس

سلہ بہتر اور مناسب تو یہی ہے کہ بچیوں کا جوان ہونے کے بعد فوراً نکاح کر دیا جائے، اور محض خیالی توہمات کی بنا پر زیادہ تاخیر نہ کی جائے، چنانچہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اگر تمہارے پاس ایک شخص آئے جس کے اخلاق اور دینداری کو تم پسند کرتے ہو تو تم اپنی لڑکی کا اس سے نکاح کر دو، ورنہ زمین میں بڑا فتنہ و فساد ہوگا"، اسی طرح جمع الفوائد میں بحوالہ ترمذی ہے

کی عمر کو پہنچ جاتی ہیں اور ان کے سرپرستوں کو کچھ نظر نہیں آتا کہ اس کا کیا انجام ہے، حدیث شریف میں جو اس پر وعید آئی ہے کہ اگر اس صورت میں عورت سے کوئی لغزش ہوگئی تو وہ گناہ باپ پر بھی باجزوی اختیار اس پر بھی لکھا جاتا ہے،

جلد شادی نہ کرنے کے دنیوی مفاسد

اگر کسی کو اس وعید کا خوف نہ ہو تو دنیا کی آبرو کو تو زیادہ بھی ضروری سمجھتے ہیں، سو اس میں تو اس کا بھی اندیشہ ہے، چنانچہ کہیں حمل گرائے گئے ہیں، کہیں لڑکیاں کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہیں، اگر کسی شریف خاندان میں ایسا بھی نہ ہو تب بھی وہ لڑکیاں ان سرپرستوں کو تو دل ہی دل میں کوستی ہیں، اور چونکہ وہ مظلوم ہیں اُن کا کوسنا خالی نہیں جاتا، ان لوگوں کو یہ بھی شرم نہیں آتی کہ خود تو باوجود بوڑھے ہو جانے کے ایک جوڑا بیاہ کر وہ اس لڑکی کی ماں ہے خلوت میں لے جا کر اس کے ساتھ عیش و عشرت کرتے ہیں، اور جس غریب مظلوم کی عیش کا موسم ہے وہ پہرہ داروں کی طرح ماما اور نوکرانی کے سے فقط اُن کے گھر میں چوکسی کرتی ہیں، کیسا بے ربط خبط ہے جو جوڑ دیا گیا ہے،

جہیز کے انتظار میں نکاح میں تاخیر نہ کرنی چاہئے

اور اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ جس انتظار میں یہ تاخیر کی ہے وہ بھی نصیب نہیں ہوتا، یعنی سامان اور زیور اور روپیہ کے لئے وہ سرمایہ بھی میسر نہیں ہوتا، اور مجبوری کو جھک مار کر خشک نکاح ہی کرنا پڑتا ہے، پھر اُن سے کوئی پوچھے کہ دیر کرنے سے بجز خسارۂ دنیا و آخرت کے کیا حاصل ہوا۔ بلکہ اس دیر میں تو اور بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حضرت ابن عباسؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یوں منقول ہے مِسْكِينَةٌ مِسْكِينَةٌ لَيْسَ لَهَا زَوْجٌ قِيلَ وَإِنْ كَانَ كَثِيرَةَ الْمَالِ قَالَ وَإِنْ كَانَتْ كَثِيرَةَ الْمَالِ (یعنی محتاج ہے محتاج ہے وہ عورت جس کا شوہر نہ ہو، لوگوں نے عرض کیا گو وہ بہت مالدار ہو، تب بھی محتاج ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہاں اگرچہ وہ بہت مالدار ہو، (بندہ احقر قریشی غفرلہ)

لہ جیسا کہ حدیث پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اِتَّقُوا دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ یعنی مظلوم کی بد دعا سے ڈرو کیونکہ اس کے اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے، حضرت شیخ سعدیؒ نے گویا اس شعر کا ترجمہ کیا ہے ؎

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن ۔ اجابت از در حق بہر استقبال می آید

خلائق کے نزدیک بدنامی ہے کہ میاں اتنے دن بھی لگ گئے اور پھر نکاح نہ ہو سکا، لڑکی کو اگر ایسا ہی دینے کا شوق ہو تو بعد نکاح کے دینے کو کس نے منع کیا ہے، اگر دعوت عام ہی کا شوق ہو تو دعوت کے ہزاروں بہانے ہر وقت نکل سکتے ہیں، یہ کیا فرض ہے کہ سارے ارمانوں کی اسی مظلوم پر مشق کی جائے، یہ بالکل ظلم صریح اور عمل قبیح اور بڑا گناہ ہے،

موقع کا رشتہ نہ ملنے کا عذر بالکل صحیح نہیں

اور بعض لوگ دیر میں یہ عذر کرتے ہیں کہ کیا کریں کہیں سے موقع کا رشتہ ہی نہیں آتا، تو کیا کسی کے ہاتھ پکڑ لاویں؟ یہ عذر اگر واقعی ہوتا تو صحیح تھا، یعنی سچ مچ اگر موقع کا رشتہ نہ آتا تو واقعی یہ شخص معذور تھا، لیکن خود اسی میں کلام ہے کہ جو رشتے آتے ہیں آیا وہ سب ہی بے موقع ہیں، بات یہ ہے کہ بے موقع کا مفہوم خود انھوں نے اپنے ذہن میں تصنیف کر رکھا ہے جس کے اجزاء یہ ہیں۔

لائق داماد کی ذہنی تراشیدہ صفات

(۱) حسب نسب حضرات حسنین رضی اللہ عنہما جیسا ہو، (۲) اور اخلاق میں جنیدؒ جیسا ہو، (۳) اور علم میں اگر وہ دینی ہے تو ابو حنیفہؒ کے برابر ہو اگر دنیوی ہو تو بو علی سینا کا مثل ہو، (۴) حسن میں یوسف علیہ السلام کا ثانی ہو، (۵) اور ثروت و ریاست میں قارون و فرعون کے ہم پلہ ہو،

بس جن کا لقب آپ نے لائق داماد ہوگا ان صفات کے لحاظ کا مضائقہ نہیں، بلکہ منجملہ حقوق اولاد کے ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی دو امر اور بھی لحاظ کے قابل ہیں،

غلو ہر امر میں مذموم ہے

ایک یہ کہ ہر امر میں اعتدال ملحوظ رکھنا چاہیے، غلو ہر امر میں مذموم ہے، دوسرے یہ کہ ایک شخص میں تمام صفات کا مجتمع ہونا بھی شاذ و نادر ہے، پس اگر صفات متعددہ بقدر ضرورت کسی میں مجتمع ہوں مگر ان میں جو اہم ہیں وہ موجود ہیں، اور وہ تین امر ہیں،

نکاح کرتے وقت لڑکے میں تین امر کا دیکھنا ضروری ہے

ایک قوت اکتساب رکھانے کی قوت، دوسرے کفاءت (برابری) کہ زیادہ تفاوت نہیں، تیسرے دینداری، ان دونوں سے زیادہ کا دھیان رکھو نہ چھوڑ دے، ورنہ وہی بات پیش آئے گی جس کا ذکر حدیث[1] میں ہے کہ جب خلق و دین پسند

---

[1] وہ حدیث یہ ہے: اِذَا خَطَبَ اِلَیْکُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِیْنَهٗ وَخُلُقَهٗ فَزَوِّجُوْهُ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَکُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِیْضٌ، رواہ الترمذی عن ابی ہریرۃ کذا فی المشکوٰۃ،

(منہ حضرت ... عفی عنہ)

کفارت ہو تو نکاح کردیا کرو ورنہ زمین میں فساد کبیر ہوگا، یہ تو تحقیقی جواب ہے اُن لوگوں کی غلط فہمی کا،

موقع کا رشتہ نہ ملنے کے عذر کے تین الزامی جوابات

اور تین جواب الزامی ہیں جو کہ اُن کے جواب میں قابل احتجاج ہیں: ایک یہ کہ جن صفات کو جس درجہ میں تم دوسروں میں ڈھونڈتے ہو تم کو جس شخص نے لڑکی دی تھی جس کی بدولت آج اپنی لڑکی کے باپ بن کر یہ جولانیاں دکھا رہے ہو کیا اس شخص نے بھی تمہارے لئے ایسی ہی تفتیش و کاوش و تحقیق اور جستجو کی تھی اگر وہ ایسا کرتا تو تم کو عورت ہی میسر نہ ہوتی، اور ان باتوں کے بنانے کا موقع ہی نہ ملتا،

غرض اس نے ایسا نہیں کیا، تو اس نے جب ایسا نہ کیا تو تم نے یا تمہارے باپ نے دوسرے بھائی مسلمانوں کی بدخواہی کیوں کی، کہ باوجود تمہارے اندر ان اوصاف کے علی سبیل الکمال نہ ہونے کے اس کی لڑکی پر نکاحی قبضہ کرلیا، آنچہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں مپسند، جو چیز تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کے لئے کیوں پسند کرتے ہو، پر عمل کیوں نہیں کیا؟

دوسرا الزامی جواب یہ ہے کہ جب تم اپنی دختر کے لئے ان صفات کا شوہر تلاش کرتے ہو انصاف کرو تم جب اپنے فرزند کے لئے کسی کی لڑکی کی درخواست کی تھی یا کرنے کا خیال ہے کیا اپنے صاحبزادہ میں بھی یہ صفات اسی درجہ کی دیکھ لی ہیں یا دیکھنے کا ارادہ ہے، افسوس! آنچہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں مپسند کے مقولہ کا یہاں بھی خون کیا،

تیسرا جواب یہ ہے کہ جس طرح لڑکوں میں بے شمار خوبیاں ڈھونڈھی جاتی ہیں اگر دوسرا شخص تمہاری لڑکیوں میں اس سے عشر عشیر دسواں حصہ خوبیاں اور ہنر بھی دیکھنے لگے تو میں یقین کرتا ہوں کہ تمام عمر ایک لڑکی بھی بیاہی نہ جائے، یہاں بھی وہی آنچہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں مپسند کا بہال رکھ چھوڑ دینا لازم آتا ہے،

غرض یہ عذر کہ رشتہ موقع کا نہیں آتا اکثر احوال میں بے موقع ہے، یہ تو بیان تھا عورتوں کے حق میں شادی کے باب میں عملاً تنگی کرنے کا،

اعتقاداً بیوہ کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھنا جہالت ہے

اور اعتقاداً تنگی کرنا اور اہتمام نہ کرنا ایسا کہ جیسے اکثر لوگ بوجہ افراط جہل یا بسبب کثرت جہالت کے بیوہ کے نکاح ثانی کو معیوب سمجھتے ہیں، بعض جگہ تو یہاں تک غضب سنا ہے کہ منگنی ہونے کے بعد اگر لڑکا مرگیا تو پھر لڑکی کو تمام عمر بٹھلائے رکھا، اور یہ تو بکثرت ہے کہ بعد شادی کے بچپن میں یا جوانی میں بیوہ ہوگئی بس اب

اس کی شادی کر دی گویا جرم ہی سمجھا جاتا ہے، بعض لوگ اگرچہ بوجہ علم دین اور وعظ کے چرچوں کے اب اس درجہ کا عیب نہیں سمجھتے مگر تاہم جس طرح اس لڑکی کی پہلی شادی کی فکر تھی دوسری شادی کی فکر اس سے آدھی بھی نہیں یعنی اہتمام نہیں۔

بیوہ کا نکاح ثانی نہ کرنے سے اس کی عصمت، آبرو اور دین برباد ہونے کا اندیشہ ہے!!

اگر اس میں اور اُس میں فرق کیا جاتا ہے بلکہ اگر غور صحیح سے کام لیا جاوے تو بہ نسبت نکاح اول کے نکاح ثانی اس بیوہ کا اہم ہے کیونکہ پہلے تو وہ خالی الذہن تھی، مصالح زوجیت کا یا تو علم ہی نہ تھا یا تھا تو علم الیقین تھا، اور اب اس کو عین الیقین ہو گیا ہے، اس حالت میں اس پر وساوس و خطرات کا ہجوم زیادہ ہوتا ہے، جس سے کبھی عصمت، کبھی آبرو، کبھی دین، کبھی سب برباد ہو جاتے ہیں۔

بیوہ کو شفقت اور محبت سے نکاح ثانی کی ترغیب دینی چاہئے

بعض لوگ کہتے ہیں ہم نے پوچھا تھا وہ راضی نہیں ہوتی۔ صاحبو! مجھ کو اس میں بھی کلام ہے کہ جو طریقہ پوچھنے کا ہوتا ہے اسی طرح پوچھا تھا؟ یا چلتی ہوئی بات کہہ کر ازراہ اکراہ دیا۔ پوچھنے پر جو بیوہ انکار کرتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتی ہے کہ اگر میں ایک دم سے راضی ہو جاؤں گی تو خاندان کے لوگ یوں کہیں گے کہ یہ تو منتظر ہی بیٹھی تھی، خاوند کو ترس رہی تھی، اس میں بدنامی ہوگی، اس خوف سے وہ صاف انکار کر دیتی ہے، چاہئے یہ کہ اس کو سمجھاؤ، طرح طرح مصلحتیں بتلاؤ، اس کے وسوسے دفع کرو، شفقت اور اہتمام سے گفتگو کرو، مگر اس پر بھی وہ راضی نہ ہو تو تم معذور ہو۔

بچوں والی عمر رسیدہ صاحب وسعت بیوہ کو نکاح ثانی کرنا ضروری نہیں۔

غرض حتی الامکان بیوہ کا نکاح ہی کر دینا مناسب ہے، البتہ اگر کوئی بیوہ بچہ والی ہو اور عمر بھی ڈھل گئی ہو، اور کھانے پینے کی بھی گنجائش ہو اور وہ انکار کرتی ہو اور قرائن سے استغنا اور بے نیاز ہونا اس کا ذوق و شوق نہ ہونا سے معلوم ہو تو اس کے لئے اہتمام ضروری نہیں۔

زوجین کی مرضی کے خلاف نکاح کر دینے سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں!

ایک کوتاہی یہ ہے کہ اکثر بلکہ قریب قریب کل ہی مواقع میں منکوحین (نکاح کرنے والے جوڑے) کی مرضی حاصل نہیں کی جاتی۔ تعجب ہے کہ نکاح جو کہ عمر بھر کے لئے دو شخصوں کا تعلق ہے جس کے ساتھ ہزاروں مصلحت وابستہ ہیں، وہ تو کسی کی اور رائے سے ہو دوسرے کی، اور ان دو شخصوں کی مرضی کے بالکل خلاف ہی ہو اور اگر وہ اپنی ناخوشی بھی ظاہر کرتے ہوں مگر ان کو ذرا نہ پوچھا جائے اور زبردستی نکاح کر دیا جاتا ہے، بعض دفعہ عین وقت تک منتظمین یا ان میں سے ایک بار

انکار کرنا ہر شخص بس تو گھونٹ اور جبر کر کے خاموش اور لب بند کر دیا جاتا ہے۔ اور عمر تعبیر کی حیثیت میں اس کو جرأت دی جاتی ہے کیا یہ عقل اور نقل کے خلاف نہیں ہے، اور کیا اس میں ہزاروں خرابیوں کا مشاہدہ نہیں کیا جاتا اور پھر کیا ان خرابیوں کا کوئی انتظام یا انسداد دروک تھام کیا جاتا ہے۔ اس کو یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر جگہ لڑکے لڑکی سے کہنا ضروری ہے،

صغیر یا صغیرہ پر ولایت جبریہ حاصل ہے

نابالغ صغیر و صغیرہ پر ولایت جبریہ کوئی چیز نہیں۔ یا بالغ پر ولایت جس پر سکوتیہ راضی ولایت جس میں ولی نکاح کی اجازت مانگنے پر صرف خاموشی کافی ہے) کا انکار ہے۔ یا اولیاء کو مصالح تشخیص کرنے کا حق نہیں، سو یہ مطلب نہیں کیونکہ یقیناً بعض جگہ لڑکا اور لڑکی ذی رائے اکثر جگہ ذی رائے نہیں ہوتے، تو ان نادانوں کی رائے لیا، اور اس پر اعتماد ہی کیا، نابالغ ہونے کی حالت میں اگر شاذ و نادر ذی رائے بھی ہوں تو شاذ و نادر کا کیا اعتبار، یا بالغ اور ذی رائے ہونے کے باوجود حیا جو خاصۂ فطرت ہے کہ الوقت و بکارت (عورت اور دوشیزگی) کا وہ طبعاً مانع ہوتی ہے کھل کر بات کرنے اور اظہار رائے سے، بعض جگہ طوع و عقل کے انتظار میں موقع مصالح ہاتھ سے نکل جاتا ہے، جو ظاہر ہے عاقد (عقد نکاح کرنے والے) کی سعی سے عمر بھر بھی نصیب نہ ہوگا۔

نیز اکثر جگہ اولیاء ... اپنے تجربہ اور شفقت سے جو تجویز کریں گے وہ مصلحت ہی ہوگی، اسی واسطے شریعت مقدسہ نے اپنے احکام و قواعد میں ان سب واقعات کا لحاظ کر کے مکمل قانون بنا دیا۔ اس لئے میرا یہ مطلب ہرگز نہیں اور نہ کوئی عاقل یہ بات تجویز کر سکتا ہے کہ بالکل متناکحین کی رائے پر رکھ دو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اولیاء اپنے تجربہ و شفقت سے مصالح پر پوری نظر کر کے اس کے بعد بھی احتیاطاً و نظراً الی العواقب (احتیاط کے ساتھ نتائج پر غور کرتے ہوئے) اگر لڑکا لڑکی بالغ ہوں جو (بوجہ اس کے کہ اکثر بلوغ سبب ہوتا ہے ذی رائے ہونے کا) شرعاً ذی رائے قرار دیا گیا ہے،

نکاح سے قبل زوجین سے ان کی مرضی اور رائے معلوم کرنے کا احسن طریقہ

اس صورت میں قبل اس کے کہ باضابطہ ان کی رضا و اذن (رضامندی و اجازت) حاصل کی جائے یعنی باکرہ (لڑکی یا بالغ کنواری) کو سنا کر اس کے سکوت (خاموشی) کو معیار رضا قرار دیا جائے، اور نابالغ سے مجلس میں قاضی کہلوا دے کہ میں نے قبول کی، سو اس کے قبل بھی خاص طور پر ان کی رائے دریافت کر جائے، جس کا اچھا طریقہ یہ ہے کہ جن سے وہ بے تکلف ہیں جیسے ہم عمر دوست

یا سہیلیاں ان کے ذریعہ سے اس طور پر کہ ان کو یہ معلوم ہو کہ جانے بزرگ ہم سے یہ دریافت کرکے ہیں ان کا مافی الضمیر معلوم کرلیا جائے، اور تجربہ کی بات ہے کہ اس طریقہ سے عورتوں کے خیالات معلوم ہوجاتے ہیں، اور بعض دفعہ تو بے دریافت کئے وہ خود ہی ایسے بے تکلف دوستوں سے اپنی پسندیدگی یا ناپسندیدگی ظاہر کردیتی ہیں اور دلیا تک وہ خبریں پہنچ جاتی ہیں،

موجودہ زمانہ میں نکاح سے قبل منکوحہ کی رائے معلوم کرلینا بہت ضروری ہے

ظلم وستم ہے کہ پھر بھی بعض جگہ بوجہ مصلحتوں وفضول خیالی مصلحتوں کو پیشِ نظر رکھ کر ان کے اس خیال کی پرواہ نہیں کی جاتی اور ان کو مجبور کرکے اس بلا میں پھنسا دیا جاتا ہے، خصوصاً اس زمانہ میں کہ بیحد ہوشیاری کا وقت ہے اس کی بہت ضرورت ہے، بہت مقامات ایسے ہوئے ہیں کہ ناپسندیدگی کی حالت میں نکاح کردیا گیا، پھر نالائق صاحب نے عمر بھر اس منکوحہ کی خبر نہیں لی اور نبائش (نبھانے) کی صورت جواب دیدیا اور جس نے تو اپنی رائے ظاہر کردی تھی جنہوں نے اس پر بھی یہ عقد کیا ہے نفقات (اخراجات) کے وہ ذمہ دار ہیں،

خلافِ مرضی نکاح کردینے کے مفاسد

اب بتلائیے اس مصیبت کا کیا علاج۔ ان بوسیدہ عقل بزرگوں کی تو مصلحت پوری اور غریب مظلوم تمام عمر کے لئے قیدِ غیر میعادی (غیر معینہ) میں گرفتار ہوئی، کہاں ہیں یہ فرسودہ عقل اب آئیں اور اس مظلومہ کی کچھ مدد کریں، مگر وہ کیا کرتے، اول تو اس وقت تک مرکھپ بھی گئے، اور زندہ بھی رہ گئے تو ضعیف تو دیکھئے یہ کہہ کر امان اللہ ہوگئے کہ صاحب کوئی کسی کی قسمت میں تو گھس ہی نہیں سکتا، ہم کیا کریں اس کی قسمت، ہائے غضب، کیا غضب کا جواب ہے، جس سے وہ مظلومہ تو درکنار غیر آدمی کے تن بدن میں بشرطیکہ تھوڑا سا غیرت ہو آگ لگ جاتی ہے، ہمیں مانا کہ قسمت کی خبر نہیں تھی اس کی تو خبر تھی کہ خود صاحب معاملہ کا قلب یہ ہو رہا ہے جو ظاہر ہوچکا اس کی علامت ہے کہ تقدیر میں بھی یوں ہی ہوگا کہ انجام اس کا پریشانی ہوگی،

غلطی کرکے تمسک بہ تقدیر کا عذرِ غلط ہے

اور اگر ایسا ہی تمسک بتقدیر (تقدیر کو تھامنا) ہے تو بس کل کسی کو قتل کردیجئے جب سزائے موت کے لئے پکڑے جاؤ تو کہدینا کہ ہم نے تو صرف ایک گولی ماری تھی، تقدیر کی کیا خبر تھی کہ ایک گولی سے مر ہی جائے گا، دیکھیں تو سہی، اس عذر سے تم کو کون چھوڑدے گا، خدانخواستہ (خدا نہ کرے) اگر وہ مقتول تمہارا ہی کوئی لگتا ہو تو دیکھیں گے کہ تم قاتل کا یہ عذر قبول کرلوگے، یہ سب بیہودہ باتیں ہیں، کاش! اگر پہلے اس کے

اس وقت اپنی غلطی کا اعتراف ہی کر لیتے تو مظلوم کی کچھ تو تسلی ہو جاتی۔ ان بیہودہ جوابوں سے تو گویا اس کے زخم پر نمک چھڑکا جاتا ہے کہ ایک تو بچہ کو پھنسایا پھر کیسی صفائی سے بری ہوتے ہیں۔

پسندیدہ زمانہ نکاح بعد بلوغ کے ہی ہے۔

اگر نابالغ منکوحہ بالغ ہوں اور اچھا موقع فوت ہوتا ہو تو دوسری بات ہے اور اگر ایسی کوئی ضرورت و مصلحت نہیں ہے محض رسم ہی کا اتباع ہے تو خود یہ رسم مٹانے کے قابل ہے گو نکاح صحیح ہو جاتا ہے، انکار نہیں ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (النساء، آیت ۶) | (اور تم یتیموں کو آزما لیا کرو یہاں تک کہ (وہ) نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں)

صاف مشیر ہے کہ پسندیدہ زمانہ نکاح کا بعد بلوغ کے ہے۔

قانون شریعہ سے زیادہ جامع اور مراعی مصالح کوئی نہیں ہو سکتا۔

اور اس کوتاہی کے مقابل ایک غلو ہے جو اس وقت اکثر تعلیم یافتوں میں پڑھتا جاتا ہے، وہ یہ کہ خلاف مرضی نکاح کے بعض واقعات معتذرہ نقصان دہ، انھوں نے احکام شرعیہ پر طعن اور ان احکام کے مقابلہ میں یورپ کے رسم و رواج کو ترجیح دینا شروع کیا مجھ کو ان صاحبوں سے تعجب ہے کہ یہ حضرات اتباع فطرت و تحقیق واقعات (انسانی فطرت کی تفتیش اور واقعات کی چھان بین) کے از حد مدعی ہیں، اور پھر ان کی نظر سے یہ واقعہ کیسے مخفی رہ گیا کہ ہر قسم کے مواقع پیش آتے ہیں جن کے لئے کوئی ایک کلیہ کافی نہیں ہو سکتا اس کے لئے بڑے قانون کی ضرورت ہے، جو قانون شریعہ زیادہ جامع اور مراعی مصالح (مصلحتوں کی رعایت کرنے والا) کوئی نہیں ہو سکتا، چنانچہ خود جن کی یہ لوگ تقلید کر رہے ہیں یعنی اہل یورپ وہ خود روزانہ اس قانون شرعی کے استحسان کا اعتراف کرتے جاتے ہیں، پھر ان کی نظر سے یہ فطرت کیسے مخفی رہی جس کو اللہ تعالیٰ نے سلیم المزاج طبقہ اناث (صحیح مزاج والی عورتوں کے طبقہ) میں ودیعت کر رکھا ہے، کہ حیاء ان کے لب پہ مہر سکوت لگائے ہوتے ہے۔

عورتوں میں فطری طور پر ایک حیاء کی شان پائی جاتی ہے

افسوس! ان صاحبوں نے اس امر فطری کی ذرا رعایت نہیں کی اور اگر ان کی نظر میں کوئی ایسی جماعت ہو جس میں یہ امر فطری نہیں پایا جاتا اور اس وجہ سے اس کے فطری ہونے میں شبہ ہو جاوے، تو جواب یہ ہے کہ علامت فطری ہونے کی یہ ہو گئی ہے کہ عوارض مرتفع ہوں وہاں اس کا ظہور ہو سو اس معیار پر اگر تحقیق کیا جاوے تو اناث میں اس سکوت کا فطری ہونا ثابت ہوگا۔

ایسا خاص طرز تعلیم جس سے عورتوں میں حیا کا نام و نشان باقی نہ رہے ان کے واسطے سخت مضر ہے:

سبب اس کا خاص طرز تعلیم کا جو خود ہی اناث کے لئے نامناسب ہے، ورنہ ادنیٰ درجہ کے لوگوں تک میں کہ جن میں نہ علم ہے نہ پردہ ہے ایک شان حیا کی پائی جاتی ہے

شریعت مقدسہ نے تمام روئے زمین کے انسانوں کے جذبات کی رعایت فرمائی ہے ۔

قربان جائیے شریعت مقدسہ کے کہ تمام روئے زمین کے اصلی جذبات تک کی رعایت احکام میں فرمائی ہے۔ اہل علم میں سے بعض کی میں نے یہ حکایت سنی ہے کہ انھوں نے اپنی ناکتخدا کنواری لڑکی کے نکاح کے وقت علی رؤس الاشہاد (گواہوں کی موجودگی میں) اس سے پوچھا کہ فلاں شخص سے تمہارا نکاح کیا جاتا ہے، تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ خاموش رہی، اس پر جبر کیا کہ ہاں یا نہ کا ورڈ رائے ظاہر کرو، مجبوراً بیچاری کو کہنا پڑا کہ ہاں میری مرضی ہے۔ بھلا اس قدر کس خوبصورتی سے رائے لی ہے۔ ان سے کوئی پوچھے کہ کیوں صاحب کیا سچ مچ تمہارے نزدیک اس طریقہ سے اس کا اصلی مافی الضمیر معلوم ہو گیا؟ بس اسی عقل و دانش پر شریعت پر اعتراض کئے جاتے ہیں۔ اگر شریعت آپ سے قانون بنواتی تو بس ایسا ہی بناتی

زوجین میں نکاح کے وقت سب سے زیادہ قابل التفات چیز دین اور سب سے کم قابل التفات مال و جمال ہے ۔

ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اس زمانہ میں منکوحہ میں زیادہ تر جمال کو یا کچھ نکاح کرنے والے ہیں زیادہ تر مال کو دیکھتے ہیں اور سب سے کم دین کو دیکھتے ہیں اور یہ تینوں اوصاف میں آثار مختلف ہیں، حالانکہ سب سے کم قابل التفات یہی مال و جمال اور سب سے زیادہ قابل التفات دین ہی ہے۔ اسی واسطے حدیث میں عورت کے باب میں ہے:

تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِحَسَبِهَا وَلِمَالِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

یعنی عورت سے چار وجوہ سے نکاح کیا جاتا ہے، شرافت کی وجہ سے، مال کی وجہ سے، خوبصورتی کی وجہ سے اور دینداری کی وجہ سے، اے مخاطب تجھ کو دیندار عورت سے نکاح کرنا چاہئے۔ (اصلاح المسلمین)

؎ اس کے برعکس شریعت نے کنواری لڑکی کی خاموشی ہی کو رضامندی کے لئے کافی سمجھا ہے، زبان سے کچھ کہنے پر مجبور نہیں کیا۔ (احقر قریشی عفی عنہ)

اور خود کے باب میں:

إِذَا جَاءَكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ خُلُقَهُ وَدِينَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ۔
(یعنی اگر تمہارے پاس ایسا شخص آوے جس کے اخلاق اور دینداری کو تم پسند کرتے ہو تو تم اپنی لڑکی کا نکاح اس سے کردو ورنہ زمین میں فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا)

وارد ہے جس میں مال و جمال پر نظر نہ کرنے کا اور دین پر نظر کرنے کا امر فرمایا ہے۔

نکاح کا مقصود اعظم زوجین میں باہم محبت و مودت اور توافق ہے۔

اور وجہ بھی اس کی ظاہر ہے کیونکہ نکاح جن مصالح کے لئے موضوع اور مشروع ہے، وہ زیادہ تر سب موقوف ہیں توافق زوجین پر جس کا منشاء دوستی اور تودد (آپس میں محبت) ہے۔ والیہ الاشارۃ فی قولہ علیہ السلام:

تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ۔
(یعنی ایسی عورت سے نکاح کرو جو زیادہ بچے جننے والی اور زیادہ محبت کرنے والی ہو کیونکہ میں قیامت کے دن تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا)

حتیٰ کہ توالد جو کہ غرض اعظم ہے نکاح سے، جہاں اس کے لئے صحت بدن و سلامت مزاج وغیرہ احوال طبیعیہ شرط ہیں وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ محبت ہو، کیونکہ جزو اخیر علت تامہ کے ہے توالد کیلئے، کیونکہ وہ موقوف ہے احبال (حاملہ ہونا) پر اور احبال طباً (حکمت کی رو سے) موقوف ہے توافق انزالین (دونوں کے ایک ساتھ انزال ہونے) پر، اور ظاہر ہے کہ وہ محبت و مودت پر موقوف ہے۔ غرض بڑا مدار مصالح کا نکاح میں توادد ٹھہرا۔

محبت و مودت میں بڑا دخل دین کو ہے

اور یہ یقینی بات ہے کہ توادد میں جس قدر دخل دین کو ہے اتنا کسی چیز کو نہیں، سب علائق و تعلقات قطع ہو جاتے ہیں بجز دین کے، حتیٰ کہ قیامت میں جو کہ وقت ہے تمام تعلقات کے قطع ہونے کا۔

فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ۔
(المؤمنون، آیت ۱۰۱)
(تو ان میں جو رشتے ناتے تھے اس روز نہ رہیں گے)

وقال تعالیٰ: وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ۔

وقال: مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ
(یعنی تمہارے باہمی دنیا کے تعلقات کی وجہ سے، پھر قیامت میں تمہارا

بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ﴿العنکبوت، آیت ۲۵﴾	حال یہ کہ آخرت میں ایک دوسرے کا مخالف ہوگا اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا۔

یہ علاقہ نفسیہ اس وقت بھی ختم نہ ہوگا، قال اللہ تعالیٰ:

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿الزخرف، آیت ۶۷﴾	تمام دنیوی دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے سوائے متقی لوگوں کے۔

بغیر دین کے صرف مال و جمال بقاء محبت کے لئے کافی نہیں

خصوص مال و جمال کہ ان کی عمر تو بہت ہی کم ہے، مال تو ایک شب میں بے وفائی کر جاتا ہے، اور جمال ایک بیماری میں ختم ہو جاتا ہے، اور بعض مرض میں پھر عود (رجوع) بھی نہیں کرتا، جیسے آنکھ پھوٹ جائے یا چیچک نکل آئے اور داغ رہ جائیں یا سر کے بال گر جائیں و نحو ذلک (اور اسی طرح دوسری بیماریاں)

پھر جب مقصود مال و جمال تھا اور وہ رخصت بلا عوض ہو گیا تو تمام محبت و الفت بھی جو اس پر مبنی (قائم) تھی وہ بھی ختم ہوگئی، اور پھر زوجین میں ایک دوسرے کی نظر میں مبغوض (ناپسندیدہ) ہو گیا اور نباہ ہمیشہ کے لئے مشکل ہو گیا اور چنانچہ بعض اوقات اس کو نباہ ہی رہا تب بھی جہاں دین نہیں وہاں دیکھا ہے کہ مال و جمال بقائے محبت کے لئے کافی نہیں، کیونکہ جب دین نہیں اور ظاہر ہے کہ بددین آدمی کے نہ اخلاق درست ہوتے ہیں نہ اعمال، معاملات اور بداخلاقی، بدمعاملگی و بداعمالی کہ جس میں مقتضائے حقوق (حقوق ضائع کرنا) و خود پرستی و خود غرضی بھی آگئی، یہ خاصہ ہے مبغوضیت پیدا کر دینے کا۔ پس جب شب و روز ایسے اسباب برابر واقع ہوتے رہیں گے، تو کہاں تک اُن میں محبت رہ سکتی ہے، بلکہ باہم کدورت، رنجش، نااتفاقی و غیظ و طیش پیدا ہونا شروع ہوگا، حتیٰ کہ تمام مصالح زوجیت ضائع ہو جائیں گے، ہم نے خود دیکھا ہے کہ بی بی حسن و جمال میں حور کا بچہ اور شوہر مال و منال میں قارون کے قریب قریب مگر میاں کی بددینی سے تو اکثر اور کہیں بی بی کی بدخلقی و بدمزاجی یا بددینی کے سبب میاں بیوی میں بول چال تک نہیں، وہ اس کو دیکھ کر منہ پھیر لے یہ اس کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھائے، وہ دوسری جگہ دل لگی لئے پھرتے ہیں وہ باوجود مال ہونے کے الگ ایک پیسہ کو ترسے، بعض جگہ تو ہم نے دیکھا ہے کہ بی بی غایت نفرت کے سبب میاں سے پردہ کرتی ہے، یہ ثمرات ہیں بددینی کے باوجود مال و جمال ہونے کے، پس اس کا مقصود سمجھنا ہی حماقت ہے۔

دین کے ساتھ اگر مال وجمال بھی جمع ہو تو نور علیٰ نور ہے

ہاں اگر دین کے ساتھ یہ بھی ہو تو نور علیٰ نور ہے جیسا کہ حدیث میں ہے أَمَّا مُعَاوِيَةُ فَصُعْلُوكٌ (یعنی جواب میں کہ معاویہ کا تعلق ہو وہ مفلس ہیں) اور إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَنْظُرَ إِلَيْهَا فَانْظُرْ، اور کما قال (اگر ہو سکے تو نکاح سے پہلے اس عورت کو دیکھ لینا) مشیر بھی ہے، اور ایک درجہ میں مال وجمال کی رعایت کی حجت، لیکن غلو اس میں بھی بیشک مذموم ہے جیسا اور حدیث ہی سے ثابت ہے۔

نکاح سے قبل داماد کے مسلمان ہونے کی تحقیق ضرور کرنی چاہئے

اسی مضمون پر تفریع کے طور پر ایک یہ امر بھی قابل تنبیہ ہے کہ آجکل تعلیم یافتہ طبقہ میں بعض لوگ ایسے آزاد اور بیباک پائے جاتے ہیں جو بلا تکلف بدولت تقلید ملاحدہ یا بطفیل ہوا پرستی وخود رائی قطعیات (یعنی یقینی عقائد واحکام) میں مخالفانہ کلام کرتے ہیں، کسی کو رسالت میں کلام ہے، کسی کو نماز و روزہ کے احکام پر شبہ ہے، کسی کو واقعات یقینیہ معاد وقیامت کے یقینی واقعات پر شبہات ہیں، سو خوب سمجھ لو کہ مِثْلُ ذٰلِكَ الرَّجُلِ كَافِرٌ وَإِنْ زَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ، (ایسا آدمی کافر ہے خواہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ہی سمجھتا ہو) اور مسلمہ کا نکاح کافر مرد سے نہیں ہوتا یا اگر مسلمان ہونے کے بعد کوئی ان امور میں سے کسی کا مرتکب ہوا تو کافر ہو جاتا ہے اور نکاح ٹوٹ جاتا ہے، اور عمر بھر حرام کاری ہوتی ہے، پس بہت ضرورت ہے کہ نکاح کے قبل داماد صاحب کے رائج اور فیشن کو اگر نہ دیکھو تو اس کے مسلمان ہونے کی تو تحقیق کر لیا کرو، اور بعد نکاح ایسا امر پیش آئے تو توبہ کرا کر تجدید نکاح کرا دیا کرو، بہت مہتم بالشان (انتہائی اہمیت والا) امر ہے۔

ضرورت اور وسعت ہونے پر نکاح ثانی کرنا واجب ہے

ایک کوتاہی اس باب میں جو کہ سبب اول کوتاہی کے مقابل ہے یہ ہے کہ بعض لوگ باوجود ضرورت کے اور باوجود وسعت کے نکاح ..... نہیں کرتے، بعض تو اوّل ہی سے نہیں کرتے اور بعضے ایک بیوی کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد پھر نہیں کرتے، سو خوب جان رکھو کہ جب ضرورت یعنی نفس میں تقاضا ہو اور وسعت بھی ہو گو اسی قدر ہو کہ روز کے روز کما لے گا اور کھلا دے گا تو نکاح کرنا اس صورت میں واجب ہے، اور اس کے ترک سے گناہ گار ہوگا۔

نکاح کس صورت میں فرض ہے

اور اگر وسعت کے ساتھ بہت زیادہ تقاضا ہے کہ بدون (بغیر) نکاح

کے ہو رہے فعل حرام میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے تو نکاح کرنا فرض ہوگا۔

وَمِنَ الْفِعْلِ الْحَرَامِ النَّظَرُ الْمُحَرَّمُ وَالِاسْتِمْنَاءُ بِالْكَفِّ۔ (فعل حرام میں نظر حرام اور جلق بالکف بھی شامل ہے۔)

نکاح کس صورت میں سنت ہے اور کونسی صورت میں ممنوع؟

اور اگر ضرورت کو درجہ نہیں لیکن قدرت ہے اداء حق زوجیت پر تو بھی سنت ہے۔ البتہ اگر اندیشہ ہو بیوی کے حق ادا نہ کر سکنے کا تو بنا بر نفس خود جس حال تو ایسے شخص کے لئے البتہ نکاح کرنا ممنوع ہے۔

صرف ضرورت ہو اور وسعت نہ ہو تب بھی نکاح واجب ہے

اور اگر ضرورت ہو اور وسعت نہ ہو تو اس میں اقوال مختلف ہیں۔ احقر قول وجوب کو راجح اور افضل سمجھتا ہے، اور وسعت کی تدبیر محنت مزدوری یا قرض سے کرے جس کے ادا کی نیت مصمم رکھے، اور ادا کی کوشش بھی کرے، اور اگر اس پر بھی ادا نہ کر سکا تو امید ہے حق تعالیٰ اس کے حق خصم (قرض خواہ) کو راضی کر دیں گے کیونکہ اس نے دین کی حفاظت کے لئے نکاح کیا تھا اس میں مقروض ہو گیا تھا، مگر فضولیات کے لئے یہ قرض جائز نہیں، بلکہ صرف نان نفقہ کے لئے یا مہر کے لئے جہاں کہیں مہر کل یا بعض دیر دیا جاتا ہو کچھ حصہ فوراً دیا جاتا ہو۔ بہرحال اس مقام پر کلام اس میں ہے کہ جب ضرورت اور وسعت دونوں ہوں تو نکاح واجب یا فرض ہوگا، پھر بھی بعض لوگ نہیں کرتے جس کے اسباب مختلف ہیں۔

نکاح کا ترک فی نفسہ عبادت نہیں

بعض تو نکاح نہ کرنے کو قربت و عبادت سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ اعتقاد رہبانیت اور بدعت فی الدین، دین میں نئی بات گھڑنا ہے۔ اصل میں مامور بہ شرعی (جس عمل کا شریعت نے حکم دیا ہے) نکاح ہی ہے، تو اس کا ترک فی نفسہ عبادت نہیں ہو سکتا، جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور بعضے بیوی کے مرنے سے ..... بے دل ہو کر پھر خود تارک دنیا بنتے ہیں، بہرحال یہ دونوں ترک دنیا کا قصد کرتے ہیں، ایک ابتداء ہی سے اور ایک بیوی کی وفات کے بعد سے۔

حالت ضرورت میں عدم نکاح سے فتن کثیرہ میں مبتلا ہوگا

حالانکہ جب حالت ضرورت کی ہے تو ترک نکاح سبب ہو جائیگا فتن کثیرہ اور بہت سے فتنوں کا، چنانچہ وساوس و خطرات کا ہجوم جو عبادات میں حلاوت و طمانیت و لذت اور اطمینان نہ ہونے دیگا ہی برباد کر دیگا، یہ تو ایک حالت مشترکہ ہے، اور بعض ان وساوس و خطرات سے متاثر ہو کر ان کے مقتضاء پر عمل بھی

ضرورت ہوتی ہے اور پھر بعض تو عورتوں سے مبتلا ہو جاتے ہیں اور بعضے اپنے ظاہری تقدس کی حفاظت کے لئے عورتوں سے بچتے ہیں کہ اس میں آدمی جلد بدنام ہو جاتا ہے تو عمر لڑکوں سے مبتلا ہو جاتے ہیں۔

نوعمر لڑکوں میں مبتلا ہونا فتنۂ عظیم ہے اور یہ اس سے بڑھ کر فتنہ ہے کیونکہ وہ کسی حالت میں تو محل ہے حلت کا (حلال ہونے کا مقدم ہے) بخلاف اس کے محرم محض اور قطعی حرام ہے۔ پھر ان میں سے بعض تو اصل فعل سے بچے رہتے ہیں، مگر اس کے مقدمات میں مثل تقبیل و لمس (بوسہ اور چھونا چھیڑنا) وغیرہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں جس میں دوسرے بھی گناہ ہیں حتی کہ خود متمتع (جس سے لذت اندوز ہو) کہ وہ اس کو نہ سمجھے گا شفقت پر محمول کرے گا، نعوذ باللہ من الفتن ما ظہر منہا وما بطن (ہم اللہ سے تمام ظاہری و باطنی فتنوں سے پناہ چاہتے ہیں)۔

ترک دنیا سے ترک معصیت زیادہ ضروری ہے تو ترک دنیا اتنا ضروری نہ تھا جتنا ترک معصیت، پس ان لوگوں کی وہی مثل ہوئی کہ گڑ کھائیں اور گلگلوں سے پرہیز۔ یہ اسباب تو مردوں کے ترک نکاح کے تھے خواہ نکاح اول ہو یا نکاح ثانی۔

عورتیں باقتضائے طبیعت بے نکاح رہنے کو ترجیح نہیں دیتیں اور عورتیں بھی بہت کم ہیں، یہ تو نہیں ہیں کہ باختیار خود اول سے بے نکاح بیٹھے رہنے کو ترجیح دیں، اور کسی عارض (معذوری) کے سبب نکاح کی صورت نہیں پڑے تو اور بات ہے جیسے ان کو کوئی مرض ہے کوئی تجویز نہیں کرتا، یا ادھر مزاج کے سامان کا ان کو انتظار ہے گویا انتظار منتظر ہے، مگر تاہم ان لوگوں نے ترک نکاح کو کوئی نفس نکاح پر ترجیح نہیں دی، لیکن

بعض عورتوں کا نکاح ثانی کو عیب یا ذلت کا موجب سمجھنا سخت قابل گرفت غلطی ہے ایسی عورتیں بکثرت ہیں جو نکاح ثانی کے ترک کو اس کے فعل پر ترجیح دیتی ہیں، جس کا سبب بکثرت تو یہی ہے کہ وہ نکاح ثانی کو عیب سمجھتی ہیں اور بعضی زبان سے بھی ایسی باتیں کہہ ڈالتی ہیں جن میں بعض باتیں تو حد کفر تک پہنچ جاتی ہیں، اور بعضی عیب بھی نہیں سمجھتیں لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ لوگ بھی بے نکاح بیٹھے رہنے کو زیادہ عزت کا سبب سمجھتی ہیں، اور یہ بھی درحقیقت ایک شعبہ ہے جس کا وطن اگر سرحد کفر میں داخل نہیں، مگر اس کے جوار اور قرب میں تو ضرور ہے ورنہ کوئی مسلمان کیا وجہ کہ خلاف سنت کو زیادہ اعزاز کا سبب سمجھے، اور بعض غریب ایسی بھی ہیں جو نکاح کو ہر طرح مستحسن سمجھتی ہیں، اس سے ذرا بھی انقباض (ناپسندیدگی) نہیں، مگر چونکہ

کہ بچے ضائع ہو جاتے تھے، یا یہ کہ کوئی اس کو قبول نہیں کرتا، یہ دونوں معذور ہیں، بلکہ یہیں تو ماجور (ثواب پانے والی) ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں بھی آیا ہے۔

منکوحہ کے مال پر نظر رکھنا بڑی بے غیرتی ہے۔

ایک کوتاہی ناکحین (نکاح کرنے والوں) میں یہ ہے کہ منکوحہ (جس سے نکاح کرنا مطلوب ہو) کے مال کو دیکھتے ہیں، اور درحقیقت یہ حق بھی بہتر ہے کہ منکوحہ یا اس کے اولیاء مرد کے مال کو دیکھیں، گو یہ بھی کسی درجہ میں اگر اس میں غلو نہ ہو امر معقول ہے، کیونکہ مرد پر نفقہ و مہر عورت کا واجب ہوتا ہے، تو اس پر استطاعت رکھنے کو دیکھنا مضائقہ نہیں، بلکہ ایک قسم کی ضروری مصلحت ہے، البتہ اس میں ایک قسم کا غلو ہو جانا کہ اس کو اور ضروری اوصاف پر ترجیح دی جائے یہ مذموم ہے، لیکن عورت کے مالدار ہونے پر نظر کرنا محض اس غرض سے کہ ہم اس سے منتفع (فائدہ اٹھانے والے) ہوں گے یا ہم پر نفقات وغیرہ کا بار کم پڑے گا بڑی بے غیرتی اور بے حمیتی ہے ؎

چو باز باش کہ صیدی کنی و لقمہ دہی
طفیل خوردہ مشو چوں کلاغ بے پر و بال

اس کے علاوہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ مالدار عورت نادار مرد کو کبھی خاطر میں نہیں لاتی، اس کو حقیر اور خادم سمجھتی ہے، اور ناکح کے والدین کا اس پر نظر کرنا کہ ایسی بہو کو بیاہ کر لائیں کہ جہیز بہت سا لائے اور بھی احمق ہیں، ان کی بھی وہی مثل ہے کہ ؎

چو موش بر سر ہر کنج نان روزی خور

اوّل تو وہ جہیز ملک بہو کا، تم کو اس سے کیا، لیکن اگر یہ بھی سمجھا جائے کہ گھر میں رہے گا تو ہمارے بھی کام آئے گا، اس سے اوّل تو وہی بے حمیتی (بے غیرتی)، دوسرے اگر اس کو گوارا بھی کر لیا جائے تو اس خیال سے ناکح کو تو کسی درجہ میں گنجائش ہے مگر ماں باپ کو کیا، سو آج صاحبزادہ صاحب اپنی رائے سے یا بیوی کے کہنے سے جدا ہو جائیں پس ساری امیدوں پر پانی پھر جائے۔

بے برابر والوں سے تعلق نکاح قائم کرنے سے ہر قسم کے مفاسد محفوظ رہتے ہیں۔

البتہ اگر منکوحہ کے زیادہ مفلس نہ ہونے پر ایک مصلحت کی تحصیل کیلئے اور ایک مضرت کے دفع کے لئے نظر کی جائے تو وہ نہ صرف جائز ہے بلکہ مناسب ہے، وہ منفعت تو یہی ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مفلس محض میں دو امر کی کمی ہوتی ہے، ایک سلیقہ کی، دوسری سیر چشمی کی، پس سلیقہ کی کمی سے اس میں خدمت کی لیاقت نہیں ہوتی، اور اس سے کلفت ہوتی ہے، اور سیر چشمی کی کمی سے بعض اوقات ضروری خرچ

میں تنگی کرتی ہے جس سے بعض اہل حقوق کے حقوق بھی ضائع ہوتے ہیں، اور بعض مقامات پر خرمستی بھی ہوتی ہے کسی مہمان کو روٹی کم دیدی، کسی سائل حاجتمند کو محروم کردیا، اور اگر وہ بچپن سے کھانے پینے اور دینے دلانے، کھلانے پلانے میں رہی ہوگی تو راحت اور انتظام کی زیادہ امید ہے اور وہ مضرت (نقصان) یہ ہے کہ بعض کو دیکھا گیا ہے کہ دفعۃً مال و دولت کو دیکھ کر آنکھیں پھٹ جاتی ہیں اور اچھلنے لگتی ہیں اور سلیقہ ہوتا نہیں، لیں بے تمیزی سے اس کو اڑانا شروع کردیتی ہیں، چنانچہ اکثر نو دولتوں کو یا بخل کی بلا میں مبتلا پایا یا اسراف کی، ان میں اعتدال کم ہوتا ہے کیونکہ عادت نہیں تھی، سوال سے مستغنی ہونے کی جو اعتدال سکھتی۔ اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ خاوند کے گھر سے اس کو محبت نہیں ہوتی، لہٰذا الگ، بعض الگ کبھی ظاہر میں کبھی خفیہ (چھپ کر) جس طرح بن پڑتا ہے اپنے میکے والوں کو بھرنا شروع کردیتی ہے اور عمر بھر یہی نزلہ بہتا رہتا ہے اور اس سے گھر میں بے حد بے برکتی ہوتی ہے، مرد کا کمانا تھک جائے مگر وہ اپنا لینے سے نہیں تھکتی، اس لئے مناسب یہ ہے کہ جب تک ہوسکے اپنے برابر والوں میں تعلق نکاح کرے تاکہ سب مصالح محفوظ رہیں، اور یوں کسی کی طبیعت ہی خاص رنگ کی ہو اس کا ذکر نہیں۔

چھوٹی عمر میں نکاح کردینے کی خرابیاں

اور ایک کوتاہی بعض قوموں میں یا بعض لوگوں میں یہ ہے کہ اکثر بہت تھوڑی عمر میں شادی کردیتے ہیں کہ جس وقت ان مناکحین کو کچھ بھی تمیز نہیں ہوتی کہ نکاح کیا چیز ہے، اور اس کے کیا حقوق ہوتے ہیں، اس میں بہت سی خرابیاں نکلتی ہیں، بعض اوقات لڑکا نالائق نکلتا ہے جس کو منکوحہ سیانی ہو کر یا اولیاء منکوحہ پسند نہیں کرتے، اب فکر ہوتی ہے تفریق کی، کوئی مسئلہ پوچھتا پھرتا ہے، کوئی بے مسئلہ پوچھے ہی دوسری جگہ نکاح کردیتا ہے، کوئی تفریق یا خلع کی دیوانی میں درخواست کرتا ہے، کوئی منکوحہ کو اختیارات فسخ حاصل ہونے کی تحقیق بلکہ کوشش کرتا پھرتا ہے، لڑکا ہے کہ برابر سرکشی، نہ اس کے حقوق ادا کرتا ہے نہ اس کو طلاق دیتا ہے، غرض ایک بلائے بے درماں لا علاج مصیبت

؎ خلع: اگر میاں بی بی میں کسی طرح نباہ نہ ہو سکے تو عورت قاضی شرعی کی عدالت میں کچھ مال دے کر یا اپنا مہر معاف کرکے شوہر سے درخواست کرے کہ میری جان چھوڑ دے اور شوہر اس پر راضی ہو کر اس کے جواب میں کہے کہ میں نے تیری جان چھوڑ دی، اس سے عورت پر ایک طلاق بائن پڑتی ہے جس کے بعد مرد کو اس عورت کو روکنے کا اختیار نہیں ہوتا، عورت کے اس طرح اپنی جان چھڑانے کو شریعت میں خلع کہتے ہیں، البتہ خلع کیلئے قاضی کا شرط ایک لازمی امر ہے۔ (احقر قریشی غفرلہ)

ہو گئی۔ بعض اوقات دونوں بچپن میں ایک جگہ کھیلے اور لڑے ہیں جس کا اثر بعض جگہ یہ ہوتا ہے کہ بے تمیزی سے شوہر کی وقعت (قدر و عزت) عورت کے دل میں نہیں ہوتی اور اس کی جو خرابیاں ہیں ظاہر ہیں اور بعض جگہ یہ ہوتا ہے کہ باہم تنافر و تباغض (آپس میں نفرت اور بغض) پیدا ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ ابتداء سے دونوں ساتھ رہے تو شوہر کو کوئی خاص میلان یا کیفیت شوقیہ کے ساتھ نہیں ہوتا جیسا کہ بلوغ کے بعد کی منکوحہ کے ساتھ ہونا متوقع و مظنون ہے اور اس قلت میلان کا ثمرہ بھی ہر طرح برا ہی برا ہے۔

بڑی عمر کی لڑکی سے چھوٹے عمر کے لڑکے کا نکاح کر دینے کے مفاسد اور خرابیاں

اور اس سے اقبح و اشنع (بہت زیادہ برا) یہ ہے کہ بعض کم عقل، محض اپنی ناکارہ مصلحتوں سے، قطع نظر زوجین کے مصالح سے ایسے ہیں کہ لڑکا چھوٹا اور لڑکی بہت بڑی، اب لڑکی تو پہلے ۔۔۔ جوان ہو گئی، اور لڑکا ابھی بچوں بچوں کا بچہ ہے بلکہ کہیں تو تفاوت (فرق) یہ ہے کہ لڑکا اس کی گود کے کھلانے کے لائق ہے، ان بے عقلوں نے یہ تو دیکھ لیا کہ آپس میں رشتہ ہو جائے گا کہ بھائی بہن کی اولاد میں تعلق و ارتباط رہے، مگر یہ نہ دیکھا کہ ان سب تعلقات و ارتباطات کی اصل بنیاد زوجین کا توافق ہے، اور اس صورت میں تو اس کی امید نہیں۔ چنانچہ ایسے مواقع پر دیکھا گیا ہے کہ لڑکی میں جوانی کا تقاضا پیدا ہو گیا اور لڑکا کسی قابل ہی نہیں، بس یا تو وہ دور کسی سے خراب و خستہ ہو گئی، یا گھٹ گھٹ کر مرض دق (ٹیبی) میں مبتلا ہو گئی، اور پھر وہ اگر جوان بھی ہوا تو اس سے جوڑ کا نہیں، ابتدائی تنافر (باہمی نفرت) کا اثر موجود، اور اس کے بڑی عمر ناکح کی وقعت مفقود، شوہر کی عزت ختم۔

بعض جگہ کم سنی میں منکوحہ (نکاح کرنے سے) یہ ہوا کہ بعد جوان ہونے کے وہ لڑکی اس لڑکے کو پسند نہیں، وہ اپنے لئے کہیں اور تلاش کر لیتا ہے۔ اور اس کی نہ خبر گیری کرتا ہے نہ طلاق دیتا ہے خبر گیری کی نسبت تو عذر کر دیتا ہے کہ مجھ کو خبر ہی نہیں کہ میرا نکاح کب ہوا؟ جنہوں نے کیا وہ ذمہ دار ہیں، اور طلاق دینے کو عرفاً عار سمجھتا ہے، پھر وہ عورت [illegible]۵ کی مصداق ہو جاتی ہے۔ کیا ان خرابیوں سے بچنے کی کوشش کرنا ضروری نہیں؟

بعد بلوغ اور درستی عقل کے نکاح میں مصلحت ہے

جس کا سیدھا طریقہ یہ ہے کہ بعد بلوغ اور درستی عقل کے نکاح کیا جائے تاکہ جس کا معاملہ ہے وہ اس کو سمجھ لے۔

---

۵ یعنی وہ عورت ایک طرف سے دھتکار دی گئی اور دوسری طرف سے چھوٹ گئی۔

منکوحہ کے تعلیم یافتہ ہونے کو دیکھنا غلطی ہے | ایک کوتاہی یہ ہے کہ جس طرح بعض لڑکے کے ایف اے ایم اے ہونے کو دیکھتے ہیں افسوس ہے کہ بعضے نئے مذاق کے لوگ منکوحہ بھی تلاش کرتے ہیں جس نے نئی تعلیم حاصل کی ہو یا تعلیم کے ساتھ ڈاکٹری یا پروفیسری کا پاس بھی حاصل کر چکی ہو۔ کوئی ان عقلاء سے پوچھے کہ اس سے مقصود کیا ہے؟ اگر یہ ہے کہ ان کا بار ہم پر کم ہو یہ خود بھی کمانے میں امداد دیں تب تو بے حد بے حمیتی ہے۔ کہ مرد ہو کر عورت کے ہاتھ کو تکا جائے عورت کا ممنون ہو۔ تو یہ دراں حالیکہ اس کے خود خلاف غیرت ہے۔

مہر کو معاف کر دینے کے بعد | وہ اگر مہر بھی معاف کر دے تو حتی الامکان اس معافی کو قبول نہ کرے ادا کر دینا ہی مناسب ہے | اس کو ادا ہی کرے۔ حق تعالیٰ نے ایک آیت میں اس طرف بھی اشارہ فرمایا ہے:۔

فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّا اَنْ یَّعْفُوْنَ (یعنی النساء) اَوْ یَعْفُوَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّکَاحِ (ای الزوج بان یؤدی تاما) وَاَنْ تَعْفُوْا (ایها الرجال) اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَکُمْ	(تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہو اس کا نصف واجب ہے) لیکن اگر عورت مہر ساقط ہو جاوے گا یا کہ وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کا تعلق رکھنا اور توڑنا ہے (یعنی خاوند پورا مہر ادا کر دے) اور تمہارا معاف کر دینا (یہ نسبت دوسروں کے) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے اور مروت کی شان کے لائق تمہارا درگذر کرنا زیادہ لائق ہے۔

شوہر کی خواہش وغیرہ کے بغیر عورت اگر خلوص کی بنا سے | البتہ اگر خلوص کامل سے شوہر کی کچھ خدمت کی جائے بدون اس کے کہ شوہر کو اس کی خواہش یا اس پر نظر یا اس کی تحریک ہو اور انتظار ہو تو مضائقہ اس کی کوئی مالی خدمت کرے | نہیں۔ دیکھو حق تعالیٰ:۔

تو اس کا مضائقہ نہیں: وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی (الضحیٰ آیت ۸)	اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو نادار پایا سو مالدار بنا دیا۔
ای استغنیٰ عن التطلع والتشوف	(اور اطلاع و انتظار نہ ہو اشراف جیسا کہ

لہ نصف مہر اس وقت ساقط ہوگا جبکہ عورت کو نکاح کے بعد قبل صحبت اور خلوت صحیحہ طلاق دی ہے۔ (حضرت تھانوی)

بقوله علیه السلام ما آتاك من غير اشراف نفس فخذه وما لا فلا تتبعه نفسك او كما قال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ تمہارے پاس بغیر اشراف نفس کے آجاوے لے لو اور جو تمہارے پاس نہیں آتا نفس کو اس کے پیچھے مت لے جاؤ۔

عورت صرف سلیقہ سے اپنے شوہر کی خدمت نہیں کر سکتی بلکہ اس کے لیے اس میں خدمتگزاری وغیرہ کا مادہ ہونا ضروری ہے۔

اور اگر یہ مقصود ہو کہ ایسی عورت سلیقہ دار ہوگی ہم کو راحت زیادہ پہنچائے گی، سو خوب سمجھ لو راحت رسانی کے لئے صرف سلیقہ کافی نہیں، بلکہ اطاعت و خلوص و خدمت گزاری کے مادہ (جذبہ) کی اس سے زیادہ ضرورت ہے، اور سلیقہ میں کچھ کمی بھی ہو تو اس کو برداشت کر لیا جاتا ہے اور گو کسی قدر وقتی کلفت ہوتی ہے لیکن وہ بہت جلد رفع ہو جاتی کہ اس کا اثر باقی نہیں رہتا، اور اگر نرا سلیقہ ہوا اور وہ اوصاف نہ ہوں تو اول تو وہ خدمت ہی کیوں کرے گی!

عورتوں کو انگریزی تعلیم دینے سے ان میں بہت سے اخلاق ذمیمہ پیدا ہو جاتے ہیں۔

کیونکہ تجربہ ہے اس تعلیم جدید کا اثر خاص کر اگر عورتوں کو یہ تعلیم دی جائے کہ وہ فطرۃً ہی ضعیف العقل وضعیف القلب (کم عقل اور کمزور دل) ہوتی ہے جس کے لئے زیادہ تر بادرت اثر قبول کرنا لازم ہے، یہ ثابت ہوا ہے کہ اس سے تکبر و خود غرضی و خود رائی و بے باکی و آزادی و بے حیائی و چالاکی و نفاق وغیرہ اخلاق ذمیمہ (برے اخلاق) جو تمام اخلاق ذمیمہ کی جڑ ہیں پیدا ہوتے ہیں، پس جب ان کا دماغ تکبر و نخوت سے بھرا ہے تو وہ تمہاری خدمت ہی کیوں کرے گی! جس سے تم کو راحت پہنچے۔

تعلیم یافتہ عورت بجائے شوہر کی خدمت کرنے کے اس سے خدمت لینے کی طالب ہوگی۔

بلکہ برعکس بوجہ خود غرضی کے وہ خود تم ہی سے اپنے حقوق کا علی [illegible] مطالبہ کرے گی جس سے تمہاری عافیت (سلامتی) تنگ ہو جائے گی، غرض وہ خود تم ہی سے اپنی خدمت چاہے گی، اور اگر تم اس سے وہ خدمتیں چاہو گے بھی جو ایک شریف سادہ طبیعت کی عورت اس کو اپنا فخر سمجھتی ہے تو وہ تم کو ضابطہ کا جواب دے دیگی کہ یہ کام ہمارے ذمہ نہیں، بلکہ جو اس کے ذمہ بھی قاعدہ سے ہوگا، اس میں بھی خلاف تہذیب ہونے کا یا محل صحت خراب کرنے کا عذر کر کے ٹکا سا جواب دیدے گی، اور اپنے حقوق تم سے پورے وصول کرے گی

تنخواہ تم سے کم رکھوا لیں گی اور تین یا پانچ روپیہ قبول کر لو گے تو عدالت نہ کھینچیں گی، اور اگر کہو کہ یہ بہت کم ہوتا ہے تو جواب میں عرض کروں گا کہ پھر وہ تعلیم یافتہ نہیں ہے، اور اگر کہو کہ ہم ایسی تعلیم یافتہ نہیں چاہتے تو خیر وہ بے شک اس قدر خطرناک نہ ہوگی، لیکن آزادی، بے حیائی، مکر و فریب، چالاکی، اور نفاق تو تمغۂ مشترک ہے سب کا مشترک اعزازی نشان ہے جو پوری دور زمانی تعلیم سب میں ہے، تو اس کے خطرات بھی ایک شریف اور غیرت دار آدمی کے لئے کچھ کم نہیں ہو سکتے۔

اگر عورت میں سب ہنر ہوں اور حیا نہ ہو تو وہ صحیح معنوں میں عورت نہیں

میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر عورت میں کوئی ہنر نہ ہو لیکن حیا ہو تو وہ اور کچھ نہیں مگر عورت تو ہے، اور اگر سب ہنر ہوں لیکن حیا نہ ہو تو وہ سب کچھ ہے مگر عورت نہیں، اور نکاح کے مصالح کے لئے چاہئے عورت، جب وہ سرے سے عورت ہی نہیں تو پھر اس سے مصالح نکاح کیسے حاصل ہوں گے پھر نکاح سے کیا فائدہ؟ باقی مصالح کے لئے جو تہذیب تم دیکھ رہے ہو، تو آب ریزی اور شہوت رانی ہوس پوری کرنے کے لئے اہل فرانس نے بہت سے طریقے ایجاد کر دیئے... ان پر کفایت کر لو، رہی اولاد سو وہ اختیار سے خارج ہے، اس کی فکر ہی کیا! پھر وہ ہر بے ہنر عورت سے بھی حاصل ہو سکتی ہے، اس کے لئے اتنی کدوکاوش جستجو اور تدقیق بیکار ہے، اور اس کی کیا ضرورت ہے کہ سب مصالح ایک ہی شخص سے حاصل ہوں، غرض نکاح میں مصالح نکاح کی رعایت سب سے مقدم ہے جو عورت کی حیا نہ ہونے سے سب گرد ہے۔

عورتوں میں دینی تعلیم کا ڈھونڈنا ضروری ہے:

البتہ اگر عورتوں میں دینی تعلیم ڈھونڈی جائے تو وہ علوم دینیہ کی تعلیم ہی ہو، انسان کو مہذب کامل بنا دیتی ہے بشرطیکہ اس پر عمل کرے، اور غالب یہ ہے کہ جب علم دین حاصل ہوتا ہے تو کبھی نہ کبھی عمل کی بھی توفیق ہو ہی جاتی ہے، سو اگر بے عملی سے فرضاً فرض کرو کچھ کلفت بھی ہوئی تو وہ دائمی نہ ہوگی، عارضی ہوگی، جو ایک منٹ میں ختم ہو سکتی ہے، غرض اصل چیز قابل اہتمام تحصیل دین ہے:

دینی تعلیم سب تہذیبوں کی جڑ ہے:

اور اس کے اساس التہذیب (تہذیبوں کی جڑ) ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ کا خوف پیدا ہوتا ہے، اور جس کے قلب میں خدا کا خوف ہوگا وہ اس قدر چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھے گا کہ اس سے احتمال ہی نہیں ہوگا کہ وہ کسی کا ذرا حق ضائع کرے، یا کسی کو اس سے تکلیف پہنچے، یا وہ اپنی غرض کو دوسرے کے حق پر

مقدم کرے، یا کسی کی بدخواہی کرے، یا کسی کو دھوکا دے، اور اس سے بڑھ کر کونسی تہذیب ہوگی؟

آجکل کی تہذیب کی تعذیب ہے اور جس کا نام آجکل تہذیب رکھا گیا ہے جس کا حاصل تصنع و تلبیس و خداع و نفاق (بناوٹ، اپنا عیب چھپانا، دھوکہ دینا اور منافقت) ہے، وہ سراسر تعذیب (عذاب دینا) ہے، جس کا پایا جانا عورت میں اس کو اس شعر کا مصداق بناتا ہے ؎

زن بد در سرائے مرد نکو ❊ ہم دریں عالم است دوزخ او

(بری عورت نیک مرد کے گھر میں بعینہ اس عالم میں اس کے لئے دوزخ ہے)

اس تقریر سے بعض اجزاء تعلیم نسواں کے متعلق بھی حل ہوگئے، اور مکمل بحث اس کی ایک مستقل تقریر میں بندہ نے لکھی ہے، جو القاسم شوال ۱۳۳۲ھ کے پرچہ میں شائع بھی ہوچکی ہے،

عورتوں کو علم دین گھر پر ہی پڑھانا چاہیے جس کی روح دو امر ہیں، ایک یہ کہ ان کو صرف علم دین پڑھایا جائے، دوسرے یہ کہ یہ تعلیم خاص طرز سے متفرق طور پر گھروں میں ہونا چاہیے، مدارس کے طرز پر مجتمع طور پر نہ ہونا چاہیے، کہ شریعت نے بلا ضرورت شدیدہ ان کے اجتماع و خروج عن البیوت (گھروں سے نکلنے) کو پسند نہیں کیا، اور واقعات نے بھی اس کے مفاسد ایسے دکھلا دیئے کہ بعض متقاضی (طرز تعلیم مدارس بنانے والے) کے ابھی واقعے بننے بھی ان کو دیکھ لیا، اور زیادہ اس میں یہ کہ اس اجتماع کو جس درجہ کی نگرانی کی ضرورت ہے وہ عورتوں سے بن نہیں پڑتی، کیونکہ وہ خود مستور رہنے والی ہیں، اور مردوں کے ذمہ میں وہ نگرانی سپرد نہیں ہو سکتی، کہ اس نگرانی کا حاصل بھی عدم اختلاط بالرجال (مردوں سے میل جول نہ رکھنا) تو تھا ہی، تو نگرانی تو کم، اور خروج عن البیت کے بعض مواقع فساد میں وسعت ہوگئی، دوسرے معلم اگر شریف و متدین و شفیق و ذی اثر و باوجاہت و بارعب ہو تو اس کا نوکر رکھنے کے لئے میسر ہونا قریب بہ محال، اور جو نوکر رکھنے کے لئے مل سکتی ہے وہ ان اوصاف سے معرّی (خالی) جس کی صحبت مردوں سے زیادہ خطرناک۔ خیر یہ جملہ معترضہ استطراداً و بسبیل تذکرہ آگیا، اصل بحث یہ ہے کہ منکوحہ میں تعلیم پر نظر کرنا کیسا ہے؟

نو تعلیم یافتہ ہونے سے عورت کا بے علم ہونا اچھا ہے اصل بات یہ ہے کہ اگر اس میں علم دین ہو تو نور علیٰ نور ہے، اور اگر علم دین نہ ہو تو اس کا بے علم ہونا یقیناً اس کے نئے علوم کے عالم ہونے سے اسلم (محفوظ تر) ہے، اور بے خطر ہے، کیونکہ بے علم میں اگر اخلاق حمیدہ نہ ہوں گے تو وہ اخلاق رذیلہ جو جڑ ہیں تمام اخلاق رذیلہ اور افعال ذمیمہ کی وہ بھی تو نہ ہوں گے، تو اس معترضہ کا مضمون ہاتھ آجائیگا۔

ع "مرا بخیر امید نیست و بد مرساں"

(یعنی مجھے آپ سے بھلائی کی توقع اور امید تو نہیں ہے، لیکن برائی بھی تو نہ پہنچاؤ)

نکاح کے لئے اخبارات میں ناکح و منکوحہ کی اشتہار بازی مذموم ہے۔

آجکل تو یہ طوفان ہو گیا کہ اشتہاری دواؤں کی طرح ناکح و منکوحہ کے اشتہار بھی اخباروں میں چھپنے لگے ... کبھی ناکح صاحب اعلان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ جائداد یہ نوکری یہ کمالات ہیں، اور ہم کو ان اوصاف کی منکوحہ چاہئے، جس کو منظور ہو ہم سے خط و کتابت کرے، پھر اس کے جواب میں کوئی بی بی صاحبہ اخبار میں یا خاص طور پر جواب لکھتی ہیں اور اپنا جامع اوصاف اور حسین ہونا اپنے بے شرم قلم سے لکھتی ہیں، اور کچھ شرطیں کرتی ہیں، بس اسی طرح خط و کتابت ہو کر کبھی سودا بن جاتا ہے کبھی نہیں بنتا، کبھی نکاح سے پہلے ہی دو چار ملاقاتیں ہو جاتی ہیں، تاکہ تجربہ و بصیرت کے بعد نکاح ہو، إنا لله وإنا إليه راجعون ... کیسی آفتیں نازل ہو رہی ہیں اللهم إنا نعوذ بك من الفتن ما ظهر منها وما بطن (اے اللہ ہم تجھ سے فتنوں سے پناہ مانگتے ہیں جو ان میں سے ظاہر ہیں اور جو پوشیدہ ہیں)۔

عاقلہ بالغہ کا بلا ضرورت از خود نکاح کرنا مذموم ہے۔

اس میں کلام نہیں کہ عاقلہ بالغہ خود اپنے نکاح کی بات چیت ٹھہرا لے اور ایجاب و قبول کرلے تو نکاح منعقد ہو جائے گا، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آیا بلا ضرورت و بلا مصلحت معتد بہا ایسا کرنا کیسا ہے، سو یہ امر نہ شرعاً محمود و پسندیدہ ہے نہ عقلاً، شرعاً تو اس لئے کہ تخریج زیلعی میں دار قطنی و بیہقی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کیا ہے:

لا تنكحوا النساء إلا من الأكفاء
ولا يزوجهن إلا الأولياء
ولا مهر أقل من عشرة دراهم
(دار قطنی و بیہقی)

"یعنی عورتوں کا نکاح نہ کرو مگر ان کے کفو میں اور ان کی شادی نہ کریں مگر ان کے ولی کی موجودگی میں، اور ان کا مہر دس درہم سے کم مقرر نہ کرو۔"

گو بروئے دوسری حدیث کے:-

الأيم أحق بنفسها من وليها
(رواه مسلم وابو داؤد والترمذی والنسائی ومالك في الموطا لا يزوجهن)۔

"بیوہ بالغ عورت اپنے نکاح کے معاملہ میں اپنے ولی سے زیادہ حقدار ہے۔"

کرنا بھی نہیں آتے نفی نہیں تھے جو کہ مستلزم ہو عدم صحت کو لیکن نہی بھی تو عمل ہی کے واسطے ہے اور کوئی باطنی راز ہے جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توسط اولیاء کا تجویز فرمایا ہے، اگرچہ ہم کو اس کی لِم بھی معلوم نہ ہو

بزرگوں سے تجویز کرا دو نکاح — مگر ہمارے پاس دلیل اِنّی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بات میں آثار برکت ہوتے ہیں۔ اس میں ضرور ہے، اور وہ دلیل اِنّی یہ ہے کہ ہم نے جو آثار برکت کے بزرگوں کے تجویز کئے ہوئے نکاح میں دیکھے ہیں وہ اس نکاح میں نہیں دیکھے جو براہ راست خود زوجین کر لیتے ہیں، باقی خاص خاص مواقع ضرورت میں تخفیف ہوا ہی کرتی ہے، اور عقلاً اس کو محمود نہیں کہا کہ ظاہر ہے کہ بلا ضرورت شدیدہ خود نکاح کی بات چیت یا خط و کتابت کرنا دلیل اتنی وقاحت (بے حیائی) کی ضرور ہے۔

وَإِذَا فَاتَكَ الْحَيَاءُ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ

(یعنی جب تم میں حیا کا مادہ نہ رہا تو پس جو چاہے کرو) ع بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن، کے موافق قلیل الحیا آدمی سے جو رذیلہ بھی صادر ہو جائے بعید نہیں، عاقل آدمی کو ایسی عورت سے بچنے کے لئے یہی علامت کافی ہے کہ وہ بے حیا ہے۔

متقی آدمی کو بازاری عورت سے نکاح کرنا خلاف احتیاط ہے

اس جگہ سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ بعضے آدمی بازاری عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں گو نکاح بھی ہو جاتا ہے، اور بلا وجہ اس پر بدگمانی بھی نہ چاہئے کہ یہ اب بھی بے قید و آوارہ ہے، لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ متقی آدمی کے لئے خلاف احتیاط ضرور ہے، اسی واسطے شریعت غرّا نے ایک درجہ اس کو نامناسب قرار دے کر قانون مقرر فرمایا ہے،

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (نور آیت ۳)

(یعنی زانی نکاح بھی کسی کے ساتھ نہ کرے بجز زانیہ اور مشرکہ کے اور اسی طرح زانیہ کے ساتھ اور بھی کوئی نکاح نہ کرے بجز زانی یا مشرک کے اور یہ (یعنی ایسا نکاح) مسلمانوں پر حرام اور موجب گناہ کیا گیا ہے الخ

گو بوجہ نصوص و اطلاق دلائل کے یہ تحریم نفی کے درجہ میں نہیں کہ نکاح منعقد ہی نہ ہو بلکہ نہی کے درجہ میں ہے، اور نہی بھی بالذات نہیں کہ یہ نکاح معصیت ہو بلکہ بوجہ بعارض لزوم

دوشیزہ کے ہے، اور اسی لئے یہ تحریم اس صورت میں ہے کہ اس نے توبہ نہ کی ہو، اور توبہ کی صورت میں یہ تحریم وغیرہ بھی نہیں، لیکن جب کہ اس کی ناپسندیدگی کا مدار اس کا زانیہ ہونا ہے، سو وہ جہاں یقینی ہوگا وہاں ناپسندیدگی اقوی درجہ میں ثابت ہوگی اور جہاں محتمل ہوگا وہاں ناپسندیدگی ثابت درجہ خلاف اولیٰ میں ہوگی، اور حدیث،

تَخَيَّرُوا لِنُطَفِكُمْ

میں اس کی صریح تائید ہے، کہ کسی بی بی کے واسطے اللہ تعالیٰ نے ایسی عورت بھی پسند نہیں فرمائی جو اس میں کبھی بھی ملوث ہوئی ہو گو توبہ بھی کر لی ہو، اور یہی معنی ہیں اس آیت شریفہ کے:

وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ ..... | (پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے ہیں)

البتہ اگر توبہ خالص کرے جس سے وہ احتمال نہ رہے اور اس کو کوئی قبول نہ کرے تو اس کی عفت کی حفاظت کے لئے یا جبکہ اس شخص کو اس سے تعشق (عشق و محبت) ہو تو یہ محل اس سے مستثنیٰ ہے بعموم قولہ علیہ السلام:

لَمْ يُرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلُ النِّكَاحِ

نکاح سے متعلق بعض ایسی کوتاہیاں جن کا تعلق مسائل فقہیہ سے ہے

اب نکاح کے متعلق بعض وہ کوتاہیاں مذکور ہوتی ہیں جن سے زیادہ تر مسائل فقہیہ کا تعلق ہے

خفیہ نکاح خلاف سنت ہے | ان میں سے ایک کوتاہی گو درجہ ترک واجب میں نہیں یہ ہے کہ بعض لوگ بمصلحت نفسانیہ خفیہ نکاح کر لیتے ہیں، جس میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ یہ سنت کے یقیناً خلاف ہے، حدیث میں مصرح ہے:

اَعْلِنُوا هٰذَا النِّكَاحَ ..... | اس نکاح کا اعلان کرو .....

اور جن ائمہ کے نزدیک اعلان شرط نکاح ہے ان کے نزدیک ایسا نکاح منعقد ہی نہ ہوگا، تو ان کے نزدیک واجب کا بھی ترک ہے، جو ترک سنت سے بھی اشد ہے، اور گو ہمارے نزدیک اس نکاح کا انعقاد ہو جاتا ہے جبکہ اس میں ضروری شہود (گواہ) ہوں، یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت، مگر تاہم علماء کے اختلاف میں بلا وجہ پڑنا خود ناپسندیدہ ہے خصوصاً معاملہ بضع (شرمگاہ) میں، کہ اس میں (شرمگاہ میں) اصل حرمت ہے، تو یہ دوسری خرابی ہوگئی، اور تیسری خرابی یہ ہے کہ ایک مفسدہ عظیمہ (بہت بڑی خرابی) کی طرف مفضی (پہنچانے والا) ہے، یعنی یہ طریقہ اکثر معمول ہے

یہ بات تو بہت سے مرد و عورت نکاح میں مبتلا ہونے کے بعد جب کبھی ان کو اطلاع ہو جاتی
ہے رسوائی ہونے دیکھے گئے بہت آسانی سے خفیہ نکاح کے دعوے کی آڑ لے لیا کرتے ہیں اور
اس کے قبائح و مفاسد و برائیاں اور خرابیاں ظاہر ہیں کہ کس قدر کبیرہ اور کثیر ہیں اور زیادہ
اس پر چوتھی خرابی یہ ہے کہ بعض عوام کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ ادائے شہادت کا صحت نکاح میں
کیا دخل ہے جب وہ کسی خفیہ نکاح کو سنیں گے، وہ خفیہ ہونے کے سبب ان کو گواہوں کا عدم علم
نہ ہوگا عجب نہیں کہ اس کے معنی نکاح بلا شہود سمجھ کر شہادت کے شرط نہ ہونے کا اعتقاد کر لیں
اور کسی موقع پر اس پر عامل بھی ہو جائیں، تو اس میں اعتقادی و عملی دونوں خرابیاں جمع
ہو گئیں تو اس میں چوتھی کے ساتھ پانچویں خرابی بھی آ گئی خصوص اس زمانے میں جہل بسیط
سے بڑھ کر جہل مرکب شائع ہے۔

نکاح کو معاملات بیع و شرا پر قیاس کرنا جہت نہیں: | چنانچہ خاص اس مسئلہ اشتراط شہود گواہوں کے شرط ہونے میں بھی افسوس ہے کہ بعض تجربہ کار جری قسم کے لوگ کلام کرنے لگے، ایک
شخص کا تو یہ مقولہ سنا گیا ہے کہ شہود نکاح میں شرط مقصود نہیں، اصل شرط تراضی جانبین
یعنی زوجین کا راضی ہونا ہے، کیونکہ بعد تراضی کے احیاناً بعض اوقات انکار تراضی کا بھی
احتمال تھا جس سے نزاع جھگڑا ختم کرنے کے لئے شہود کو حکم کیا گیا تاکہ اختلاف رفع ہونے میں
آسانی ہو اور فی نفسہ صحت نکاح شہود پر موقوف نہیں، انتہی کلام الشنیع۔
اور ایک شخص کا یہ مقولہ معلوم ہوا کہ نکاح بھی مثل معاملات بیع و شرا کے معاملات
خرید و فروخت کے ایک معاملہ ہے پس جس طرح دوسری چیزوں کا لین دین باہم متعاقدین
یعنی معاملہ کرنے والوں کی رضا سے ہوتا ہے، اسی طرح اس میں بھی اس کو کافی سمجھا جائے گا یہ
عورت سے نکاح کرنا مثل گائے اور بکری کے خریدنے کے ہے، انتہی مقولہ الفضیح۔
اس شخص نے شرط شہود کو بالکل حذف کر دیا اور پہلے شخص کا قول تو الحاد ہی تھا
اور یہ تو زندقہ و کفر ہے جو الحاد سے اشد ہے اور ان دونوں قولوں کے ابطال و باطل ہونے کے
لئے اتنا کافی ہے کہ یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ نص صریح وارد ہو گئے ہیں جو صحت نکاح میں شہادت
یا اعلان کے مشروط ہونے پر صریح ہیں جس میں کوئی شبہ نہیں ہے
نہایت ... جانے ... حسب احکم کی جانے والی چیزوں کی
ایک مثال ___ اور ایسی مثال ہے جیسے کسی عامل کو ... نہ ... میں دی ...

بعض شخص کہ بوجھ اٹھا سکتے ہیں جب تک بڑی کتاب کا ایک جتنی مانگا تو اس نے بھی ایسی ہی تکلیف برداشت کر دیا اس نے کہا اس کو کتاب تک ایک دو روز اس نے جواب دیا کہ اس کا تکلف کیا ہے یا یوں کہا بس فلاں جیسی چیز وہ سب سے زیادہ جو لے کی اجازت نہیں ہے اس۔ تو ہر غریب و نکو نہیں ہوتا جو شخص آسانی سے اٹھا لے وہ کیا سمجھ کر جو ہے یہ علم تو کسی خصوصیت کے ساتھ ہو زیادہ نہیں اٹھا سکتے ہم قوی ہیں ہم زیادہ اٹھا سکتے ہیں یہی اس ... ان کے اگر یہ معنی ہیں کہ بضرورت مہر کا قانون تو ٹھیک ہو گا مگر مصلحت ہے علت نہیں ہے جو اس کا جواب تھا یہ تو پہلا اول کے قول کے۔ اور اگر یہ معنی ہیں کہ کثرت ... یہ تو مشاہدت تو کیا ... دوسرے ٹوٹے اور دونوں جواب میں کیا قانون کے مقابلہ میں اس کا قول مانا جا سکتا ہے؟ یہی مضمون سمجھ لیجئے ان دونوں قولوں کا پھر جانے پر کیفیت ہو کہ اس زمانہ میں جیسی ترکیب کے شیوع و رواج عام ہو گئے۔ ایک خفیہ نکاح کرنے میں جو کہ شہود کی اطلاع عام نہ ہوئی بہت قریب ہے کہ اس کو نکاح بلا شہود سمجھا جاوے اور اثر و نفع اقوال بظاہر کے قوانین اس سے اپنی رسم کی تائید کا کام لیں۔ اور ظاہر ہے کہ اگر اوروں کو توہم بنا ہو بالشبہ ہو جب بچنے کے ساتھ ہی ہو مباشرت زنا ہوگی اور بیتا اولاد حرامی ہوگی یہ عجیب خرابی ہو گئی:

خط و کتابت کے ذریعہ ایجاب و قبول کرنے سے نکاح صحیح نہیں ہوتا

بعض لوگ جو مسئلہ شہود کے متعلق ایک جہل بسیط میں مبتلا ہیں اور اس جہل پر عمل بھی کرنے لگے۔ وہ یہ کہ بعضے مرد و عورت دونوں محض خط و کتابت سے ایجاب و قبول کر لیتے ہیں۔ اور اس کو کافی سمجھتے ہیں۔ پھر بعضے تو صرف ایسے ہی خطوط پر اکتفا کر لیتے ہیں اور بعضے اپنے مضمون پر دو چار گواہوں کے بھی دستخط کرا دیتے ہیں اور نکاح کو صحیح سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ دونوں صورتوں میں نکاح صحیح نہیں ہوتا۔ صورت اول میں تو وجہ عدم شہود (گواہ نہ ہونا) ہے اور صورت ثانیہ میں اس لئے کہ شہود میں حسب تصریح فقہاء یہ بھی شرط ہے کہ وہ ایجاب و قبول کے الفاظ کو ایک ہی مجلس میں سن بھی لیں۔ غرض دونوں صورتوں میں نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ پس خفیہ نکاح میں ان دونوں غلطیوں کی بھی تقریب ہے۔ یہ سب تو بین خرابی ہو گئی۔

خفیہ نکاح کی ایک نئی ایجاد جو بڑی معصیت اور ضلالت ہے

بعض لوگوں نے خفیہ نکاح میں ایک اور ایجاد کی ہے اور یہ محض گناہوں سے بچنے کی ایک تدبیر نکالی ہے۔ اور یہ خبر نہیں کہ فَرُّوا مِنَ الْمَطَرِ وَوَقَفُوا تَحْتَ الْمِيزَابِ (یعنی بارش سے بھاگے اور پرنالہ کے نیچے آ کر کھڑے ہو گئے)۔

کے منصوبے بھی ہیں، اور وہ امر یہ ہے کہ نکاح بلا شہود تنہائی میں اس شرط پر کر لیتے ہیں کہ صحبت وغیرہ کچھ نہ ہوگی، خالی نکاح کئے لیتے ہیں تاکہ تنہائی میں بیٹھنا، ایک دوسرے کو دیکھنا، باہم ہنسنا بولنا یہ امور جائز ہو جائیں، اور صحبت سے مجتنب رہیں، تو ان لوگوں کے اعتقاد میں گویا نکاح کے دو درجے ہیں، ایک وہ جس سے صحبت حلال ہو جائے، اس درجہ کے تحقق و وجود کے لئے تو شہود شرط ہیں، اور دوسرا درجہ وہ جس سے صحبت حلال نہ ہو لیکن خلوت و مس و نظر و تنہائی بیٹھنا اور دیکھنا وغیرہ حلال ہو جائیں، اس درجہ کے تحقق کے لئے شہود شرط نہیں، صرف مرد و عورت کا ایجاب و قبول اور تراضی یا باہم رضامندی ہی کافی ہے، اس جہل میں ایک بدعت، ضلالت و گمراہی کی بھی آمیزش ہے، کہ تصرف فی حکم الشرعی و شریعت کے حکم میں دخل اندازی ہے اور یہ دونا ایسے نکاح کے معاصی و گناہ کو معاصی بھی سمجھتے تھے، اور اس نکاح کے بعد خلوت وغیرہ کو حلال سمجھتے تھے، معصیت کو حلال سمجھنا کتنی بڑی سخت بات ہے، سو خفیہ نکاح میں اس بلا کے لئے بھی راستہ اور دلیل پکڑنا ہے، یہ آخری بات ہے۔ اور یہ سب اختلافات وضع و اختراع کی بنا ولی نہیں ہیں، مجھ کو یہ سب واقعات معلوم ہوئے ہیں۔

خفیہ نکاح کے دعوے سے عورت پر صریح ظلم ہو سکتا ہے۔

نویں خرابی یہ ہے کہ اس دعوے کے ذریعے سے کسی ایسی عورت پر ظلم ہو سکتا ہے جس سے یہ شخص نکاح کی خواہش رکھتا ہو اور وہ قبول نہ کرتی ہو پس کسی وقت اگر اس کو شیطان اغوا اور گمراہ کرے تو وہ شخص اس کا نام لے کر دعویٰ کر سکتا ہے کہ ان کے سامنے اس سے خفیہ نکاح ہو گیا تھا، اور اس دعوے کے بعد وہ چونکہ لڑکی کی اہانت نہ ہو، اس سے جبر زیادتی کرے اور عام لوگ اس شبہ میں خاموش رہیں کہ شاید اس کا اس عورت پر قبضہ کرنے کا حق ہو ہم کیوں تعرض کریں۔

خفیہ نکاح کی دسویں خرابی

دسویں خرابی یہ کہ کسی منکوحہ عورت کی نسبت بھی دعویٰ اس طرح ہو سکتا ہے کہ دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کے قبل کی تاریخ میں ہمارے ساتھ خفیہ نکاح ہو چکا تھا، چنانچہ ان ایام میں ایک ایسا ہی حادثہ تونسا ایک شہر میں واقع ہوا ہے جس کے واقعات سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

خفیہ نکاح کے انسداد کے لئے شریعت نے اعلان نکاح کا حکم فرمایا ہے۔

اور عجب نہیں کہ انہی مفاسد کے انسداد کے لئے شریعت نے اعلان کا حکم فرمایا ہو، اور بعض ائمہ نے اس حکم کو اسی وجہ سے وجوب و واجب ہونے پر محمول کیا ہو مگر اکثر علماء نے سنیت و سنت ہونے

پھر اس لئے محروم کیا ہے کہ:

بعض اوقات بوجہ عذر شرعی خفیہ نکاح جائز ہوگا۔

بعض اوقات عذر شرعی سے بھی اس کی ضرورت واقع ہوتی ہے مثلاً ایک بیوہ عورت نکاحِ ثانی کسی سے کرنا چاہتی ہے مگر اعلان میں اپنے جاہل ورثہ سے اس کو اندیشہ تعصب یا ہلاک ہے، اور دوسری جگہ جاکر نکاح کرنے میں سفر میں کوئی محرم[1] نہیں ہے، اس لئے اس نے خفیہ نکاح کرلیا، پھر اسی کے ساتھ اس نے دوسری جگہ چلی گئی، اسی لئے میں نے شروع مضمون میں بمصلحت نفسانیہ کی قید لگائی تھی۔

نکاح خواں کو ایجاب کے وقت منکوحہ کا بلند آواز سے نام لینا ضروری ہے۔

ایک کوتاہی وہ بھی خفیہ نکاح کے ساتھ ملحق رہتی ہوئی ہے یہ ہے کہ اکثر جاہل نکاح خواں ایجاب کے وقت منکوحہ کا نام بہت ہی آہستہ آواز سے لیتے ہیں، صرف ناکح تو سن لیتا ہے، لیکن آس پاس والے یا اہل مجلس نہیں سنتے، تو ایسا نکاح بھی بلا شہود ہوگا، کیونکہ شہود کا صرف مجلس نکاح میں حاضر ہونا کافی نہیں، بلکہ صحت نکاح کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ ایجاب و قبول کے الفاظ کو بھی صاف صاف سنیں، سو جب انھوں نے منکوحہ کا نام ہی نہ سنا تو یہ شرط صحت کی نہیں پائی گئی، اس واسطے نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ نکاح خوانوں کو اس کا بہت لحاظ رکھنا چاہئے، اور اگر وہ ناواقفی سے ایسا کریں تو اہل مجلس کو خصوصاً ناکح و منکوحہ کے سرپرستوں کو چاہئے کہ نکاح خواں سے دوبارہ ایجاب و قبول کرائیں، اور تاکید کریں کہ بلند آواز سے منکوحہ کا نام لے۔

بضرورت شرعیہ عورت کا نام مردوں کی مجلس میں لینا شرم و حیاء کے خلاف نہیں۔

اپنے نزدیک اس میں بڑا حق شرم کا ادا کرتے ہیں، اور یہ نہیں سمجھتے کہ اوّل تو بضرورت شرعیہ عورت کا نام مردوں کی مجلس میں ظاہر کرنا کچھ شرم کے خلاف نہیں، پھر مجلس کے اکثر حاضرین اہل تعلق ہوتے ہیں جن کو منکوحہ کا نام بھی معلوم ہوتا ہے، البتہ اس معلوم ہونے سے نکاح منعقد نہیں ہوسکتا، تاوقتیکہ صیغۂ ایجاب میں اس کا نام نہ سنیں، سو جب معلوم ہے تو نکاح خواں کی زبان سے سننے میں کونسی نئی بات ہوگی جو موجب شرم ہے، علاوہ اس کے اگر نام نہ لینا بے حیائی ہے تو نکاح صحیح نہ ہونے کی صورت میں جو عمر بھر بلا نکاح استمتاع میں مبتلا رہیں گے کیا اس سے بڑھ کر بے حیائی نہیں ہے؟ دیکھا تو یہی جاتا ہے کہ شرم کو چھوڑ بیٹھنے سے عقل بھی چھوٹ جاتی ہے۔

---

[1] عورت کا قریبی رشتہ دار جس سے نکاح ناجائز ہو، ۱۲

اصلاح بعض اغلاط
متعلق بہ تحلیل حرام و تحریم حلال

اب بعض کوتاہیاں تحلیل بعض محرمات (یعنی بعض حرام چیزوں کو حلال کرنے) اور تحریم بعض محللات (یعنی بعض حلال چیزوں کو حرام کرنے) کی مذکور ہوتی ہیں :

یعنی احکام شرعیہ کی ناواقفی یا تجاہل سے بعض ایسی عورتوں سے جو کہ حرام ہیں نکاح کر لیا جاتا ہے، اور بعض ایسی عورتوں سے جو کہ حلال ہیں نکاح کرنے کو ناجائز سمجھا جاتا ہے، چنانچہ ایک جگہ کا واقعہ خبر متواتر سے سنا گیا ہے کہ ایک مدعی تحقیق نے اپنی علاتی (سوتیلی) بہن سے نکاح کیا، لوگوں نے جو ملامت کی کہ یہ تو بنص قرآن حرام ہے، کما قال اللہ تعالیٰ :

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ ، (النساء، آیت ۲۳)	(تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں، اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں ")

تو جواب دیا کہ آیت میں اخوات سے مراد حقیقی بہنیں ہیں یہ علاتی بہن کو شامل نہیں، استغفر اللہ من الجرأة فی الدین (میں اللہ تعالیٰ سے دین کے معاملہ میں ایسی جرأت کرنے سے پناہ مانگتا ہوں)، اگر کسی شخص کو بلا دلیل شرعی ایسی تقییدات کا اختیار حاصل ہو تو دوسرا شخص یہ کہہ دے گا کہ عَلَيْكُمْ میں ضمیر خطاب کی ہے، اور اصل مقتضا خطاب کا مخاطب کا موجود عند التکلم (بولنے کے وقت موجود) ہونا ہے، اور ہم نزول آیت کے وقت موجود تھے نہیں، پس اس کے مخاطب خاص اسی زمانے کے حضرات ہیں، ہم کو یہ خطاب ہی نہیں، اور اس لئے وہ شخص حقیقی بہنوں کو بھی حلال سمجھے، اسی طرح (امہات و بنات (ماؤں اور بیٹیوں) کو بھی حلال سمجھے، تو

اس متجری فی الدین (دین میں جرأت کرنے والے) سے سوال ہے کہ تمھارے پاس اس شخص کے دعویٰ کے ابطال کی ایسی کونسی دلیل ہے جو تمھارے فعل کے کرنے والے کے پاس نہ ہو، اگر تمھاری وہ دلیل اس کے مقابلہ میں کافی ہے تو تمھارے منکر کی بھی دلیل تمھارے مقابلہ میں کافی ہے اور اگر تمھارے منکر کی دلیل کافی نہیں تو تمھاری دلیل بھی کافی نہیں،

اجتہاد بالکل عام ہو تو شریعت کا ایک جزو بھی باقی نہیں رہ سکتا،

حضرت اجتہاد ایسا عام اور خستہ بازی نہیں ہے ورنہ شریعت کا ایک جزو بھی باقی نہ رہے، اس کے خاص شرائط ہیں، اس کے خاص محل (مواقع) ہیں جہاں اجتہاد مجتہد جامع شرائط کا مقبول ہے اور اس محل کے غیر میں کسی کا اجتہاد مقبول نہیں، اور محض حرف شناسی (کتابی علم) سے اس کی اہلیت و معرفت نہیں ہو سکتی سے

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند
نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

(یعنی ہر خوب صورت شخص کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ دلبری بھی جانتا ہو، اور ہر وہ شخص جو آئینہ بناتا ہو اس کے لئے یہ لازم نہیں کہ سکندری بھی جانتا ہو)

ایک مدعی اجتہاد کا جد حقیقی کی منکوحہ سے نکاح جائز بتانا

ایک دوسرے مدعی اجتہاد کا فتویٰ بھی منقول دیکھا گیا کہ جد حقیقی (حقیقی دادا) کی منکوحہ (بیوی) سے نکاح حلال کر دیا گیا اور حجت میں یہ نص قرآنی پیش کی:

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ
(النساء آیت ۲۲)

(اور تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمھارے باپ (دادا یا نانا) نے نکاح کیا ہو)

تو جواب میں کہہ دیا کہ یہ آباء (والدین) کے منکوحات کے لئے ہے، اور آباء میں اجداد (دادا) داخل نہیں، نعوذ باللہ من الرائے فی القرآن المبین (ہم قرآن پاک میں اپنی رائے دینے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں)

تفسیر بالرائے کی چند سنگین مثالیں

یہاں بھی مثل سابق کے معروض ہے کہ اگر ایسی تفسیریں مقبول ہو دیں تو دوسرا شخص کہہ دے گا کہ جدہ (دادی) سے نکاح حلال ہے، کیونکہ قرآن سے امہات (ماؤں) کی حرمت ثابت ہے اور امہات میں

جہات روایات (وہ شخص نہیں تو اس جرح کے پاس بجز اطلاق لفظ بہن کے (لفظ امہات کے اطلاق کے علاوہ) احتمال جہات کی کوئی دلیل ہو سو ویسا ہی اطلاق لفظ آبا (اشتمال اجداد) لفظ آباء (دادا نانا) کو شامل ہونے ... کی بھی دلیل ہے اور جمع بین الاختین (دو بہنوں کا جمع کرنا) کی آفت تو حد (احصار وحد شمار) سے خارج ہے یعنی بے شمار مواقع پر جہلاء اس کا ارتکاب کر رہے ہیں اور گو وہ اس کے حلال ہونے کا شاید منہ سے دعویٰ نہ کرتے ہوں لیکن جیسا کی (دراختلافات (ہلکا سمجھنا) اور اصرار اور اس کو عیب نہ سمجھنا اور منع کرنے والوں کو بے پروائی سے جواب دینا بلکہ ان سے رنج و نزاع (جھگڑا) کرنا ایسا ہی ہے کہ اس کو استحلال (حلال سمجھنا) کہہ سکتے ہیں جس میں زوال ایمان (ایمان جاتے رہنے) کا قوی اندیشہ ہے۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک صاحب فارغ عن الدرسیات کہلا اور اکثر بار دریافت کی نقل یا بیشتر کتابوں کے فارغ التحصیل) کی نسبت اپنے حقیقی ہمشیر زادہ کی دختر (حقیقی بہن کی پوتی) پر نظر ڈولی ہوتی اور ان کو اس کی حرمت (حلال ہونے) کا بھی احتمال ہوا مگر کچھ تردد (شک) ہونے سے مجھ سے سوال کیا پھر ان کو حرمت کا فتویٰ دیا گیا یہ بھی حیرت انگیز قصہ ہے قرآن مجید میں بنات الاخت (بہن کی بیٹیاں) اپنے اطلاق سے اجماعاً بنت ابن البنت (نواسے کی بیٹی) کو بھی شامل ہے، فقہاء نے اس کے محرمات (نکاح کے لئے حرام ہونے والیوں) میں سے ہونے کی تصریح کی ہے، پھر ان کو گنجائش کا احتمال ہوا، اللّٰهم احفظنا من الزیغ والھویٰ،

یہ سب خرابیاں قلت مناسبت علم دین وغلبہ اتباع آراء و ہوی (علم دین سے تعلق کی کمی اور اپنی رائے و نفسانی خواہش کے غلبہ کی وجہ) سے ہیں، اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنَا عَلَى الْحَقِّ وَالصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَالْيَقِيْنِ الْقَوِيِّ (اے اللہ ہمیں صراط مستقیم اور کامل یقین پر ثابت قدم رکھ)

حرمت مصاہرت سے متعلق چند کوتاہیاں

حرمت مصاہرت (رشتۂ دامادی) کے متعلق بعض واقعات ہیں، جیسے لوگ ایک عورت سے ایک مدت تک ناجائز تعلق رکھتے ہیں، جب وہ دل سے اتر جاتی ہے اور اس درمیان میں اس کی کوئی لڑکی سیانی ہو جاتی ہے اس کی طرف میلان ہوتا ہے، اور اپنے نزدیک گناہ سے بچتے ہیں کہ اس لڑکی سے نکاح کر لیتے ہیں حالانکہ حرمت مصاہرت کے قاعدہ سے اس شخص پر اطلاق مدلول :-

وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ	اور تمہاری بیبیوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری پرورش میں رہتی ہیں اُن بیبیوں سے کہ

(النساء آیت ۲۳) | کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو۔)

میں دخل ہونے سے حرام ہے، اور بیٹے دونوں ماں بیٹی کو استعمال میں رکھتے ہیں، حالانکہ بیٹی سے منقطع (علیحدہ) ہونے کے بعد اس کی ماں سے نکاح تک حرام ہو گیا، اور بلا نکاح تو دو حرمتیں جمع ہو گئیں، ایک وطی بلا نکاح (بغیر نکاح کے ہمبستری)، دوسری امہات نسا کے حکم سے انقطاع،

بیوی کی ماں یا بیوی کی بیٹی پر شہوت سے ہاتھ پڑ جانے سے بیوی حرام ہو جاتی ہے۔

بعضے عمداً تو اسباب حرمت کے مرتکب نہیں ہوتے، مگر احیاناً غلطی سے بیوی کے دھوکہ میں اس بیوی کی ماں پر یا اس بیوی کی بیٹی پر شہوت سے ہاتھ پڑ جاتا ہے اور بعد تنبہ کے فوراً دست کش ہو جاتا ہے، لیکن اس سے بھی اس شخص کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے، اس میں بہت لوگوں کو کلام ہوتا ہے کہ عمداً (جان بوجھ کر) تو اس فعل کا ارتکاب نہیں کیا گیا،

مذکورہ حرمت کا مدار سزا نہیں بلکہ اس فعل کا خاصہ ہے

سو یہ کلام کرنا غلطی ہے، اس حرمت کا مدار سزا نہیں ہے جو یہ سوال کیا جاوے، جس طرح بعض اشیاء (چیزوں) میں بعض خواص ایسے ہوتے ہیں کہ بلا قصد (بغیر ارادہ) کے بھی اُن کے تناول سے وہ خواص ظاہر ہوتے ہیں، جیسے سنکھیا کھانے سے ہلاک ہو جانا، اور اس کو اطباء اور کبھی بعض عوام بھی جانتے ہیں، اسی طرح بعض افعال میں بھی بعض خواص ایسے ہوتے ہیں کہ بلا قصد ان کے صدور سے وہ خواص واقع ہوتے ہیں اور اس کو شارع علیہ السلام اور ماہران شریعت بارشاد شارع جانتے ہیں، پس ان اسباب حرمت مصاہرت میں یہ خاصہ اسی قبیل (قسم) کا ہے، البتہ آخرت میں جو مضار (نقصانات) بعض افعال کے واقع ہوں گے وہ سزا ہیں، وہ علم و قصد (جان بوجھ کر اور ارادہ کے ساتھ کرنے) پر موقوف ہیں،

بہو پر براہ شرارت ہاتھ ڈالنے سے وہ اپنے بیٹے پر بھی حرام ہو جائے گی۔

اسی طرح بعض ایسے ہی دھوکہ میں یا براہِ شرارت کوئی شخص اپنے بیٹے کی بیوی پر ہاتھ ڈال دیتا ہے تو یہ بیوی اپنے شوہر یعنی اس شخص کے بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے، اس میں عوام کو پہلے سے زیادہ کلام ہوتا ہے کہ پہلی صورت میں تو جس شخص پر حرمت ہوتی ہے اس کی اتنی کوتاہی تو تھی کہ اس نے تحقیق کرنے میں بے احتیاطی کی، مگر یہاں جس شخص پر حرمت ہوتی ہے اس بیچارے کی کیا خطا اور اس کا کیا دخل جو اس پر سختی کی گئی، اس کا جواب بھی اوپر کی تقریر سے ہو چکا کہ یہ سزا نہیں ہے، اس فعل کے خاصہ کا ظہور ہے، اور خاصہ ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہے اور گو یہ مسئلہ حرمت مصاہرت بدون النکاح کا مجتہدین میں مختلف فیہ ہے،

کسی مسئلہ میں محض نفس پرستی کے لئے کسی دوسرے امام کی تقلید دین سے مذاق ہے۔

مگر جو شخص ایسے مجتہد کی تقلید کا التزام کئے ہوئے ہو جو حرمت کے قائل ہوں، اس شخص کا محض اتباع ہوی یعنی نفسانی خواہش کی بنا پر دوسرے سے اس حرمت پر عمل نہ کرنا نفس پرستی و تلعب فی الدین و دین کو کھیل بنانا ہے۔ اور اس مسئلہ میں کچھ شرائط و تفصیلات بھی ہیں جن کا محل کتب فقہ ہیں۔ ان سے یا علماء سے وقوع حوادث کے وقت تحقیق کرنا ضروری ہے، تاکہ حرمت کی جگہ حلت اور حلت کی جگہ حرمت نہ سمجھی جاوے کہ اول میں حقوق شرع کا اتلاف (ضیاع) اور دوسری میں حقوق زوجہ کا اتلاف ہے۔

بلا قصد بھی حرمت مصاہرت ہو جاتی ہے

اور چونکہ یہ مسئلہ بہت نازک ہے اور بعض صورتوں میں بلا قصد بھی حرمت ہو جاتی ہے،

بیوی سے مباشرت سے قبل تحقیق احتیاط کی ضرورت ہے

اس لئے اس کی حفاظت کا بہت ہی اہتمام رکھے یعنی اول تو جب تک بیوی معلوم نہ ہو اس کی ماں و بیٹی وہاں نہ ہونا چاہئے۔ اسی طرح وہاں اپنے بیٹے کی بیوی یا باپ کی بیوی نہ ہونا چاہئے، اور اگر کسی ضرورت سے ایسا ہو تو جب تک بیوی کو پکار کر اس کی آواز نہ سن لے اور خوب پہچان نہ لے اس کو ہاتھ نہ لگاوے۔

اسی طرح ان مذکورہ عورتوں کے ہاتھ سے اگر کوئی چیز لے تو اس کا بہت خیال رکھے کہ اس کے ہاتھ کو ان کا ہاتھ نہ لگ جائے، نفس کا کیا اعتبار، اگر ہاتھ لگنے کے وقت اتفاق سے دل میں ذرا بھی شہوت کا اثر ہو گیا تو حرمت مصاہرت کا طوق گلے میں پڑ گیا، پھر بعض اوقات تو ایک کو دوسرے کی کیا خبر کہ اس وقت اس کے نفس میں کیا کیفیت تھی، جب خبر ہی نہیں تو حرمت پر عمل کیسے کرے گا، اور اگر اپنے نفس کی خبر بھی ہو گئی تو دنیا کی شرم یا غرض سے زبان سے نکالنا مشکل، تو تمام عمر ارتکاب حرام، یا یہ شخص مباشرت کا سبب (یعنی خود ذکر نہ کرنے والا) سبب بننے والا ہو گیا، کتنی مصائب جمع ہو گئیں۔

حرمت رضاعت کے متعلق کوتاہی

ایک کوتاہی حرمت رضاع کے متعلق ہے کہ وہ بھی مثل حرمت مصاہرت کے کثیر الوقوع (اکثر واقع ہونے والی) ہے، اکثر لوگ تو بوجہ دستیابی وغیرہ مشہور ہونے ... اس کے مسائل کے باوجود علم رضاع اس سے احتیاط ہی کرتے ہیں، مثلاً بعض عوام کو یہ کہتے سنا ہے کہ اگر ایک لڑکا اور لڑکی ایک ہی عورت کا دودھ پئیں، لیکن ایک ہی زمانہ میں نہ پئیں بلکہ چار پانچ سال کے فرق سے پئیں تو یہ بھائی بہن نہیں بنتے، حالانکہ یہ سمجھنا بالکل غلط ہے، اور مثلاً بہت لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ اگر ایک شخص کی ایک بی بی نے ایک لڑکے کو دودھ پلایا اور ایک ہی زمانہ میں یا دوسرے زمانہ میں اس شخص کی دوسری بی بی نے کسی

لڑکی کو دودھ پلایا تو یہ بہتوں کو معلوم نہیں کہ یہ لڑکا لڑکی آپس میں بہن بھائی ہوگئے اور ان کا نکاح بھی باہم ناجائز ہے یہ ضروری نہیں کہ دودھ ایک ہی عورت کا ہو بلکہ دونوں کا دودھ چونکہ ایک ہی مرد کے سبب سے ہے اس لئے دونوں کا دودھ بحکم ایک ہی دودھ کے ہے۔

انا کا دودھ بلا ضرورت پلانا خلاف احتیاط ہے

اور بعض اوقات خود رضاعت ہی کی تحقیق نہیں کرتے اور ایسی غلطی ان مقامات پر ہوتی ہے جہاں مائیں دودھ کم پاتی ہیں، انائیں نوکر رکھ کر یا دودھ پلاتی ہیں جیسے شہروں کے امراء میں، اسی لئے علماء نے فرمایا ہے کہ زن انا کا دودھ بلا ضرورت پلانا خلاف احتیاط ہے، اور اگر ایسا اتفاق ہو تو اس کو خوب مشہور کر دینا چاہئے۔ اس کا سہل اور آسان طریقہ یہ ہے کہ جس انا کا دودھ پلوائے اس سے بھی تحقیق کرلے کہ تو نے کہاں کہاں دودھ پلایا ہے اور اس کی یادداشت لکھ کر اپنے خاندان میں محفوظ رکھے، تاکہ رشتہ ناطہ کے وقت اس کا لحاظ رکھنا آسان ہو، اور بعض جگہ سب سے بڑھ کر یہ غضب ہوتا ہے کہ اولاً رضاع کا علم نہ ہونے سے نکاح ہو گیا اور پھر بعد میں معتبر طریقہ سے علم بھی ہو گیا، لیکن اب تفریق سے عار آتی ہے کہ لوگ ہنسیں گے اور طعن کریں گے کہ ان لوگوں نے کیا حماقت کی تھی اور بھائی بہن میں مثلاً نکاح کر دیا تھا اس لئے بھی وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ رضاع کسی طرح ثابت نہ ہو، اور کہیں دور دراز کی تاویلیں کر کے حیلے نکالتے ہیں، یا بعض دوسرے علماء کے اقوال کی تلاش کرتے ہیں، حتی کہ کل جن صورتوں کو برا بھلا کہتے تھے آج ان سے استفتاء کر کے ان کے جواب کا سہارا ڈھونڈتے ہیں، چنانچہ ایک مقام پر رضاعی بہن بھائی کے نکاح میں ایسی ہی غلطی ہو گئی، جب علم ہوا تو بہت پریشان ہوئے، مجھ سے سوال کیا، میں نے حرمت کا فتوی دیا، کہنے لگے صاحب اب تو بڑی بدنامی ہوگی، میں نے کہا اول تو حکم شرعی کے ماننے میں اگر بدنامی بھی ہو تو کچھ پرواہ نہ کرنا چاہئے،

حکم شرعی ماننے میں بجائے بدنامی کے نیک نامی ہوتی ہے

دوسرے بدنامی بھی نہ ہو گی بلکہ نیک نامی ہوگی کہ ایسے حق پرست دیندار لوگ ہیں کہ جب غلطی کا علم ہوا فوراً تدارک کر دیا، البتہ بدنامی اب ہے کہ کیسے بے حیا اور بے دین ہیں کہ باوجود علم ہو جانے کے پھر بھائی بہن حرام کرتے ہیں، جب یہ بات نہ چلی تو کہنے لگے کہ اس لڑکے نے اس لڑکی کی ماں کا دودھ ایک ہی بار پیا تھا، میں نے کہا تب بھی حرمت ثابت ہو گئی، کہنے لگے کہ صاحب وہ تو انگلی ڈالنے کے ذریعہ باہر نکال بھی دیا تھا، میں نے کہا تب بھی حرمت باقی رہی، کہنے لگے خدا کے واسطے کوئی صورت تو حلت کی نکالو، میں نے کہا دیوانہ ہوا ہوں کیا احکام شرعیہ میں تحریف کر دوں، غرض مایوس ہو کر چلے گئے۔ ایک مقام پر ایک اہل حدیث نے

کسی نے کہہ دیا کہ پانچ گھونٹ سے کم میں رضاعت نہیں ہوتی، بس فوراً انھوں نے سوال مرتب کیا کہ اگر پانچ گھونٹ سے کم پیا تو کیا حکم ہے؟ اور اسی قائل کے کسی ہم مشرب نے جواب لکھ دیا کہ حرمت نہیں ہوتی بس فتویٰ لے کر بے فکر ہو گئے، حالانکہ اول تو یہ لوگ (اہل معاملہ) ان مفتیوں کو اس دن تک اہل حق میں سے بھی نہ سمجھتے تھے، پھر یہ کہ مرضعہ اور دودھ پینے والی، عرصہ زمانہ دراز ہو گیا، اب یہ کس طرح معلوم ہوا کہ پانچ گھونٹ سے کم پیے تھے، اس کو بجز دین کو دنیا کے تابع بنانے اور دین کو دنیا کے لئے بدلنے کے کیا کہا جائے گا، اعاذنا اللہ تعالیٰ ہمارا اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا کرنے سے بچائے۔

مخطوبہ یعنی منسوبہ لڑکی کو قبل نکاح بالکل حرام ہے۔

بعض لوگوں کو اس میں مبتلا پایا کہ مخطوبہ (منگنی کی ہوئی عورت) کے ساتھ جو کہ قبل نکاح حرام ہے مثل منکوحہ کے معاملہ کرتے ہیں، یوں سمجھتے ہیں کہ یہ جب عنقریب حلال ہونے کو ہے تو ابھی سے حلت شروع ہو گئی، اس کا بطلان (باطل ہونا) عقلاً و نقلاً ظاہر ہے، اور شاید کسی کو اس سے شبہ واقع ہو کہ مخطوبہ کو قبل خطبہ کے دیکھ لینا جائز ہے، تو یہ بھی ایک قسم کا استمتاع (حصول لذت) ہے، اور استمتاع سب برابر ہیں، سو جواب اس شبہ کا خود ہی سوال میں موجود ہے، یعنی خطبہ کے قبل ہی تو دیکھ لینا جائز ہے جس سے مقصود استمتاع نہیں بلکہ اس کا اندازہ کرنا ہے کہ اس عورت میں جو وصف حسن وغیرہ میں نے سوچا یا سمجھ کر اس کے استمتاع کے حلال ہونے ... یعنی انعقاد نکاح کی تجویز سے پہلے آیا وہ وصف اس میں ہے یا نہیں ہے، چونکہ نہ ہونے کی صورت میں سوء معاشرت کا خوف تھا شریعت نے محض اس غرض کے لئے ایک بار چہرہ دیکھ لینے کی اجازت دے دی، سو اس نظر ضروری پر جو کہ بغرض استمتاع نہیں ہے دوسری نظر غیر ضروری بعد الخطبہ کو اور اسی طرح مس وغیرہ کو جو کہ محض بغرض استمتاع بلا ضرورت ہے، کیونکہ وہ ضرورت ایک بار دیکھنے سے مرتفع ہو چکی ... کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے۔

محصنات کے بارے میں چند کوتاہیاں

منجملہ محرمات (جن عورتوں سے نکاح حرام ہے) کے بنص قرآنی محصنات یعنی شوہر والی بیبیاں ہیں، اور شریعت میں شوہر والی کا مفہوم عام ہے یعنی کسی کے نکاح میں ہو وہ بھی اور جو کسی کی عدت میں ہو وہ بھی اس میں داخل ہے، اس میں بھی بکثرت حدود سے تجاوز کیا جاتا ہے، چنانچہ بعضے تو صرف خاوند کی مدت تک خبر گیری نہ کرنے سے اور بعضے عورت کے اپنے خاوند کو چھوڑ کر نکل آنے سے اور بعضے عورت کے فاحشہ (بدکار) ہو جانے سے اور ایک مدت .... اسی حالت میں گزر جانے سے یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ اب نکاح نہ رہا ہو گا، بس بے تکلف اس سے نکاح کر لیتے ہیں، اور بعضے عدت کے اندر یہ سمجھ کر کہ جب شوہر نے

طلاق دیدی یا وہ مرگیا تو نکاح تو رہا نہیں، اور عدت[1] ویسے ہی ایک امر زائد ہے تو اس میں نکاح کرنے سے کونسا امر مانع ہے۔ معتدہ یعنی عدت گزارنے والی عورت سے نکاح کر لیتے ہیں، سخت افسوس ہے ایسے لوگ نص کے مقابلہ میں اپنی رائے چلاتے ہیں۔

ایام عدت نکاح کے بقیہ آثار میں سے ہیں۔

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ عدت بھی بقیہ آثار نکاح سے ہے خواہ شوہر نے طلاق دیدی ہو یا مرگیا ہو اور یہ بقیہ آثار احکام میں تو دیکھو غیر زوج کے ساتھ نکاح حرام ہونے میں بعینہ مثل نکاح کے ہے، پس ایسا نکاح اصلاً منعقد نہیں ہوتا، اور تمام عمر حرام ہوتا ہے، اور بعضے یہ غضب کرتے ہیں کہ نکاح کو تو جائز نہیں سمجھتے مگر اس لئے کرتے ہیں کہ یہ عورت دوسری جگہ نکاح نہ کرے، اس کے مفاسد بعض وجوہ سے اور بھی ضریح ہیں۔ ایک تو دھوکہ دینا جو صریح گناہ ہے، دوسرا جاہل عوام کو صحت نکاح کا گمان ہونا جس سے ان کا اعتقاد اور ایسے ہی موقع پر ان کا عمل بھی فاسد ہوتا ہے، تیسرے بعض جگہ یہ دیکھا گیا ہے کہ پھر نکاح ہی نہیں کرتے جب غلبہ نفس میں اس سے استمتاع کرنے لگے تو وہ بوجہ صحت نکاح کے انکار نہیں کرتی جس سے ابتلاء فی المعصیۃ (گناہ میں پڑنا) لازم آیا، بعض جگہ انکار کرنے پر ظلم بھی کیا گیا اور دوسرے لوگ اس مظلوم کی اس لئے نصرت (مدد) نہیں کرتے کہ اس کو منکوحہ سمجھتے ہیں جس پر زوج (خاوند) کو حق جبر (مجبور کرنے کا حق) حاصل ہے۔

مفقود یعنی گم شدہ کے متعلق چند کوتاہیاں

اور ایک کوتاہی اس نکاح محصنات (شوہر والی بیبیوں سے نکاح کرنا) کے متعلق بعض خواص میں ہو رہی ہے کہ مفقود (گم شدہ) کی بی بی سے بدون حکم خود امام مالکؒ کے مذہب پر چار برس کے بعد حکم بالموت (موت کا حکم کرنے) کے لئے قضاء قاضی کی اشتراط کی کتب مالکیہ میں تصریح ہے، اور اگر ان کے نزدیک اس کی تصریح بھی نہ ہوتی تب بھی ہمارے فقہاء نے اس اشتراط (شرط ہونے) کی تصریح کی ہے، باقی یہ شبہ کہ ہمارے فقہاء نے مالکیہ کے قول پر عمل کو جائز کہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بجائے نوے سال کے چار سال کی مدت کو لے لینا جائز کہا ہے، باقی یہ اشتراط مطلق ہے، کسی حال میں اس کے استثناء کی کوئی دلیل نہیں۔

---

[1] عدت: اگر کسی کا شوہر طلاق دیدے تو اس عورت کو اگر حاملہ نہیں ہے تو تین حیض آنے تک شوہر ہی کے گھر میں رہنے کا حکم ہے، اور گھر سے نہ دن کو نکلنے کی اجازت ہے اور نہ رات کو، یہ عدت پوری ہونے کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، اور شوہر کی موت واقع ہونے پر چار مہینے دس دن تک عدت میں بیٹھنے کا حکم ہے۔
راشد قریشی غفرلہ

بلکہ ذرے سال کے بعد حکم بالموت کرنے کے لئے بھی قضاء قاضی (یعنی حاکم شرعی) کے فیصلہ ہی کی حاجت ہے، علاوہ اس کے بہت سے مجمع ایسے نکاح کے بعد شوہر اول آگیا ہے، اور یہ ضرور نہیں کہ وہ بھی مائل ہی ہو جائے بلکہ وہ مالک بن کر جھگڑتا ہے، اور مفاسد عظیمہ برپا ہوتے ہیں، ان مفاسد سے بچنا بھی شرعاً ضروری ہے، باقی یہ کہ عورت بلا نکاح نہیں رہ سکتی، سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر خاوند مفقود نہ ہو اس کا نشان اور مقام سب معلوم ہو مگر زوجہ کے حقوق ادا نہ کرے تو آخر یہ عورت اس وقت کیا کرے، بس وہی اب بھی کرے، اگر شبہ ہو کہ اس صورت میں تو اس پر دعویٰ کر سکتی ہے، تو جواب یہ ہے کہ اگر دوسری سلطنت میں ہو تو دعویٰ کیسے کرے، بہرحال ان سب صورتوں میں صبر کرنا پڑتا ہے، یہاں اب بھی صبر اختیار کرے، البتہ جن ریاستوں میں قاضی شرعی با اختیار موجود ہو وہاں جا کر رجوع کرنے سے اگر وہ تفریق کا حکم دے تو احقر کے نزدیک گنجائش معلوم ہوتی ہے، دیگر علماء سے بھی اس کی تحقیق فرمالیں۔

بعض عورت کے شوہر کی موت یا طلاق کے بعد عدت گزرنے کے دعوے کا مسئلہ

ایک صورت اسی نکاح محصنات کی آج کل بہت شائع ہے، کہ ایک پردیسی عورت نے دعویٰ کیا کہ میرا شوہر مر گیا یا اس نے طلاق دیدی، اور عدت بھی گزر گئی، اور اس عورت کی ظاہری حالت قابل وثوق و اعتماد کے قابل نہیں ہے جس سے خدا ترس حلال و حرام کی احتیاط کرنے والے مسلمان کا قلب اس کے صدق پر شہادت دیتا ہے، پھر بھی بعض لوگ محض نفسانیت کے غلبہ سے ایسی عورت سے نکاح کر لیتے ہیں، پھر بعد میں پتہ لگتا ہے کہ وہ خاوند والی ہے، پھر بعض اس صورت میں بھی نہیں چھوڑتے گویا اتنے زمانہ کے قبضہ سے یہ موروثی کا مستحق ہو گئے، جن کے سامنے اصلی زوج مقدار کا حق تصرف و استعمال کا حق معطل ہو گیا، فقہاء نے ایسی عورت سے نکاح کے جواز میں شہادت قلب کو شرط ٹھہرایا ہے۔

دور حاضر میں شہادت قلب معلوم کرنے کا طریقہ

اور یہ شہادت پہلے زمانہ میں زیادہ متحقق ہو جاتی تھی، مگر اس زمانہ میں شیوع کذب و فساد اور جھوٹ اور فساد کے عام ہونے کا یہ اثر ہے بدون جرح و قدح و تحقیق تام و امتحان شدید کچھ اور بغیر تحقیقات جن اور مکمل تحقیق تجربہ کار لوگوں کی دینداری کا امتحان، جس کا نام شہادت قلب ہے، وہ جلدی حاصل نہیں ہوتی، مغلوب الغرض یا نفسانیت سے مغلوب شخص دھوکہ سے خبر شہادت کو شہادت سمجھ لیتا ہے، اس میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔

نومسلم عورت کا فوراً نکاح کر دینا صحیح نہیں

اسی طرح محصنات کی ایک صورت یہ ہے کہ نومسلم عورت کا نکاح فوراً کسی سے کر دیا جاتا ہے، حالانکہ وہ شوہر والی تھی، تو بدون عرض اسلام علی الزوج (شوہر کے سامنے اسلام پیش کرنے) اور اس کے انکار اسلام یا بدون تین حیض گذر جانے

پھر دارالاسلام میں تفریق جو بحکم تطلیق الطلاق اسے واقع نہیں ہوتی، پھر اس تفریق کے بعد عقد جدید میں اختلاف ہے اور احوط و زیادہ احتیاط اختلاف سے بچنا ہے، واضح علیہ واکثر نے فیصلہ کر کے اس کا ذکر کیا، یاد رکھنا چاہئے۔

نکاح موقت اور متعہ بالاتفاق حرام ہیں۔ بعض پڑھے لکھے لوگوں پر افسوس ہے کہ نکاح موقت (معینہ مدت کے لئے نکاح) کے حرام ہونے میں اور نکاح موقت کے قیاس پر متعہ کے حرام ہونے میں شبہ کرتے ہیں، ہماری کتب فقہ میں دونوں کی حرمت کی تصریح ہے۔ اور نکاح موقت میں جو بعض کا اختلاف منقول ہے دراصل ان بعض علماء نے اس نکاح کو موقت ہی قرار نہیں دیا، بلکہ تصریحاً فرمایا کہ یہ توقیت باطل ہے، اور نکاح ابداً (ہمیشہ کے لئے) صحیح رہے گا، باقی جو عقد موقت ہوگا وہ بالاتفاق باطل ہے، چنانچہ متعہ کو تمام اہل حق نے باطل کہا ہے، خود وہ موطا میں اس کے تحریم (حرام ہونے) کی حدیث لائے ہیں، اور ان کے مذہب کی جس کتاب میں وہ نسبت واقع ہوئی، وہ یقیناً غلط ہے۔

خریدی ہوئی عورتیں یا لونڈیاں شرعاً کنیز یا باندی کا مصداق نہیں۔ بعض لوگ ایسی خریدی ہوئی عورتوں یا لڑکیوں کو جن میں کنیز ہونے کے شرائط شرعیہ نہیں پائے جاتے، حلال سمجھتے ہیں، ان سے جبراً خدمت لیتے ہیں، اور بعض ان سے صحبت کرتے ہیں، یہ بھی تحلیل حرام میں داخل ہے۔

تین طلاق کے بعد بدون حلالہ اس عورت سے نکاح درست نہیں۔ بعض لوگ بیوی کو تین طلاق دے کر پھر اس کو نکاح میں داخل سمجھتے ہیں یا بلا حلالہ[1] اس سے تجدید نکاح کر لیتے ہیں، بعض کو بعض روایات سے شبہ ہو گیا ہے، لیکن یہ مسئلہ اپنے مقام پر حل ہو چکا ہے کہ تین طلاق خواہ مجتمعاً (ایک ساتھ اکٹھی) دے، خواہ متفرقاً تینوں واقع ہو جاتی ہیں، گو ایک جلسہ میں ایسا کرنا معصیت (گناہ) ہے لیکن طلاق مغلظہ[2] ہو جائے گی، اور بدون حلالہ نکاح جدید درست نہ ہوگا، البتہ جس سے صحبت یا خلوت صحیحہ[3] نہ ہوئی اس کو

---

[1] حلالہ: عورت اگر تین طلاق ہو جانے کے بعد پھر اسی شوہر سے نکاح کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرے اور اس کے ساتھ ہمبستری بھی کرے، صرف نکاح کافی نہیں، بلکہ شوہر ثانی کے ساتھ اس کی وطی ہونا بھی ضروری ہے، پھر اس شوہر کے مر جانے یا طلاق دینے پر پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے، اس کو حلالہ کہتے ہیں۔ [2] طلاق مغلظہ: یعنی ایسی طلاق جس کے دینے کے بعد میاں بیوی اگر دونوں بھی نکاح کرنا چاہیں تو بغیر حلالہ کے نکاح نہ ہو سکے، ایسی طلاق کو طلاق مغلظہ کہتے ہیں جس کے بعد بدون حلالہ عورت کو نکاح کا حق نہیں ہوتا۔ [3] خلوت صحیحہ: یعنی میاں بیوی کا ایسی تنہائی میں یکجا ہونا جس میں صحبت ممکن ہو۔ ۱۲ تر

تین طلاق منہ بنا کر (طلاق مغلظہ) دے، اس طرح کہ تجھ کو طلاق، تجھ کو طلاق، تجھ کو طلاق، اس صورت میں ایک پہلی ہی واقع ہوگی، دو لغو ہوں گی، باقی سب صورتوں میں تینوں طلاق واقع ہو جائیں گی،

بیک وقت چار عورتوں سے زائد نکاح درست نہیں

ایک گروہ اس تحلیل محرمات سے متعلق ہے کہ بعض لوگ خصوص اہل امارت و ریاست چار سے زائد عورتیں نکاح میں جمع کرنے کو حلال سمجھتے ہیں چنانچہ ایک صاحب کو میں نے دیکھا جن کے پاس سات منکوحہ بیویاں جمع تھیں، انھوں نے کسی کا فتویٰ مجھ سے نقل کیا، وہ اٹھارہ تک جمع کرنے کو حلال بتلاتے تھے، میں نے اس فتویٰ کی تغلیط کی اور ان کو سمجھایا جس سے وہ ساکت (خاموش) ہو گئے، باقی یہ تحقیق نہیں کہ زائد علی الاربع (چار عورتوں سے زائد) کو انھوں نے چھوڑ دیا یا نہیں، خدا بچائے ایسے خوشامدی بدنام کنندہ علماء سے جو دنیوی اغراض کی تکمیل و تحصیل کے لئے روسائے خوشامد میں اس طرح دین فروشی کرتے ہیں، گو یہ قول بعض کی طرف کتب میں بھی منسوب دیکھا گیا ہے، لیکن بالیقین غلط ہے، اور بالیقین اس غلطی کا سبب وہاں تحقیق (دشواری) ہی تھا اور اس وقت اس کا بلا جماع (بالاتفاق) اس قائل پر منکشف (ظاہر) بھی نہ تھا اور اب تو بعد وضوح حق (حق واضح ہونے) کے جو ایسا کرے وہ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ کے مصداق ہے،

مسئلہ مصاہرت کے متعلق ایک تحریف فی الدین کا دستور،

ایسے ہی ایک محرف فی الدین (دین میں تحریف پیدا کرنے والے) کا لکھا ہوا بندہ نے فتویٰ مسئلہ مصاہرت (دامادی رشتہ) کے متعلق دیکھا ہے، اس شخص نے سائل سے ایک ہزار روپیہ لے کر ایک تاویل باطل سے ساس کے ساتھ نکاح کی اجازت دیدی، وہ سائل اپنی ساس پر فریفتہ (عاشق) ہو گیا تھا، اس مفتی نے ترکیب یہ لکھی کہ ساس وہ ہے جو منکوحہ کی ماں ہو، تو کسی عورت کا ساس ہونا موقوف (منحصر) ہوا منکوحہ کے ماں ہونے پر، اور یہ منکوحہ جاہل ہے، اور جاہلوں سے اکثر اقوال و افعال مشرکیہ و کفریہ صادر ہوا کرتے ہیں، اور نکاح پڑھنے کے وقت کسی نے منکوحہ کو تجدید ایمان نہیں کرائی، اور مرتدہ (دین سے پھر جانے والی) کا نکاح مسلم سے صحیح نہیں، پس یہ نکاح نہیں ہوا، اس لئے نہ وہ منکوحہ ہوئی اور نہ اس کی ماں ساس ہوئی، رہی حرمت مصاہرت بمحض الوطی (صرف ہمبستری کے سبب دامادی رشتہ سے حرام ہونا) یہ صرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے، سائل پر فرض نہیں کہ ان کی تقلید کرے، پس اس سے وہ ساس سائل پر حلال ہو گئی،

افسوس اس شخص نے ایک شخص کی دنیوی نفسانی خواہش پوری کرنے کے لئے بلکہ اپنی ایک رقم وصول کرنے کے لئے ایک مسلمان عورت کو کافر بنایا اور اتنی مدت تک زوجین (میاں بیوی)

کو مرتکب زنا و زنا کرنے والے) قرار دینا، یہ شخص اتباع ہوی (لفظ ان خواہش کی پیروی) کے لئے ایک مقلد مذہب معین (ایک مقرر مذہب کی تقلید کرنے والے یعنی حنفی مسلمان) کو اجازت ترک تقلید و انتقال الی مذہب الغیر (تقلید کو چھوڑ کر اجازت دوسرا مذہب اختیار کرنے) کی دی (جس کے خطرناک ہونے کے متعلق ایک حکایت...... عنقریب عرض کروں گا، اس طرح یہ بیچارہ زد پڑا (جس سے بچنا حرام تھا) کو حلال کیا ایسے لوگوں میں اور علماء یہود کا تلبسون الحق بالباطل (حق کو چھپاتے اور حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ کرنے والوں) میں کیا فرق ہے،

وہ حکایت موعودہ (جس کا وعدہ کیا گیا)... یہ ہے:

حكي أن رجلا من أصحاب أبي حنيفة خطب إلى رجل من أصحاب الحديث ابنته في عهد أبي بكر الجوزجاني فأبى إلا أن يترك مذهبه فيقرأ خلف الامام ويرفع يديه عند الانحطاط ونحو ذلك فأجابه فزوجه فقال الشيخ بعد ما سئل عن هذه وأطرق رأسه النكاح جائز ولكن أخاف عليه أن يذهب إيمانه وقت النزع لأنه استخف بمذهبه الذي هو حق عنده وتركه لأجل جيفة منتنة كذا في الشامية عن التاتارخانية قبيل كتاب السرقة

(حکایت ہے کہ ابوبکر جوزجانی رحمہ کے زمانہ میں ایک شخص نے جو امام ابوحنیفہ رحمہ کے متبعین میں سے تھا، ایک اہل حدیث کی بیٹی سے نکاح کا پیغام دیا، اس اہل حدیث نے چند شرائط پر منظور کیا، وہ یہ کہ اپنا حنفی مذہب چھوڑ دے، امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھے، اور رفع یدین کرے، اس حنفی نے ان شرائط کو قبول کر لیا اور نکاح ہو گیا، جب شیخ ابوبکر جوزجانی رحمہ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے اپنا سر جھکا لیا، پھر فرمایا کہ نکاح تو صحیح ہو گیا لیکن مجھے خوف ہے کہ کہیں نزع کے وقت اس کا ایمان نہ چلا جائے کیونکہ اس نے ایک بدبودار مردار کے لئے اپنے مذہب کو چھوڑ کر جو اس کے نزدیک حق تھا)

چند ٹکوں کی خاطر ایک شخص کا اپنی حقیقی ہمشیرہ کو زانیہ قرار دینے کی کوشش،

اسی کی نظیر (مثال) ایک واقعہ میرے سامنے پیش ہوا تھا کہ اس میں بھی ایک شخص نے محض ایک نفسانی غرض سے ایک منکوحہ کو زانیہ قرار دیا، یہ قرآن کے خلاف ہوا اور وہ منکوحہ اس شخص کی بہن تھی، اس کو زانیہ کہنا بے حیائی و بے غیرتی کے خلاف ہوا، وہ قصہ یہ ہے کہ ایک سنی شخص کی سگی بہن کا نکاح ایک شیعی

مرتے ہوا اور وہ عورت لاولد بیس روپے کا ترکہ چھوڑ کر مرگئی، تو شرع سے اس کے دو ہی وارث تھے ایک زوج (شوہر) کہ نصف اس کا تھا، دوسرا یہ بھائی کہ نصف اس کو تھا، یہ بھائی یہ چاہتا تھا کہ زوج کو کچھ نہ ملے، سب میں ہی لے لوں، تو اس کے متعلق اس ترکیب سے سوال لکھا کہ چونکہ سنیہ کا نکاح شیعہ سے حسب فتویٰ کثیر من العلماء (بہت سے علماء کے فتویٰ کے مطابق) صحیح نہیں ہوتا، اس لئے وہ مرد اس کا زوج ہی نہیں، لہٰذا وہ وارث نہ ہونا چاہئے، صرف ایک بھائی وارث ہے، تو اس طرح کل ترکہ اس کو ملے گا

میں نے کہا، افسوس! اول تو جس وقت یہ نکاح ہوا تھا اس وقت تم کہاں سوتے تھے، کیوں ہونے دیا تھا، یہ مسئلہ اور غیرت کہاں گئی تھی! پھر ہو جانے کے بعد شور و غل کیوں نہیں کیا، اتنے دنوں زنا ہوتا رہا، اس کو گوارا کیا، پھر یہ سوال ہے کہ اگر اتفاق سے ترکہ شوہر چھوڑ کر مرجاتا، اور اس کا کوئی وارث نہ ہوتا اور تم کو یہ توقع ہوتی کہ اگر میری بہن کو بوجہ فتویٰ زوجیت (اور حیثیت عدم وارث کے) یہ کل ترکہ مل جائیگا تو بوجہ اس کے لاولد ہونے کے پھر سب مجھ کو مل سکتا ہے، تو کیا اس وقت بھی تم اس نکاح کے غیر منعقد وغیر ثابت (منعقد اور ثابت نہ ہونے) کے لئے کرتے؟ یا اگر کوئی ایسا فتویٰ بھی سناتا تو کہتے کہ نہیں صاحب سب کا فتویٰ اس پر نہیں ہے، اور جواز (جائز ہونے) کا فتویٰ زیادہ معتبر اور صحیح ہے، اور میں نے کہا کہ شیعہ سنی کے تناکح (شیعہ سنی سے نکاح کرنے) کا مسئلہ وہ ایک مستقل بحث ہے، میں اس وقت اس میں گفتگو نہیں کرتا، مگر تم سے صرف یہ استفسارات (چند سوال) دریافت کرتا ہوں، تاکہ تم کو اس کوشش کا مبنیٰ (بنیاد) معلوم ہو، غرض بالکل لاجواب ہو کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ یہ صورت مذکورہ مختصر تھی تحلیل محرمات کا جس میں لوگ بکثرت مبتلا ہیں۔

ان عورتوں کا بیان جن سے شرعاً نکاح درست ہے،

اب اس کے مقابل ایک دوسری فہرست ان کوتاہیوں کی جو تحریم بعض محللات (نکاح کے لئے بعض شرعاً حلال عورتوں سے نکاح کو حرام سمجھنے) کے متعلق ذکر کی جاتی ہیں۔ یعنی احکام شرعیہ کی ناواقفی سے بعض عورتوں کو جو شرعاً حلال ہیں حرام اعتقاد کر لیا گیا ہے، مثلاً بہت سے عوام جانتے ہیں، چچی سے۔ اسی طرح پیرانی اور استانی سے، اسی طرح شاگردنی اور مریدنی سے نکاح کو حرام سمجھتے ہیں، اسی طرح رضاعت (دودھ پلانے) کا ایک مسئلہ گھڑ لیا کہ ایک برتن میں میاں بیوی کے دودھ کھانے کو موجب حرمت رضاعت و فساد نکاح سمجھتے ہیں۔

اسی طرح ایک حکم مصاہرت میں بڑھا دیا کہ سوتیلی ساس یعنی بیوی کی سوتیلی ماں سے نکاح کو حرام سمجھتے ہیں، اور اگر کوئی ایسا کر لیتا ہے تو اس پر بے حد طعن و ملامت کرتے ہیں، یہ سب زیادت فی الدین (دین میں زیادتی کرنا) ہے۔ البتہ سوتیلی ساس کو زوجہ (بیوی) کے ساتھ جمع کی

سوتیلی بیٹی ہے نکاح میں جمع کرنا اس کو بعض علماء نے منع کیا ہے، سو اس میں اگر احتیاط کرے تو افضل ہے، اور باقی صورتیں بالاجماع حلال ہیں، مگر یہ ہی کی بات ذکر کرنا اس نیت سے کہ لوگ طعن کرکے گنہگار ہوں گے احسن ہے، اور ایسی غلاظت کو محرمات میں داخل سمجھنے پر علاوہ فساد اعتقاد کے ایک اور عمل مفسدہ مرتب ہوتا ہے، وہ یہ کہ مسئلہ سب کا سنا ہوا ہے کہ محرمات سے پردہ نہیں ہے پس بے تکلف ان رشتوں میں بے محابا (بے پردگی) اختیار کی جاتی ہے خصوص مریدنی تو اگر پردہ کرنے لگے، بعض اقالیم الجہالت (جہالت کے علاقوں) میں اس کی بڑی گت بنتی ہے، بلکہ بعض تو بے شرم پیر بھی برا مانتے ہیں، سو ان کو ان سب تعلقات سے محرمیت شرعیہ (شرعی حرمت) نہیں ہوتی، اس لئے پردہ واجب ہوگا،

سالی کو بھی پردہ کرنا واجب ہے

اسی طرح سالی کو اپنی بہن کے بقاء نکاح (نکاح کے باقی رہنے) تک حرام ہے، مگر محرم ابدی (ہمیشہ کے لئے حرام) نہیں۔ اس لئے بھی پردہ واجب ہے،

بیک وقت چار تک نکاح کو حرام سمجھنا سراسر ضلالت ہے

ایک مخترع (ازخود) ایک نئی صورت، اس تحریم حلال کی اس وقت ملاحدہ کی تقلید کو (بے دینوں کی اندھی تقلید سے) پیدا ہوئی، یعنی بعض مدعیان تحقیقات نے بعض اقوام یورپ کی دیکھا دیکھی دعویٰ کیا ہے کہ ایک عورت سے زیادہ دوسری تیسری چوتھی عورت سے نکاح جائز نہیں، اور یہ غلطی پوری مقابل ہے، فہرست سابق کی بالکل آخر غلطی کی کہ وہاں چار سے زائد کو حلال کیا گیا، یہاں ایک سے زائد چار تک کو بھی حرام کہا گیا، اور منشاء تو اس قول کا اتباع ہے آزاد و لامذہب اہل یورپ کا، لیکن چونکہ اپنے کو اسلام کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں، اس لئے اس دعوے کو زبردستی قرآن میں بھی ٹھونس دیا، کہ دو جگہ سے دو آیتیں لیں اور ہر ایک کے معنی میں تحریف کی، اس طرح سے اپنا مطلب پورا کیا، چونکہ یہ علمی مضمون ہے، اور اس کے جواب سے احقر اپنی تفسیر[1] میں فارغ ہو چکا ہے، اسی لئے یہاں اسی قدر پر اکتفاء کیا گیا، یہ صورتیں تو تحریم حلال (حرام کو حلال کرنے) کی اعتقاداً (عقیدے کے اعتبار سے) تھیں،

---

[1] احقر نے تفسیر بیان القرآن سے کتاب ھذا کے رسالہ "المطلوب لتہذیب القلوب المنیب" کی ذیلی سرخی "...... تعدد ازواج میں عدل نہ ہونے کا احتمال قوی ہو" پر خالص تبصرے کے حاشیے میں من وعن نقل کردی ہے جسے آپ آگے ملاحظہ فرمائیں گے۔ (بندہ احقر قریشی عفی عنہ)

شوہر سے فسخ نکاح کی خاطر مرتد ہونے سے نکاح باطل نہیں ہوگا

ایک صورت اس کی بھی ایجاد کی گئی ہے، وہ یہ کہ کسی عورت کو خود یا کسی ناجائز تعلق کے سبب شوہر کے پاس رہنا منظور نہ ہوا اور وہ طلاق وغیرہ دیتا نہیں، نعوذ باللہ وہ مرتد ہو گئی، جس سے نکاح فسخ ہو گیا، پھر مسلمان ہو کر آزاد رہنے لگی، یا اس ناجائز موقع پر نکاح کر لیا، اللہ تعالیٰ جاہل شیطان (شیطان کے پھندے) سے محفوظ رکھے ہمارے فقہاء نے ایک قانون شرعی سے اس کا خوب انتظام فرمایا ہے، کہ مسلمان ہونے کے بعد (خواہ اپنی رضا سے ہو جاوے ورنہ جبر کر کے مسلمان کیا جاوے گا) اس کے بعد، جبراً شوہر اول ہی سے نکاح کر دیا جاوے گا، اور ایک روایت یہ ہے کہ ایسے ارتداد سے وہ نکاح سے خارج ہی نہ ہوگی۔
(کذا فی الدر المختار ورد المحتار ج ۲، ص ۲۹۳)

جوش میں تین طلاق کی قسم کھانے سے تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں

بعض لوگ کسی جوش میں قسم کھا بیٹھتے ہیں کہ میں اگر فلاں عورت سے نکاح کر لوں تو اس کو تین طلاق، اور اس حلف کے بعد پھر وہ نکاح کرتے ہیں، سو سمجھ لینا چاہیے کہ اس منکوحہ پر تینوں طلاقیں واقع ہو جاویں گی، اور اس مسئلہ میں زائد تفصیل ہے، اس سب کے لکھنے کی یہاں گنجائش نہیں، اگر کسی نے ایسی حرکت کی ہو اس کو چاہیے کہ در مختار کی کتاب الحدود سے قبل کی یہ عبارت حلف لا یتزوج فزوجہ فضولی فاجاز بالقول یحنث (یعنی کسی نے قسم کھائی کہ میں شادی نہیں کروں گا، کسی اور نے بغیر اس کی اطلاع کے اس کا نکاح کر دیا اور اس نے اس کی اجازت دے دی تو وہ حانث ہو گا[1]) اور اس کے متعلق رد المحتار (شامی) کا حاشیہ کسی عالم محقق کے پاس جا کر تحقیق کرے۔

اولاد کی تعداد تین تک پہنچ جائے تو جاہل عوام کے اعتقاد کے مطابق نکاح ٹوٹ جاتا ہے

ایک صورت تحریم حلال کی عوام سے اور سنی گئی ہے، وہ یہ کہ جس عورت کے تین اولاد ہو جاویں، اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، محض غلط اور باطل ہے۔

متبنٰی کی بیوی سے نکاح حرام نہیں

اور بعض متبنٰی (منہ بولے بیٹے) کی بی بی سے نکاح کو بھی مذموم سمجھتے ہیں، یہ فرد تحریم حلال کی خاص اس جاہلیت کا مسلک ہے، جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس امر میں طعن کیا تھا، اور حق تعالیٰ نے اس رسم جاہلیت کے ابطال کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس امر کا مامور فرمایا۔

---

[1] حانث سے مراد یہ ہے کہ نکاح کے ہوتے ہی اس کی منکوحہ کو طلاق ہو جائے گی، ۱۲ مجیب

بیوہ کے نکاح کے انکار میں۔ آخر میں ایک جزو تھا اس کلیہ کا جس میں اعتقاداً تو نہیں عملاً و حالاً عوام [illegible] سے خواص تک اور نیز مستورات سے بڑھ کر مردوں تک سب ہی مبتلا ہیں، الا من شاء اللہ [illegible] اور وہ بیوہ عورت کا نکاح ہے، اگرچہ اعتقاداً تو سب اس کو حلال ہی سمجھتے ہیں مگر اس سے اس قدر عار و ننگ ہے کہ بعض اوقات اس کے انکار میں کفر تک لازم آجاتا ہے، چونکہ اس کا مشاہدہ بالکل ظاہر ہے مستغنی ہے، اس لئے تطویل کلام کی حاجت نہیں۔

اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔

"اے اللہ ہمیں راہ حق دکھلا اور اس پر چلنے کی توفیق بخش اور راہ باطل واضح کر دے اور اس سے محفوظ رکھ۔"

ضمیمہ فہرست بالا

ایک صورت تحریم حلال کے قبیل سے جو جہلاء کا مذموم ہے
یہ ہے کہ عنین یعنی نامرد سے نکاح کو منعقد نہیں سمجھتے۔

نامرد کے ساتھ نکاح بالکل صحیح ہو جاتا ہے۔

یعنی اس کو مثل عورت کے سمجھ کر عورت کے ساتھ اس کے نکاح کو باطل سمجھتے ہیں، سو یہ بالکل ہی غلط ہے، صریح دلیل نفی اس کے غلط ہونے کی یہ ہے کہ اس صورت میں منکوحہ کے مطالبہ پر اس کو علاج کے لئے مہلت دی جاتی ہے، اور اگر شفاء ہو جاوے تو اسی نکاح سابق پر اکتفاء کیا جاتا ہے، نکاح جدید کا حکم نہیں کیا جاتا، معلوم ہوا کہ پہلا نکاح منعقد و صحیح ہو جاتا ہے۔

نامرد کو خود نکاح کرنا گناہ ہے

البتہ ایسے شخص کو جبکہ اس کو علامات سے اپنا عاجز ہونا معلوم ہو تو خود نکاح کرنا ہی گناہ ہے، تو تحریم بمعنی گناہ تو واقع ہے مگر تحریم بمعنی عدم انعقاد نکاح (کہ نکاح صحیح نہ ہونا) واقع نہیں، اسی لئے اس کے لئے احقر نے اوپر یہ عنوان تجویز کیا ہے "تحریم حلال کے قبیل سے" (حلال کو حرام سمجھنے کی قسم سے) کیونکہ یہ ایک وجہ سے تحریم ہے ایک وجہ سے نہیں۔

نامرد کے پیچھے نماز پڑھنے سے نماز صحیح ہو جاتی ہے!!

اور اس شخص کے اسی الحاق بالنساء (عورتوں میں شامل ہونے) کے خیال پر ایک دوسری غلطی جو کہ اسی باب سے نہیں ہے، جہلاء مبتلا ہیں، یعنی اس شخص کے پیچھے نماز کو ناجائز یا مکروہ سمجھتے ہیں جس کی کچھ اصل نہیں۔

خصی اور ہجڑے کی امامت مکروہ ہے۔

اور یہی حکم ہے خصی و مجبوب کا، یعنی جس کے بیضے نکال دیئے گئے ہوں جس کو خوجہ یا خواجہ سرا کہتے ہیں، یا جس کا خاص اندام (عضو مخصوص) قطع کر دیا گیا ہو، جس کو جاہلوں کے محاورہ میں مخنث یا ہیجڑا کہتے ہیں وہ بھی مرد ہے اور اس کا حکم مردوں کا سا ہے، گو بصورت اس کے فاسق ہونے یا اس سے جماعت کی نفرت کر لینے کے اس کی امامت مکروہ ہے، اول صورت میں تحریماً دوسری میں تنزیہاً۔

نامرد، مخنث اور ہیجڑے وغیرہ سے پردہ واجب ہے

انہی احکام ... میں سے یہ بھی ہے کہ ان سے عورتوں کو پردہ بھی واجب ہے جس طرح عام مردوں سے، اس میں بھی ناواقف کثرت سے مبتلا ہیں غلطی میں،

خنثیت مرض ہے اور قطع عضو سخت گناہ ہے!!

اس میں اور خصّی میں اتنا فرق ہے کہ خنثیت مرض ہے جس میں کوئی گناہ نہیں، اور قطع عضو سخت گناہ ہے، اگر خود کسی نے اپنے لئے ایسا تجویز کیا وہ فاسق ہے، جب تک توبہ نہ کرے، اور جو اس کے بلا علم یا بلا اختیار کسی اور نے کیا ہے وہ فاسق ہے،

مخنث بھی مردوں میں شامل ہیں

اور اسی کے ساتھ حکم سمجھنا چاہئے ایسے شخص کا جس کی چال ڈھال یا بول چال میں زنانہ پن ہو، اس کو ہمارے محاورے میں زنخا کہتے ہیں، سو وہ بالکل مرد ہے، البتہ اگر اس کی یہ مشابہت بالنساء خلقی (عورتوں سے مشابہت قدرتی) ہے تو وہ معذور ہے، اور اگر قصداً زنانہ پن اختیار کرتا ہے جس کو تشبہ کہتے ہیں تو حدیث[1] میں ایسے شخص پر لعنت آئی ہے،

نامرد سے عورت کی تفریق کرانے کا خاص قانون ہے

اور ایک غلطی عنّین سے متعلق کم واقفیت لوگوں کو واقع ہوتی ہے، کہ وہ تحلیل حرام کی فہرست میں داخل ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ اس کے نکاح کو تو منعقد سمجھتے ہیں، مگر شوہر سے اس کی تفریق کر دینے کو عورت یا برادری کے اختیار میں سمجھتے ہیں، کہ جب چاہا دوسری جگہ اس کا نکاح کر دیا گیا، سو یہ بھی شریعت کے خلاف ہے، اس کی تفریق کا ایک خاص قانون ہے جو کتب فقہ میں مفصلاً مذکور ہے، اور احقر نے بہت عام فہم اور سلیس عبارت میں اس کو تتمہ امداد الفتاوی ص ۳۶[2]، مطبوعہ مجتبائی پر لکھ دیا ہے، اس کا مطالعہ ضروری ہے۔

---

[1] چنانچہ بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعن اللہ المتشبہین من الرجال بالنساء والمتشبہات من النساء بالرجال (یعنی اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی شباہت بناتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت بناتی ہیں) احقر محمد تقی عفرلہ

[2] احقر کا جو کے پاس امداد الفتاوی کی وہ جلد نہیں، اس لئے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی ہی تصنیف "الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ" کے رسالے "ارتقاء المطالبات" سے وہ قانون نقل کرتا ہوں جو عام فہم بھی ہے اور مفصل بھی، وہو ہذا۔ (محمد تقی عفرلہ) "زوجۂ عنین کے لئے تفریق کی صورت یہ ہے کہ عورت اپنا معاملہ قاضی کی عدالت میں پیش کرے، قاضی واقعہ کی تحقیق کرے، یعنی اول خاوند سے دریافت کرے

مرض رتقا والی عورت کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے

ایسے ہی ایک غلطی اسی قسم کی اس عورت کے متعلق ہو اتفاق کی ہو جو ہے جس میں بوجہ حائل ہو جانے کسی ہڈی یا جلد وغیرہ کے خاص موقع پر ہمبستری کی صلاحیت نہیں ہے جس کو عربی میں رتقا کہتے ہیں اس کو علی بالترتیب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اگر وہ خود اقرار کرے کہ بیشک میں اس عورت سے ہمبستری پر قادر نہیں تو اس کو ایک سال کی مہلت علاج کے لئے دیدے اور اگر وہ اقرار نہ کرے بلکہ جماع کا دعویٰ کرے تو اس وقت تفصیل ہے کہ اگر عورت باکرہ ہونے کا دعویٰ کرے تب تو مرد سے حلف لیا جائے گا اور اگر اس نے حلف کر لیا تو عورت کو تفریق کا حق حاصل نہ ہوگا اور اگر شوہر نے حلف سے انکار کر دیا تو اس کو ایک سال کی مہلت بغرض علاج دیدی جائے گی اور اگر عورت باکرہ ہونے کی مدعی ہو تو قاضی عورتوں سے اس کی بیوی کا معائنہ کرائے ایک عادل تجربہ کار عورت کا معائنہ بھی کافی ہے لیکن احتیاطاً اس میں ہو کہ دو عادل عورتیں معائنہ کریں۔ آگے بعد معائنہ کے دو صورتیں ہیں (۱) ایک صورت یہ کہ عورتیں یہ بیان کریں کہ یہ عورت باکرہ یعنی کنواری نہیں رہی تب تو شوہر سے اس بات پر حلف لیا جائے کہ اس نے جماع کیا ہے اور اگر وہ حلف کرے تو اس کا قول معتبر ہوگا اور عورت کو تفریق کا حق باقی نہ رہیگا اور اگر شوہر حلف سے انکار کرے تو تاجیل یعنی ایک سال کی مہلت کا حکم کر دیا جائے (۲) اور دوسری صورت یہ ہے کہ عورتیں یہ بیان کریں کہ ابھی تک یہ لڑکی باکرہ (کنواری) ہے تو پھر قاضی بدون کسی سے حلف لئے ہوئے شوہر عنین کو ایک سال کی مہلت علاج کے لئے دیدے۔ ـــــ خلاصہ یہ کہ جب کسی دلیل سے محقق ہو جائے کہ عورت باکرہ نہیں بلکہ ثیبہ ہے خواہ ثیبہ ہونا اس طرح معلوم ہو کہ وہ بیوہ ہو اور شوہر اول سے اولاد ہو چکی ہو یا خود عورت کے اقرار سے یا عورتوں کے معائنہ سے ان تینوں حالتوں میں مرد کا قول حلف کے ساتھ قبول کیا جائیگا کہ وہ ہمبستری کر چکا اور عورت کو علیحدگی کا حق نہ دیا جائیگا اور اگر تینوں حالتوں میں مرد حلف سے انکار کرے تو عورت کا دعویٰ درست مان کر مرد کو ایک سال کی مہلت دیدیں اور اگر عورتوں کے معائنہ سے زوجہ کا باکرہ ہونا ثابت ہو تو بدون حلف ہی ایک سال کی مہلت دیدی جائے اور اس مدت کے لئے ظاہر الروایۃ میں قمری سال کا اعتبار کیا گیا ہے لیکن ایک روایت جس میں شمسی سال کو لیا ہے اور بعض اہل ترجیح نے احتیاطاً اسی کو اختیار کیا ہے اور علامہ شامی نے اسی پر فتویٰ دیا ہے اور اب بھی تمام اہل فتویٰ کا یہی معمول ہے اور یہ سال حاکم کی مہلت دینے کے وقت سے شروع سمجھا جائے گا اس سے پہلے خواہ کتنی ہی مدت گذر چکی ہو معتبر نہ ہوگی پھر ایک سال بھر کے عرصہ میں اگر شوہر کسی طرح علاج کرا کے تندرست ہو

زنخوں کے مشابہ سمجھ کر اس سے بھی نکاح کو منعقد نہیں سمجھتے، یہ بھی محض غلط ہے،

خنثیٰ کا کسی سے نکاح نہیں ہو سکتا

البتہ انسان کی ایک خاص قسم ہے جس میں تشبہ الحاق بالنساء بوجہ عورتوں کے مشابہ ہونے کا بھی ہے اور الحاق بالرجال بوجہ مردوں کے مشابہ ہونے کا بھی، اس کو شریعت کی اصطلاح میں خنثیٰ کہتے ہیں کہ اس میں تمام علامات ذکورت و انوثت یعنی مردوں اور عورتوں کی پوری علامتیں برابر درجہ میں متعارض ہیں، سو اس کا نکاح کسی سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جماع پر قادر ہو گیا اور ایک بار بھی ہمبستری کر لی تو عورت کو فسخ نکاح کا حق جاتا رہا بلکہ ہمیشہ کے لئے یہ حق باطل ہو گیا۔ اب کبھی علیحدگی کا مطالبہ نہیں کر سکتی، اور اگر اس عرصہ میں ایک مرتبہ بھی جماع نہ کر سکا تو عورت کے دوبارہ درخواست کرنے پر قاضی تحقیق کرے۔ اگر خود شوہر نے اقرار کر لیا کہ بیچ میں قادر نہیں ہوا تب تو عورت کا دعویٰ بلا نزاع صحیح ہو گیا، اس صورت میں قاضی عورت کو اختیار دیدے کہ اگر علیحدگی درکار ہو تو طلب کرے ورنہ اپنے خاوند کے ساتھ رہنے کو گوارا کرے، پھر اس پر وہ اگر اسی مجلس میں علیحدگی چاہے تو خاوند سے طلاق دلوا دی جائے، اگر وہ انکار کرے تو قاضی تفریق کر دے، جیسا کہ آئندہ عنقریب آئے گا، اور اگر خاوند اقرار نہ کرے بلکہ جماع ہو چکنے کا دعویٰ کرے تو اس وقت یہ تفصیل ہو گی کہ مہلت دینے کے وقت اگر عورت کا ثیبہ ہونا ثابت ہو چکا تھا یا اب عورت اقرار کرے کہ کسی طرح بکارت زائل ہو چکی ہے مگر ہمبستری نہیں ہوئی، تب تو خاوند سے حلف لیا جائے، اگر وہ قسم کھا لے کہ میں نے جماع کیا ہے تو مرد کا قول معتبر ہو گا اور تفریق نہ ہو سکے گی، اور اگر شوہر نے اس وقت بھی حلف سے انکار کر دیا تو عورت کو طلب فرقت کا اختیار دیا جائے گا، اور اگر مہلت دینے کے وقت سے عورت کا باکرہ ہونا ثابت ہوا تھا اور اگر اب دوبارہ معائنہ سے بھی باکرہ ہونے کی تصدیق ہو تب بھی عورت سے بدون حلف لئے ہوئے قاضی عورت کو اختیار دیدے کہ اپنے خاوند کے نکاح میں رہے یا تفریق کا مطالبہ کرے، اور جن صورتوں میں قاضی عورت کو اختیار دے چکا ان میں حکم یہ ہے کہ عورت اگر اسی مجلس میں تفریق چاہے تب تو تفریق ہو سکتی ہے ورنہ نہیں، لیکن اگر عورت نے اسی مجلس تخییر میں یعنی اختیار دئے جانے والی مجلس ہی میں یہ کہہ دیا کہ میں اس شوہر سے علیحدہ ہونا چاہتی ہوں تو قاضی اس کے شوہر سے کہے کہ اس عورت کو طلاق دیدے، پس اگر خاوند نے طلاق دیدی تو طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی، اور اگر وہ طلاق دینے سے انکار کرے تو قاضی خود تفریق کر دے یعنی مثلاً یہ کہہ دے کہ میں نے تم کو اس نکاح سے الگ کر دیا، یہ تفریق بھی شرعاً قائم مقام طلاق بائنہ کے واقع ہو جائے گی۔ (الحیلۃ الناجزۃ، ص ۱۳۶ تا ۱۳۹)

جائز نہیں، نہ مرد سے کیونکہ شاید وہ بھی مرد ہو اور نہ عورت سے کیونکہ شاید وہ بھی عورت ہو، اور نہ کسی دوسرے خنثیٰ مشکل سے کیونکہ شاید دونوں مرد ہوں یا دونوں عورت ہوں، اور اس کے تمام احکام میں دونوں جہتوں کا لحاظ کر کے بے حد رعایت کی گئی ہے، جس سے فقہائے اسلام کی باریک بینی کا اندازہ ہوتا ہے، اور فقہ میں اس کا ایک مستقل باب منعقد کیا ہے، مگر ایسے شخص کا وجود بہت ہی نادر ہوا ہے اس لئے اس کے احکام[1] کا بیان یہاں ضروری نہیں سمجھا گیا۔

ولد الزنا سے نکاح بھی ہو جاتا ہے | ایک صورت تحریم حلال کی بعض عوام سے سنی گئی کہ ولد الزنا (حرامی اولاد) کے نکاح کو بھی باطل سمجھتے ہیں، سو یہ بھی غلط ہے، اپنے کفو سے بھی درست ہے، اور غیر کفو سے بھی، جہاں کفاءت کا شرط ہونا شرعاً ضروری نہ ہو، ورنہ غیر درست ہے، جس کی تفصیل کے لئے فقہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

نان و نفقہ کی خبر گیری نہ کرنے سے از خود نکاح باطل نہیں ہوتا | ایک صورت تحلیل حرام کی عوام نے ایک اور اختراع کر رکھی ہے، یعنی جو مرد نان و نفقہ کی خبر گیری نہ کرے یا مفقود (لاپتہ) ہو جائے اس کے نکاح کو از خود منفسخ (ختم) سمجھ کر اس کا نکاح دوسری جگہ کر دیتے ہیں، اسی طرح جو عورت شوہر کے گھر سے نکل کر بدکاری کرنے لگے، یا شوہر اس کو نکال کر ایک عرصہ دراز تک اس سے تعلق نہ رکھے اس کو بھی نکاح سے خارج سمجھ کر اس کو نکاح ثانی کی اجازت دیدیتے ہیں، یہ سب بالکل غلط در غلط ہے، البتہ تفریق معسر (نادار) کے باعث تفریق میں امام شافعی کا مذہب ہے کہ مسلمان حاکم جس کو سلطنت نے ایسے مقدمات کا باضابطہ اختیار دیا ہو، اعسار (ناداری) کی حالت میں نکاح فسخ کر دیگا، اور بدون اس شرط کے وہ بھی از خود منفسخ نہیں کہتے جیسا عوام نے غلط سمجھ رکھا ہے، جس طرح مفقود کی تفریق نکاح میں امام مالک کے مذہب پر قضاء قاضی شرط ہے جس کو بعض نے اور میں نے بھی لکھا ہے، اور الحیلۃ الناجزہ کی کتب مالکیہ میں بھی تصریح ہے، اس وقت اس کا پتہ بھی عرض کئے دیتا ہوں، زرقانی مالکی نے شرح موطا میں ایک ہی عبارت میں دو جگہ اس کی تصریح کی ہے، جیسا کہ تتمہ ثانیہ امداد الفتاوی ص ۱۰۰ میں وہ عبارت بعینہ منقول ہے، ضرور ملاحظہ فرمائیں، بہرحال حلت و حرمت میں سخت احتیاط درکار ہے۔

یہ ضمیمہ ختم ہوا۔ ۲ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

---

[1] جہاں ایسے مسائل کی ضرورت پڑے تو علمائے محققین یا کسی معتبر دارالافتاء سے رجوع کیا جاوے۔ (مرتب)

ضمیمۂ ثانیہ

در نقل رسالہ

الخطوب المذیبۃ للقلوب المنیبۃ

مشتملہ بعض اغلاط متعلقہ تعزیۂ مصیبات

کہ خط کیلئے   کا نامست :

برادر عزیز سلمہ ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آں عزیز کے متفرق خطوں کی رسید اور تعجیل جلدی کا جواب نہ ہو سکنے کا عذر جن کے آنے تھے ان میں تو آئے ہوئے تقریباً پچیس روز ہو گئے ہوں گے۔ ایک کا ذکر بخار ہو چکا ہوں گو مجھ کو بفضلہ تعالیٰ بخار سے نجات ہو گئی ہے، لیکن ضعف و نقاہت سے کسی معمولی سے معمولی کام کی بھی ہمت نہیں ہوتی، مگر ساتھ ہی آں عزیز کے انتظار کے تصور سے اضطراب اور خود اس جواب کا بھی غالباً بعض مضامین مفیدہ کو متضمن ہونا شامل ہو گیا، یہ دونوں امر مقتضی تھے کہ بنام خدا جواب شروع تو کر ہی دوں، باقی تمام قبضۂ قدرت الٰہیہ میں ہے، اس لئے اختصار کے ساتھ مگر قدرے ضروری تفصیل کے ساتھ جواب خط لکھتا ہوں۔

تم عزیز نے لکھا ہے کہ اتنا معلوم ہوا کہ اس جدید تعلق سے بھائی صاحب کی حالت میں بہت تغیر ہو گیا ہے، اور آپ کو بھی کچھ باعث مسرت نہ ہوا۔

عزیز من! یہ دونوں امر صحیح ہیں، اس تفصیل کی تو ضرورت نہیں کہ کیا تغیر ہوا؟ اور اس تغیر کے سبب مجھ کو کیا تکدر ہوا؟ کیونکہ اول تو اس کی حقیقت معلوم ہونا مشاہدہ پر موقوف ہے، دوسرے تم خود ایسے ہو گے جنہوں نے اس کے آثار کا مشاہدہ کیا ہو اس لئے یہ تفصیل بیکار ہے۔

تغیر کے اسباب

البتہ تفصیل ضروریات اس تغیر کے اسباب کی تحقیق ہے جس کی تقریر سے خود نتیجہ تک ذہن پہنچ جائے گا۔ اور ممکن ہوا آخر میں اس کی کچھ تصریح بھی کر دی جائے۔ سو ان اسباب کا مجموعہ راجع ہے دو امر کی طرف۔ ایک حد سے زیادہ جاہل ہونا طبقۂ اناث (عورتوں) کا، خواہ جہل علمی یعنی ناواقفی شرائع و علمی جہالت یعنی شریعت سے ناواقفیت ہونا، خواہ جہل عملی جس کو ہمارے محاورہ میں جہالت کہتے ہیں، جس کے شعبوں میں زیادہ تر شعبہ بدگمانی و بدزبانی وغیرہ

حسد، حبِ دنیا و نسیانِ آخرت، دنیا سے محبت اور آخرت کو بھلا دینا کہ یہ اور دوسرا حصہ ہے زیادہ محبت ہونا بیبیوں کو شوہروں سے، اور اُن کا ظہور خود حضور اقدس ﷺ سے زیادہ جو کہ صاحبِ معاملہ ہے دوسری عورتوں میں زیادہ معلوم ہوا چنانچہ ایسے موقع پر جو اقوال ان جہلاء کے سننے میں آئے وہ اس کی تعیین و توضیح کیلئے

خاوند کے دوسری عورت سے نکاح کرنے پر جاہل عورتوں کی مختلف خیالبافیں

(۱) ہائے بادشاہی چھن گئی (۲) ہائے ایسا ظلم (۳) بس جی مولویوں کا کیا اعتبار، شرع بازی (۴) بھلا بدون اجازت حضور اقدس ﷺ کے یہ دوسرا نکاح کب جائز ہوسکتا ہے (۵) اگر عورت بھی دوسرے مرد کو ڈھونڈھ لے تو مرد پر کیسی گذرے (۶) ہائے میں تو پیر کہا کرتی تھی جورو بنا کر بیٹھ گئے (۷) بیٹی کہا تو اسی کی جگہ تھی (۸) اپنے بھائی کا بھانجہ تو بیٹا ہوتا ہے، پھر اس کو بیٹا بنایا بھی تھا، ہائے بیٹے کی بیوی کو لے بیٹھے، یہ غضب (۹) بس جی ایسی عورت کا کیا اعتبار، اس کا تو اگر ناحقی زندہ ہوتا اس کو بھی کر بیٹھتی (۱۰) اور چھوٹی لڑکیوں کو، ہائے استاد ہو کر شاگردنی کو کر بیٹھے (۱۱) اور مریدنی بھی تو تھی، پیر میں اور باپ میں کیا فرق ہوتا ہے (۱۲) ابھی معلوم ہوتا ہے ان میں پہلے سے ساز باز ہوگی (۱۳) بس جی اب تو سب مرید ایسا کریں گے (۱۴) ابھی لڑکی نے بھی ظلم ہی کر دیا، جو کرنا ہی تھا اور دس تھے، بھلا جس کے پاس بچپن میں رہی لکھا پڑھا اسی کی چھاتی پر مونگ دلنا تھا (۱۵) خدا کرے ان کو آرام ہی نصیب نہ ہو (۱۶) ابھی ایسی بے حیا ہے تو شوہر کرے گی مٹر چھوڑ دے گی (۱۷) بس اب بیچاری غریب کا حصہ رزق میں بھی بانٹ لے گی (۱۸) اگر اتفاق سے کوئی حادثہ پیش آگیا مثلاً معاش کی کمی یا بیماری تو یہ تہمت کی جاتی ہے کہ اس کا ایسا نحوس قدم پڑا تھا کہ رزق اڑ گیا، صحت اڑ گئی، و نحو ذلک من الخرافات، اور ایسی ہی بے شمار خرافات ہیں،

بعض ارتکاب مباح پر نکتہ چینی میں بلا سوچے کلمات کفر تک پہنچ جاتی ہیں،

جن میں بعض اقوال تو صاف شریعت کا رد اور کفر کے قریب ہیں، اس تقریر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ بڑی بڑی پکی پڑھی لکھی تعلیم یافتہ لفظوں کی پابند مگر تمام دین ان کا طبع و ظاہری حسب باب ثابت ہوا، دیہ تقریر کہ ہم نے کیا لکھے ہیں ایسے کفر یا گناہ ہو جائے گا، دیہ بھی ثبت کر آخر تتبع ان خرافات کا کیا ہے،

لہ موجودہ دور کے عائلی قوانین میں خلاف شریعت یہ پابندی بھی عائد کر دی گئی ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون،

سے شور و شکر گاہ کا شعر ہی معنا تر اللہ

لڑکی تیرے خیال رحل کا ہے مشہور

شوہر کے نکاح ثانی کر لینے پر عقلاء کے نزدیک اس کی پہلی بیوی کو تلقین صبر کرنا دلیل [illegible]

اپنے نزدیک تو صاحب معاملہ کے ساتھ ہمدردی کی جاتی ہے مگر یہ طریقہ نہیں کہ اس سے تو اور زیادہ غم و اشتعال ہوتا ہے، ایسے وقت میں سخت ضرورت تسلی دینے کی ہوتی ہے، جس کا طریقہ عام عقلاء کے نزدیک تو صبر دلانا ہے، اور جو شبہات آئندہ کے متعلق صاحب معاملہ کو واقع ہوں مثلاً یہ کہ (۱) میرے ساتھ التفات نہ رہے گا، (۲) میرے حقوق ضائع کر دیئے جائیں گے، (۳) جدیدہ کی چغلیوں سے مجھ کو تکلیف دی جائے گی، ان سب شبہات کو خوبصورتی سے رفع کرنا، اور میرے نزدیک ایسے موقع پر تسلی کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو مصیبت ہی تسلیم نہ کیا جائے کہ صبر کی ترغیب دی جائے، اور یہ جو میں نے کہا کہ "ایسے موقع پر تسلی کا طریقہ یہ ہے" مراد ایسے موقع سے وہ موقع ہے جہاں اس کا مصیبت ہونا بھی ثابت کر سکتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت کا طرز عمل

بفضلہ تعالیٰ اس ناکارہ کی حالت یہ رہی ہے کہ میں نے قدیمہ (یعنی پہلی بیوی) کی دلجوئی میں بہ نسبت (پہلے سے بہت زیادتی) کر دی اگرچہ میں نے کوئی گناہ کا یا عیب کا کام نہ کیا تھا، لیکن ان کے بعض زبانی شکایت (شکایت کے دوران غم کا جوش تھا) پہلے ہی ان کے تجاوز عن التہذیب (تہذیب کی حد سے گزر نے) کو غلبۂ حال پر محمول کر کے ان کو معذور قرار دیا، اور اس طرح سکوت و سکوت و ضبط سے کام لیا جیسے کوئی عیب کر کے خجل و شرمندہ ہوتا ہے، اور تمام تر جوش و خروش کا جواب ان الفاظ سے دیا کہ خیر میں نے دل سے سب معاف کیا، اللہ تعالیٰ تمہاری اصلاح فرمائے، میں بوجہ چھ برس و کثرت مشاغل خدمت خلائق ان سے بالکل بے فکر ہو گیا تھا بعض اوقات دن دن بھر گھر جانے کی نوبت نہ آتی تھی حتیٰ کہ نماز پڑھ کر مدرسہ رہتا، بات کی بھی فرصت نہ ملتی تھی، مگر اب ان کی دلجوئی کا خاص اہتمام شروع کر دیا، ذرا ذرا سی بات میں ان کی رعایت ملحوظ رکھنے لگا، چونکہ میرا مزاج فطرۃً تیز ہے اور عورتوں میں کج خلقی ہی لازم ہے کسی میں کم کسی میں زیادہ، اگر جب کبھی ایسا موقع پیش آتا تھا اس میں تحمل (برداشت) نہ کرتا تھا قولاً زبان سے بھی تیز الفاظ کہتا، اور عملاً بھی، بعض اوقات کھانا چھوڑ کر گھر سے مدرسہ میں چلا گیا تھا، ایسا اتفاق بکثرت ہوتا تھا، جب سے یہ واقعہ ہوا اس برتاؤ کا نام و نشان نہیں رہا، اور ادھر سے کتنی ہی بھی ہوتی ہو مجھ سے بہت زیادہ نرمی اور راستی و سیدھا پن برتی گئی، خلاصہ یہ کہ اس قدر نرم برتاؤ اختیار کیا گیا کہ بعض لوگ تو مجھ کو بے غیرت کہنے لگے، بعضے بیوی سے ڈرنے والا کہنے لگے، بعض نے یہ رائے قائم کی کہ یہ نرمی کا سبب ہے دوسری جانب کی دلبری کا، البتہ یہ ضرور ہوا کہ جب کبھی شریعت پر

اعتراض پہنچنے لگا کہ صاحب اعتراض کو اس کا احساس نہیں ہوتا بیہودگی کو زیادہ امتداد ہونے لگا، اول تو نرمی سے فہمائش کر دی، اگر پھر اصرار ہوا تو دوبارہ فہمائش دیکھنے میں قدرے آواز بلند ہو گئی، مگر اس میں بھی الفاظ خشن و درشت اور تیزی سے زبان کو نہایت تکلف کے ساتھ روکا غرض یہ خلاصہ تھا اور ہے میری حالت کا، تو اس میں غور کرکے ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ میرا برتاؤ پہلے سے زیادہ اچھا ہو گیا، پس سبب ان کا رنج و دل تنگی کے، حتماً بدمزگی اور اس دلگیری کا سبب یہی واقعہ جدیدہ، تو اس صورت میں کیا شک رہا کہ اس واقعہ کا قدیمہ کے حق میں نعمت ہونا بھی نہایت آسانی سے ثابت کیا جا سکتا ہے، یہ تقریر تسلی کا ہے تھا، اور اگر یہاں تک رسائی نہ پہنچے تو غیر بصیرت کی تعلیم دی جاتی، اگر دونوں عاقل عورتیں بھی اس طرف توجہ کرتیں تو ان کے رنج و غم کی یہاں تک نوبت نہ پہنچتی، مگر جو آئی ان کے خیالات کی جن میں اکثر خیالات کے بالکل غلط اور بے بنیاد تھے تصدیق ہی کرنی آئی، کسی نے تکذیب نہیں کی، بلکہ اشارات اور تصدیق بھی سر خوشامد میں اور ان مغلوبات کے کہ یوں نہ کہیں کہ فلاں کو میرے ساتھ ہمدردی نہیں، بس اس تصدیق سے اُن کے اوہام اور خیالات اور پک گئے، اور وہ مثال ہو گئی جیسے کسی مبتدی کو اس کے مکتب کے لڑکوں نے باہم متفق ہو کر بیمار کر ڈالا تھا کہ جو آتا ہے خیر ہے؟ چہرہ اترا ہوا کیوں ہے؟ آخر بیچارہ بیمار پڑ گیا:

جو شخص اپنی اصلاح خود نہ چاہے نبی بھی اس کی اصلاح نہیں کر سکتے:

میں نے اس دلجوئی کے علاوہ اصلاح باطن کے طریقوں سے اس قدر کام لیا کہ شاید پچیس برس کی مدت میں کسی کے لئے نہ لیا ہوگا، ان میں بعض طریقے منقول تھے اور بعضے بزرگوں کے کلام سے مستنبط کئے ہوئے اور ایسے لطیف لطیف کہ اگر ان کی کوئی قدر کرتا تو ضبط کر لیتا تو ایک بے نظیر دستور العمل بنتا اور عمل کرنے سے انسان کامل بن جاتا، مگر تجربہ سے معلوم ہوا اور پہلے سے بھی معلوم تھا مگر اب اور زیادہ معلوم ہو گیا کہ جو شخص اپنی اصلاح نہ چاہے اس کی اصلاح کوئی مخلوق نہیں کر سکتا حتی کہ نبی بھی،

اپنے مصلح کے ساتھ اصلاح کے لئے اعتقاد اور انقیاد ہونا ضروری ہے:

دوسرے یہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ اصلاح کے لئے مصلح اور اصلاح کرنے والے پیر و مرشد کے ساتھ اعتقاد اور عظمت دونوں شرط ہے اور شیخ کے ساتھ یہ دونوں امر ضعیف ہیں، بہرحال میں نے تھک کر حق تعالیٰ سے التجا اور دعا شروع کی ہے، اور حضرت زکریا علیہ السلام کے قول کے موافق ۔۔

وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا
(مریم آیت ۴)

"اور اس کے قبل کبھی میں آپ سے مانگنے میں اے میرے رب ناکام نہیں رہا ہوں"

امید قبول رکھتا ہوں اور دعا یا پیچھے کر نسبت سکوت و سکون دونوں کی رفتار ترقی پر ہے، اور جس عرض نیا روز افزا انحطاط ہوا امید قوی روبہ صحت کی ہی ہوتی ہے، یہ تو خلاصہ تھا اُن کے غم اور اس غم میں اُن کے ساتھ میرے معاملہ کا۔

اللہ تعالیٰ معرفت نصیب کرے تو کلفت بھی مسرت ہے

اس سے آنعزیزہ کے اس سوال کا جواب بھی معلوم ہو گیا کہ آپ کو بھی کچھ باعث مسرت نہ ہوا، ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کیا مسرت ہو سکتی ہے، جبکہ اسباب مسرت پر اسباب کلفت غالب ہوں، مگر یہ نفی مسرت کی جو میں نے تسلیم کر لی یہ ظاہری مسرت کے اعتبار سے ہے، ورنہ باطناً تو اگر اللہ تعالیٰ معرفت نصیب کرے یہ کلفت بھی مسرت ہے، کیونکہ مسرت کے جو منافع ہیں اس کلفت میں اس سے کم نہیں بلکہ بہت زیادہ حاصل ہیں، گو اس زیادہ پر نظر کر کے کلفت کی تمنا کرے اور نہ اس کے رفع کی دعا کو ترک کرے حق تعالیٰ سے ہر بار عافیت مانگتا رہے۔ لیکن جب تک عافیت ظاہری نہ ہو اس میں مصلحتیں و حکمتیں سمجھ کر دل سے راضی اور ثواب کا متوقع (امیدوار) رہے، چنانچہ الحمد للہ مجھ کو اس پر عمل ہے، جس سے زخم پر مرہم رکھا جا رہا ہے، ورنہ ع

بدل دے اگر ایں مرہم نہ بودے

اسباب تغیر حالت اور محبت تھی

ہاں میں نے اسباب تغیر میں ایک امر جبلی بتلایا تھا دوسرا امر محبت بی بی کو شوہر کے ساتھ مسرت کے جواب سے اس کو ترتیب میں مقدم لکھنا چاہیے تھا مگر نمبر اول کا ذکر ابھی دور نہیں ہوا گویا دوسرا اس اول کے ساتھ مذکور ہے، اس اول کی حیثیت اس طرح ہے کہ جو بی بی کو شوہر سے مخصوص ہندوستان میں یہاں کی آب و ہوا کی خاصیت سے محبت زیادہ ہوتی ہے، اور خاصہ محبت کا یہ ہے ؎

با سایہ ترا نمی پسندم ٭ عشق است و ہزار بدگمانی

(عشق میں ہزاروں بدگمانیاں ہیں، اسی لئے محبوب کے سایہ کے ساتھ بھی کسی کا ساتھ رہنا عاشق کو پسند نہیں)۔

پس اس سے یہ شرکت کہ اس کے شوہر میں دوسری آکر حصہ دار ہو جائے سخت ناگوار ہوتی ہے، اور گو یہ شرکت دوسری کو بھی کسی قدر ناگوار ضرور ہو لیکن پھر دونوں میں یہ فرق ہے کہ دوسری تو اول ہی سے شرکت کو گوارا کر کے آتی ہے، اور پہلی مدتوں انفراد و اختصاص کی حالت میں رہ چکی ہے، اس کو خلاف

ارادہ وخلاف توقع وخلاف رضا پر شرکت پیش آتی ہے، اس لئے اس کو زیادہ صدمہ ہوتا ہے، اور اس کا خلاف ارادہ وخلاف رضا ہونا تو ظاہر ہے، باقی خلاف توقع اس لئے کہ ہندوستان میں اس کا رواج اتنی کم ہے گویا کہ ہے ہی نہیں۔

رسم کو جذبات میں بڑا دخل ہے

اور رسم کو جذبات میں بہت دخل ہوتا ہے، اور یہاں تک دخل ہوتا ہے کہ جو امر خلاف ارادہ وخلاف رضا بھی نہ ہو مگر خلاف رسم ہونے کے سبب خلاف ارادہ و . . . . رضا ہونے کا بھی اثر نہیں رہتا، چنانچہ بعض جگہ سنا گیا ہے کہ منکوحہ اولیٰ خود ہی دوسری کرا اپنی رغبت کر خوشی سے لائی لیکن پھر آنے کے بعد ناگواری کا اس درجہ تک پہنچ گئی جیسے اس کی لائی ہوئی نہ ہوتی، بہرحال یہ عجمیت بھی اس کا سبب ہے،

امر طبعی میں انسان معذور ہوتا ہے

اور اگر اس درجہ سے کہ عجمیت امر طبعی ہے تو اس کا سبب یعنی ناگواری بھی امر طبعی ہوگا، اور امر طبعی میں انسان معذور ہے، اس لئے منکوحہ اولیٰ نفس ناگواری میں معذور ہے، لیکن اگر عجمیت کے ساتھ علم ہوتا تو یہ ناگواری حد اعتدال سے نہ بڑھنے پاتی، اور بلاشبہ وہ قابل ملامت نہ ہوتی

شہوت وغضب وحسد وکبر کا صدور جہالت کے سبب ہے

لیکن چونکہ عجمیت کے ساتھ مجموعہ سبب کا ایک جزو جہل بھی ہے جو کہ اختیاری ہے، یا بایں معنی کہ اس کا ازالہ اختیاری ہے، اور پھر شرعاً وعقلاً مذموم ہے اس لئے اس مجموعہ سبب پر جو آثار مرتب ہوتے ہیں ان میں جس قدر آثار جہل کے حصے کے ہیں اس میں شرعاً وعقلاً معذوری نہیں ہوگی، اس لئے یہ رائے کہ علی الاطلاق ان امور میں سوتیا ڈاہ (سوتن ہونے کا جذبہ) کے سبب معذور سمجھا جائے محض غلط ہے، ورنہ اس کیفیت مخصوصہ رخصتی کی حالت سے زیادہ اکثر اوقات کیفیات شہوت وغضب وحسد وکبر جن سے صدور معاصی کا ہوتا ہے غالب ہوتی ہیں، تو چاہئے کہ ارتکاب گناہ کوئی چیز ہی نہ ہو اور بطلان (غلط ہونا) اس کا ظاہر ہے، یہ تحقیق تھی ناگواری کے دونوں سببوں کی، اب اسی تقریر سے ان اسباب کے متعلق جو بات قابل تجویز ہے وہ بھی معلوم ہوگئی۔

منکرات اور جذبات کی اصلاح تعلیم دینی اور تربیت روحانی سے ہو سکتی ہے۔

پس امر اوّل کے متعلق تو وہ بات یہ ہے کہ تعلیم و اصلاح نفس کی کمی جب سبب اس پریشانی کا ہے جس کا واسطہ در واسطہ وہ . . . ہوتا ہے تو اس کا تدارک سب عقلاء کو متفق ہو کر کرنا چاہئے، مگر یہ جان لینا چاہئے کہ تعلیم و تہذیب سے مراد تعلیم دینی و تربیت روحانی ہے نہ کہ تعلیم و تہذیب جدید کہ اس کو ملکات وجذبات وعادات وخصائل کی اصلاح میں جس کی ضرورت ہے کوئی دخل نہیں، چنانچہ ظاہر ہے بلکہ وہ تو اس میں بالعکس مضر ہے، چنانچہ تجربہ شاہد ہے اگر عورتوں کو علم دین وصلاح باطنی ہوچکا،

طریقہ شریعت دین و حالات اہل اللہ پر عبور اور رفتہ رفتہ ان کا اقتضاءات لعقل تام عقل رکھنے والوں کے اقوال و افعال پر روک ٹوک کرتے رہنا ہے، تو ان بیہودہ اقوال میں سے ایک قول زبان پر تو کیا قلب میں بھی نہ آنے پاوے، اور یوں حزن طبعی ہونا عجیب نہیں، تو اگر اس میں اعتدال ہو تو موجب اجر ہے، اور صبر کرنے سے بتدریج آہستہ آہستہ خود سکون بھی ہو جاتا ہے:

اور فرقت ثانی کے متعلق یہ بات ہے کہ حالت موجودہ میں بدون اضطرار شدید و بغیر حقیقت ضرورت کے جس کا فیصلہ نفس سے نہ کرنا چاہئے، بلکہ عقل سے کرنا چاہئے، بلکہ عقلاء کے مشورہ سے کرنا چاہئے، بدون اضطرار کے ہرگز نکاح ثانی نہ کرنا چاہئے، خصوصاً پختگی سن کے بعد کہ منکوحہ اولیٰ کو بعد بے فکر ہو بیٹھنے کے فکر میں ڈالنا ہے، اور جہل اس کا لازم حال ہے وہ اپنا رنگ لاوے گا اور اس رنگ کے چھینٹے سے نہ ناکح بچے گا نہ منکوحہ ثانیہ بچے گی، خواہ مخواہ دریائے غم میں بلکہ دریائے خون میں سب غوطے لگائیں گے، خصوصاً جبکہ مرد بھی عالم اور متحمل نہ ہو،

تعدد ازواج والے عموماً ظلم و ستم کے معاصی میں مبتلا ہیں

عالم نہ ہونے سے وہ طرق عدل کو نہ سمجھے گا، اور متحمل نہ ہونے سے ان حدود کی حفاظت نہ کر سکے گا، اس وجہ سے وہ مزید ظلم میں مبتلا ہوگا، چنانچہ عموماً اکثر ازواج متعددہ رکھنے (بیبیوں) والے جور و ظلم (ظلم و ستم) کے معاصی میں مبتلا ہیں، کیونکہ حقوق اس حد تک ایک سے زیادہ ہونے کے اس قدر نازک ہیں کہ ہر ایک کا تو وہاں ذہن بھی نہیں پہنچ سکتا اور نہ ان کی رعایت کا حوصلہ ہو سکتا ہے،

تعدد ازواج کی صورت میں باہم عدل رکھنے کے چند فقہی مسائل

چنانچہ باوجودیکہ شب کو رہنے میں اور ملبوس و ماکول (لباس و کھانے پینے) میں برابر رکھنے کا وجوب (واجب ہونا) سب جانتے ہی ہیں، مگر اس تک کا اہتمام نہیں، باقی ان مسائل کا تو کون خیال کرتا ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر ایک بیبی کے پاس بعد مغرب آجاتا ہے اور دوسری کے پاس بعد عشاء، تو اس نے عدل کے خلاف کیا، اور لکھا ہے کہ ہر ایک کی باری میں دوسری سے صحبت جائز نہیں اگرچہ دن ہی ہو، اور لکھا ہے کہ ہر ایک کی باری میں دوسری کے پاس جانا بھی نہ چاہئے، اور لکھا ہے کہ اگر مرد بیمار ہو گیا اور اس وجہ سے دوسری کے پاس نہیں جا سکتا اس لئے ایک ہی کے پاس رہا تو بعد صحت کے اتنی مدت دوسری کے پاس رہنا چاہئے، اور دینے لینے میں برابری کرنے کی جزئیات بھی اس قدر دقیق (باریک) ہیں کہ ان کی رعایت ہر شخص کا کام نہیں،

تعدد ازدواج میں عدل نہ ہونے کا احتمال قوی اور غالب ہے

مجھ کو اس قدر دشواریاں اس میں پیش آئیں کہ اگر علم دین اور ہمت مجھ کو حق تعالیٰ نہ عطا فرماتے تو ظلم سے بچنا مشکل تھا، سو ظاہر ہے کہ اس قدر علم اور اس قدر اہتمام کا عام ہونا بعید بلکہ ابعد (زیادہ دور) ہے، نیز ہر شخص کو نفس کا مقابلہ کرنا بھی کارے دارد (مشکل کام ہے)، اب تعدد ازدواج بجز اس کے کہ اضاعت حق (حق ضائع) کر کے عاصی و گنہگار ہو کیا نتیجہ ہو سکتا ہے،

اور یہ تو حقوق واجبہ تھے، بعضے حقوق مروت کے ہوتے ہیں گو واجب نہیں ہوتے، مگر ان کی رعایت نہ ہونے سے دل شکنی ہوتی ہے جو کہ حقوق رفاقت کے خلاف ہے، ان کی رعایت اور بھی دقیق اور نازک ( ) ہے، غرض کوئی شخص ہر وقت کے واقعات و معاملات کے جزئیات کو خیال رکھے اور مستحضر کرے، پھر ان واقعات کے احکام علماء سے پوچھے پھر ان پر عمل کرے تو نانی یاد آجائے گی، اور تعدد ازدواج سے توبہ کرے گا، اِلَّا اَنْ یُّضْطَرَّ اِلٰی ذٰلِکَ بِوَجْہٍ مِّنَ الْوُجُوْہِ الْقَوِیَّۃِ (مگر کوئی شخص کسی قوی سبب سے مجبور ہو وہ مستثنیٰ ہے)، اسی لئے حق تعالیٰ نے اجازت تعدد کے بعد اس احتمال کو معترضاً ارشاد فرمایا،

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً،	پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو۔

خود حق تعالیٰ کا اس کو اس طرح فرمانا صریح دلیل ہے کہ یہ احتمال بہت ہی غالب اور قوی ہے، پھر اکتفاء علی الواحدۃ (ایک پر کفایت کرنے) کی نسبت اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا فرمانا یہ اس احتمال کی جانب وجود کو جانب عدم پر صاف ترجیح دے رہا ہے، اس لئے ع

اگر خواہی سلامت بر کنار است

کا اختیار کرنا اسلم ہے، یہ تھا مقصود جس کو میں بعد ذکر اسباب کے ذکر کرنا چاہتا تھا اور جس پر کچھ مزید زور دینا چاہتا ہوں، اور کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ خود کیوں اس مشورہ کے خلاف کیا، بات یہ ہے کہ خلاف کرنے ہی سے یہ مشورہ سمجھ میں آیا، ع

من نکردم شما حذر بکنید

میں نے جو ابتداءً اشارۃً وعدہ کیا تھا کہ میرے فعل کو تم سبب نہ سمجھنا مردوں کی جرأت کا تعدد ازدواج پر، میں اپنے فعل کے نتائج بتلا کر اس فعل کو سبب بنا دوں گا مردوں کے ترک جرأت کا تعدد ازدواج سے، کیونکہ اس فعل سے مجھ کو تجربہ ہو گیا اور تجربہ کار کا قول زیادہ ماننے کے قابل

بس میں اپنے تجربہ کی مدد سے اپنے احباب اور بھائیوں کو اس لحاظ سے مشورہ منع کرتا ہوں اگر میں کثرت میں اس تعدد کو اختیار نہ کرتا تو میرے اس منع کی زیادہ وقعت اس وقت خواہ آپ ترک نہ کرتے تو بعید نہ تھا لیکن اب اس ممانعت کی خاص وقعت اور اس ممانعت پر عمل کرنا چاہیے۔ مگر یہ تو ہے کہ احکام شرعیہ میں تحریف نہ کی جائے۔

بعض نے آیت فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا (اگر تم کو احتمال ہو اس کا کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو) اور وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ (اور تم سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو) میں انضمام کر کے معنوی تحریف کی ہے جس کی تفسیر بیان القرآن میں کر دی گئی ہے[1]:

تعدد ازواج اختیار نہ کرنا ہی اسلم ہے۔

بہرحال حکم شرعی تو یہی ہے کہ تعدد ازدواج میں نکاح تو منعقد ہر حال میں ہو جاتا ہے خواہ عدل ہو یا نہ ہو لیکن عدم عدل و انصاف نہ کرنے کے وقت گناہ ہوگا اس لئے اسلم یہی ہے کہ تعدد اختیار نہ کیا جائے، ایک ہی پر قناعت کی جائے اگرچہ ناپسند ہو۔

فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (النساء، آیت ۱۹)	"اور اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دی ہو۔

إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ استثنیٰ منہ میں قیدیں (اگر اضطراری حالت نے اس سے قبل کے بیان میں مستثنیٰ کر دی)

[1] یہاں اس تفسیر کو نقل کرنا مناسب معلوم ہوا وہ یہ ہے: بعض ہوا پرستوں نے دنیوی غرض سے آیت الیہ کے مضمون میں تحریف کی ہے اور کہا ہے کہ یہ آیت باطل کرتی ہے تعدد ازواج کو اس طرح سے کہ یہاں فرمایا کہ جب عدل نہ ہو سکے تو ایک پر اکتفا کرو اور دوسری آیت میں فرما دیا کہ تم سے کبھی عدل ہی نہ ہو سکے گا۔ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ، دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ جائز نہیں، تعدد باطل، یہ محض مغالطہ ہے کیونکہ دونوں آیتوں میں عدل جدا جدا معنی میں ہے اس آیت میں تو عدل فی الحقوق الواجبہ ہے جس کی تصریح بھی کر دی اور یہ قدرت میں ہے اور اس کے اعتبار سے واحد و کثیر کے اختیار میں تفصیل فرمائی ہے اور اس آیت میں عدل فی المحبت ہے اور وہ عادتاً قدرت میں نہیں اس لئے اس کی نفی فرمائی بس اس عدم کے وجوب سے اس کو اصلاً مس نہیں بلکہ اس آیت میں بعد نفی عدل کے ارشاد ہے فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ جس کا حاصل یہ ہوا کہ ہم جانتے ہیں کہ عدل فی المحبت نہ ہو سکے گا بلکہ قلب تو ایک طرف میلان رہے گا اور اس میلان پر

حضرت حکیم الامت کے نکاح ثانی کے اسباب

آگے آں عزیز لکھتے ہیں کہ بنا نکاح کی بابت معلوم ہوا کہ مشیت پر مبنی تھا اور چند مصلحتیں پیش نظر تھیں ورنہ ضرورت کا سوال نہ تھا۔ عزیز من یہ دونوں بالکل صحیح ہیں لیکن عنوان ان کا مجمل ہے، تفصیل نہ ہونے سے محبین و معتقدین کے پھسلنے کا احتمال ہے، کیونکہ اس کے یہ معنی سمجھے جائیں گے کہ کوئی الہامی حکم ہوا ہوگا۔ اس وجہ سے اسکو اختیار کیا گیا جو غلو فی العقیدہ بھی ناپسندیدہ ہے۔ پھر تلبیس (ملاوٹ) اس میں اور بھی زیادہ مذموم ہے۔ اس لئے میں نے اصلی حالت کو منکشف (ظاہر) کرتا ہوں۔

سب سے اول اس امر کا اقرار کرتا ہوں کہ میرا یہ فعل کسی مصلحت کی نیت سے یا کسی اشارۂ غیبیہ پر عمل کرنے کے قصد سے نہیں ہوا۔ سبب قریب اس کا محض طبیعت کا تقاضا تھا۔ گو اس تقاضے میں کسی امر غیبی کو دخل ہو اور گو پھر اس پر بہت سی مصلحتیں بھی مرتب ہوگئی ہیں۔ بلا تشبیہ (بغیر مشابہت کے) ایسی مثال جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر تشریف لے جانا بقصد عطاء نبوت (نبوت عطاء ہونے کا ارادہ) نہ تھا، آگ کی ضرورت پر طبعی تقاضا تھا، مگر وہاں جانے پر خاص عطاء مرتب ہوگئی۔

قصہ اس کا یہ ہوا کہ میں نے مدت ہوئی ایک خواب دیکھا تھا کہ مجھ سے نکاح کے لئے کہا جا رہا ہے میں بطور تردد کے یہ کہہ رہا ہوں کہ میرے گھر میں کا کیا حال ہوگا؟ تو اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ وہ قرآن شریف پڑھا کریں گی۔ میں بیدار ہوا تو قرآن شریف پڑھنے کے معنی تو یہ سمجھا کہ یہ مشاغل دینیہ میں مشغول ہو کر اس غم کو بھول جائیں گی (چنانچہ اس کا سامان بھی ہو رہا معلوم ہوتا ہے)۔ لیکن خواب کو کچھ زیادہ باوقعت نہیں سمجھا، بلکہ اس کے اتباع کا خیال تو کیا کرتا۔ اس کی کوشش کی کہ ایسا موقع نہ ہو، چنانچہ اپنے بھلتیجے سے پہلا نکاح کر دیا گیا اور طبیعت خالی ہوگئی۔ خدا کی قدرت وہ بیوہ ہوگئی، تو اس کی کوشش کی کہ اس کا کہیں نکاح کر دیا جائے، چنانچہ متعدد مواقع پر اس کی تدبیر و تحریک کی گئی، لیکن کہیں سامان نہ ہوا۔ پھر میں نے بڑی تدبیروں سے اس کو اپنے سے پردہ کرا دیا۔ اپنے مکان سے بہ تدبیر لطیف (نرم تدبیر) سے اس کی آمد و رفت، بود و باش اس قدر کم کرا دی کہ قریب منقطع کے کر دی، تاکہ وہ احتمال بالکلیہ مدفوع و مسدود (ختم اور بند) ہو جائے۔ نیز میں اس امر کو خود اپنی مصلحت کے خلاف بھی سمجھتا تھا کہ میرا زمانہ ان باتوں کا نہیں رہا، آزادی کے بعد پابندی سخت امر ہے۔ اور منکوحۂ اولیٰ کی مصلحت کے خلاف بھی سمجھتا تھا کہ ان کی سخت دل شکنی و دل آزاری بھی ہوگی۔ اور اس منکوحۂ ثانیہ کی مصلحت کے

خلاف بھی سمجھتا تھا کہ اس کی عمر کو ضائع کرنا ہے۔ اسی طرح ایک زمانہ گزر گیا۔ اس اثنا میں ایک ذاکر مرتاض و مکشوف کو کشف ہوا کہ حضرت کو حضرت عائشہؓ آئے دن ہیں۔ انھوں نے مجھ سے کہا میرا ذہن تمہاری طرف منتقل ہوا۔ اس مناسبت سے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا، حضورؐ کا سن شریف بچاس سے زیادہ تھا اور حضرت عائشہؓ بہت کم عمر تھیں، وہی قصہ یہاں ہے مگر میں نے اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی۔ پھر میرے ایک دوست نے ایک بہت بڑے شیخ کامل کو جو اس وقت افادۂ خلائق (مخلوق کو فائدہ پہنچانے) میں مشغول ہیں، خواب میں دیکھا کہ وہ میری آمدنی کی تقسیم کا ایک خاص طریقہ بتلا رہے ہیں کہ جس طرح کا کہ میرے ذہن میں بطور احتمال خطور کیا کرتا تھا کہ اگر ایسا امر ہوا تو آمدنی کو اس طرح تقسیم کیا کروں گا، اور میں نے اس کا کسی سے ذکر بھی نہیں کیا تھا، تو خواب میں وہی طریقہ یا اس کے قریب قریب مدت گزرنے سے اسی طرح بتایا۔ وہ بزرگ بتلا رہے ہیں۔ ان دوست نے جو عالم ہیں مجھ سے ذکر کیا۔ میں اس سے بھی وہی واقعہ سمجھا مگر باوجود ان سب منامات و مکاشفات صالحہ (نیک لوگوں کے خواب اور کشف) کے میں نے اس قصہ کو اپنے دل میں زیادہ جگہ نہیں دی، اور اس کی مزاحمت (روک تھام) کی کوشش کی، یہاں تک کہ اس معاملہ [illegible] کے نصف کے بعد پھر میں نے خواب دیکھا کہ خواب اول سے زیادہ موثر اور واضح عنوان سے مجھ کو اس طرف متوجہ کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مشکوک اوّلی سے دُور لگتی ہے۔

اس خواب کے بعد طبیعت میں وہی تقاضا جو دبا دیا گیا تھا بار دیگر پہلے سے بہت زیادہ قوت کے ساتھ پیدا ہوا، اور وہ اپنی قوت سے ایسا غالب آیا کہ میں اس کی مخالفت نہ کر سکا، اور سب مصالح و موانع (مصلحتیں اور رکاوٹیں) مغلوب ہو گئے، یہاں تک کہ میں نے ایک عزیز کو اس پیام لے جانے کے واسطے تجویز کیا، اور ان سے ذکر کیا۔ انھوں نے ایک بڑے شیخ کا جو کہ ظاہری و باطنی افادہ میں بفضلہ تعالیٰ مشغول ہیں نام لیا کہ انھوں نے مجھ سے تصریحاً فرمایا تھا کہ ایسا ہو جانا بہتر ہے مگر لحاظ اس کے اظہار سے مانع رہا تھا، اس کو ظاہر کر دیا، چونکہ اہل اللہ کے قلب میں بوجہ نورانی ہونے کے اکثر امر صواب وارد ہوتا ہے، اس سے کسی قدر اپنے خوابوں کا اور دوسرے صلحاء کے مکاشفات وغیرہ کا محض اضغاث احلام (پراگندہ خواب) نہ ہونا راجح ہونے لگا۔ آخر اس عزیز کا پیام لے کر روانہ کر دینا طے کر لیا گیا۔ ہنوز (ابھی) وہ روانہ ہوئے تھے، میں ایک بار خلوت میں بیٹھا تھا دفعتاً (اچانک) خیال آیا کہ ظاہر میں یہ معاملہ بے ربط سا معلوم ہوتا ہے، معلوم نہیں

اس قدر غلبہ تھا اس کا تقاضا یوں ہی دفعۃً ہی قلب میں بیساختہ یہ واقع ہوا کہ جیسے درجات موقت میں مقبول جاہ و ہونا کی پرچشت سے تو اب تک محروم ہے کیونکہ تیرا جاہ ہر پہلے سے انتہا کو پہنچ گیا ہے پس اس واقعہ میں حکمت یہ ہے کہ تو زندہ بھی ہوگا اور حق تعالیٰ وہ درجات عطا فرما دیں گے پس یہی وہ مشیتِ خاص جس پر یہ قصہ بھی تھا اور یہ تھیں وہ خاص مصلحتیں جو اس ..... قصہ پر مرتب تھیں۔

خلاصہ یہ کہ میری تحریک تو طبیعت کے تقاضے سے تھی باقی یہ تقاضا خود ان واقعات ہی سے ہوا اور پھر اس میں حکمتیں بھی ہوئیں، غرض وہ پیام منکوحہ کے اولیاء کے والدین کے پاس گیا اس کے والد نے سنتے ہی اپنے خواب اس کے متعلق بیان کرنے شروع کر دیے، اور بعد نکاح مجھ کو معلوم ہوا کہ پیام سے ایک روز قبل خود اس نے بھی خواب دیکھا تھا اور وہ پیام باوجود مخالفت ... کے نہایت خلوص اور رضامندی سے منظور کر لیا گیا، اتفاق سے منکوحہ کے باپ یہاں آئے تھے ان سے درخواست کی گئی کہ مجھ کو رمضان میں سفر سے بچا لیا جائے، انھوں نے بوجہ اس کے کہ اس عزیز پیام رساں کی معیت میں تحتیا وزری حاصل کر لیا تھا نکاح پڑھوا دیا یہ خبر گھر پہنچی تو ہوا جو کچھ ہوا جس کا اثر قلب پر اتنا زیادہ تھا کہ اس وقت مجھ کو موت محبوب معلوم ہوتی تھی، ادھر گھر میں کا صدمہ نہ دیکھا جاتا تھا ادھر کچھ علاج نہ تھا گھر میں کے ساتھ سختی کرنا اس لیے گوارا نہ تھا کہ ضبط سے اندیشہ امراض عصبیہ روح فرسا بیماریوں کا تھا اور نرمی سے شکایت کا ... تہذیب سے گزر جاتا تھا، ان اسباب سے مدت تک معلوم ہوتی اس وقت دین کی قدر معلوم ہوتی ہے۔

دل کو سنبھالنے والی چیز سوائے دین کے کچھ نہیں

بجز دین کے کوئی چیز اس وقت دل کو سنبھالنے والی نہ تھی، اور منجملہ ان مصالح کے جو اس واقعہ میں مضمر و پوشیدہ تھیں اور بعد میں ظاہر ہوئیں، وہ یہ کہ اس اثر کا مشاہدہ تھا جو پہلے سے علم الیقین کے درجہ میں تو تھا مگر اب عین الیقین ہو گیا۔

حضرت حکیم الامت کو نکاح ثانی سے عورت کی محبوبیت نصیب ہونا

ایک مصلحت یہ بھی ظاہر ہوئی کہ اس کے قبل عورت کی محبوبیت کی دولت مجھ کو نصیب تھی عقلاً محبوب تھی مگر طبعاً محبوب نہ تھی، بلکہ ایک گونہ رائیگاں احیانات سے دل چسپی تھی الحمد للہ کہ اس واقعہ سے یہ دولت بھی نصیب ہوئی، اور گو ابتداء اس کی دل تنگی کے سبب ہوئی مگر الحمد للہ کہ پھر باوجود رفع سبب رنج و عدم وجہ تنگ ہو جانے کے بھی وہ محبت باقی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو باقی رکھے۔

نکاح ثانی سے حضرت حکیم الامت کو آخرت کی رغبت بڑھ جانا

ایک مصلحت یہ ظاہر ہوئی کہ مجھ کو ثواب آخرت سے طبعاً رغبت کم تھی، اعتقاداً اور ارادۃً اس کو جنت سے بھی افضل سمجھتا تھا، مگر اس کے بڑھنے میں

ثواب کا تصور کم ہوتا تھا صرف رضائے حق وطلب نجات مرکز خیال تھا اور اب معلوم ہوا کہ یہ ایک قسم کی کمی تو ضرور تھی استحضار ثواب کی، الحمدللہ کہ اس کوتاہی کا بھی تدارک ہو گیا، اور تنگی کے پیش آنے کے وقت شرعی احکام کے ضروری ہونے کے خیال نے طبیعت میں قوت بخشی، استحضار ثواب نے پورا کام دیا۔۔۔ والحمدللہ علی ہذہ النعمۃ۔

نکاح ثانی سے حضرت حکیم الامتؒ کو صبر اور رضا بالقضاء، تفویض الی اللہ کی حقیقت کا مشاہدہ کرنا

ایک مصلحت یہ ظاہر ہوئی کہ مجھ کو اس وقت تک صبر اور رضا بالقضاء، وتفویض الی اللہ (صبر اور اللہ کی رضا پر راضی رہنے اور اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دینے) کی حقیقت کا مشاہدہ نہ ہوا تھا، الحمدللہ ان مجبوریوں کا عیاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

نکاح ثانی سے حلم و تحمل کی دولت نصیب ہونا

ایک مصلحت یہ ظاہر ہوئی کہ حلم و تحمل کا جوہر فطری نہ تھا، خدا تعالیٰ کا احسان ہے یہ کام بھی مجھ سے بوجہ احسن (اچھے طریقے سے) لیا گیا جس آئندہ بھی کام لے سکنے کی امید توکلاً علی اللہ رکھتا ہوں۔

نکاح ثانی سے رسم جاہلیت کا ابطال ہونا

ایک مصلحت یہ بھی ہوئی کہ رسم جاہلیت کا ابطال ہو گیا۔

نکاح ثانی سے تعدد ازواج کی حکمتوں کا انکشاف

اسی ضمن میں خود تعدد ازواج کی بعض حکمتیں بھی ظاہر ہوئیں، مثلاً صفت عدل کا استعمال بطرز عجیب، تفصیل اس کی یہ ہے کہ کوئی کسی پر حاکم ہی نہ ہو یا حکومت سے استعفاء دیدے، اس کو اس صفت کے استعمال کی ضرورت ہی نہیں پڑتی، دوسرے یہ کہ حاکم ایسے لوگوں پر ہو جن کے ساتھ استعمال عدل میں سیاست وضابطہ کا برتاؤ کر سکے، یہ بھی آسان ہے، اس لئے کہ اس شخص کو صرف ایک حکومت کا حق ادا کرنا پڑتا ہو جس میں کوئی امر مزاحم زور رکھنے والا نہیں۔

دو بیبیوں کے درمیان عدل کرنا سلطنت میں عدل کرنے سے مشکل ہے۔

بخلاف صاحب ازواج متعددہ کے، کہ اس کے ماتحت ایسے دو محکوم ہیں جو اس کے محبوب بھی ہیں، اور اس محبوبیت کے سبب ایک درجہ میں معنیً اس پر حاکم بھی ہیں، پھر محکوم بھی کیسے جن میں انصاف و عدل کرنا صرف سیاست کے ساتھ خاص نہیں جبکہ ان دونوں میں باہم تنازع ہو بلکہ اگر وہ خود بھی نہ جھگڑیں تب بھی اس حاکم پر ہر وقت کے برتاؤ میں ان میں برابری رکھنا واجب ہے، پھر جب جھگڑا اٹھے اس وقت یہ کشاکش ہوگی کہ ان کی محکومیت کے حق ادا کرتا ہے تو محبوبیت کے حقوق فوت ہوتے ہیں

ان دونوں کا جمع کرنا جمع بین الاضداد (مخالف چیزوں کے جمع ہونے) سے کم نہیں۔ اور رعایت کی عقل اور دین کی اس میں ضرورت ہے کوئی کرکے دیکھے تو معلوم ہو اور اگر حکومت سے یکسوئی رکھنا ہونا چاہے تو وہ اس لئے مشکل ہے کہ حقیقت اس کی زوجیت کو قطع کرتا ہے، سوائے اس کے زوجیت کا پہلو بھی محتاج ہے دوسرے مجھ بہت سے استغفار جیسے شریعت اس کو مبغوض بتلا رہی ہے۔ پھر اہل جمال کا کوئی وقت نہیں، ہر وقت اس کے لئے آمادہ رہنا چاہئے، پھر استغفار و دعوی کرنے کا انتظار نہیں ورنہ خود دست اندازی لازم، تو جو شخص اس نازک موقع پر عقل کو استعمال میں لے آیا وہ اعلیٰ درجہ کا عادل ہوگا، اور دوسری جگہ اس صفت سے کام لینا اس کو بالکل باقی ہو جائے گا، اور مثلاً اس کی قدر بڑھ جاتا کہ جس طرح جانتا ہے اس طرح مجھ سے اس کو زیادہ التفات ہو اس کی بہت قدر کی جاتی ہے خاص طور سے خدمت کی جاتی ہے بشرطیکہ دونوں زوجہ (بیویوں) میں بڑی سلطنت شہر دورہ مجاہدۂ عظیم (بہت بڑا مجاہدہ) ہے۔ کہ یہ بھی ایک مصلحت عظیم ہو تعدد کی مثلاً صحت کا اچھا ہونا کیونکہ ہر روز میں ایک جدید جیسا اس کو میسر ہے، اور صحت کے لئے نشاط اور نشاط کے لئے درستی صحت عادۃً لازم ہے۔

تعدد ازدواج کی ایک مصلحت زیادت تعفف ہے | اور ایک مصلحت تعدد میں زیادت تعفف (پاکدامنی) ہے۔ دیگر مصالح متعددہ (بہت ساری مصلحتیں) اس تعدد میں ظاہر ہوئیں مگر یہ مصالح ان خطرات و خطرات (وساوس و شبہات) مذکورہ سابقہ کے ساتھ ایسے ہیں جیسے جنت کے رستہ میں پل صراط کہ بال سے باریک تلوار سے تیز اس پر سے گزرنا سہل کام نہیں الا من یسرہ اللہ تعالیٰ، اور جو طے نہ کرسکا وہ سیدھا جہنم میں پہنچا۔ اس لئے پل پر قدم رکھنے کا ارادہ نہ کرے بقول سعدیؒ ؎

بدریا در منافع بے شمار است ∴ وگر خواہی سلامت بر کنار است

(دریا کے منافع بے شمار ہیں مگر سلامتی اسی میں ہے کہ کنارے پر ہی رہو!!)

ان خطرات و مہالک کو عبور کرنے کے لئے جن اسباب کی ضرورت ہے وہ ارزاں نہیں ہیں دین کامل، عقل کامل، نور باطن، ریاضت سے نفس کی اصلاح کرکے کمال رشد زائل، چونکہ یہ مجموعہ نادر ہے، اس لئے تعدد ازدواج میں پڑنا یا اپنی دنیا برباد و تلخ کرنا ہے، اور یا آخرت و دین کو تباہ کرنا

ہرگز گندم مگوں لا تقربا گر زہر است ∴ حال پدر بہ دو رازم آگاہ کتاب دارم

(حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ملا تھا کہ گندم کے قریب نہ جانا کیونکہ یہ زہر ہے میں اپنے باپ (حضرت آدم علیہ السلام) کا حال اور حکم خوب دیکھتا ہوں!!)

سقوط جاہ اور بدنامی میں بہت سے درجات مرتب ہیں۔

خلاصہ یہ کہ کچھ مصلحتیں خاص اس نکاح میں ظاہر ہوئیں جو پہلے سے قلب میں واقع ہوئی تھیں جن کو مختصراً میں نے اوپر ذکر کیا۔ یہ کہ بہت سے درجات مرتب ہیں سقوط جاہ پر اس کو تو تکلف سے لکھتا ہوں، اور کچھ مصلحتیں مطلق تعدد ازدواج میں ظاہر ہوئیں، ان مصالح میں سے مصلحت سقوط جاہ کی بہت کچھ مذکور ہوئی، اب اس کو کسی قدر تفصیل کرتا ہوں کیونکہ اعظم مصالح اس واقعہ میں یہی ہے۔

سو بیان اس کا یہ ہے کہ وہ قصہ بدنامی اور ملامت واقعہ میں اس قدر ہوئی کہ شاید تمام عمر بھی اگر میں خدانخواستہ واقعی عیب کرتا تب بھی اس قدر نہ ہوتی، اس واقعہ کے تین مواقع تھے، ہر موقع پر میری قسمت میں یہ ذلت لکھی تھی، چنانچہ اول موقع نکاح کا تھا اس میں جو کچھ ہوا اس کا مختصر بیان بعض اقوال جہلاء کے اوپر کر چکا ہوں، دوسرا موقع یہ ہوا کہ جب گھر کے لوگوں نے پریشانی دیکھی اور اندیشہ ہوا کہیں زیادہ نوبت نہ پہنچے اور اپنے قلب کو تحمل سے عاجز پایا، آخر تنگ آکر ایک مختصر مجمع احباب عقلاء سے مشورہ کرکے اس عزیزہ کو قطع تعلق و اجازت صریح یا ایک طلاق دینے کا یا قطع تعلق کرنے کا مضمون اسی عزیز کے ہاتھ جو نکاح کا پیام لے کر آئے تھے بھیج دیا۔ اس فعل سے گھر میں مجھ کو رنج بھی ہوا مگر میں نے یہ سمجھا کہ بدوں اس کے اس مصیبت کا کوئی علاج نہیں۔

ادھر میں بزرگوں سے مشورہ کر چکا تھا عورت کی رائے کو میں نے مقدم سمجھ کر بھی عمل نہ کیا۔

اس تحریر و پیام کا جو اثر دوسری طرف ہوا اس کو بیان کر دوں ایک صدمہ پہنچا، مگر بجز برداشت کرنے کے اس کا کوئی علاج میرے ہاتھ میں نہ تھا۔ اب یہ دوسرا موقع ہوا بدنامی و ملامت کا۔ کسی نے کہا خواہ مخواہ دل شکنی کی، کسی نے کہا بیوی سے اتنا دبنا نہ چاہئے، کسی نے کہا یہ جو کیا تھا، اول موقع پر عوام نے زیادہ بدنام کیا تھا اس دوسرے موقع پر اہل فہم و سمجھدار لوگوں نے زیادہ بدنام کیا۔

اب تیسرا موقع سب سے زیادہ عجیب ہوا کہ جب وہ عزیز پیام پہنچا کر واپس آگئے تو اب منکوحہ اور ان کے متعلقین پر یہ خیال غالب ہوا کہ افسوس میرے سبب انہوں نے اپنے ایک رغبت کے معاملہ کو قطع کیا اب ان کو عمر بھر قلق و رنج رہے گا، اور مجھ کو سخت شرمندگی رہے گی اور لوگ بھی یہی سمجھیں گے کہ اس کے سبب ایسا ہوا، غرض ان خیالات نے اس قدر غلبہ کیا کہ اصل واقعہ سے زیادہ صدمہ کے آثار ظاہر ہونے لگے، اور رائے دی کہ اب میں خود چاہتی ہوں کہ تجدید نکاح کی تجویز تم نے کی ہے مرے سے نکاح کرنے میں کوشش کر دوں۔ میں نے انجام سوچ کر ہر چند منع کیا، اپنے ایک مخلص دوست صالح عالم

بطور وعظ کے بنا آنے بھی کرائی۔ مگر ان کا یہ خیال قوی ہو گیا حتیٰ کہ خود وہاں جا کر سب کو راضی رضا کر کے مجھ کو یہاں سے بلا کر تجدید کرا دی۔ اس تجدید میں تو کئی قوی رکاوٹیں پیش آئیں کہ جن میں بعض کا پہلو باندھ لینے کی تجویز بھی تھا جس کو میں برداشت کرنا پسند نہ کرتا تھا اور بدون اس کے ظاہرا تجدید دشوار تھی۔ اس وقت بے ساختہ میرے قلب میں آیا کہ اب تک تو منا! صوفیہ کی خفقات زوائد انکشوفا آخر یہ دلیل دیا کرتے تھے کہ یہ من الغیب (یعنی غیب سے) ہے۔ مگر میرے قلب میں ان چیزوں کا زیادہ اثر نہ تھا اب میں اس کے من الغیب ہونے نہ ہونے پر اسی سے استدلال کرتا ہوں کہ میں کسی شرط نا مذکور قبول نہ کروں گا اگر پھر بھی اس کا وقوع ہو گیا تو میں من الغیب سمجھوں گا ورنہ اس سے بچا رہوں گا۔ چنانچہ باوجود اس کے حق تعالیٰ نے سب کے قلوب کو دفعۃً ایسا پھیر دیا کہ سب مخرضین محذورات ختم ہو گئیں اور تجدید ہو گئی۔ مزاحمات کا اس طرح بلا کوشش دفع ہو جانا میرے نزدیک ایک باوقعت دلیل ہے۔ اور اس سے بڑھ کر دلیل خود مزاحم کا کوشش کرنا یعنی منکوحۂ اولیٰ کا اس طرح سعی کرنا ہے۔ اب اس سے ان مقالات و مکاشفات کا صدق راجح ہوتا ہے:

یہ تیسرا موقع تھا اس میں بھی بے حد ملامت کی گئی۔ کسی نے کہا طلاق کے بعد بلا حلالہ تجدید کہاں جائز ہے۔ کسی نے کہا واحد صریحہ (ایک صریح طلاق) میں تجدید کی کون حاجت تھی۔ کسی نے کہا یہ سب مولویوں کے قبضہ میں ہیں۔ جس چیز کو وہ چاہا اس کو درست کر لیا۔ کبھی نکاح کو کبھی طلاق کو وغیر ذلک من الجہالات۔

غرض تینوں موقعوں پر مختلف عنوانات سے طرافت و مزاح میں آپ کے گلے کا ساغل تھا۔ جس کو دیکھئے یہی قصہ بھی چرچا۔ کانوں پر یہی تذکرہ۔ نفسِ لگا ہوں رہتے تھے۔ یہی مشغلہ کوئی میرے احباب کو چھیڑتا ہے کوئی احباب ہونے کے دعوے کے بعد شبہات و اعتراض کر کے اپنے دوست ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔

نکاح ثانی میں حضرت حکیم الامت کی بفضلہ تعالیٰ منجانب اللہ موافقت سنت کی بہت سی باتیں ہوئیں

ان کے مقابل اللہ تعالیٰ نے ایک جماعت اہل فہم کی بھی قائم کر دی۔ جو ان سب واقعات کو سنت کے موافق سمجھ رہے تھے اور اس کی بہت زیادہ برکت جانتی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلا واقعہ خواب کا تھا۔ اس میں سنت کی موافقت یہ ہوئی کہ اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صورت ایک حریر کے ٹکڑے پر دکھلائی گئی کہ یہ آپ کی زوجہ ہیں۔ دوسرا واقعہ بھانجے کی بیوی سے نکاح کرنے کا تھا۔ اس میں سنت کی موافقت یہ تھی کہ اسی طرح

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے جو آپ کے متبنیٰ (منہ بولے بیٹے) کی بیوی تھیں ان کے طلاق دینے کے بعد نکاح فرمایا۔ تیسرا واقعہ وہ تھا جو جہلاء کے اقوال میں یہ قول نقل کیا گیا کہ ابھی معلوم ہوتا ہے ان میں پہلے سے ساز باز ہوگا اسی طرح نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا کہ آپ تو پہ توبہ حضرت زینبؓ پر عاشق ہو گئے تھے، استغفر اللہ۔

چوتھا واقعہ تفاوت عمر میں نکاح تھا اس میں موافقت سنت کی یہ ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر میں اس سے زیادہ تفاوت تھا، پانچواں واقعہ منکوحہ اولیٰ کی دل جوئی کیلئے ثانیہ کو جواب دینے کا تھا، اس میں سنت کی دو موافقتیں ہوئیں ایک وجہ اس آیت میں مذکور ہے ۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ

(التحریم آیت ۱)

”یعنی اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ (قسم کھا کر) اس کو اپنے اوپر کیوں حرام فرماتے ہیں (پھر وہ بھی) اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے“ دوسری وجہ اس آیت کا شان نزول ہے ۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ (الطلاق آیت ۱)

”یعنی اے پیغمبر! آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ جب تم لوگ (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے لگو“

یعنی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو آپ نے ایک طلاق دیدی تھی پھر بحکم الہٰی آپ نے رجعت فرمائی، کذا فی الدر المنثور عن ابی حاتم وابن المنذر۔

چھٹا واقعہ تجدید نکاح کا تھا، اس میں سنت کی موافقت ابھی مذکور ہوئی کہ حضرت حفصہؓ سے بعد طلاق کے رجعت فرمائی تھی،

ساتواں واقعہ مہر کے خفیف (کم) ہونے کا تھا، اس میں موافقت سنت قولاً و عملاً ظاہر ہے غرض اہل علم کو خدا تعالیٰ نے اس طرح سمجھا دیا، میں یہ جھوٹا دعویٰ نہیں کرتا کہ میں نے یہ سب کام اتباع سنت کی نیت سے کئے ہیں، بلکہ یہ بھی خدا تعالیٰ کا ایک فضل ہے کہ اضطراراً سنت کی موافقت ہو جائے جس سے زیادہ برکت کی امید ہوتی ہے، چنانچہ امید برکت کی مزید تائید دو واقعوں سے اور ہوتی ہیں، ایک یہ کہ اس واقعہ کی خبر شیخ کامل نے جس کا میں نے اوپر اس عنوان

ذکر کیا ہے کہ اس وقت افادۂ خلائق میں مشغول ہیں، مجھ کو خط لکھا اس میں یہ بھی تھا کہ حق تعالیٰ اس عقد کو موجب ترقی درجات سامیہ (بلند درجات کی ترقی کا سبب) فرماتے۔

دوسرا یہ کہ ایک دوسرے شیخ کامل نے جن کا میں نے اوپر اس عنوان سے ذکر کیا ہے کہ ظاہری و باطنی افادہ میں بفضلہ تعالیٰ مشغول ہیں میری اس درخواست کے جواب میں کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اس میں برکت فرمادیں، یہ فرمایا کہ ہم کو تو برکات کی توقع ہے۔

بس یہ خلاصہ ہے مضمون مشیت اور مصلحتوں کا جس کا بیان بکار معلوم ہوتا آنعزیز نے لکھا کہ

حضرت حکیم الامتؒ نے نکاح ثانی اولاد ہونے کے خیال سے نہیں کیا

اس سے آنعزیز کے اس سوال کا جواب بھی نکل آیا کہ اس زمانہ میں جب تمام اعزہ اس کی تمنا تھی کہ اولاد ہو اور اس کے سبب زور دیا کہ نکاح ثانی ہو جائے تو آپ نے نہ مانا جب اس کی عمر تھی، اور طبعاً اولاد کی خواہش ہوگی لیکن وہ زمانہ گذر گیا تو اب کیا وقت تھا۔ تقریر جواب کی ظاہر ہے کہ اس وقت بھی میں نے اولاد کے خیال سے نہیں کیا اور نہ اقتضائے عمر (عمر کے تقاضا سے) کیا۔ اسباب مذکورۂ بالا سے طبیعت میں ایک قوی تقاضا پیدا ہوا جس میں بلا قصد (بغیر ارادہ کے) بہت سے دقیق مصالح بھی پیدا ہوگئے، اور عجب نہیں کوئی اولاد بھی ہو جائے، چنانچہ میں نے اس تقاضا کے قلب میں آنے کے وقت دعائے استخارہ کے ساتھ دینی کتابوں سے تفاؤل رنگ فال کا حصول بھی کیا، گو میں تفاؤل کو مؤثر نہیں سمجھتا، اور نہ ایسا سمجھنا جائز ہے، مگر محض تقریب رجاء (تقویت امید) کے لئے تفاؤل چند بار کیا اس آیت کا مضمون ہر بار میں نکلا۔

رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ (الانبیاء: آیت ۸۹)

اے میرے رب مجھ کو لاوارث مت رکھیو یعنی مجھ کو فرزند دیجئے اور

میرا وارث ہو اور سب وارثوں سے بہتر آپ ہی ہیں۔

واللہ اعلم، اتفاقی بات ہے، یا اشارہ ہے عطاء اولاد کی طرف، چنانچہ اس کے بعد کی تحریر میں آنعزیز کو اس بات کا احساس ہو گیا چنانچہ لکھا ہے، لیکن ان شرعی مصلحتوں اور حکم خداوندی کی بجا آوری کو دنیاوی امور پر ترجیح دینا بڑا کام ہے جو دنیاداروں سے اور خاص کر مستورات سے ممکن نہیں، چنانچہ اس میں احساس جواب کے ساتھ دنیاداروں اور مستورات کی ایک درجہ میں معذوری بھی بیان کی ہے، اس کی نسبت یہ ہے کہ ہر حال میں ترجیح دینے کا کسی کو مکلف بھی نہیں بنایا، یہ تو ایک موہبت الٰہیہ (اللہ تعالیٰ کی عطا) ہے جس کو عطا ہو۔

حدودِ شرعیہ میں قولاً و فعلاً تجاوز نہ کرنے کا سبب کو حکم ہے

لیکن اس تقریر کا سبب کو مکلف بنایا ہے کہ حدودِ شرعیہ سے قولاً و فعلاً تجاوز نہ کریں، اور تجربہ سے ثابت ہے کہ اس تحفظِ حدود میں حق تعالیٰ نے یہ اثر دیا ہے کہ حزن و تشویشِ طبعی و طبعی فکر و غم بھی اس قدر ضعیف ہو جاتا ہے کہ بالکل کالعدم ورنہ وہ کیفیت برابر ہی تانا بڑھتا چلا جاتا ہے، جہلاء اس نکتہ کو نہیں سمجھتے اور تجاوز عن الحدود شرعی سے بڑھنے کو اپنے مرض کا علاج سمجھتے ہیں، جو ان اشعار کا مصداق ہوتا ہے ؎

ہر چہ کردند از علاج و از دوا ٭ رنج افزوں گشت و حاجت ناروا
بے خبر بودند از حالِ دروں ٭ استعیذ اللہ مما یفترون
گفت ہر دارو کہ ایشاں کردہ اند ٭ آں عمارت نیست ویراں کردہ اند

(یعنی ہر قسم کی دوا اور علاج کیا مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، وہ باطنی حال سے غافل ہیں، اللہ کی پناہ جو وہ جھوٹ بولتے ہیں، کہا کہ انھوں نے ہر قسم کی دوا دارو کی ہے مگر اس بیماری کو ختم نہیں کیا، (ان طبیبوں کے نزدیک یہ مرض لاعلاج نہیں ہے)۔

حضرت حکیم الامتؒ کا نکاح ثانی سے اہلیہ کو مطلع نہ کرنے کا سبب

آگے آنعزیز نے لکھا ہے " تاہم جس قدر حالات زنامہ عزیزہ کی تحریر سے معلوم ہوتے، میری ناقص رائے میں اتنی کسر رہی بارہ گئی کہ ان امور کو اول اگر بھائی صاحب کے سامنے پیش کر دیا جاتا تو شاید اُن کو اتنا خیال نہ ہوتا، اب جو ہونے والا تھا ہو گیا " آپ کا اگر یہ مطلب ہے کہ ان واقعات کی جو کہ بنائے نکاح ہیں اُن کو خبر دی جاتی، سو یہ تو میں چند موقعوں پر کرتا رہا جس کا اُن پر ہمیشہ بُرا اثر ہوا، بلکہ میں نے ان سے اپنا ہی خواب کہہ دیا تھا، ایک بزرگ کا مکاشفہ متعلق مضمون حضرت عائشہؓ جو وہ بھی کہہ دیا تھا، باوجودیکہ انھوں نے تعبیر میں میرے ساتھ اختلاف کیا، مگر پھر بھی اُن پر کئی کئی دن تک اثر رہا جس کو دیکھ کر میں نے یہی بات دل کی کہہ دی کہ میرا اس وقت تو بالکل نکاح کا بھی ارادہ نہیں، یہاں تک کہ میں نے کہا لاؤ میں عمر بھر کے لئے ایسی قسم کھالوں کہ نکاح ہی نہ ہو سکے، لیکن مجھ کو تقدیر کی خبر نہیں، نہ میرے قبضہ میں ہے، کہ حق تعالیٰ نے اگر دل کو بدلنا ہے تو بدلنے دوں، انھوں نے ایسی قسم کھانے سے اسی بناء پر ہمیشہ منع کیا، کہ خدا جانے تقدیر میں کیا لکھا ہے، بہر حال اُن کو یہ احتمال ہمیشہ ستاتا رہا، اور میں اپنے ارادہ کے موافق اطمینان دلاتا رہا اور واقعی میرا ارادہ کو سوچا بھی نہ تھا، اور اگر یہ مطلب ہو کہ ارادہ ہو جانے کے بعد ان کو ارادہ کی اطلاع نہ کی، اور نہ بیت اہل الرائے بھی

یہ کہتے ہیں، سو اس میں میرا یہ خیال ہوا اب تو اور وہ غلط ہو یا صحیح کہ یہ قیامت تک موافقت کریں گی اور صریح مخالفت (مکمل مخالفت) کے بعد پھر مجھ کو مناسب نہ ہوگا۔ کہ اس میں زیادہ دل شکنی ہے اور اگر بلا اطلاع کر لیا تو آخر مجبور ہو کر ساکت و ساکن (خاموش) ہو جائیں گی، بس اس خیال سے میں نے اپنے ارادہ کی اطلاع نہیں کی، اور بعد کے واقعہ تجدید سے تو یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ اطلاع تو کیا معنی اگر مشورہ و اجازت بھی حاصل کر لیتا تب بھی کچھ نفع نہ ہوتا، چنانچہ خود سعی کرنا تو کچھ تو اجازت دینے سے بڑھ کر اس رضا و سکون میں موثر ہے، مگر کوئی اس کا اثر ظاہر نہیں ہوا، اب تو آنعزیز کا یہی جملہ تسلی بخش ہو سکتا ہے کہ جو ہونے والا تھا ہو گیا، اس کے ساتھ اتنے اضافہ کی اور ضرورت ہے کہ دعا و التجا آخری علاج ہے اور اکسیر علاج ہے:

آنعزیز نے اپنی محبت سے لکھا ہے "لیکن مجھ کو اس کا صدمہ ہوتا ہے کہ جب مجھ کو یہ معلوم ہو کہ آپ کے عیش و آرام میں فرق پڑ گیا"	تیسیر قلب کے بعد پریشانی اور رنج و غم کہاں!

یہ آنعزیز کی محبت کا مقتضا ہے اور ہونا بھی چاہئے، اور حقیقی بھائی کے ساتھ تو کیوں نہ ہوتا، ہر روحانی بھائی کے ساتھ ہونا چاہئے ؎

تو کز محنت دیگران بے غمی　　نشاید کہ نامت نہند آدمی

یعنی اگر دوسروں کے رنج و غم سے تم بے خبر ہو تو مناسب نہیں کہ تمہارا نام آدمی رکھیں

مگر میں آنعزیز کو بے فکر اور مطمئن کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے اس عیش سے زیادہ مجھ کو عیش عطا فرمائی یعنی وہ عیش دنیا کا تھا اور واقعی میں مجھ کو اس سے ایک گونہ دلچسپی ہو گئی تھی، اور کبھی کبھی سوچا کرتا تھا کہ خدا نہ کرے اس آیت کا مضمون مجھ پر صادق نہ آنے لگے۔

رَضُوا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا (یونس آیت ۷)

(اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے اور آخرت کی فکر اصلاً نہیں کرتے اور اسی میں جی لگا بیٹھے (آخرت کی کچھ فکر نہیں))

خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان واقعات نے اس حدیث کے معنی سمجھا دیئے،

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ

(اے اللہ آخرت کے عیش کے سوا کوئی عیش نہیں ہے)

اول اول ذرا بھی گھبرایا مگر حق تعالیٰ نے دکھا دیا ؎

درد از یار است و درمان نیز ہم　　دل فدائے او شد و جان نیز ہم[1]

---

[1] درد دوست کی طرف سے ہے اور اس کا علاج بھی انہی کے پاس ہے، دل و جان ان پر قربان ہیں۔

اور اس آیت کے معنی دکھلا دیئے:

مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ ط

(اصلاح انقلاب امت ملا) "کوئی مصیبت بدون حکم خدا کے نہیں آتی اور جو شخص اللہ پر پورا ایمان رکھتا ہو اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو صبر و رضا کی راہ دکھاتا ہے۔"

بس تبدّل قلب کے بعد پریشانی کہاں، کہاں رنج و غم، باقی طبعی اثر خفیف رہ جاتا ہے سو کسی وقت ہو جو پریشانی کی نہیں مرد مسکر(؟) اس سے کوئی خالی نہیں، تیسرے وہ خود علاج ہے بہت سے امراض کا جن میں نفوس مبتلا ہیں، اس حیثیت سے وہ سب رحمت ہیں۔ اس لئے میں الحمد للہ پہلے سے زیادہ عیش میں ہوں اور بفضلہ تعالیٰ اب تو ظاہراً بھی سکوت و سکون پہنچ رہنے سے پہلے رنگ کا عیش بھی ہیچ شئے زائد کے عود و واپسی کرتا آتا ہے۔

خط کے جواب میں مکمل رسالہ لکھنے کا سبب

آگے آنعزیز کے خط کا خاتمہ کا جملہ ہے: "اس لئے اپنے اطمینان خاطر کے لئے میں التجا کرتا ہوں کہ اپنے قلم سے اس کے مفصل حالات تحریر فرمائیں، زیادہ نیاز مند فقط" میری بدنی حالت اس وقت بوجہ نقاہت (کمزوری) کے اتنی تفصیل کی متحمل (برداشت کرنے والی) نہ تھی نیز واقعات کے ساتھ علوم کا انضمام (شامل کرنا) شاید بیچ کے تفصیل کے تطویل (طویل) ہونا معلوم ہوتا مگر آنعزیز کے تعلق طبیعت واثر محبت نے قلب میں ایک جوش پیدا کر دیا جس سے جو جو مضمون قلم میں آتا گیا پھر اس مجموعی مضمون کی نافعیت (فائدہ مند ہونے) پر نظر کر کے کہ اس کو ایک رسالہ قرار دے کر اس کا ایک بادلالت نام بھی رکھ دوں، چنانچہ یہ نام خیال میں آیا "الخطوب المذیبۃ للقلوب المنیبۃ" یعنی وہ واقعات جو خدا کی طرف رجوع ہونے والے قلب کو گداختہ اور نرم کر دیں۔

تعدد ازدواج سے بچنے ہی میں سلامتی ہے

اب میں اپنے اس خط کو ایک مناسب مقام و مضمون پر ختم کرتا ہوں، جس کے تین جزو ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ تو پہلے اصل خط میں مشورہ دے چکا ہوں کہ تعدد ازدواج ایک پُر خطر مسلک ہے، جس طرح قضاء یعنی حکومت کے قبول کرنے میں حدیث میں نہایت تہدید (دھمکی) ہے، یہ بھی اس سے کم نہیں، بلکہ میں نے جو اپنی مصلحت حصول صفت عدل کے متعلق بیان کی ہے اس سے یہ تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ بعض وجوہ سے یہ قضاء بھی اشد ہے، جب اس سے تحذیر (ڈرنے) کا حکم وارد ہے تو اس کی جرأت کب زیبا ہے اور مکرر کہتا ہوں کہ میرے اختیار کرنے سے دھوکہ نہ کھایا جائے اس اختیار کرنے سے تو بڑا اپنا چلا گیا

ضمیمہ متعلق مکرر شاخ تعدد ازدواج

لیکن جو شخص اس مشورہ سے قبل اس تجربہ میں پھنس چکا ہو اس کے لئے ضرورت ہے کہ اس کے پورے حقوق ادا کرے، اسی طرح ان متعدد بیبیوں پر بھی واجب ہے کہ نفس کا اتباع چھوڑ کر شریعت کو اپنا رہبر بنائیں، احکام شرعیہ کی تفصیل تو علماء کی مراجعت سے معلوم کرنا چاہئے، اس مقام پر میں مشورہ کے درجہ میں ایک دستور العمل جو بعد تفصیل کے مجمل دستور العمل ہے تینوں شخصوں کے لئے لکھتا ہوں:۔

پہلا دستور العمل شوہر کے لئے (۱) ایک بی بی کا راز دوسری سے نہ کہے (۲) دونوں کا کھانا اور دونوں کا رہنا الگ الگ رکھے، ان کا اجتماع آگ اور بارود کے اجتماع سے کم نہیں (۳) ایک سے دوسری کی شکایت ہرگز نہ سنے (۴) ایک کی تعریف دوسری سے نہ کرے (۵) غرض ایک کا تذکرہ نہ دوسری سے کرے نہ دوسری سے سنے، اگر ایک شروع بھی کرے فوراً روک دے کہ اور کچھ بات کرو (۶) اگر ایک دوسری کی کوئی بات پوچھے ہرگز نہ بتلائے، مگر خشونت (سختی) نہ کرے، لطف سے منع کر دے (۷) دینے لینے میں یہ شبہ نہ ہونے دے کہ ایک کو زیادہ دیا ہو، اس کو صاف صاف ظاہر کر دے (۸) باہر سے آنے والی عورتوں کو سختی سے روکے کہ وہ دوسری جگہ کی حکایات یا شکایات بیان نہ کریں (۹) اور نہ خوشامد میں ایک ساتھ کم ہمتی کا دعویٰ دوسری کے سامنے کریں (۱۰) اگر موقع ہو ایک ایسی روایت کر دے کہ دوسری تمہاری تعریف کرتی تھی (۱۱) لطف سے اس کی تدبیر ہو سکے تو مفید ہے کہ ایک دوسری کے پاس ہدیہ وغیرہ بھی بھیجا کریں۔

دوسرا دستور العمل منکوحہ قدیمہ کے لئے (۱) جدیدہ پر حسد نہ کرے (۲) اس پر طعن و تشنیع نہ کرے (۳) بے تکلف جدیدہ کے ساتھ خوش اخلاقی کا برتاؤ کرے، تاکہ اگر اس کے دل میں محبت نہ ہو تو عداوت بھی نہ ہو (۴) شوہر سے کوئی ایسی بے تکلف گفتگو نہ کرے کہ شوہر کو اس جدیدہ کے سامنے اس کا ہونا اس لئے ناگوار ہو کہ اس کو یہ احتمال ہو کہ یہ جدیدہ بھی ایسی بے تمیزی نہ سیکھے (۵) شوہر سے جدیدہ وغیرہ کا کوئی عیب بیان نہ کرے کہ کوئی شخص اپنے محبوب کی عیب گوئی خصوصاً رقیب کی زبان سے پسند نہیں کرتا (۶) جدیدہ سے ایسا برتاؤ رکھے کہ اس کی زبان اس قدیمہ کے سامنے ہمیشہ بند رہے (۷) شوہر کی اطاعت و خدمت و ادب میں اور بیشی و اضافہ کر دے تاکہ اس کے دل سے نہ اتر جائے (۸) اگر شوہر سے ادائے حقوق میں کچھ کمی ہو جائے تو جزئی حد تکلیف تک نہ پہنچے اس کو زبان پر نہ لاوے اور اگر حد تکلیف ہو تو جس وقت مزاج خوش دیکھے ادب سے عرض کر دے۔

(۹) جدیدہ کے اعزہ و رشتہ داروں سے خوش اخلاقی و مدارات و حسن سلوک کا برتاؤ رکھے کہ جدیدہ کے دل میں شوہر کی (۱۰) گاہ گاہ کبھی کبھار اپنا دن جدیدہ کو دیدیا کرے۔ تاکہ شوہر کے دل میں قدر رہے

تیسرا دستور العمل منکوحہ جدیدہ کے لئے

(۱) قدیمہ کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے جیسے اپنے بڑوں کے ساتھ کرتے ہیں (۲) شوہر پر زیادہ ناز نہ کرے اس گمان سے کہ میں زیادہ محبوب ہوں خوب سمجھ لے کہ قدیمہ سے جو تعلقات رفاقت ہیں جو مدتوں میں جاگزیں ہو چکے ہیں نئے تعلق کا نیا جوش اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا (۳) شوہر سے خود جدا رہنے کی درخواست نہ کرے (۴) اگر شوہر جدیدہ کو گھر تب بھی گاہ گاہ قدیمہ سے ملنے جایا کرے، قدیمہ کو دعوت وغیرہ کے لئے بلا لیا کرے (۵) شوہر کی کمائی رہے کہ قدیمہ سے بے پروائی نہ کرے (۶) اگر قدیمہ کچھ تنگی یا طعن وغیرہ کرے تو اس کو ایک درجہ میں معذور سمجھ کر معاف کر دے اور شوہر سے ہرگز شکایت نہ کرے (۷) قدیمہ کے عزیزوں کی خوب خدمت کرے (۸) قدیمہ کی اولاد سے بالخصوص ایسا معاملہ رکھے کہ قدیمہ کے دل میں اس کی محبت و قدر ہو (۹) ضروری امور میں قدیمہ سے مشورہ کر لیا کرے کہ اس کے دل میں قدر بھی ہو اور اس کو تجربہ بھی زیادہ ہے (۱۰) اگر اپنے میکے میں جائے قدیمہ سے خط و کتابت بھی رکھے۔

اشعار:-
با نصیحت بجائے خود کردیم　　روزگارے دریں بسر بردیم
گر نیاید بگوش رغبت کس　　بر رسولاں بلاغ باشد و بس

ترجمہ:- ہم نے اپنی جگہ نصیحت کردی اور اسی طرح اپنی زندگی بسر کردی
اگر کسی کو اس میں رغبت نہ ہو تو مضائقہ نہیں کیونکہ قاصدوں کے
ذمہ صرف پہنچانا ہے اور بس۔

والسلام من اتبع الہدیٰ وانا ... الاحقر

[illegible]

۲۱ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

دوسرا ضمیمہ ختم ہوا

تیسرا ضمیمہ

فہرست تحلیل بعض محرمات

اس سے پہلے کے دو ضمیمے تحریم بعض محللات کے تھے، یہ تیسرا ضمیمہ اس کے مقابل کی فہرست یعنی تحلیل بعض محرمات (بعض شرعاً حرام رشتوں سے نکاح کو حلال سمجھنا) کا ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ صورت ہے کہ بعض لوگ رضاعی بھائی بہن خاص انہی کو سمجھتے ہیں جو ایک زمانہ میں ایک عورت کا دودھ پئیں اور مختلف زمانوں میں دودھ پینے والے بچوں کو ایک دوسرے کے لئے حلال سمجھتے ہیں۔

سو یہ اعتقاد بالکل باطل ہے۔ اس حرمت کے لئے زمانہ کا اتحاد و اختلاف سب برابر ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ صورت ہے کہ آج کل لاوارث لڑکیوں کو جن کا کوئی ولی شرعی نہیں ہے، پرورش کرکے ان کے بلوغ کے قبل اپنی ولایت سے ان کا نکاح کر دیتے ہیں، سو یہ نکاح اصلاً منعقد نہیں ہوتا۔

تیسرا ضمیمہ ختم ہوا

بعض جزئیات انقلاب مع اصلاح

اصلاح معاملہ متعلق ولایت نکاح

ولایت نکاح سے متعلق چند کوتاہیوں کا بیان

اس ولایت نکاح (نکاح کا اختیار ہونا) میں بھی مختلف کوتاہیوں کا وقوع شائع ہے، اس لئے مختصراً ان پر متنبہ کرنا ضروری ہے وہ کی [illegible] ہیں :-

لاوارث نابالغ لڑکی کا نکاح کردینا

ایک کوتاہی تو وہی ہے جو ابھی قریب اوپر ضمیمہ نمبر ۲ میں لاوارث نابالغ لڑکی کے نکاح کر دینے کے مضمون میں مذکور ہوئی ہے :

ماں کا حق ولایت اس وقت تک ہے جب عصبات میں سے کوئی نہ ہو

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض جگہ اتباع رسم و عرف کے سبب ولی اقرب (نزدیک کے ولی) کو ولی ابعد (دور کے ولی) کے سامنے بیکار سمجھتے ہیں مثلاً ایک نابالغ لڑکی کا ایک بالغ بھائی ہے، اور ایک چچا، تو چچا اپنے کو بڑا سمجھ کر اس بھائی کا کچھ دخل نہیں سمجھتا اور اپنے کو مختار مستقل سمجھ کر اپنی ولایت سے اس کا نکاح کر دیتا ہے، اور اس سے اجازت حاصل نہیں کرتا، بلکہ بعض جگہ اس کی ناراضی کی حالت میں بھی جبراً نکاح کر دیتا ہے، حالانکہ شرعاً اس صورت میں بدون بھائی کی صریح اجازت کے نکاح درست نہیں ہوتا خصوصاً اس رسم کا اثر لڑکی کے نکاح کے بارے میں ماں پر خاص طور پر ہوتا ہے، کہ خود ماں اپنے سامنے کسی کو مختار نہیں سمجھتی، خصوصاً عصبات (خاص طور پر شوہر کے ددھیالی رشتہ داروں) کو، حالانکہ اس کے حق میں ماں پر شرعاً مقدم ہیں، اور جاہل مائیں اپنے سے مقدم تو کیا خود بھی نہیں سمجھتی، یعنی ان کا بالکل حق ہی نہیں سمجھتی۔ تو سمجھ لینا چاہئے کہ ماں کا حق ولایت اس وقت ہے جب عصبات (ددھیالی رشتہ داروں) میں سے کوئی نہ ہو۔

نابالغ بچی کی پرورش میں کوتاہی کے باوجود باپ کا حق ولایت باقی رہتا ہے۔

ایک کوتاہی جس میں بعض نیم ملا بھی گرفتار ہیں یہ ہے کہ باپ کی ولایت کو اس کے ساتھ مشروط سمجھتے ہیں کہ وہ اس نابالغ کی خدمت اور پرورش کرتا ہو، ورنہ اگر وہ کسی عذر سے بھی لڑکی کے ساتھ ناچاقی رکھتا

کی وجہ سے اس کی پرورش میں کوتاہی کرے تو اس کی ولایت کو ساقط سمجھتے ہیں، گو بلا عذر اولاد کا حق ضائع کرنا معصیت (گناہ) ہے، لیکن معصیت سے ولایتِ نکاح تو سلب نہیں ہوتی، (چھینی نہیں جاتی) اور سوءِ اختیار (بُرے اختیار) کی صورت جو فقہاء نے لکھی ہے وہ اور بات ہے، یہ کوتاہی اس سوءِ اختیار میں داخل نہیں، ہمارے وطن میں ایک زاعم علم (خود ساختہ عالم) نے عجیب مضمون لکھا تھا، اور لطف یہ کہ ایک مجمع میں اس کا اعلان بھی کیا، مگر لفظ رد سے منع کیا، اور یہ لکھا تھا کہ جب معصیت سے ولی اللہ کی ولایت زائل ہوجاتی ہے تو ولی النکاح کی ولایت کیوں زائل نہ ہوجائے گی، یہ تو ایسی بات ہے جیسے کوئی کہے کہ دیکھو نماز ایک تعلق ہے عبد (بندہ) اور رب کے درمیان میں اور نقضِ وضو (وضو کے ٹوٹنے) سے باطل ہوجاتی ہے، تو نکاح جو کہ ایک تعلق ہے عبد اور عبد میں تو وہ نقضِ وضو سے کیونکر باطل نہ ہوجائے گا، یاد رکھنا چاہئے کہ دین کے لئے محض رائے کافی نہیں، حجتِ شرعیہ (شرعی دلیل) کی حاجت ہے، اور اس تقریر کا حجتِ شرعیہ نہ ہونا ظاہر ہے،

سوتیلے باپ کو حقِ ولایتِ نکاح کسی صورت حاصل نہیں

ایک کوتاہی اس سے بڑھ کر یہ کہ جس شخص کو کبھی اور کسی درجہ میں بھی حقِ ولایت نہیں وہ اپنے کو ولی النکاح سمجھتا ہے، چنانچہ اکثر جگہ سوتیلے باپ کو ولایتِ نکاح کا دعویٰ کرتے ہوئے، بلکہ اسی ولایتِ مزعومہ کی بناء پر نابالغہ کا نکاح کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے، حالانکہ یہ شخص ولی اَبعد بھی نہیں، البتہ اگر کسی صورت میں ماں کو حقِ ولایت ہو، یعنی جبکہ عصبات میں سے کوئی نہ ہو اور ماں اپنی طرف سے اس شوہر کو وکیلِ نکاح کردینے کا بنادے، تو یہ وکالت کی بناء پر البتہ اس کو اس نکاح کا اختیار حاصل ہوجائے گا، اور بدون اس کے یہ کوئی چیز نہیں،

ولی کے جبراً نکاح کرا دینے سے نکاح درست نہیں ہوتا،

ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص کو ولایتِ نکاح تو حاصل ہے، مگر ولایتِ جبریہ (زبردستی کے اختیار کی ولایت) نہیں ہے، صرف یہ ولایت ہے کہ اس کے استیذان (اجازت مانگنے) پر منکوحہ کا سکوت (خاموشی) اذن (اجازت) سمجھا جاتا ہے، یعنی لڑکی بالغہ ہے، مگر یہ شخص جبراً اس کا نکاح کردیتا ہے، یعنی وہ تصریحاً انکار اور رد کرتی ہے، مگر اس کی پرواہ نہیں کی جاتی اور ظلم اور زور کرکے اس کو بیوی بنالیا ہے اور عمر بھر حرام کاری ہوتی ہے، اور افسوس کہ عام لوگ بناء بر جہل (جہالت کی وجہ سے) ان ظالموں کا ساتھ دیتے ہیں اور اپنی عاقبت برباد کرتے ہیں، لوگوں کے خیال میں نکاح کے چند الفاظ ایسے مؤثر بالذات

رکھنے والے ہوں گواہی کی تاخیر کی کوئی شرط نہیں،

بالغہ باکرہ کا سکوت ہی اذن ہے | ایک کوتاہی جو کہ بہت ہی عام ہے خاص ولی جانب سے صادر ہوتی ہے، وہ یہ کہ مسئلہ شرعیہ ہے کہ باکرہ لڑکی جب بالغہ ہو تو اس سے استیذان یعنی اجازت لینا صحت نکاح کے لئے ضروری ہے، اتنا فرق ہے کہ اگر ولی جائز یا اس کا وکیل یا اس کا رسول یعنی جس کو اس نے بھیجا ہو یہ لوگ اس بالغہ سے اذن چاہیں تب تو اس کا سکوت اذن ہے، اور اگر کوئی اور شخص اذن چاہے تو جب تک وہ زبان سے اجازت نہ دے محض اس کا سکوت (خاموش رہنا) اذن نہ ہوگا، البتہ اگر قبل اذن ولی نے نکاح کر دیا اور بعد نکاح اس منکوحہ بالغہ کو خبر ہو گئی تو اگر یہ خبر بھیجنے والا ولی کا فرستادہ (بھیجا ہوا) ہو یا اگر فرستادہ نہیں تو وہ خبر بھیجنے والا اگر ایک ہو تو عادل اور دیندار ہو یا کم از کم دو شخص ہوں، اگرچہ ثابت العدالت (عادل ثابت) نہ ہوں مگر مستور الحال ہوں، (جن کا حال چھپا ہوا ہو) تو اس صورت میں بھی اس کا سکوت اذن ہوگا، اور اگر ایک شخص غیر عادل ہو تو اس وقت اس کا سکوت کافی نہ ہوگا، (کذا فی الدر المختار و رد المحتار ج ۲ صفحہ ۲۸۹، ۲۹۰)

اور جن صورتوں میں اذن نہیں ان صورتوں میں صحت نکاح اس وقت ہوگی جبکہ وہ زبان سے اجازت دے یا اس سے کوئی فعل صادر ہو جو اس کی رضا پر دلالت کرے مثلاً وہ اپنا مہر یا نفقہ مانگنے لگے یا ہمبستری کے وقت انکار نہ کرے، اور جب تک یہ امور نہ پائے جائیں نکاح موقوف (رکا ہوا) رہے گا،

نکاح موقوف کے احکام | نکاح موقوف کے احکام میں سے یہ امور ہیں:۔

(۱) اگر قبل نفاذ نکاح کے عاقدین (جیسے میاں بیوی میں سے کوئی ایک) مر جائے نکاح باطل ہو جائے گا، نہ مہر واجب ہوگا اور نہ ایک کی میراث دوسرے کو پہنچے گی، (۲) قبل نفاذ نکاح کے اس عورت سے بوس و کنار یا صحبت کرنا حرام ہے، کیونکہ نفاذ ہی ان افعال سے مستلزم (علت والا) ہے تو یہ افعال نفاذ پر مقدم ہوئے، اور ظاہر ہے کہ بدون نکاح کے یہ افعال حرام ہیں، اگرچہ پھر انہی افعال سے نفاذ ہو جائے، کذا فی رد المحتار (عن البحر ج ۲، ص ۱۱ سطر ۱۲ قولہ و تقبیلها الخ) یہ تو مسئلہ کی تفصیل ہوئی،

قبل نکاح باکرہ منکوحہ سے اذن نہ لینے سے نکاح موقوف رہے گا، | اب اس کوتاہی کا ذکر کیا جاتا ہے کہ اس وقت عرفاً عادت ہو گئی کہ قبل نکاح باکرہ (کنواری) کے نکاح سے پہلے منکوحہ سے اذن نہیں لیا جاتا، اور بعض اوقات خبر بھی بطریق مذکور اس کو نہیں پہنچتی اور وہ اسی

جانے سے رخصت کردی جاتی ہے، تو یہ رخصت ایسی حالت میں ہوتی ہے کہ اس کا نکاح نافذ نہیں ہوتا موقوف رہتا ہے، پھر جب شوہر کے ساتھ اس کی خلوت ہوتی ہے اور وہ اظہار ناراضی کا نہیں کرتی تب نکاح نافذ ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں بوس وکنار یا ہمبستری سب حرام ہو چکے، تو اس کے بعد نکاح صحیح ہو جاتا ہے، اور پھر یہ سب افعال حلال ہوتے ہیں، مگر اول بار کا بوس وکنار وغیرہ سب حرام ہوا جس میں زوجین تو مبتلا ہوتے ہی ہیں مگر وہ ولی صاحب بھی جو سبب اس ارتکاب محرم (حرام) کاری کے ہوئے اس ذیل میں شریک ہوئے،

نکاح سے قبل منکوحہ سے اذن حاصل کرنا ضروری ہے،

اور اس کا بہت آسانی سے انتظام ہو سکتا ہے، کہ قبل نکاح اذن حاصل کریں، یا نکاح کر کے فوراً خود جا کر اطلاع کر دیں، نیز اگر اتفاق سے زوجین میں سے کوئی مر گیا تو مہر اور میراث کے احکام میں بوجہ جہل کے اختلال واختلاف (جہالت کی وجہ سے خرابی اور اختلاف) ہوگا، گو ایسا واقعہ کم پیش آتا ہو مگر پیش آتا بھی ہے،

نکاح موقوف کی صورت میں شب زفاف میں عورت اظہار ناراضی کردے تو نکاح نافذ ہی نہیں ہوگا

اور ہمبستری کی حرمت (حرام ہونے) کی خرابی تو سب ہی جگہوں پر پیش آتی ہے، اور اگر ایسی صورت میں کہ نکاح نافذ نہ ہو ہمبستری کے وقت بھی ناراضی و نفرت کا اظہار کرے جیسا کہ زفاف (پہلی مرتبہ کی ہمبستری) کے وقت بعض عورتیں کر لیتی ہیں تو وہ نکاح نافذ بھی نہیں ہوتا اور تمام عمر حرام ہوتا رہتا ہے، انہی وجوہ سے بہت ضروری ہے کہ کم از کم نکاح خواں قاضی (نکاح پڑھانے والا قاضی) عالم ہونا چاہئے تاکہ ان امور کا انتظام بھلے طور سے کرے،

بارہ برس کی عمر کی لڑکی کی اجازت معتبر نہیں

ایک کوتاہی مسئلہ ولایت کے متعلق یہ ہوتی ہے کہ عموماً لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ بارہ برس کی عمر میں لڑکا اور لڑکی بالغ ہو جاتے ہیں، سو بعض جگہ ایسا ہوتا ہے کہ لڑکی بارہ برس کی ہے اور واقع میں وہ نابالغ ہے، اور ولی قریب موجود ہے مگر باوجود اس کے ولی بعید یا اجنبی غیر ولی اس لڑکی کو بالغ سمجھ کر اس کے منہ سے اجازت لے کر اور اس کو کافی سمجھ کر کہیں اس کا نکاح کر دیتا ہے، حالانکہ بوجہ نابالغ ہونے کے اس کی اجازت اصلاً معتبر نہیں، سو سمجھ لینا چاہئے کہ بارہ برس میں بالغ ہونا ضروری نہیں، بلکہ اس کا بالغ ہونا حیض کے آنے سے ہے، البتہ اگر پندرہ برس پورے ہو کر بھی حیض نہ آئے تو پھر اس کے بلوغ کا حکم کر دیا جائے گا،

نابالغ لڑکی کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی ولی جائز نے کر دیا ہو تو بعد بلوغ لڑکی کو فسخ نکاح کا اختیار ہوگا۔

ایک کوتاہی ولایت کے متعلق ایک اور مسئلہ میں ہوتی ہے، وہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر بجز باپ اور دادا کے (باپ نہ ہو تو دادا کے) علاوہ کوئی دوسرا ولی جائز نابالغ لڑکی کا نکاح کفو سے بمہر مثل[1] بھی کر لے تو نکاح تو صحیح ہو جاتا ہے۔ لیکن اس لڑکی کو بالغ ہونے کے وقت جبکہ اس کو پہلے سے خبر نکاح کی ہو یا بعد بالغ ہونے کے جب اول بار اس کو نکاح کی خبر ہو اختیار ہے اس نکاح کے فسخ (ختم) کر دینے کا اور یہ خیار فسخ دخول (ہمبستری) کے بعد بھی باقی رہتا ہے، لیکن اس میں اتنی تفصیل ہے کہ یہ لڑکی اس وقت تک باکرہ ہو تب تو اس فسخ کی شرط یہ ہے کہ بالغ ہونے کے ساتھ ہی یا خبر پہنچنے کے ساتھ ہی زبان سے کہہ دے کہ میں اپنا نکاح فسخ کرتی ہوں، اگر فوراً نہ کہا تو یہ اختیار باطل ہو گیا اور اگر یہ ثیبہ (غیر کنواری) ہے خواہ تو اس نکاح سے پہلے ہی ثیبہ تھی، مثلاً یہ نکاح ثانی تھا یا اس نکاح کے بعد اس کے ساتھ دخول ہو، ہو تو یہ اختیار اس وقت تک باقی رہے گا کہ صراحت سے اپنی زبان سے رضا ظاہر کرے یا دلالۃً رضا پائی جائے مثلاً مس و قبلہ (چھونے اور بوسہ لینے) وغیرہ پر انکار نہ کرے۔

خیار فسخ کے مؤثر ہونے میں قضاء قاضی بھی شرط ہے

اور ایک شرط اس خیار فسخ کے مؤثر ہونے میں اور بھی ہے کہ قضاء قاضی (شرعی حاکم کا فیصلہ) اس کے ساتھ متصل ہو، یعنی یہ عورت قاضی یعنی حاکم مسلم کے یہاں دعویٰ فسخ کا کرے اور وہ حاکم تفریق کا حکم کر دے تب نکاح فسخ ہوگا ورنہ نہیں، یہ تو مسئلہ کا بیان تھا۔

نکاح فسخ ہونے میں چند شرائط

اب کوتاہی اس میں یہ ہوتی ہے کہ ناواقف عام لوگ صرف عورت کے اس کہہ دینے کو کہ میں نے نکاح فسخ کیا ہر حال میں کافی سمجھتے ہیں، خواہ وہ مجلس بلوغ و مجلس وصول خبر (بالغ ہونے اور خبر پہنچنے کی مجلس) کے بعد ہی کہے اور اگرچہ اس کے ساتھ قضاء قاضی نہ ہو، تو یہ سخت غلطی ہے، اور اس کے علاوہ اور بھی بہت مسائل ہیں جن میں قضاء قاضی شرط ہے جن کو اس کا علم نہیں۔ ان کو تو یہ ورثی ضرر ہوتا ہے کہ وہ بدون قضاء قاضی کے ان احکام کو نافذ

---

[1] مہر مثل: خاندانی مہر یعنی اس عورت کے باپ کے گھرانے میں دوسری عورت جو اس کے مثل ہو یعنی وہ عورت عمر، خوبصورتی، کنوارے پن، مالداری، وطن، دینداری، ہوشیاری اور سلیقہ شعاری میں اس عورت کے مانند ہو، اس عورت کا مہر مقرر ہوا تھا اس کے برابر مہر مثل کہلاتا ہے۔ محمد احمد قریشی عفی عنہ

سمجھتے ہیں اور جن کو اس کا علم ہے ان کو ان بلاد میں یہ دشواری مضر ہے کہ قاضی مسلم نہ ہونے کے سبب ان کو ان کلفتوں سے نجات پانے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اس لئے احقر کی رائے مدت سے یہ ہے کہ اگر عامہ اہل اسلام گورنمنٹ سے درخواست کریں کہ ہر ضلع میں ایک عالم با انتخاب رائے عامہ کو منتخب کر کے (اہل اسلام ایسے مقدمات کی سماعت و فیصل (ایسے مقدموں کو سننے اور فیصلہ کرنے) کے لئے مقرر کر دیئے جائیں اور ان کی تنخواہ کے انتظام کے لئے مالگزاری کے ساتھ فی صیکڑہ کچھ مختصر سی رقم مسلمان زمینداران سے وصول کر لی جایا کرے کیونکہ جمہور اہل اسلام کو اس کا نفع ہو پہنچتا تو جن مسائل میں قضاء قاضی شرط ہے ان میں مسلمانوں کو آسانی ہو جاوے۔

بعض مقامات پر ولی اقرب کا لڑکی کے ساتھ ظلم عظیم

ایک کوتاہی ولایت کے باب میں یہ ہے کہ بعض اوقات ولی اقرب اپنے اختیارات کے زعم (گمان) میں لڑکی کو بہت دق (تنگ) کرتا ہے۔ کبھی سالہا سال بے نشان (لاپتہ) ہو جاتا ہے۔ کبھی اس انتظار میں نکاح نہیں کرتا کہ بہت سا روپیہ ہو جس سے سامان تفاخر (فخر کا سامان) کیا جاوے تب نکاح کروں، کبھی اعلیٰ سے اعلیٰ بیجا امور کی بر کے ترفیع (خوشحالی) کی طلب میں غلو کرتا ہے۔ اور ان افعال کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکی یوں ہی بیٹھی رہتی ہے، بعض جگہ ننگ و ناموس (عزت و وقار) برباد ہو گیا، بعض جگہ نہایت صبر و ضبط رہتا زیادہ صبر و ضبط کرنے سے لڑکی کو امراض مضر (پیچیدہ امراض) لاحق ہو گئے۔ یہ ولی صاحب سمجھتے ہیں کہ میرے سامنے کوئی با اختیار نہیں ہے، سو جس طرح چاہوں گا کروں گا اس کا ظلم عظیم ہونا تو معلوم ہی ہے لیکن اس شخص کے اس خیال کا غلط ہونا بھی معلوم ہونا ہے کیونکہ دار و گیر ہے۔

غیبت منقطعہ ہونے سے ولایت ولی ابعد کی طرف منتقل ہو جاتی ہے

سو سمجھ لینا چاہئے کہ ان دونوں مذکورہ صورتوں میں یعنی جب کہ وہ بے نشان ہو جاوے اور بہت دور دراز چلا جاوے اور مدتوں تک نہ آوے اور نہ کسی بات کا جواب دے، یہ بھی بے نشان ہونے کے حکم میں ہے، اس کو غیبت منقطعہ (مستقل غائب ہونا) کہتے ہیں، پس جب وہ بغیبت منقطعہ غائب ہو جاوے، یا باوجود اچھا موقع ملنے کے بعض جاہلانہ خیالات کی وجہ سے ٹالتا ہو تو ان دونوں صورتوں میں ولایت اس ولی اقرب سے ولی ابعد کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، اور اس ولی ابعد کو اس لڑکی کے نکاح کر دینے کا مثل ولی اقرب کے اختیار حاصل ہوتا ہے، پھر ولی اقرب کچھ نہیں کر سکتا۔

بالغ لڑکی ولی کی غفلت اور لاپرواہی کی صورت میں خود نکاح کرسکتی ہے

اور اگر وہ لڑکی بالغ ہو تو پھر خود وہ لڑکی اختیار رکھتی ہے کہ مناسب موقع پر اپنی زبان سے اجازت دے کر نکاح کر لے، البتہ غیر کفو میں نہ کرے کہ اس میں ایک قول میں ولی کو حق فسخ حاصل ہے بشرط القضاء، اور ایک قول میں نکاح ہی صحیح نہیں ہوتا، اس لئے غیر کفو میں کرنے سے ممانعت کی جاتی ہے،

یہ مختصر بیان ہے ولایت کے متعلق کوتاہیوں کا۔

اصلاح معاملہ متعلقہ کفاءت

شریعت نے کفاءت (برابری) میں چند اوصاف کا اعتبار کیا ہے جن میں ایک نسب بھی ہے۔ اس کے متعلق خاص ہندوستان میں چند کوتاہیاں ہوتی ہیں:۔

کفاءت نسب میں ماں کا کچھ اعتبار نہیں،

ایک کوتاہی یہ ہے کہ نسب میں ماں کا بھی اعتبار کرتے ہیں یعنی اگر ماں کسی کی نجیب (شریف) نہ ہو تو اس کو نجیب نہیں سمجھتے اور اس لئے اس کو اپنا ہمسر نہیں جانتے، حالانکہ شریعت نے کفاءت نسب کے باب میں ماں کا کچھ اعتبار نہیں کیا، اسی طرح دوسرے احکام نسبیہ میں بھی ماں کا اعتبار نہیں کیا، مثلاً ایک شخص کی ماں صرف بنی ہاشم میں کی ہو اس کو زکوٰۃ حلال ہے، پس صرف نجیب الاب ہمسر ہے نجیب الطرفین کا،

ماں کی طرف سے سیادت نسبیہ صرف حضرت فاطمہؓ اور ان کی اولاد کے لئے ثابت ہے

البتہ اس کلیہ سے صرف ایک جزئیہ مستثنیٰ (ایک جزو علیحدہ) ہے، وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت نسبیہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے بھی ثابت ہو کر آپ کی اولاد میں جو لوگ ہیں وہ بھی سید ہیں اور افضل ہیں دوسرے بنی ہاشم سے، حتیٰ کہ جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں بھی ہوں مگر حضرت فاطمہؓ کے بطن سے نہ ہوں وہ سید نہ ہوں گے، بلکہ علوی ہوں گے، اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض نسب ناموں میں علویوں کے ساتھ "سید" لکھا ہوا ہے یہ صحیح نہیں، اور علویوں کا دعویٰ سیادت محض غلط ہے، البتہ بنی ہاشم میں سے ہیں، اور بنی ہاشم کے جو فضائل ہیں وہ ضرور ان کے لئے حاصل ہیں؛

نسب میں فخر کی کوئی بات نہیں ہے،

ایک کوتاہی یہ ہے کہ نسب پر فخر کرتے ہیں اور دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں، حالانکہ نسب کوئی فخر کی بات نہیں، البتہ حق تعالیٰ کی نعمت ہے جس پر شکر کرنا چاہئے نہ کہ کبر وتحقیر (تکبر اور دوسروں کو حقیر سمجھنا) جو کہ پوری ناشکری ہے، خصوصاً جبکہ خود اس پر کوئی دلیل کافی نہیں کہ یہ مفتخر بہ (فخر کرنے والے) جس

جدّ و آباء انساب منسوب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ دعویٰ صحیح بھی ہے، بلکہ بعض حضرات تو دلائل سے اس کے خلاف کا شبہ ہوتا ہے چنانچہ ایک شبہ احقر نے بعض بڑے بڑے مجامع (مجلسوں) میں جہاں ایسے حضرات کا اجتماع تھا بیان کیا، وہ یہ کہ اکثر جن لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ اپنے صحابہؓ کی طرف اپنے کو منسوب کرتے ہیں، مثلاً حضرات خلفائے اربعہ حضرت عباسؓ حضرت ابوایوب انصاریؓ۔

ہندوستان کے نسب ناموں میں ایک قوی اشکال اب تحقیق طلب یہ امر ہے کہ ہندوستان میں فتوحات وغیرہا کے لئے خاص خاص ان ہی حضرات کی اولاد منتخب ہو کر آئی یا اوروں کی نسل منقطع ہو گئی، دونوں امر مستبعد (ناممکن) ہیں، اس سے صاف یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید دوسروں نے انہی حضرات کی طرف افتخار (فخر کرنے) کے لئے منسوب کر دیا ہے، تو ایسے شبہ کے ہوتے ہوئے اس قدر تفاخر کرنا نادانی نہیں تو اور کیا ہے؟[1]

شرافتِ نسبیہ کا شریعت نے اعتبار کیا ہے ایک کمی یہ اس کے مقابلہ میں بعض لوگوں میں یہ پائی جاتی ہے کہ وہ لوگ عرفاً شریف نہیں ہیں، مگر زبردستی اپنے کو اصطلاحی شریفوں میں داخل کرتے ہیں اور اپنے لئے نسب غیر معروف وغیر ثابت بلا دلیل کا محض مجازفت (تخمین اور اٹکل) سے دعویٰ کرتے ہیں۔ حدیث میں ایسے مدعی کو اور دعویٰ کرنے والے پر لعنت آئی ہے۔ ان عرفی غیر شریفوں میں سے بعض نے پھر ایک اور طریق سے یہ دھبہ دھونا چاہا ہے، وہ یہ کہ شرافتِ نسبیہ ہی کی سرے سے نفی کرنے لگے کہ سب ہی آدم برابر ہیں، کسی کو کسی پر نسباً شرف نہیں، سو اس کا اگر یہ مطلب ہو کہ ایسا شرف نہیں جس پر دوسروں پر فخر کیا جائے یا اس کو اخروی نجات میں کچھ دخل ہو تو تو ٹھیک ہے، اور اگر یہ مطلب ہو کہ شرفِ نسب میں تفاوت (فرق) کا بالکلیہ کسی حکم میں اعتبار نہیں تو محض غلط ہے، خود شریعت نے نکاح میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، امامتِ کبریٰ میں قریشیت کو شرط ٹھہرایا ہے، امامتِ صغریٰ میں اشرفیتِ نسبیہ (خاندانی شرافت) کو وجوہِ ترجیح ہونے میں سے کہا ہے۔

---

[1] حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (الحجرات، آیت ۱۳) یعنی اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کر سکو، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو، اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔ واقعی [illegible] بدون تحقیق شرعی ترتیب نسب کی [illegible] کہ فلاں ابن فلاں ابن فلاں [illegible]

شرافت نسب میں بدفہمیوں کی تذلیل اور تذلیل بحث صحیح نہیں

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض قصباتی و دیہاتی لوگ تمام بدنسبوں کو رذیل اور ذلیل سمجھتے ہیں، گویا ان کے نزدیک شرافت محصور و منحصر ہے چند قومی جنسوں میں، جس پر کوئی دلیل نہیں، اسی وجہ سے اگر کوئی شخص باہر سے کوئی نکاح کر کے لے آئے، برادری کی عورتیں ہرگز اس کو اپنے برابر نہیں سمجھتیں، پھر اس کی اولاد کی شادی برادری میں مصیبت ہو جاتی ہے،

کفاءت نسبیہ میں افراط و تفریط مذموم ہے

دو کوتاہیاں اس باب میں کفاءت نسبیہ میں افراط و تفریط کی واقع ہو رہی ہیں، ایک افراط، دوسری تفریط، افراط یعنی حد سے آگے بڑھنا، تو یہ کہ بعضے لوگ خصوصاً پرانے زمانے کے اس کو اس قدر مہتم بالشان سمجھتے ہیں کہ اس کے ہوتے ہوئے دوسرا ناکح کے کسی وصف کو نہیں دیکھتے، نہ لیاقت کو، نہ دین کو، نہ صحت کو، نہ عمر کو، نہ وسعت مالیہ کو، اور اپنے اس خیال پر اس عنوان سے افتخار کرتے ہیں کہ میاں ہڈی بوٹی اچھی ہونا چاہئے، کسی ظریف نے اس عنوان کا جواب نہایت لطیف دیا ہے کہ ہم کتے نہیں جو فقط ہڈی بوٹی کو دیکھیں، اور واقعی اس خیال کا لغو ہونا ظاہر ہے، نکاح سے جو اصل مقصود ہے یعنی مصالح خانگی، اس کے لئے سب ہی امور پر نظر کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ صرف ایسے وصف اضافی (زائد خوبی) پر جو کہ خود ناکح کے کسی وصف حقیقی کی طرف راجع نہیں، محض آباء و اجداد کی طرف انتساب اس کا منشا ہے، اس پر مفاسد یہ مرتب ہوتے ہیں کہ بعض دفعہ ناکح محض نالائق، بددین، یا مریض، بے کار یا بہت بڈھا یا بالکل بچہ یا نادار زدہ ہوتا ہے، اور منکوحہ کے لئے عمر بھر کا جیل خانہ ہو جاتا ہے،

اور تفریط (کمی کرنے والے) یہ کہ بعضے لوگ خصوصاً نئے زمانہ کے دوسرے اوصاف کے ہوتے ہوئے نسب کا ذرا لحاظ نہیں کرتے، کہیں محبت دین (دین کی محبت) کے غلبہ کے سبب اور کہیں محبت دنیا (دنیا کی محبت) کے غلبہ کے سبب، امر ثانی تو کثیر الوقوع (اکثر واقع ہونے والا) ہے، امر اول کا بھی ہم نے ایک واقعہ تحقیق دیکھا ہے کہ دو نوجوانوں میں دوستی تھی جو کہ دونوں نیک بخت، دیندار تھے، جن میں ایک عالی نسب سید زادہ اور اچھے خاندان کے سید کا لڑکا اور دوسرا برہمن زادہ نومسلم (برہمن کے بیٹے نومسلم) تھے اور وہ سید زادہ اپنی یتیم ہمشیرہ کا عقد اس اپنے دوست سے کرنے کی فکر میں تھے، اور وہ دوست اپنے لئے اس امر میں بیحد کوشاں (یعنی کوشش کرنے والے) تھے، مجھ کو اطلاع ہوئی چونکہ دونوں شخصوں کو مجھ سے دینی خصوصیت تھی میں نے دونوں کو خصوصاً طالب نکاح کا پیغام دینے والے کو بہت سختی کے ساتھ روکا،

اور کہہ دیا کہ اگر وہ لڑکی بالغ ہے تب تو بھائی کے عدم تحقق اذن (بھائی کی اجازت حاصل) کرنے سے نکاح منعقد ہو جائے گا، لیکن تحت مصلحت (غیرت اور مصلحت) کے خلاف ہے کہ شریفہ کو فراش (بیوی) بنایا جاتا ہے (دل رکھ مرتبہ لے) بلکہ نیز اکثر ایسے موقع پر عورت کی نظر میں لڑکی (رضا و عدم) کی وقعت بھی نہیں ہوتی جس سے تمام مصالح نکاح فوت ہو جاتے ہیں، اور اگر وہ نابالغ ہے تو چونکہ نکاح کرنے والا باپ اور دادا نہیں اس لئے یہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا: (کذا فی الدر المختار ورد المحتار ج ۲، ص ۵۰۰) چنانچہ بفضلہ تعالیٰ ایک مدت کے بعد دونوں اس خیال سے باز آ گئے، البتہ اگر نکاح کرنے والا باپ دادا ہو تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

عجمی عالم بھی عربیہ کا کفو نہیں

چنانچہ ابھی تازہ ایک واقعہ ہوا ہے کہ ایک غریب شیخ زادہ نے اپنی نابالغ دختر کا نکاح ایک ذی وسعت عجمی النسل مگر دیندار شخص کے فرزند سے کیا ہے، اور کسی بعض نے عجمی عالم کو عربیہ کا کفو کہا ہے، مگر در مختار میں تصریح ہے:

العجمی لا یکون کفوا للعربیۃ ولو کان العجمی عالما او سلطانا وھو الاصح فتح عن الینابیع وادعی فی البحر انہ ظاھر الروایۃ (ج ۲ ص ۵۲۹)	(عجمی مرد عربی عورت کا کفو نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ عجمی عالم اور بادشاہ ہی کیوں نہ ہو اور یہی زیادہ صحیح ہے جیسے فتح القدیر نے ینابیع سے نقل کیا ہے اور ظاہر روایت پر بحر الرائق کا انحصار کیا ہے)

کفو کا اعتبار مرد کی جانب سے ہوتا ہے عورت کی جانب سے نہیں

اور بعض نے اس افراط و تفریط کے درمیان بزعم خود اپنے گمان کے مطابق ایک معتدل فیصلہ اختراع (وضع) کیا ہے، وہ یہ کہ کم ذات کو تو لڑکی دے دے مگر کم ذات کی لڑکی لے نہیں، اور اپنے ذہن میں اس کا مبنیٰ ایک نکتہ نکالا ہے، وہ یہ کہ اگر کم ذات کی لڑکی آئی اور اس سے اولاد ہوئی تو اپنے خاندان کی نسل بگڑتی ہے، اور اگر کم ذات کے گھر بڑے کی لڑکی گئی تو اس کی نسل سنورتی ہے، اس شخص نے خود حکم بھی کی اور اس کی بنا میں بھی شریعت کے ساتھ مزاحمت کی ہے، حکم پر.... یہ مسئلہ فقہ ہے کہ:

الکفاءۃ معتبرۃ من جانبہ ای الرجل لان الشریفۃ تابی ان یکون فراشا للدنی ولا تعتبر من جانبہا لان الزوج مستفرش	کفاءت اس کی طرف سے یعنی مرد کی جانب سے معتبر ہے کیونکہ شریف عورت کم درجہ کے مرد کی فراش (بیوی) بننے سے انکار کرتی ہے اور اس عورت کی طرف سے

فلا تعتبر فیہ ... الفراش ... عند الکل فی الصحیح الخ	معتبر نہیں کیونکہ خاوند صاحب فراش ہے تو وہ فراش کے معاملہ میں مزاحمت نہیں کرتا اور یہ صحیح ہے سب کے نزدیک۔

البتہ بعض نے نابالغ صغیرہ میں اس کا اعتبار کیا ہے کما فی رد المحتار تحت القول المذکور ۱۲ منہ

اس فیصلہ کنندہ (فیصلہ کرنے والے) نے خلاف شریعت منکوحہ کا وضیع (کمتر) ہونا تو جائز نہ رکھا اور ناکح کے وضیع (کمتر) ہونے کو جائز رکھا، اور اس حکم کی بناء میں شریعت کے ساتھ یہ مزاحمت کی کہ اس شخص نے نسب میں ماں کا اعتبار کیا ہے، دوسری مزاحمت یہ کی۔ اصل حکمت اس اعتبار کفاءت کی وہ ہے جو درمختار کی عبارت بالا میں مذکور ہے، ولان الشریف تابی، اور اس شخص نے اس کے مقابلہ میں خود ایک غلط بنا گھڑی، پس اس شخص کا یہ فیصلہ ہر طرح بناء الفاسد علی الفاسد (فاسد کی بنیاد فاسد پر) ہے، یہ تو قانون شرعی کی تفصیل تھی جس کا ذکر کیا گیا، یہاں مکرر ہے

غیر کفو کی منکوحہ لانے سے اس کیلئے چند دشواریاں:	یہ بھی اقرب الی المصلحت (مصلحت کے زیادہ قریب) یہ ہے کہ منکوحہ بھی اپنی ہی کفو کی لائے کیونکہ غیر کفو کے اخلاق وعادات اکثر

موافق نہیں ہوتے، تو ہمیشہ باہم نااتفاقی رہتی ہے، نیز وہ منکوحہ مرد کے خاندان میں بے قدر رہتی ہے، تو ایک مسلمان عورت کو بلا وجہ شرعی عمر کے لئے بے قدر کرنا کیا ضرور، نیز عرفاً اس کی اولاد کی شادی میں دشواریاں پیش آتی ہیں تو بلا ضرورت ان مخمصوں میں کیوں پڑے، یہاں تک تو اوصاف معتبرہ عند الشرع (شریعت کی نظر میں اعتبار کی گئی خوبیاں) میں سے کفاءت نسبیہ کا بیان تھا۔

شریعت نے کفاءت میں دین کا بھی اعتبار کیا ہے:	اور منجملہ ان اوصاف کے جن کا شرع نے کفاءت میں اعتبار فرمایا ہے، ایک دین بھی ہے اور اس میں بھی مثل کفاءت فی النسب (خاندان میں

برابری) کے عورت کا مرد سے کم ہونا معتبر نہیں، مرد کا عورت سے کم ہونا معتبر ہے، اس میں بھی جس قدر بیان ضروری ہے جو ایک تحقیق کے ضمن میں مذکور ہوتی ہیں، اور وہ یہ ہے کہ:-

مرد کی بد دینی کی تین قسمیں: مرد کی بد دینی تین طرح کی ہے، ایک اعتقادی اصولی، دوسری اعتقادی فروعی، تیسری غیر اعتقادی عملی۔

قسم اول: جیسے عورت مسلمان ہو اور مرد غیر مسلم ہو خواہ کتابی ہو مثل یہودی و نصرانی کے خواہ غیر کتابی ہو مثل مجوسی و بت پرست و دہریہ کے، اس کا حکم تو ظاہر ہے کہ نکاح صحیح نہ ہوگا

البتہ مرد اگر مسلم اور عورت کتابیہ ہو تو نکاح درست ہو جاتا ہے، مگر مناسب نہیں، وجہ مناسب نہ ہونے کی یہ ہے کہ اختلاط کافرہ کا (کافر عورت سے میل جول) لازم آتا ہے، اور یہ درست ہونا بھی جب ہے کہ عورت باعتبار عقائد کے یہودی یا عیسائی ہو اور اگر صرف قوم کے اعتبار سے ہو جیسے آجکل بہت نام کے عیسائی ہیں اور عقیدہ میں دہریے، اس کا حکم کتابی کا سا نہیں، ایسی عورت سے نکاح اصلاً درست نہیں، اور اگر عورت غیر کتابیہ ہو تو بھی نکاح درست نہیں،

قسم ثانی: جیسے عورت سنیہ ہو اور مرد مبتدع جیسے شیعی وغیرہ ہو، اس کا حکم یہ کہ اگر اس کی بدعت حد کفر تک پہنچ جائے، مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگانا یا وحی لانے میں جبرئیل علیہ السلام کو غلطی کی طرف منسوب کرنا وغیرہا، اور انہی جیسے دوسرے عقائد یا اس زمانہ میں مرزائی[1] نبوت کا قائل ہونا، تو اس شخص کا حکم بھی مثل قسم بالا کے ہے، یعنی ایسے شخص سے سنیہ کا نکاح جائز نہیں، اور اگر اس کی بدعت حد کفر تک نہیں پہنچی، تو وہ شخص مسلمان تو ہے لیکن سنیہ کا کفو نہیں، اس عورت کا نکاح اگر ایسے مرد سے کیا جائے تو اس کا حکم بوجہ غیر کفو کے ساتھ نکاح ہونے کے ویسا ہی ہے جیسا اوپر غیر کفو نسبی کے بیان میں ذکر کیا گیا، اس عبارت میں کہ "اگر وہ لڑکی بالغ ہے تب تو بھائی کے الخ تو اگر نکاح کرنے والا باپ یا دادا ہو تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے" فقط،

بعض مبتدع فرقوں کے کفر میں اختلاف ہے

ایک صورت اس میں اور ہے وہ یہ کہ بعض مبتدع (بدعتی) فرقوں کے کفر میں علماء کا اختلاف ہے، جیسے شیعہ کے باب میں فتووں کا مختلف ہونا مشہور ہے، سو مکفرین (کافر قرار دینے والوں) کے نزدیک تو سنیہ کا نکاح ایسے شخص سے باطل ہے، اور غیر مکفرین (کافر نہ کہنے والوں) کے نزدیک یہ نکاح غیر کفو میں ہے، اس لئے اس میں وہی تفصیل ہے جو ابھی غیر کفو کے ساتھ نکاح ہونے میں مذکور ہوئی، اور احقر کا معمول اس صورت مختلف فیہا (اختلاف والی) میں یہ فتویٰ دینے کا ہے کہ جب تک نکاح نہ ہوا ہو بطلان نکاح (نکاح باطل ہونے) کے قول پر عمل لازم ہے، کہ اس میں احتیاط ہے، کہ ایک خوش اعتقاد (اچھے عقیدہ والی) عورت ایک بد اعتقاد (غلط عقیدہ والے) مرد سے اور

---

[1] مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی یا مجدد ماننے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہے، اس کا نکاح کسی مسلمان عورت سے نہیں ہو سکتا ۱۲ احقر زبیر عفی عنہ

بد اعتقادی بھی ایسا ہو جس کی بد اعتقادی بعض کے نزدیک حد کفر تک پہنچتی ہے، اور جب نکاح ہو چکا تو صحت نکاح کے قول کو اختیار کرنا (نکاح کے صحیح ہونے کو لینا) لازم ہے کہ اسی میں احتیاط ہے کیونکہ اس صورت میں اگر بطلان (باطل ہونے) کا قول لیا گیا، اور اس بنا پر دوسرے شخص سے نکاح کر دیا جائے تو احتمال (شبہ) ہے کہ واقع میں وہ پہلا نکاح صحیح ہو گیا ہو تو یہ دوسرا عقد ہمیشہ کے لئے زنا ہو کر رہے گا، تو ایک مستورہ (پرہیزگار عورت) کا عمر بھر مبتلائے زنا ہونا لازم آئے گا، اور صحت نکاح کے قول پر اس احتمال کا اعتبار نہیں کیا گیا کہ اَلْاِسْلَامُ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى (یعنی اسلام غالب آتا ہے مغلوب نہیں ہوتا)

قسم ثالث:- فاسق مرد عورت صالحہ کا کفو نہیں. جیسے عورت صالحہ ہو اور بقول بعض فقہاء دختر شخص صالح (نیک آدمی کی بیٹی) بھی بحکم صالحہ ہے، اور مرد فاسق ہو اور بقول بعض فقہاء معلن (جس کا فسق علانیہ ظاہر ہو) ہونا بھی شرط ہے، تو یہ مرد اس عورت کا کفو نہیں ہوا اور غیر کفو کے ساتھ نکاح نہ ہونے کی تفصیل اوپر مذکور ہو چکی ہے،

غرض یہ تین قسمیں ہیں غیر کفو کی، ان میں جو کوتاہیاں ہیں ان کا مختصر بیان یہ ہے کہ:-

بلاد یورپ کی لامذہب عورت سے نکاح صحیح نہیں،
بعضے لوگ بلاد یورپ سے ایسی عورت نکاح کر کے لاتے ہیں جو صرف قوم کے اعتبار سے عیسائی ہوتی ہے اور مذہب کے اعتبار سے محض لامذہب، سو سمجھ لینا چاہئے کہ ایسی عورت سے ہرگز نکاح صحیح نہیں ہوتا. بعضے گو لاتے ہیں عیسائی ہی عورت مگر اس سے اس قدر مغلوب ہو جاتے ہیں کہ رفتہ رفتہ اپنے مذہب سے محض اجنبی ہو جاتے ہیں، اور اس کا واجب الاحتراز (پرہیز کا ضروری) ہونا بھی ظاہر ہے،

خاندانی مصالح موہومہ سے بد عقیدہ و بد عمل مرد سے نکاح کرنا ظلم عظیم ہے
بعضے لوگ محض طمع مال یا جاہ میں یا براہ کم شفقتی بجائے اولاد (اپنی اولاد کے حال پر کم شفقت کرنے) یا دیگر خاندانی مصالح موہومہ (خاندان کی خیالی مصلحتوں کے گمان) کے سبب اپنی لڑکیوں کا کسی بد عقیدہ یا بد عمل مرد سے نکاح کر دیتے ہیں، تو وہ بد اعتقادی حد کفر تک پہنچی ہوئی ہو تو عمر بھر کے لئے علاوہ ظاہری کلفت کے بحالت عدم توافق فی الدین (دینداری میں موافقت نہ ہونا) لازم ہے، یہ خرابی ہوتی ہے کہ ارتکاب زنا لازم آتا ہے، پھر اگر اولاد ہوئی وہ بھی حرامی، اور اگر حد کفر تک بھی نہ پہنچے تب بھی ہر وقت کا سوہان روح (روحانی عذاب، نفس و جان) رہتا ہے،

منکوحات سے قبل نکاح کے عقائد کی اچھی طرح تحقیق اور جانچ کر لینا ضروری ہے

اس باب میں سخت احتیاط لازم ہے بخصوص اس کی تحقیق قبل نکاح نہایت ضروری ہے کہ ناکح کسی فرقہ معاند و گمراہ فرقہ سے معتقد تو نہیں اور قدیم گمراہ فرقوں میں سے نہ ہونے پر بھی قناعت نہ کی جائے آجکل روز انت نئے فرقے نکل رہے ہیں اور زمانہ آزادی کا ہے۔ اس لئے اس شخص کی ان نئے فرقوں میں سے نہ ہونے کی مستقل تحقیق ضروری ہے، اسی طرح اگر وہ انگریزی خواں ہے تو دیکھ لیا جائے کہ جدید تعلیم کے اثر سے اس کی آزادی استخفاف دین (دین کو ہلکا سمجھنے) یا انکار ضروریات دین تک تو نہیں پہنچ گئی، ورنہ اگر ایک کلمہ بھی کفر کا منہ سے نکل گیا تو بدون تجدید اسلام و تجدید نکاح رشتے کرنے سے اسلام لانے اور نکاح پڑھانے بغیر حرام کا ارتکاب ظاہر ہے جس کو نہ غیرت انسانی قبول کر سکتی ہے نہ حمیت اسلامی۔

یہ بیان ہے کفاءت دینیہ کے بارے میں کوتاہیوں کا۔

ایک اہم علمی فائدہ

اوپر ابھی کفاءت فی الدین کے شروع میں بیان ہوا ہے کہ عورت کا مرد سے (مرتبہ و نسب میں) کم ہونا مضر نہیں، یعنی نکاح ہو جائے گا، اور مرد کا عورت سے (مرتبہ و نسب میں) کم ہونا مضر ہے، یعنی بعض صورتوں میں نکاح نہ ہوگا، سو آجکل چونکہ قرآن مجید کا ترجمہ ایسے عوام بھی (جو کہ اس کے سمجھنے کے اہل نہیں) دیکھتے ہیں ایسے لوگوں کو آیت سے احکام مذکورہ میں شبہ واقع ہونے کا احتمال تھا، اس لئے اس کو رفع کرنا مناسب معلوم ہوا، وہ آیت یہ ہے:

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۔

اس کے ظاہر ترجمہ سے شبہ ہوتا ہے کہ زانیہ اور زانی سے علی الاطلاق (مطلقاً) نکاح جائز نہیں، اور اس عدم جواز (ناجائز ہونے) میں زانیہ و زانی کا مشرکہ اور مشرک کے ساتھ جمع ہونا قرینہ (دلیل) ہے کہ یہ عدم جواز بمعنی بطلان و عدم صحت (باطل ہونے اور درست نہ ہونے) کے معنی میں ہے، اور یہ تحقیق بالا کے خلاف ہے، اور جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں تحریم عام ہے بطلان

اور معصیت کو یعنی مشرک و مشرکہ سے نکاح تو باطل ہے، اور زانیہ و زانی سے نکاح گو منعقد ہو جاتا ہے گو مرد عفیف (یا پاکباز مرد) کا زن غیر عفیفہ (بدکار عورت) سے علی الاطلاق (مطلقاً) اور زن عفیفہ (یا پاکباز عورت) کا مرد غیر عفیف (بدکار مرد) سے علی التفصیل (کچھ شرائط کی تفصیل کے ساتھ) یعنی جبکہ مقصود محض آب ریزی (شہوت رانی) ہو اور تحصین (عورت کی حفاظت) مقصود نہ ہو حتیٰ کہ اگر دوسری جانب سے بدون نکاح ہی کے باوجود قیام مانع یعنی شرک کے رضامندی ہو جاتی تو نکاح بھی نہ کیا جاتا، اور اب نکاح کے بعد اس کے ارتکاب زنا کی پرواہ نہ ہو اور یہی مراد ہے آیت میں تو اس مقصود کے لئے نکاح کرنا بنا بر قاعدہ "العزم علی الحرام حرام" والرضاء بالحرام حرام (معصیۃ) (جیسے امر حرام کا ارتکاب حرام ہے، اسی طرح کسی حرام کے ارتکاب پر رضامندی بھی حرام (اور گناہ ہے) اب دونوں گنہگار ہوگئے، اور اگر بسط (تفصیل) کا شوق ہو میری تفسیر (بیان القرآن) دیکھ لیجئے۔

کفاءت سے متعلق ایک عمدہ بحث

اختلاف جنس ہونے کی صورت میں نکاح صحیح نہ ہوگا

جب باوجود اتحاد فی النوع (نسل اتحاد) کے بعض اختلاف اصناف یا اوصاف (قسموں یا صفتوں کے اختلاف) سے بعض صورتوں میں کفاءت ایسی فوت ہو جاتی ہے جس سے نکاح صحیح نہیں ہوتا، تو اختلاف نوع کی حالت میں جس کو فقہاء اختلاف جنس کہتے ہیں کفاءت کیوں نہ مفقود ہو جائے گی، اور نکاح کیسے جائز ہوگا کیونکہ جو عدم کفاءت فی الوصف (صفت میں ہم مثل نہ ہونا) مانع صحت نکاح ہے سو یہ عدم کفاءت فی الجنس (نسل میں ہم مثل نہ ہونا) اس سے بڑھا ہوا قوی ہے بمصداق مثلی الوقوع اس قاعدہ کا نکاح ہے: درمیان جن مرد اور انسان عورت کے یا درمیان انسان مرد اور جنی عورت کے جس کو ہمارے فقہاء نے اسی اختلاف جنس کی بنا پر ناجائز قرار دیا گیا چنانچہ درمختار میں ہے:۔

مخرج الذکر والخنثی المشکل والوثنیۃ لجواز ذکورتہ والمحارم والجنیۃ وانسان الماء لاختلاف الجنس واجاز الحسن بشہود قنیۃ

اس سے مذکر نکل گیا اور خنثیٰ مشکل نکل گیا، ممکن ہے وہ مذکر ہو اس طرح جنیہ نکل گئی، اور دریائی انسان مختلف جنس ہونے کی وجہ سے نکل گیا (یعنی ان سے نکاح جائز نہ ہوگا) اور

امام حسنؓ نے گو جن کی موجودگی میں جنیہ کا نکاح جائز قرار دیا ہے، جسے قہستانی و درمختار نے نقل کیا ہے،

ردالمحتار میں ہے:

لان قوله تعالى والله جعل من انفسكم ازواجا بين المراد من قوله فانكحوا ما طاب لكم من النساء وهو الانثى من بنات آدم فلا يثبت حل غيرها بلا دليل،

(ترجمہ) کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس قول نے کہ تمہاری بیویاں تمہاری ہی جنس سے بنائیں اس قول کی مراد واضح کر دی کہ "نکاح کرو تم ان عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں" یعنی

یہ تو دلیل نقلی سے استدلال کیا تھا، اور اس کے بعد ایک لطیف دلیل عقلی سے استدلال کیا ہے:

ولان الجن يتشكلون بصور شتى فقد يكون ذكرا تشكل بشكل انثى ... الخ

ورنہ اس لئے کہ جن مختلف شکلوں میں متشکل ہوتے ہیں تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نر جن مؤنث کی شکل میں متشکل ہو جاتا ہے، اس کے چند سطروں بعد

وفيه بعد اسطر عن الاشباه عن السراجية لا تجوز المناكحة بين بني آدم والجن وانسان الماء لاختلاف الجنس اھ و مفاد المفاعلة ان لا يجوز للجني ان يتزوج انسية ايضا وهو مفاد التعليل،

اشباہ والنظائر میں سراجیہ سے نقل کیا ہے کہ آدم علیہ السلام کی اولاد، جنات اور دریائی انسان کا آپس میں نکاح جائز نہیں جنس کے اختلاف کی وجہ سے، اور (اشباہ میں) باب مفاعلہ ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ جن کا نکاح بھی انسان عورت سے جائز نہیں، اور علت بیان کرنے کا بھی فائدہ ہے،

پھر چند سطر کے بعد حسنؓ کے قول مذکور کے خلاف نقل کیا ہے:

عن شرح الملتقى عن زواهر الجواهر الاصح انه لا يصح نكاح آدمي جنية كعكسه لاختلاف الجنس فكانوا كبقية الحيوانات،

شرح الملتقی نے زواہر الجواہر سے نقل کیا ہے کہ صحیح قول یہی ہے کہ انسان مرد کا نکاح جن عورت کے ساتھ صحیح نہیں، جیسا کہ اس کے برعکس ہے (یعنی جن مرد کا نکاح انسان عورت سے درست نہیں) اختلاف جنس کی بناء پر جنوں کا حکم وہی ہے جو دیگر حیوانات کا ہے۔

جن عورت کا انسان مرد سے اور جن مرد کا انسان عورت سے نکاح صحیح نہیں۔

اور ہر چند یہ صورت نادر الوقوع، کبھی کبھار واقع ہونے والی ہے لیکن ممتنع الوقوع (واقع ہونے میں ناممکن) نہیں ہے، اور حکم اس کا عوام میں مشہور و معلوم کم ہے، تو امکان وقوع ... (واقع ہونے کا)۔۔ احتمال تھا کہ شاید کسی کا اتفاق پڑتا، اور وہ حکم معلوم نہ ہونے سے اس میں مبتلا ہو جاتا، چنانچہ کہ چند سال ہوئے ایک طالب علم جس کو احقر نے بھی دیکھا تھا ایک مدت تک غائب ہو گیا تھی ...

[illegible]

کے بعد تیسرے روز سہارنپور کے جنگل میں پایا گیا، اس نے اپنا سارا قصہ بیان کیا کہ مجھ کو کچھ لوگ جو جن ہیں اٹھا کر لے گئے اور کسی اجنبی جگہ پہنچا دیا، وہاں ایک نفیس شاہانہ مکان میں ایک لطیف الوضع (یعنی جن) شیخ تھا، اور ایک جوان لڑکی بھی موجود تھی جس نے اپنا تعشق (عاشق ہونا) اس سے ظاہر کر کے نکاح کی درخواست کی، اس نے مسئلہ کی بناء پر تو نہیں کیونکہ اس کو معلوم ہی نہ تھا بلکہ محض توحش (گھبراہٹ) کے سبب رونا شروع کر دیا، آخر وہ لوگ اس کو پھر ہوا میں اڑا کر سہارنپور کے جنگل میں چھوڑ گئے، تو بہت ممکن تھا کہ اگر اس کو یہ توحش نہ ہوتا تو مسئلہ معلوم نہ ہونے کے سبب نکاح پر راضی ہو کر قبول کر لیتا، خصوص جس شخص کے کان میں ایسے قصے پڑے ہوں کہ حضرت بلقیس کے باپ آدمی اور ماں جنیہ تھیں، یا جیسا جہلا نے مشہور کیا ہے کہ حضرت محمد بن علی کی والدہ خولہ حنفیہ جنیہ تھیں، تو ایسے قصے سن کر کچھ عجب نہیں کہ کوئی شخص ایسے موقع پر ایسے نکاح کو جائز ہی سمجھ جائے، اس لئے اس پر تنبیہ کر دی گئی،

جنیہ سے صحت نکاح کے سلسلہ میں بلقیس کے قصہ سے استدلال صحیح نہیں،

رہا استدلال (دلیل لانا) مذکورہ قصوں سے، سو گو پہلے قصہ میں احتمال صحت کا بھی ہے، لیکن اول تو ان لوگوں کا کسی شریعت کا تابع ہونا ثابت نہیں بلکہ بلقیس کے اہل آفتاب پرست (پہلے سورج کی پوجا کرنے والے) میں سے ہونے سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ طریقہ ان کا آبائی ہو، پھر اس سے قطع نظر یہ ضروری نہیں کہ سب شریعتوں کے احکام فرعیہ (فروعی احکام) یکساں ہوں، تو ان کا فعل ہمارے لئے حجت نہیں ہو سکتا،

بنی حنفیہ کی بنو جنیہ کی طرف نسبت من گھڑت ہے

اور دوسرا قصہ تو بالکل ہی غلط ہے، وہ تو قبیلہ بنی حنیفہ سے ہیں، جو یمامہ میں حکومت رکھتا تھا، میں نے اپنے مشفق استاد علیہ الرحمہ[1] سے سنا کہ فرماتے تھے کہ یہ خاندان کرم اور شجاعت میں ممتاز ہونے کے سبب موافق محاورۂ عرب کے بنو جنیہ کہلاتا ہوگا، عوام نے اس کا حقیقی ترجمہ کر کے ان کی طرف منسوب کر دیا،

احقر کہتا ہے کہ جس طرح ایک شاعر نے کسی قبیلہ کی مدح کی ہے ؎

بنو جنیۃ ولدت سیوفا

(ایک جنیہ عورت کی اولاد ہیں جنہوں نے تلواریں جنی ہیں)

[1] یعنی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی، پہلے صدر مدرس دارالعلوم دیوبند، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جواہرات یعقوبی حصہ اول صفحہ ۸ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد ضلع بہاولنگر،

باقی امام حسن کا اختلاف سو دلیل صحیح کے مقابلہ میں وہ غیر معتبر ہے، رہی یہ بات کہ اگر مخالفت نص کا شبہ ہو تو اس کو کس طرح دفع کیا جائے کہ شاید منشا ان کے قول کا یہ ہو کہ قرآن مجید کا خطاب ظاہر ہے کہ انسان و جن دونوں کو عام ہے جیسا قولہ تعالیٰ

مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا (النحل ۷۲)	اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں میں سے تمہارے لئے بیبیاں بنائی ہیں

دونوں قسم کی عورتوں کو شامل ہوگا پس دونوں کا ایک حکم ہوگا، رہا جمہور کا مسلک اس کا کیا جواب دیں گے؟ سو جواب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جمع مقابل ہے جمع کے لیں آحاد، آحاد کی طرف منقسم ہوں گی آحاد (افراد) پر، گو یہ آحاد جزئیات حقیقیہ (اکائیاں حقیقی جزئیات) نہیں نہ ہوں جزئیات بمعنی اضافی جزئیات، جیسے مثلاً رجال الانس (انسانی مردوں) کے لئے نساء الانس (انسانی عورتیں) اور رجال الجن (جن مردوں) کے لئے نساء الجن (جنی عورتیں)۔

بہرحال ظاہر اور منصور مدلول محقق قول جمہور ہی کا ہے لیکن حسن کے قول کو قطعاً بالکل نص کے خلاف نہ کہا جائے گا۔ اور چونکہ مسئلہ ظنیہ ہے اس لئے غیر قطعی ہونا جمہور کو بھی مضر نہ ہوگا اور عجب نہیں کہ جس طرح قول حسن کا یہ منشا نقلی ہو جو ابھی مذکور ہوا اسی طرح ایک دوسرا منشا عقلی ہو مگر اس منشا کی بنا پر یہ حکم جواز مخصوص ہوگا اس صورت کے ساتھ جبکہ وہ جن بشکل انسان ہو، سو کچھ بعید نہیں کہ حسن کے نزدیک یہ قید بھی ملحوظ ہو گو ان کے قول کے ساتھ یہ قید منقول نہیں ہوئی لیکن بہت اقوال ناتمام بھی منقول ہو جاتے ہیں، اور وہ منشا یہ ہے کہ

آدمی کی شکل میں جن صحبت کرے تو غسل واجب ہے	ہمارے فقہاء میں سے بعض اس طرف گئے ہیں کہ جنی سے کسی روایت میں ہے کہ اگر آدمی کی شکل میں ہو کر جنی کسی آدمیہ (انسان عورت) سے یا

آدمی کسی جنیہ (جن عورت) سے جو کہ آدمیہ (انسان عورت) کی شکل میں ہو صحبت کرے اور انزال نہ ہو تب بھی غسل واجب ہوگا چنانچہ درمختار کے اس قول سے

ایلاج حشفۃ آدمی احترز عن الجن واذا لم یظہر لہا فی صورۃ الآدمی کما فی البحر	(در مختار میں ہے کہ آدمی کا سے ظاہر دخل کرنا جن سے احتراز ہے جب تک انزال نہ ہو اور جب تک جن انسان عورت کے لئے آدمی کی صورت میں ظاہر نہ ہو، جیسا کہ بحر الرائق میں ہے)

ردالمحتار میں ہے:-

هو بحث لصاحب البحر وسبقه إليه صاحب الحلية لكنه تردد فيه فقال أما إذا ظهر في صورة آدمي وكذا إذا ظهر للرجل جنية في صورة آدمية فوطئها وجب الغسل لوجود المجانسة الصورية المفيدة لكمال السببية، اللهم إلا أن يقال عدم إنما يتحقق لو لم توجد بينهما مباينة معنوية في الحقيقة ومن ثم علل بعضهم حرمة التناكح بينهما فينبغي أن لا يجب الغسل إلا بالإنزال كما في البهيمة والميتة نعم لو شعر ما في نفس الأمر لا يبعد أنوط ... الغسل فيه لظهور الانتقاء ما يفيد قصور السببية ج ۱ ص ۱۲۰

یہ بحث بحر الرائق والے کی ہے اور اس کو اسی طرح صاحب حلیہ نے بھی لیا تھا، مگر ان کو اس میں تردد ہو گیا ہے، اور اس کی تفصیل کرتے ہوئے یوں کہا ہے کہ جیسے جن آدمی کی شکل میں ظاہر ہو اسی طرح انسان مرد کے لئے کوئی جنیہ (جنی عورت) انسانی عورت کی شکل میں ظاہر ہو اس انسانی مرد نے اس جنیہ سے صحبت کی تو غسل واجب ہو جائے گا شکلوں کی مجانست کے سبب جو کمال سببیت کا فائدہ دینے والی ہے، لیکن اگر یہ کہا جائے کہ یہ تو تب ہوگا جبکہ ان دونوں کے درمیان حقیقت میں معنوی تضاد نہ پایا جائے، اور اسی وجہ سے ان دونوں کے درمیان بعض فقہاء نے نکاح کے حرام ہونے کی معنوی تضاد کو علت ٹھہرایا ہے، چاہئے تو یہ انزال کے بغیر غسل واجب نہ ہو جیسے کہ چوپائے اور مردار کے بارے میں حکم ہے، ہاں اگر اس کی حقیقت واقعی سے لاعلمی ہے تو پھر وطی کے بعد غسل واجب ہو جائے گا، جیسا کہ سبب غسل میں کمزوری کی نفی چیز کے معدوم ہونے سے معلوم ہو رہی ہے۔

اس طرح وجوب غسل میں صرف مجانست صوریہ (شکل کی مشابہت) کا اعتبار کیا گیا ہے تو گنجائش ہے کہ جس طرح احکام وطی میں مجانست صوریہ (شکل کی مشابہت) کو معتبر قرار دیا گیا اسی طرح احکام سبب وطی یعنی نکاح میں بھی اسی مجانست صوریہ کو کافی قرار دیا جائے۔

جنس مخالف سے نکاح ہو سکتا ہے کیا ایک عورت

یا مرد کا تشکل (شکل اختیار کرنا) بصورت زن (عورت) یا بالعکس جبکہ قول حسن پر وارد کیا گیا ہے تو اس کے عدم صحت نکاح (نکاح صحیح نہ ہونے) کے مانع ہونے کا التزام کر لیا جائے جس طرح رد المحتار کی عبارت قریب کے آخر میں: ولم يعلم

مانی نفس الامر تو میں اس کو موثر سمجھا گیا ہے لیکن بقائے نکاح میں اس کو مانع ہونے والا نہ سمجھا گیا جس کا راز یہ ہے کہ ارواح تو قالب محض ہیں مختلف شکلیں ان کے لئے ایسی ہیں جیسے ایک شخص کے مختلف لباس انسان کے لئے پس اگر شوہر مرد کا لباس پہن لے یا سحر یا جادو سے مرد کی شکل بن جائے، پھر خواہ وہ شکل واقع میں ہو جائے یا محض تخییل (خیالی) ہو جائے کیونکہ سحر میں دونوں قسمیں پائی جاتی ہیں تو نکاح باقی رہتا ہے اسی طرح۔ یعنی جیسے زیر بحث مسئلہ میں کہا جائے کہ باوجود کہ مقتضا کہ حدوث نکاح میں بھی مانع نہ ہو تو جواب اس کا یہ ہے کہ اس وقت ہم لوگ پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ متشکل بشکل مرد آدمی کی شکل اختیار کرنے والا واقع میں جنس انثیٰ (جن عورت) ہے، تو نکاح کا محل (موقع) ہونا ہی مشکوک ہے، اور پہلے سے نکاح منعدم (غیر موجود) ہے فلا ینعقد بالشک (پس شک کی وجہ سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا) اور ایک بار جب حدوث ہو چکا تو تبدل بشکل (شکل تبدیل کر لینے) سے تیقن انعقاد (منعقد ہونے کے یقین) کے بعد زوال (زائل ہونا) مشکوک ہو گیا۔ فلا یزول بالشک (پس شک سے زائل نہیں ہوتا)۔

جنس مخالف سے نکاح کے مسئلہ میں احتیاط کی راہ اور ایک شبہ کا ازالہ

اور احقر کا وجدان ان احکام مذکورہ کے مختلف ہونے کے باب میں یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ ان تمام احکام میں دلائل متعارض (ایک دوسرے سے ٹکرانے والے) ..... ہیں اگرچہ میری تقریر نفی کی مستند (جیسا کہ ہر مسئلہ میں ہماری تقریر سے ظاہر ہے) پس ہر مسئلہ میں احتیاط پر عمل کرنا چاہئے، چنانچہ غسل کے باب میں احتیاط وجوب میں ہے، اور نکاح کے باب میں احتیاط عدم جواز (جائز نہ ہونے) میں ہے، یہی وسعت ہو اقرب واصوب ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اور اس قول جمہور یعنی مانعیت اختلاف الجنس عن التزویج (نکاح میں اختلاف جنس کے مانع ہونے) پر جنت میں حوروں سے نکاح ہونے پر شبہ نہ کیا جائے کہ وہ بھی جنس میں مخالف انسان سے مختلف ہیں، انسان سے نکاح اور استمتاع (بہرہ مند ہونا) کیسے حلال ہوگا جس کی خبر قرآن مجید میں فرمائی گئی ہے:

وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ط	"اور ہم ان کا گوری گوری بڑی بڑی
(الطور، آیت ۲۰)	آنکھوں والیوں (یعنی حوروں) سے بیاہ کر دیں گے"

دنیا اور آخرت کے احکام متماثل نہیں

جواب شبہ کا ظاہر ہے کہ دنیا و آخرت کے احکام کا متماثل (یکساں) ہونا ضروری نہیں، یہاں مردوں کے لئے حریر جائز نہیں، اور جنت

میں جائز ہوگا، اور راز اس میں یہ ہے کہ احکام دنیویہ کی جو علت (بنیاد) ہے وہ وہاں مرتفع (ختم) ہو جائے گی، چنانچہ حریر وحلیہ (ریشم وزیور) کی نہی کی علت تفاخر (فخر کرنا) ہے، سو جنت میں اس رذیلہ کا مادہ ہی منقطع (ختم) ہو جائے گا، اسی طرح شبہ ہو کہ یہاں اختلاف کا مانع من النکاح ہونا معلل (نتیجہ) ہو علت عدم توافق (عدم تناسب) (مزاج اور مناسبت میں یکساں نہ ہونے) سے جس کے سبب مصالح زوجیت فوت ہو جائیں گے، اور یہ علت جنت میں اس لئے مرتفع ہو جائیگی کہ وہاں خود انسان میں خواص بشریہ کی جگہ خواص ملکیہ (فرشتوں کے خواص) پیدا ہو جائیں گے، پس خواص میں سب اور جو ریب متکافی (باہم برابر) ہوں گے، اس لئے عدم توافق کا احتمال جو وقت نہ ہوگا شک نہ رہے گا، البتہ جو امور قبیح لعینہٖ (اپنی اصل کے اعتبار سے برے) ہیں وہ جنت میں بھی نہ ہوں گے کیونکہ ان کا قبح (برائی) ذاتی ہے، ان سے کسی موطن وجود (عالم وجود) میں منفک (علیحدہ) نہ ہوگا مثلاً مردوں کو جس غرض سے انعام میں حوریں ملیں گی اسی غرض سے عورتوں کو غلمان (لڑکے) دیئے جاتے تو یہ انعام کے درجہ میں قبیح لعینہٖ (اپنی اصل کے اعتبار سے برا کام) ہے کیونکہ انعام میں اکرام ہوتا ہے، اور فراش بننا اپنے مفعول (کمتر) کا اہانت ہو، اور مومنین ومومنات (اہل جنت) حور وغلمان سے درجہ میں مطلقاً افضل ہیں، اسی راز کے سبب زوج کا کفاءت میں کم ہونا شرعاً معتبر ہے اور عورت کا کم ہونا معتبر نہیں، اس لئے اکرام کے موقع میں اہانت قبیح لعینہٖ (جو اپنی اصل کے اعتبار سے برائی ہے)، اور انسیہ (انسانی عورت) کا انسان کے لئے فراش بننا اہانت نہیں کیونکہ وہ من کل الوجوہ مفعول (ہر اعتبار سے کمتر) نہیں،

جنت میں لواطت نہ ہوگی اسی تقریر سے جنت میں لواطت کا نہ پایا جانا بھی محقق ہو گیا، اور بعض معتزلہ کا خلاف کرنا قابل التفات نہیں،

كما نقل في رد المحتار عن ابي علي	جیسا کہ رد المحتار میں ابو علی ابن الولید معتزلی
بن الوليد المعتزلي ونقل ايضاً	سے نقل کیا ہے اور امام ابو یوسف قزوینی
الرد عليه عن ابي يوسف القزويني	سے اس کا رد بھی ان الفاظ میں نقل کیا ہے
بقوله الميل الى اتيان الذكور عاهة	کہ مردوں کی طرف میلان ایک آفت ہے
وهو قبيح في نفسه لانه محل	اور وہ فی نفسہ ایک برا کام ہے کیونکہ
لم يخلق للوطء ولهذا لم يبح	لواطت کے لئے یہ محل پیدا نہیں کیا گیا،
في شريعة بخلاف الخمر منه ۲۲۲	اسی وجہ سے شراب کے برعکس اس کو کسی

وفی الدر المختار عن البحر حرمتها اشد من الزنا لحرمتها عقلا وشرعا وطبعا والزنا ليس بحرام طبعا وتزول حرمته بتزوج وشراء بخلافها.

شریعت میں بھی مباح قرار نہیں دیا گیا (ص ۲۴۴ ج ۳) اور درمختار میں بحرالرائق سے منقول ہے کہ لواطت کی حرمت زنا سے زیادہ سخت ہے کیونکہ لواطت طبعاً، شرعاً اور عقلاً حرام ہے، اور زنا طبعی حرام نہیں اور اس (زنا) کی حرمت نکاح کے ذریعہ یا ملکیت کے ذریعہ زائل ہو جاتی ہے، بخلاف لواطت کے کہ اس کی حرمت کسی حال میں زائل نہیں ہو سکتی۔

اور اس عبارت سے جنت میں انتفاء لواطت (لواطت کے نہ ہونے) کا ایک اور طریق سے بدلالۃ النص بھی ثابت ہوا یعنی یہ وہ زنا سے اشد ہے، اور جنت میں زنا نہ ہونا یقینی ہے تو جو حرمت میں اس سے شدید ہے وہ بدرجۂ اولیٰ منتفی زنا سے ہوگا۔

یہ ایک تفریع تھی اس قاعدہ پر جس سے جنت میں مرد کو حوریں دیئے جانے کا عورت کو غلمان دیئے جانے کے لیے مستلزم نہ ہونا ثابت ہے، اور اصل مقصود جنیہ سے نکاح کے عدم جواز سے حوروں سے نکاح ہونے پر شبہ کا دفع کرنا ہے، یہ ہے تحقیق قول جمہور کی متعلق مسئلہ عدم جواز نکاح جنیہ کے (یعنی حور سے نکاح کے ناجائز ہونے کی)۔

قرآن پاک کو ماننے والا کوئی شخص جن کا انکار نہیں کر سکتا۔

اور ہماری یہ تمام بحث شاید ان صاحبوں کو فضول معلوم ہو جو تعلیم جدید کے غلبہ سے خود جنات کے وجود ہی سے منکر ہیں، لیکن جو شخص قرآن مجید کی تصدیق کرے گا اور روایات ثقات کثیر العدد (بے شمار انتہائی معتبر روایت کرنے والوں) کی بھی تکذیب نہ کرے گا، اس کو وجود جن کے قائل ہونے سے چارہ نہیں، پس اس حالت میں اس بحث کو فضول کہنا بناء الفاسد علی الفاسد (ایک غلط کی بنیاد دوسرے غلط پر رکھنا) ہے، ہمارے فقہاء نے بھی اس کو محسوس کر کے اس سے تعرض بھی فرمایا ہے:

کما فی رد المحتار وقیل من ان من سأل عن جواز التزوج بها تصفع لجهله وحماقته لعدم تصور ذلك بعيد لأن التصور ممكن لأن تشكلهم ثابت بالأحاديث.

(جیسا کہ رد المحتار میں ہے اور یہ جو منقول ہے کہ بعض لوگوں کا اس (جنیہ) کے نکاح کے جواز کا سوال کرنا ان کی جہالت و کم فہمی کے باعث اس لئے ہے کہ ان کے نزدیک کسی کی شکل اختیار کر لینا ممکن نہیں بعید ہے، اس لئے کہ ان کا متشکل ہونا ممکن

والا تکثر الحکایات الکثیرۃ وفی
بیت المنطی من قتل بعض احب
کما مر فی مکروہات الصلوٰۃ ص ۲۲۳

....
سے ہم نے حکایات صحابہؓ ... اور
حلوبیٹھے جنات کا مختلف شکلیں اختیار

کرنا ثابت ہے۔ اسی وجہ سے بعض اقسام کے سانپوں کو مارنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے جیسے کہ باب مکروہات صلوٰۃ ج ۲ ص ۲۲۳ میں مذکور ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

کیا تجانس امامت میں بھی شرط ہے؟

جس طرح تجانس یعنی باہم ایک ہی جنس ہونا نکاح میں شرط ہے تو شاید امامت میں بھی اس کو شرط قرار دیا جائے اور اس بنا پر جن کی امامت کو ناجائز سمجھا جائے، سو تحقیق یہ ہے کہ امامت میں اس کے شرط ہونے کی کوئی دلیل نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جن کا اقتداء یعنی نماز پڑھنا اور اس پر آپ کی تقریر (یعنی اس پر آپ کا انکار نہ فرمانا اور باقی رہنے دینا) دلیل عدم اشتراط (شرط نہ ہونے) کی ہے۔ اور یہ عدم تجانس جانبین سے ہے اور اس سے جواز اقتداء بالملائکہ (فرشتوں کے پیچھے نماز پڑھنے کے جائز ہونے) کا شبہ نہ کیا جائے کہ جبرئیل علیہ السلام فرائض میں امام بنے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کیونکہ یہ امامت بعد فرضیت (فرض ہونے) کے ہوئی ہے۔

جواب یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام پر بوجہ مامور (بحکم خداوندی کا پابند) ہونے کے خود ان دو یوم کی نماز فرض ہو گئی تھی تو وہ بھی مثل انس و جن (انسانوں اور جنوں) کی طرح اس کے مکلف (پابند) ہو گئے تھے اور اقتداء مفترض (فرض ادا کرنے والے) کی مفترض کے پیچھے ہوتی اور مطلقاً ملائکہ پر نماز فرض نہیں، اس لئے وہ متنفل (نفل پڑھنے والے) ہوں گے جو مانع اقتداء مفترض (فرض پڑھنے والے کی اقتداء کے لئے مانع) ہے۔

مسئلہ زیر بحث میں ایک عجیب نکتہ

مسلم جنیہ کی اولاد کو جن وہ منسوب ہے جس کی ذات کو دیں کہیں گے۔

اس تحقیق کا حاصل تو یہ تھا کہ تناکح انسان اور جن میں جائز نہیں لیکن یہ امر قابل تحقیق باقی رہا کہ اگر کسی نے باوجود ناجائز سمجھنے کے یا بوجہ مسئلہ معلوم نہ ہونے کے ایسا کر لیا اور اس نکاح سے اولاد پیدا ہو گئی تو

ظاہراً یہ گو طبعاً مستبعد و عقلی اعتبار سے ناممکن نہیں ہے اگر ایسا ہو جائے تو بحیثیت شرعی اصولوں کے مطابق اس کو انسان کہا جائے گا یا جن، مثلاً خود ایسی اولاد کا نکاح آدمی و آدمیہ سے جائز ہوگا یا نہیں؟

سو حکم اس کا قواعد کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اولاد نسباً باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے، لیکن اوصاف و احکام و صفات اور نسل میں تابع ماں کے ہوتی ہے، مثلاً اگر مرد آزاد ہو اور عورت مملوکہ و لونڈی ہو اور ان میں نکاح ہو کر اولاد ہو تو وہ مملوک (غلام) ہوگی یا مثلاً نر ہرن اور مادہ بکری سے بچہ پیدا ہو تو وہ بکری ہی سمجھی جائے گی اور مثلاً قربانی اس کی صحیح ہوگی وعلیٰ ہذا۔

پس اس قاعدہ کا مقتضا یہ ہے کہ اگر منکوحہ جنیہ ہے تو اولاد کو جن کہیں گے اور اس کا نکاح آدمی سے درست نہ ہوگا، اور اگر ناکح جن ہے اور منکوحہ آدمیہ تو اولاد کو آدمی کہہ کر اس کے احکام جاری ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

ایک علمی نکتہ

کسی پر غلبہ جن آنے کے وقت دوسری عورتوں کو پردہ کرنا چاہیے

اگر کوئی جن غلبۃً کسی عورت کے پاس آتا ہو اور وہ اس کے دفع پر کسی تدبیر مثلاً تعویذ و عمل وغیرہ سے قادر نہ ہو تو وہ مجبور ہونے کے سبب معذور رہے، لیکن دوسری عورتوں کو جبکہ اس مظلومہ کے خبر دینے سے یہ اطلاع ہو کہ اس وقت وہ جن آیا ہوا ہے اس کے ساتھ مثل اجنبی مرد کے معاملہ کرنا واجب ہوگا یعنی اس کے سامنے بے پردہ ہونا درست نہ ہوگا البتہ اگر مظلومہ کی اعانت یا دفع وحشت (دور کرنے یا خوف دور کرنے) کی ضرورت سے وہاں رہنا ہو تو بجز وجہ و کفین و قدمین (سوائے چہرے، دونوں ہتھیلیوں اور دونوں پاؤں) کے باقی تمام بدن ڈھانکنا واجب ہوگا یعنی سر و بازو گردن و ساق (پنڈلی) کا ظاہر کرنا درست نہ ہوگا فقط۔ عالمہ عورتیں بھی اس مسئلہ سے غافل ہیں۔

واللہ اعلم والحمد للہ الملہم الملجئ علی تحقیق ہٰذہ اللطائف التی لعلک لا تجدہا فی موضع واحد۔

(اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے ان علمی نکات کی تحقیق پر جن کا ایک ہی جگہ اس طرح ملنا مشکل ہے اللہ بزرگ و برتر کے لئے ہی سب تعریفیں ہیں)

کتبہ اشرف علی نوّر اللہ مرقدہٗ

اصلاحِ انقلاب متعلق مہر

اس باب میں بھی متعدد مختلف کوتاہیاں ہوتی ہیں بعضہا اشد من البعض (جن میں سے بعض بعض زیادہ سخت ہیں)۔

مہر بھی شائع حق واجب اور لازم ہے۔

ایک کوتاہی جو بعض وجوہ سے سب سے زیادہ سخت ہے، یہ ہوتی ہے کہ اکثر لوگ مہر ادا کرنے کا ارادہ ہی دل میں نہیں رکھتے، پھر خواہ صاحب ثانی (یعنی بیوی) بھی وصول کا ارادہ نہ کرے، اور خواہ کسی سبب عارض (پیش آنے والا واقعہ یعنی طلاق یا موت سے وہ (بیوی) یا اس کے بعد اس کے ورثہ وصول کرنے کی کوشش کریں، لیکن ہر حال میں زوج (شوہر) کی نیت ادا کی نہیں ہوتی، سو لوگوں کی نظر میں یہ نہایت سرسری اور معمولی معاملہ ہے حتیٰ کہ اس کا سرسری ہونا ان کی تصریحات سے بھی معلوم ہو جاتا ہے، چنانچہ قلت و کثرت مہر (مہر کے کم زیادہ ہونے) کی گفتگو میں بے دھڑک (بلا جھجک) کہہ دیتے ہیں کہ میاں کون لیتا ہے اور کون دیتا ہے، خیر یہ بھی ایک بات ہے تو یہ لوگ اپنے اس اعتقاد کا صریح اقرار کرتے ہیں کہ مہر محض نام کرنے کو ہوتا ہے، دینے لینے کو اس سے کوئی تعلق نہیں، سو اوّل تو فی نفسہ بھی یہ دعویٰ غلط اور باطل ہے، مہر بھی شائع حق واجب اور لازم ہے، اور مثل دیگر دیون مفترض الادا ہونے (دوسرے ان قرضوں کی طرح ہے جن کی ادائیگی جلد میں ضروری ہوتی ہے) جب تک کہ کوئی مسقط (گرانے والا یعنی ختم کرنے والا) اس کا نہ پایا جائے، مثل ابراء (معافی) یا اس کے جزو یا کل کا زوج کو میراث میں پہنچ جانا، یا طلاق قبل الدخول (ہمبستری سے پہلے طلاق) نصف مہر کے لئے وغیرہ ذلک من الاسباب المذکورۃ فی کتب الفقہ (اور اسی طرح کے دوسرے اسباب جو کتب فقہ میں مذکور ہیں)

بہر حال وہ فی نفسہ (اپنی ذات میں) واجب الادا ہے، دوسرے موقع پر خود یہ مدعی (دعویٰ کرنے والے) ہی اپنے فعل سے اس قول کی تکذیب کرنے لگتے ہیں یعنی جب ان کی منکوحہ کا جبکہ وہ معلقہ یا مطلقہ (ویسے ہی ترک تعلق کر رکھا ہو یا طلاق یافتہ ...) ہو جائے کوئی معاملہ جھگڑا ہو

تو سب سے اول یہی دعویٰ اس مہر کے لزوم (ضروری ہونے) کے مدعی بن جاتے ہیں،

بہر حال اس کے سرسری ہونے کا دعویٰ تحقیقاً والزاماً (تحقیق اور لازم ہونے کی رو سے) ہر طرح غلط ہے۔ مگر پھر بھی بجز اس کے کچھ نہیں کہ یقولون بافواههم ما لیس فی قلوبهم (اپنے منہ سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں) عام طور سے اس کا سرسری ہونا زبان زد (مشہور) ہو گیا ہے،

دل میں مہر ادا نہ کرنے کی نیت ہو تو وہ شخص زانی ہو کر مرے گا

سو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کو سرسری سمجھنا اور ادا کی نیت نہ رکھنا اتنی بڑی سخت بات ہے کہ حدیث شریف میں اس پر بہت ہی بڑی وعید آئی ہے، چنانچہ کنز العمال بروایت ابو یعلیٰ وطبرانی ورافعی وابن النجار وابن عساکر وبیہقی کے حضرت صہیبؓ سے بروایت ابن مندہ کے میمون بن جابان البصری عن ابیہ سے باختلاف بعض الفاظ یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کا کچھ مہر ٹھہرائے پھر یہ نیت رکھے کہ اس کے مہر میں سے اس کو کچھ نہ دے گا یا اس کو پورا نہ دے گا تو وہ شخص زانی ہو کر مرے گا اور اللہ تعالیٰ سے زانی ہو کر ملے گا (جلد ۸ صفحہ ۲۴۴)

سو ملاحظہ کیجئے کہ کتنی بڑی سخت وعید[1] ہے کہ باوجود صورت نکاح پھر اس شخص کا شمار زانیوں میں ہوا تو کیا اب بھی یہ کوتاہی قابل تدارک (تلافی کے قابل) نہیں ہے، اور ہر چند کہ عمل میں لانے وعید میں وجہ تعلق معلوم کرنے کی ضرورت نہیں لیکن تبرعاً (بطور تطوع) ایک ظاہری وجہ بھی منضبط کرتا ہوں، اس سے پہلے دو مقدمے جاننا چاہیے،

نکاح اور زنا میں فرق

ایک یہ کہ بتصریح حدیث نکاح اور زنا میں مابہ الفرق (فرق کرنے والے) یہ امور ہیں، دف بعض صورتوں میں اور دو گواہ اور مہر جیسا فی الروایات مجمعہا کنز العمال ج ۸ ص ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۶، ۲۴۹، ۲۹۲، ۲۹۷ فی شہادۃ رجل وامرأۃ ابطلہا عمر

کوئی عمل شرعی بدون نیت عند اللہ معتبر نہیں

دوسرا یہ کہ مہر مقرر کرنا ایک عمل ہے اور جب نیت دینے کی نہ ہو تو یہ مقرر کرنا معتبر نہ ہوا، المقدمۃ الثانیۃ (اس دوسرے مقدمہ کی رو سے) پس گویا مہر مقرر ہی نہیں ہے، اور مہر مقرر نہ کرنا خاصہ زنا کا ہے، المقدمۃ الاولیٰ (مقدمہ اول کے اعتبار سے) پس اس حیثیت خاص سے یہ نکاح مشابہ زنا کے ہوا اس لئے ناکح کو زانی فرمایا گیا، واللہ

---

[1] گفتہ او گفتہ اللہ بود ٭ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وعید کے مصداق بننے سے گریز کرنے کی پوری کوشش کرنا چاہیے ٭ اختر زبیری،

بہ نسبت زنا کے ہے جس کی وجہ ابھی مذکور ہوئی اور اس تقریر سے وجہ وعید بھی معلوم ہوئی۔ یہ تھی اس حدیث کی شرح اور توجیہ بھی ہوگئی۔

مہر ادا کرنے کی نیت رکھنے والا خائن اور چور بھی ہے۔

نیز اسی حدیث مذکور میں ایک جزو اور بھی ہے وہ یہ کہ اگر کسی سے کچھ مال خریدے اور اس کی قیمت ادا کرنے کی نیت نہ رکھے یا کسی کا کچھ دین ذمہ میں واجب ہو اور وہ اس کے ادا کی نیت نہ رکھے، یا کسی سے کچھ قرض لیا ہو اور اس کو ادا نہ کرنا چاہتا ہو، تو وہ شخص موت کے وقت (یا قیامت کے روز) خائن (خیانت کرنے والا) اور چور ہوگا۔ اور ظاہر ہے مہر ایک دین ذمہ میں واجب الحق ہے جب اس کے ادا کی نیت نہ ہوئی تو حدیث کے اس دوسرے جزو کے اعتبار سے یہ شخص خائن اور چور بھی ہوا تو ایسے شخص پر دو جرم قائم ہوئے زانی ہونے کا بجزء الاول (پہلے جزو کی رو سے) اور خائن و سارق ہونے کا بجزء الثانی (دوسرے جزو کے اعتبار سے) اور اس عمل میں اور اس کی وعید میں وجہ تعلق اول کی طرح مخفی (پوشیدہ) نہیں، بلکہ ظاہر ہے کیونکہ کسی کے حق مالی کو ضائع کرنا ظاہر ہے کہ خیانت و سرقہ (چوری) ہے جب ایک ہی وعید کے ترتب (مرتب ہونے) پر میں نے اوپر کہا ہے کہ کیا اب بھی یہ کوتاہی قابل تدارک نہیں؟ اب تو دو وعیدوں کا ترتب ثابت ہوگیا۔ اب زیادہ زور کے ساتھ کہا جائے گا کہ کیا اب بھی یہ کوتاہی قابل تدارک نہیں!

اپنی وسعت سے زیادہ مہر مقرر نہیں کرنا چاہیے۔

سو اس کا تدارک ظاہر ہے کہ ادا کرنے کی عزم نیت رکھی جائے مگر تجربہ اور وجدان شاہد ہے کہ بعادت اکثر (اکثر عادت کے مطابق) یہ عزم نیت اسی عمل پر ہوسکتی ہے جس پر عادۃً قدرت ہو ورنہ نیت کا محض تخیل (خیال) ہو جاتا ہے تحقق (وقوع) نہیں ہوتا۔ اور ظاہر ہے کہ جس شخص کو دس روپے دینے کی قدرت نہ ہو وہ عادۃً لاکھ سوا لاکھ بلکہ دس بیس پانچ ہزار دینے پر بھی قادر نہیں جب قادر (ادائیگی کی طاقت رکھنے والا) نہیں تو بحکم مقدمہ مذکورہ (مذکورہ مقدمہ کے مطابق) وہ اس کے ادا کی بھی نیت نہ رکھے گا۔ پس اگر ایسے شخص کا اتنا مہر مقرر ہوا تو وہ ادا کی نیت نہ رکھنے کے سبب لامحالہ (ضرور) اس وعید کا محل (موقع) بنے گا۔ پس نیت والے تحقق کی صورت میں بنا بر تقریر مذکور بجز اس کے کچھ نہیں کہ وسعت سے زیادہ مہر مقرر نہ کیا جائے۔ اور چونکہ وسعت اکثر لوگوں کی اکثر زمانوں میں قلیل رقم ہے، اس لئے اسلم و احوط طریقہ (زیادہ سلامتی والا اور محتاط طریقہ) یہی ہے کہ مہر قلیل ہو۔

احادیث میں مہر زیادہ مقرر کرنے کی کراہت اور کم مقرر کرنے کی ترغیب آئی ہے۔

پس مہر کا کثیر تعداد میں مقرر کرنا ایک کوتاہی ہے جس پر پہلی کوتاہی ملزوم ہوتی (عام طور پر پائی جانے والی)

مرتب ہوتی ہے، اسی واسطے حدیثوں میں مہر زیادہ ٹھہرانے کی کراہت اور ناپسندیدگی اور کم ٹھہرانے کی ترغیب اور پسندیدگی کی طرف توجہ آئی ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں فرمایا کہ مہروں میں زیادتی مت کرو کیونکہ اگر یہ دنیا میں عزت کی بات یا اللہ کے نزدیک تقوے کی بات ہوتی تو سب سے زیادہ اس کے مستحق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو کسی بی بی کا اور اسی طرح کسی بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ نہیں ہوا (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم تقریباً چار آنہ چار پائی کا) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کا مبارک ہونا یہ بھی ہے کہ اس کا مہر آسان ہو۔

اخرجہما فی کنز العمال عن حم ط و والحمیدی ص وابن سعد والبیہقی فی الغریب ش حم والعدنی والدارمی د ت ن ق وقال صحیح ن ع حب ک وقط فی الافراد حل ق، ص ۲۹۰ والثانی عن حم ک ھق، ص ۲۲۰

اور ایک حدیث میں ہے کہ اچھا مہر وہ ہے جو آسان اور قلیل ہو (کنز العمال ص ۲۲۸) اور حدیث میں ہے کہ آسانی اختیار کرو مہر میں (کنز ۲۲۹) اور اگر حضرت عمرؓ کی روایت پر کسی کو بڑھیا کے معارضہ مشہورہ (مشہور اعتراض) کے بعد حضرت عمرؓ کے رجوع کا شبہ ہو تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ رجوع اس کی ترغیب یا اس کی عدم کراہت نہیں ہے، بلکہ پہلے حضرت عمرؓ کی یہ رائے ہوگئی تھی کہ اس کو ایک قانون بنا دیں، کہ مقدار مذکور سے زیادہ مقرر کرنا باطل قرار دیا جائے، اور اس کو واجب الرد کیا جائے، سو اس سے آپ نے رجوع فرمایا، یعنی ایسا قانون نہیں بنایا، اس توجیہ پر روایات صریح ہیں، یہ روایات ان نمبروں کی کنز العمال میں مذکور ہیں ۲۰۱ھ، ۲۰۰ھ، ۲۰۱ھ، ۲۰۲ھ وغیرہا (ص ۲۹۰ ج ۸)

اپنی ہمت سے زیادہ مہر قبول کرنا شرعاً منع ہے۔

غرض دلائل صریحہ مرفوعہ و موقوفہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ کے اقوال) سے نیز قواعد شرعیہ سے یہ تحمل ما لا یطیق (اپنی طاقت سے بڑھ کر بوجھ اٹھانے) سے ممانعت آئی ہے، کما فی الحدیث:

روی الترمذی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ینبغی للمؤمن ان یذل نفسہ قیل یا رسول اللہ وکیف یذل	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی مومن کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے، عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! بھلا آپ کو کس طرح ذلیل

نفسہ قال یحتمل من البلاء ما لا یطیقہ۔

کرتا ہو؟ ارشاد فرمایا ایسی مصیبت کو اٹھاتا ہے جس کے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔

حق سے زیادہ مہر کے التزام و مقرر کرنے کا اور اس کی تقلیل و کم ہونے کا مطلوب شرعی ہونا ثابت ہوگیا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے

اب یہ کلام باقی رہا کہ اس تقلیل کی بھی کوئی حد ہے یا نہیں؟ سو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تو اس کی کوئی حد نہیں جو قلیل سے قلیل مقدار بھی مہر ہو سکتا ہے بشرطیکہ مال متقوم (قیمت والا مال) ہو خواہ ایک ہی پیسہ ہو اور احادیث کثیرہ ابھی سی حدیثوں کے ظاہر الفاظ اس کے موافق ہیں مثلاً (یتزوج بقلیل او کثیر[1]) اور (ولو بسوط[2]) اور (ولو بخاتم من حدید[3]) اور (ملء کفیہ برًّا او سویقًا او تمرًا او دقیقًا[4]) اور (او درھم[5]) اور (ما تراضی بہ الاھلون ولو قضیبًا من اراک[6]) اور (ملء یدیہ طعامًا[7]) (کنز العمال ج ۸ ص ۲۴۰ و ۲۴۱) اور (تزوج علی نعلین[8]) ص ۲۴۹ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس تقلیل کی حد دس درہم ہیں یعنی اس سے کم مہر جائز نہیں حتیٰ کہ اگر تصریحاً بھی اس سے کم مقرر کیا جائے گا تو بھی دس درہم واجب ہوں گے اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں یہ حدیثیں مع تضعیف (ضعف کے ساتھ) مشہور ہیں:

عن جابر لا صداق اقل من عشرۃ دراھم قطنی وضعفہ وعن علی قال اقل ما یستحل بہ الفرج عشرۃ دراھم قطنی وضعفہ وعن علی قال لا صداق دون عشرۃ دراھم قطنی وضعفہ:

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ وہ مہر نہیں جو دس درہم سے کم ہو اور حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ فرمایا کہ کم از کم جس سے فرج حلال ہوتی ہو دس درہم ہیں اس روایت کو ضعیف قرار دیا گیا ہے اور حضرت علیؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ دس سے کم مہر نہیں اسے بھی ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

---

[1] نکاح کرے کم یا زیادہ مہر کے ساتھ۔ [2] خواہ ایک کوڑا ہو۔ [3] خواہ لوہے کی انگوٹھی ہو۔
[4] خواہ دونوں ہتھیلیوں میں گندم یا ستو یا کھجور یا آٹا بھر لی ہو۔ [5] یا ایک درہم ہو۔
[6] خواہ اس کے قبضہ میں پیلو کے درخت کا پھل ہی ہو۔ [7] خواہ دونوں ہاتھ کھانے سے بھرے ہوں۔
[8] یا جوتے بطور مہر کے شادی کی۔

مگر صاحب فتح القدیر نے اس حدیث کا ایک طریق حسن نقل کیا ہے، اس کی عبارت یہ ہے: وروی ابن ابی حاتم بسند حسن کما قالہ ابن حجر (یعنی ابن ابی حاتم نے سند حسن سے روایت کیا جیسا ابن حجر کا قول ہے) اور مزید تحقیق اس کی احیاء السنن اور اس کی تعلیق میں ہے، باقی تمسکات شافعی (امام شافعی کے دلائل) کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ وہ سب مہر معجل (وہ مہر جو نکاح کے بعد فوراً معین میں دے دیا جائے) پر محمول ہیں چنانچہ بعض روایات کے الفاظ اس کا قرینہ بھی ہیں:

فی کنز العمال عن ابن عباس قال اذا تزوج المرأة فان استطاع ان لا یدخل علیها حتی یعطیها شیئاً فان لم یجد الا احد نعلیه فلیعطها ایاها (ابن جریر) ص ۲۹۹	(کنز العمال میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا جب کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے، سو اگر وہ اس کی استطاعت رکھتا ہے کہ عورت کے پاس اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک اسے کوئی چیز نہ دے، اور اس کے پاس دینے

کے لئے سوائے ایک جوتے کے کچھ نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ جوتا ہی اس عورت کو دیدے)

اور چونکہ متمسک امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے مدلول میں اصرح ہے، بہ نسبت متمسکات شافعی کے، اس لئے صریح میں تاویل مناسب نہیں ہوتی، یہ کلام تو عالمانہ ہے۔

موضع اختلاف میں احوط پر عمل زیادہ مناسب ہے

باقی عامیانہ تقریر یہ ہے کہ موضع اختلاف (اختلاف کی جگہ) میں احوط (زیادہ احتیاط) پر عمل مناسب ہے، تو دس درہم[1] سے کم کا جواز تو مختلف فیہ (جائز ہونا تو اختلافی مسئلہ) ہے، اور دس درہم کا جواز متفق علیہ (جائز ہونے پر سب کا اتفاق) اس لئے احوط یہی ہے، اور یہ احتیاط ایسی ہے جیسے نصاب سرقہ (چوری کے نصاب) میں ایک قول ربع دینار یعنی اڑھائی درہم ہے، اور ایک قول دس درہم، پس ربع دینار نصاب مختلف فیہ ہوا اور دس درہم متفق علیہ، پس دس درہم لینا احوط ہے، اور اس سے کم میں مختلف فیہ ہونے سے شبہ ہو گیا کہ موجب حد (یعنی شرعی حد جاری کرنے والا) ہے یا نہیں؛ اور شبہ واقع حدود ہوتا ہے، اس لئے اس میں قطع نہ کرنا (ہاتھ نہ کاٹنا) احوط ہوا، پس مہر میں تو دس درہم کو اقل نصاب (کم از کم نصاب) ٹھہرانا احوط ہوا

---

[1] موجودہ دور میں دس درہم کی قیمت کا اندازہ کرنے کے لئے ۲ تولہ ۷ ماشے ۵ رتی چاندی کی قیمت لگائی جائے جو دس درہم کے برابر ہوگی۔ (تکملہ احتیاط: جن میں ایک تہائی شامل کی گئی ہے) بندہ اشرف علی عفی عنہ

اور دس درہم نصاب سرقہ ہونا بھی وجداناً مؤید (عقلاً تائید کرنے والا) معلوم ہوتا ہے۔ قول امامؒ کا کیونکہ اس سے ایک عضو یعنی ہاتھ کی قیمت کا کم از کم دس درہم ہونا معلوم ہوا، تو بضع زن (عورت کے عضو مخصوص) کی قیمت بھی اس سے کم نہ ہوگی، و تفصیلہ لصاحب الہدایۃ فی الہدایۃ۔ بہرحال احتیاط اسی میں ہے بہت اس سے کم نہ کرنے کو متعین ہوگی، لیکن یہاں تک ترقی کرنے کا بالاتفاق اختیار ہے، پھر زیادتی پر کیا مجبوری ہے؟

مہر زیادہ مقرر کرنے کی خرابی مفصل بیان

اور پہلے تو بیان تھا کثرت مہر کی دینی خرابی کا کہ فی نفسہ (اپنی ذات میں) بھی خلاف سنت ہے، اور پھر یہ سبب ہو جاتا ہے عدم قصد ادا (ادا نہ کرنے کا ارادہ) جس پر اس شخص کو گناہ میں زانی سے تشبیہ دی گئی ہے، اور اس کے علاوہ اس میں جو دنیوی خرابیاں ہیں وہ آنکھوں سے نظر آتی ہیں، مثلاً بہت جگہ موافقت نہیں آتی اور زوجہ کے حقوق نہیں ادا کئے جاتے، مگر طلاق اس لئے نہیں دیتے کہ مہر زیادہ ہے، یہ لوگ دعویٰ کرکے پیٹ(ان) کریں گے۔ پس کثرت مہر بجائے اس کے کہ عورت کی مصلحت کا سبب ہوتا الٹا اس کی کلفت کا سبب ہوگیا، بعض عقلاء اس کثرت میں یہی مصلحت سمجھتے ہیں کہ چھوڑ نہ سکے گا، مگر یہ نہیں سمجھتے کہ چھوڑ نہ سکنا ہر جگہ تو مصلحت نہیں، مثلاً اس صورت مذکورہ میں اس میں کیا مصلحت ہوئی، اور مثلاً بہت جگہ بعد طلاق یا موت دعویٰ ہوتا ہے، اور چونکہ تعداد میں لاکھوں تک ہوتا ہے تمام جائداد سب کی نذر ہو جاتی ہے، اور زوج یا اس کے ورثاء اس کی بدولت نان شبینہ (رات کے کھانے تک) کے محتاج ہو جاتے ہیں، پس دینی و دنیوی خرابیوں کے مجموعہ سے یہ مضمون صادق آتا ہے:

خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ (حج، آیۃ ۱۱)	(دنیا اور آخرت کا نقصان اٹھایا یہی کھلا خسارہ ہے)

اور یہ سب خرابیاں تو کثرت مہر کی اس وقت ہیں جب ادا نہ کیا جائے یا ادا کا ارادہ نہ ہو، اور اگر مرد پر خدا کا خوف غالب ہوا اور حقوق العباد (بندوں کے حقوق) سے اس نے سبکدوش (فارغ) ہونا چاہا اور ادا کا قصد کیا، تو اس وقت یہ مصیبت پیش آتی ہے کہ اتنی مقدار کا ادا کرنا اس کے تحمل سے زیادہ ہوتا ہے تو اس پر فکر اور تردد کا بار عظیم پڑتا ہے، اور اگر کچھ ادا کرتا ہے، مگر مقدار زیادہ ہونے سے وہ ادا نہیں ہوتا، اور تمام عمر اس کا ذخیرہ اسی میں کھپتا چلا جاتا ہے، اس طرح طرح کی تنگی برداشت کرتا ہے، پھر اس سے دل میں تنگی اور پریشانی ہوتی ہے، یہ تو مرد کی تکلیف ہوئی، پھر چونکہ سبب اس تمام تکلیف کا وہ عورت ہے اس لئے انجام کار (نتیجہ)

اس مرد کے دل میں اس سے انقباض (کھچاؤ) پھر انقباض سے تنفر (نفرت) پھر عداوت و دشمنی پیدا ہو جاتی ہے، پس جو نکاح کہ موضوع تھا مصالح زوجین اور اتحاد باہمی کے لئے وہ بالواسطہ اس کے ایک حق خاص یعنی مہر کے اس طریق پر سبب ہو گیا اس کے ضد یعنی عداوت و کدورت و دشمنی اور نفرت کا، پس یہ صریح قلب موضوع (الٹا معاملہ) ہے جو کہ سبب کثرت مہر کی ہے، پس قلب موضوع جب قبیح (خرابی) ہے اس کا سبب بھی قبیح (خرابی) سے خالی نہ ہوگا۔ اس حدیث کا بھی یہی مطلب ہے:۔

تياسروا في الصداق فان الرجل ليعطي المرأة حتى يبقى ذلك في نفسه عليها حسيكة وعن العطائي من الحوشب عن ابن حسين مرسلا كنز العمال ج ۸ ص ۲۴۳	(مہر کے اندر آسانی رکھو، اختیار کرو اس لئے کہ مرد عورت کو زیادہ مہر دے دیتا ہے، حتیٰ کہ اس دینے سے اس کے نفس کے اندر عورت سے متعلق دشمنی باقی رہ جاتی ہے) (کنز العمال ص ۲۴۳)

اور اوپر جو خطبہ حضرت عمرؓ کا گزرا اس میں یہ بھی ہے:۔

ان احدكم ليغلي صدقة امرأته حتى يكون لها عداوة في نفسه الخ	(تم میں سے کوئی عورت کو کثیر مہر ادا کرتا ہے، یہاں تک کہ مرد کے دل میں عورت کے لئے عداوت بیٹھ جاتی ہے)

چنانچہ خود مجھ کو اس کا اندازہ ہوا کہ میری ایک اہلیہ کا مہر پانچ ہزار اور دوسری کا پانچ سو تھا، بفضلہ تعالیٰ دونوں ادا کئے گئے۔ مگر اول مہر کے ادا میں جو کچھ گرانی ہوئی اگر والد صاحب مرحوم کا ذخیرہ اس میں اعانت نہ کرتا تو یہ گرانی ضرور کدورت کی صورت پیدا کرتی، اور دوسرا مہر صرف فتوحات وہبیہ کی آمدنی سے بہت آسانی سے ادا ہو گیا، اس کا کوئی معتد بہ (قابل ذکر) بار قلب پر نہیں پڑا، پھر اگر اس کوشش پر بھی ادا نہ ہو سکا، تو نفس میں ایک دوسری کم ہمتی جو خلاف غیرت ہے پیدا ہوتی ہے، وہ یہ کہ عورت سے معاف کرایا جائے یعنی اس سے درخواست کی جاتی ہے، سو اول تو اس درخواست کا پورا کرنا اس کے قبضہ میں ہے، اگر وہ پورا نہ کرے اس کو اختیار ہے، دوسرے خود یہ درخواست بھی ذلت سے خالی نہیں، اس لئے حق تعالیٰ نے جہاں برأت دینے کی دو صورتیں فرمائی ہیں:۔

إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ (البقرہ آیت ۲۳۷)	(مگر یہ کہ وہ عورتیں اپنا نصف معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح ...)

اس کے بعد ہی دوسری صورت کی ترجیح کی تصریح ہے:

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۔ | (اور تمہارا معاف کر دینا بہ نسبت وصول کرنے کے تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔)

اور اس کے ساتھ ہی پہلی صورت کی اباحت (جائز ہونا) بھی عام مفہوم سے ارشاد فرمادی ہے:

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ | (اور آپس میں احسان کرنے سے غفلت مت کرو۔)

جس کے مجموعہ کا حاصل یہ ہوا کہ پہلی صورت باوجود مباح ہونے کے مرجوح (ناپسندیدہ) ہے لکونہ بالمعنی العرفیۃ (کیونکہ یہ غیرت کے خلاف ہے) اور دیکھنے میں کثرت بعض صورتوں میں اخلاقی کمزوری کا بھی سبب بن گئی ہے جو کہ پسندیدہ نہیں سمجھی گئی، اور یہ بھی اس وقت تک ہے جبکہ مرد اس طلب معافی میں حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا لحاظ رکھے فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا ۔

معافی میں طیب نفس سے معاف ہونا شرط ہے۔ | یعنی طیب نفس (دل سے راضی ہونے) کی رعایت کرے، ورنہ اگر غیرت کے ساتھ خشیت (خوف خدا) بھی مفقود ہے تو وہ صرف لفظی معافی کی البتہ تدبیریں نکالے گا یعنی یا عورت کو دھوکہ دے گا یا اس کو دھمکا لے گا، اس پر جبر کرے گا، جس سے وہ معاف کر دے۔ مگر یاد رہے کہ ایسی معافی عند اللہ ہرگز معتبر و مقبول نہیں۔ اس صورت میں یہ عند اللہ علی حالہ مشغول الذمہ (اللہ کے نزدیک اپنی ذمہ داری کے بوجھ تلے) رہے گا، اور اگر اس کو غیرت بھی ہوئی اور خشیت بھی ہوئی مگر وسعت نہ ہوئی تو اس کی بڑی مصیبت ہے کہ تمام عمر اسی میں گھلا کیا کہ میں کس طرح اس حق سے سبکدوش (فارغ) ہوں، دیکھئے اس کثرت سے کیسے پھل پھول گئے ہیں، تو اس صورت میں اگر نیت مصمم (پکی) رہی کہ جب ہوگا اور جتنا ہوگا ضرور دے گا اور تھوڑا تھوڑا دیتا بھی رہا، اگر ادا نہ ہو سکا تو آخرت میں امید ہے کہ مواخذہ نہ ہوگا، لیکن اس بیچارے کی دنیوی زندگی تو تلخ ہو گئی، اور جب شوہر کی زندگی تلخ ہے تو بیوی کی زندگی کیا بالطف ہو سکتی ہے، غرض اس میں ہر طرح کی خرابی ہی خرابی ہے۔

زیادہ مہر مقرر کرنے کے مصالح مع جواب | اگر کسی شخص کو وسوسہ ہو کہ جیسے مفاسد (کچھ خرابیاں) قلیل میں ہیں اور جیسے مصالح (کچھ مصلحتیں) کثیر میں ہیں، مثلاً اگر مہر قلیل ہو تو شوہر پر کوئی بار نہیں پڑتا اس کو کوئی امر اس سے مانع نہیں ہوتا کہ اس کو چھوڑ کر دوسری کر لے، تو کثرت میں تو اس کا ڈر رہتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ہمارا یہ مطلب نہیں کہ بہت ہی قلیل ہو، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اتنا کثیر (زیادہ) نہ ہو جو اس کی دینی و دنیوی تباہی کا سبب بن جائے، عدم ادا کی نیت میں بھی اور ادا کی کوشش میں بھی، اور ادا نہ ہو سکنے کی تدبیریں بھی، بلکہ اس میں اعتدال ہو جس میں تمام مصالح محفوظ رہیں۔ دوسرے جس شخص کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو تو کوئی چیز کسی امر سے نہیں روک سکتی، کیا ایسے واقعات پیش نظر نہیں ہیں کہ بڑے بڑے مہروں کے زیر بار (مقروض) ہیں اور باوجود اس کے منکوحہ کا کوئی حق ادا نہیں کرتے اور نہ دوسری طرف مطلقہ (معلقہ) ہونے سے ڈرتے ہیں خواہ وہ حلال ہو یا حرام، ایسے ظالموں کا کوئی کچھ بھی نہیں کر سکتا خواہ اس وجہ سے کہ وہ صاحب وجاہت (بارعب شخصیت) ہے اس سے ڈرتے ہیں، خواہ اس وجہ سے کہ اس کے پاس کچھ ہے ہی نہیں، اور نرا جیل خانہ کرانے سے کیا ملتا ہے، بلکہ اس کے جیل جانے سے اپنی بیٹی کو کیا آرام ملا۔

کثرت مہر محض رسم پرستی ہے، جس میں کوئی مصلحت نہیں۔

بعضے لوگ اس میں مصلحت یہ بیان کرتے ہیں کہ قلت میں ذلت ہے اور کثرت میں عزت، سو اول تو ہر قلت میں جب کہ وہ بحد اعتدال ہو ذلت نہیں۔ دوسرے اگر یہ مصلحت بھی ہو، مگر مفاسد بے تعداد (بے شمار) ہیں تو وہ مصلحت کب قابل تحصیل (حاصل ہونے کے قابل) ہوگی، تیسرے اگر تحصیل مصلحت تفاخر کے ساتھ قدرت علی الاداء (ادا کرنے کی قوت) کی کچھ بھی رعایت نہ ہو تو بقول میرے استاذ[۱] علیہ الرحمۃ کے پھر اس مقدار پر کیوں بس کی جاتی ہے، اگر تکثیر مقدار ہی کی غرض سے تفاخر ہو تو بہتر ہے کہ ہفت اقلیم کی سلطنت کا خراج بلکہ اس کا بھی مضاعف (دو چند) یا اضعافاً مضاعفۃ (چند در چند) مقرر کیا جائے کیونکہ نہ دینا نہ لینا، صرف نام ہی نام تو اچھی طرح سے کیوں نہ نام کیا جائے، حقیقت یہ ہے کہ یہ سب رسم پرستی ہے اور نہ واقع میں مصلحت کچھ نہیں اور مفاسد متنوع (خرابیاں قسم قسم کی) ہیں، لہٰذا اس کے واجب الاصلاح (اس کی اصلاح ضروری) ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہا، بس رسم کو چھوڑ دو اور عقل و شرع کا اتباع کرو۔ البتہ جن صورتوں میں مہر مثل سے کم کا مقرر کرنا ولی کو جائز نہ ہو جیسا فروع فقہیہ (فقہی احکام و مسائل) میں مذکور ہے وہاں اس پر عمل کی یہ صورت ہے کہ سب متفق ہو کر اپنے عرف کو بدل لیں، جس سے خود قلیل ہی مہر مثل بن جائے، بہرحال یہ صورت بھی اشکال کی نہیں جس سے کوئی تم کو شبہ کر سکے۔

۱؎ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ المتوفی ۱۳۰۲ھ (دیکھئے حالات یعقوبی بصائر ثلاثہ) محمد تقی

مہر مقرر نہ ہو تو وقت عقد اس کا تعیین کرنا ضروری ہے

ایک کوتاہی مہر کے بارے میں یہ ہے کہ بعضے لوگ بدون ذکر مقدار کے محض شرع محمدی کے عنوان سے مہر ٹھہراتے ہیں، اور پھر اس کے مفہوم کی تعیین میں کوئی اصطلاح بھی بیان نہیں کرتے، تو اس طرح کا ٹھہرانا مبہم ہے، نہ ٹھہرانے ہی کے حکم میں ہے اور بدون ٹھہرائے گناہ ہے، جیسا اوپر مذکور ہوا کہ ایسی نیت سے ہوتے ہیں مشابہ زنا کے قرار دینے کی تقریر گزر چکی ہے، پس یہ گناہ کے مرتکب ہوئے، پھر اگر کسی وقت وصول کے لئے نزاع (جھگڑا) ہوا تو یہ مقدار ادا کی جائے گی، اور چونکہ قوم کی قوم میں بھی رسم ہے اس لئے مہر مثل کی تحکیم (فیصلہ) بھی دشوار ہے، پس اس ابہام میں یہ خرابیاں ہیں، لہذا اسی قسم (قسم) سے ہے وہ رسم جو بعض بلاد (نزدیکی علاقوں) میں معلوم ہوئی ہے کہ سوا سیر کو دونی کے عنوان سے مہر ٹھہراتے ہیں جس کی شرح تحقیق کرنے سے یہ معلوم ہوئی کہ سوا سیر کو دونی کی جس قدر شمار ہے اتنے شمار سے روپے ہوں، سو ظاہر ہے کہ یہ کوئی معین (مقررہ) شمار نہیں ہے، اگر سوا سیر کو دونی کے دو انبار (ڈھیر) ہوں یقیناً ان کے شمار میں تفاوت بھی ہوگا، پس یہ بھی مبہم رہا، اور اس میں بھی مذکورہ خرابیاں ہوئیں، اور بعد وہ ان کے کثرت مقدار کی خرابی مزید برآں (اس سے علاوہ) ہے۔

مہر مقرر کرنے کے لئے مال ہونا شرط ہے

اور ان سب سے بڑھ کر بعض جگہ یہ بیہودگی سننے میں آئی ہے کہ مہر میں مصحف اور تسبیح اور کلمہ کی کسی شے کو ٹھہراتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ مہر ایسا ہو کہ اس کے ادا کی بھی ضرورت ہی نہ ہو، سو سمجھ لینا چاہئے کہ مہر کے لئے مال ہونا شرط ہے، یہ چیزیں جب مال نہیں ہیں تو واجب فی الذمہ (ذمہ میں واجب) بھی نہیں ہوتیں، ان کا ذکر و عدم ذکر (ذکر نہ کرنا) برابر ہے، اور تغییر شرع (شریعت کو بدلنے) کا گناہ الگ رہا۔

بعد وفات شوہر زوجہ کو مہر میں تمام اشیاء منقولہ و غیر منقولہ پر قبضہ کر لینا شرعاً صحیح نہیں

ایک کوتاہی دربارۂ مہر کے زوجہ کی طرف سے یہ ہے کہ اکثر بعد وفات زوج کے اس کی تمام اشیاء منقولہ و غیر منقولہ میں سے جس جس پر قبضہ ہو سکے سب پر قبضہ کر کے اپنے دل کو سمجھا لیتی ہیں کہ یہ سب میں نے اپنے مہر میں رکھ لیا، اگرچہ وہ قیمت میں مہر سے کئی حصے زیادہ ہو، سو سمجھنا چاہئے کہ جب یہ اشیاء جنس مہر سے نہیں ہیں تو ان کو خود مہر میں لگا لینا جائز نہیں، بلکہ اس کے لئے یا تو حکم حاکم کی ضرورت ہے اور یا دوسرے ورثاء کی رضامندی کی بشرطیکہ ان میں کوئی نابالغ نہ ہو، اور اگر کوئی نابالغ ہو تو اس میں خاص نابالغ کے حصے کے اعتبار سے پھر بھی یہ شرط ہے کہ جو تعداد قیمت میں ہو اس سے اس قدر زیادہ نہ ہو کہ اس کو سب مقومین (قیمت لگانے والے) زیادہ بتلاتے ہوں، البتہ جہاں دونوں صورتیں ممکن نہ ہوں اگر

نہ حاکم سے رجوع کرنے کا سامان ہوا اور نہ وہ اس کا حق دینا چاہتے ہیں، اس خاص صورت میں اگر اس کو قدرت ہو جاوے تو اور مہر میں لگا سکتی ہے بشرطیکہ جائیداد مہر کے برابر ہو، اصل میں یہ مسئلہ فرع ہے ظفر بجنس سے اپنا حق لے لینے کی، علماء میں اس کی تفصیل ہے۔

مہر کے متعلق شوہر کی کوتاہیاں

ایک کوتاہی اس کے مقابل زوج (شوہر) کی طرف سے یہ ہوتی ہے کہ اپنی رائے سے زوجہ (بیوی) کو کوئی چیز خواہ قسم زیور سے یا پارچہ و متاع (کپڑے اور سامان) سے یا مکان اور زمین بدون تعیین اور اس کے نام کر دے اور خود ہی نیت کرے کہ میں مہر میں دے چکا، اور مہر ادا کر دیا، سو سمجھ لینا چاہئے کہ مہر کے عوض بدلے میں یہ چیزیں دینا بیع (خرید و فروخت) ہے اور بیع میں تراضی جانبین مطلقاً شرط (دونوں طرف سے مکمل رضامندی) ہے، اور بعض میں تساوی مقدار یعنی مقدار میں برابری بھی شرط ہے۔ پس اگر ان چیزوں کا دینا مہر میں منظور ہے تو زوجہ سے صریح الفاظ میں جیسے پوچھا جاتا ہے کہ ہم تمہارے مہر میں یہ چیزیں دیتے ہیں، آیا تم رضامند ہو، پھر اگر وہ رضامند ہو تو اگر وہ چیز جنس مہر سے نہیں ہے مثلاً مہر روپیہ تھا اور یہ چیز مکان یا کپڑا ہے تو بلا شرط قلیل و کثیر کے رضامندی سے یہ مبادلہ جائز ہے، اور اگر وہ چیز جنس مہر سے ہے مثلاً روپیہ تھا یہ چیز چاندی کا زیور ہے تو اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ دونوں کی مقدار برابر ہو، مثلاً مہر اگر سو روپیہ ہوا اور زیور پچاس روپیہ کے برابر ہوا تو یہ مبادلہ جائز نہیں، البتہ دو صورتیں درست ہوں گی، ایک یہ کہ پچاس میں زیور لگا دے، دوسرے پچاس معاف کرا دے اور دوسرے یہ کہ مسئلہ کے موافق لے لے تو اس کے معنی شریعت خود یہ تجویز کر لیتی ہے کہ پچاس میں زیور لے لیا، اور پچاس معاف کر دیئے۔

عورت اپنے مرض الموت میں مہر معاف نہیں کر سکتی

ایک کوتاہی مہر کے بارہ میں یہ ہوتی ہے کہ اگر عورت اپنے مرض الموت میں مہر معاف کر دیتی ہے اور اس معافی سے زوج بالکل بے فکر ہو جاتا ہے، سو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ معافی وصیت للوارث کی فرع اور اس کے لئے وصیت کی ایک صورت ہے، اور یہ بدون رضا دوسرے ورثہ کے ناجائز ہے۔ پس اس معافی سے مہر معاف نہ ہوگا، البتہ زوج کو جس قدر میراث میں پہنچے گا وہ بے شک معاف ہو جائے گا، باقی اس کے ذمہ واجب الادا رہے گا جو دوسرے وارثوں کو دیا جائے گا، البتہ اگر سب ورثہ اس معافی کو جائز رکھیں تو کل معاف ہو جائے گا اور اگر بعض نے جائز نہ رکھا یا بعض نابالغ ہوں تو ان کے حصہ کے قدر معاف نہ ہوگا۔

شوہر کو مرض الموت میں عورت کو مہر معاف کرنے کی رائے نہیں دینا چاہئے

ایک کوتاہی اس بارے میں یہ ہے کہ زوج کے مرض الموت میں عورت مہر معاف کر دیتی ہے، اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر

خوشی سے معاف کر دے معاف ہو جاتا ہے، اور اگر عورت کی زبردستی یا تنگ دلی سے معاف کرے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معاف نہیں ہوتا اور گھر والوں کو ایسے موقع پر اس طرح مجبور نہ کرنا چاہیے بلکہ بعض مواقع پر معاف کرنا مصلحت بھی نہیں ہوتا مثلاً میراث کا حصہ زوجہ کا اس کی بسر کے لیے کافی نہیں اور ورثہ سے بھی امید رعایت و کفالت اخراجات برداشت کرنے کی نہیں ایسے موقع پر بجائے ترغیب معافی (معاف کرنے کی رغبت دلانے) کے معاف نہ کرنے کی رائے دینا مناسب ہے۔

زوجۂ متوفیہ کی اولاد کا حصہ بے زوج کو تصرف کرنا حرام ہے

ایک کوتاہی مہر کے بارے میں یہ ہے کہ اگر زوجۂ متوفیہ (فوت شدہ بیوی) کے ورثاء اس کے ماں باپ یا بھائی وغیرہ ہوتے ہیں تب تو ان کے مطالبہ پر زوج ان کا حصہ مہر دے دیتا ہے، اور اگر خود اسی زوج کے اولاد وارث ہوں تو چونکہ وہ مطالبہ کر نہیں سکتے یہ ان کو حق ادا نہیں کرتا، یہ فعل سراسر ظلم اور خیانت ہے، ان کا حق امانت ہے اس اولاد کے نام سے جمع رکھنا چاہیے، اور خاص ان کے مصالح میں صرف کرنا چاہیے، خود مستبد ہو کر اس کا خرچ کرنا حرام ہے، اسی طرح اور بچوں کو جو مال سے میراث میں پہنچا ہو ان سب کی حفاظت اس کے ذمہ فرض ہے، اس میں بے جا تصرف (بلا وجہ خرچ کرنا) حرام ہے۔

نکاح یا رخصت سے قبل مصارف شادی کے لیے شوہر سے کچھ لینا حرام ہے

ایک کوتاہی بعض بلاد (علاقوں) میں باپ مہر میں یہ ہے کہ زوج سے قبل نکاح یا قبل رخصت کچھ روپیہ اس غرض سے لے لیتے ہیں کہ مصارف شادی کے اخراجات میں خرچ کریں گے، اور جب ان کو منع کیا جاتا ہے کہ یہ رشوت اور حرام ہے تو یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہم نے مہر میں لیا ہے، اگر یہ واقعی مہر ہے تو اس کی مالک عورت ہے اور کسی کے مال میں بدون اس کے اذن بطیب خاطر (بخوشی دل) کی رضامندی کے تصرف کرنا حرام ہے۔ سو ان لوگوں نے عورت سے کب پوچھا ہے اور اس نے کب خوشی سے اجازت دی ہے، اور اگر یہ کہا جاوے کہ اذن لاحق (بعد میں اجازت دینا) بھی مثل اذن سابق (پہلے اجازت دینے) کے ہے، اور اذن دلالۃً بھی مثل اذن صراحۃً کے ہے (یعنی عرف عام کے اعتبار سے جس کو اجازت سمجھا جائے وہ بالکل واضح طور پر اجازت دینے کے مانند ہوتا ہے) تو جواب یہ ہے کہ یہ بالکل مسلم ہے (تسلیم شدہ ہے) لیکن اذن کی حقیقت کا تو پایا جانا ضروری ہے کیونکہ اور حقیقت اس کی وہاں ہوتی ہے جہاں عدم اذن (اجازت نہ دینے) پر بھی قدرت ہے، سو ظاہر ہے کہ یہاں بوجہ اتباع رسم کے (رسم و رواج کی پیروی کی وجہ سے) اس کے روکنے یا اس کا ضمان (جرمانہ) اور بدل لینے کی عورت کو قدرت ہی نہیں، پس اذن کہاں پایا گیا، خلاصہ یہ کہ اگر

یہ مہر نہیں تو رشوت ہے، اور اگر مہر ہے تو غصب ہے، اور دونوں حرام ہیں۔

نابالغ زوجہ کے مہر کی معافی شرعاً معتبر نہیں۔

ایک کوتاہی اس بارہ میں یہ ہوتی ہے کہ بعضے لوگ ویسے ہی یا طلاق دینے کے وقت نابالغ زوجہ سے مہر معاف کرا لیتے ہیں، یہ سو یہ معافی معتبر نہیں لان تبرع الصغیر باطل (تحقیق بچہ کا صدقہ وغیرہ کرنا باطل ہے)، بعض جگہ اس سے بڑھ کر یہ ہوتا ہے کہ ولی زوجہ نابالغہ کا طلاق کا مطالبہ زوج سے کرتا ہے، اور یہ ولی ہی مہر معاف کر دیتا ہے، سو اس صورت میں اگر زوج نے طلاق دیدی تو طلاق تو واقع ہو جائے گی، مگر مہر ساقط نہ ہوگا۔

عورتوں کا مہر مانگنا شرعاً کوئی عیب کی بات نہیں

ایک کوتاہی کہ وہ عملی غلطی ہے اس بارہ میں یہ ہے کہ عورتیں مہر مانگنے کو یا لے مانگے لے لینے کو عیب سمجھتی ہیں، اور اگر کوئی ایسا کرے تو اس کو بدنام کرتی ہیں، سو اپنے حق واجب کا مانگنا یا وصول کر لینا جب شرعاً کچھ عیب نہیں تو محض اتباع رسم سے اس کو عیب سمجھنا گناہ سے خالی نہیں۔

مہر اور نان ونفقہ دونوں علیحدہ علیحدہ حقوق ہیں۔

ایک کوتاہی کہ وہ عملی غلطی ہے یہ ہے کہ عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ اگر ہم نے مہر لے لیا تو پھر ہمارا کوئی حق خاوند کے ذمہ نہ رہے گا یعنی نان ونفقہ اور دیگر حقوق معاشرت سب ساقط ہو جائیں گے، سو یہ اعتقاد محض غلط ہے، سب حقوق الگ الگ ہیں ایک حق دوسرے پر مبنی نہیں، مہر لینے سے دوسرا کوئی حق ساقط نہیں ہوتا، اور اس اعتقاد باطل کا یہ اثر ظاہر ہوا کہ شوہر مہر ادا کرتا ہے اور عورت نہیں لیتی، اور نہ معاف کرتی ہے، ایسی صورت میں اگر زوج پر ادائے حق کا غلبہ ہوا اور مسائل سے ناواقف ہوا تو بے حد پریشان ہوتا ہے، کہ اب میری برأت وسبکدوشی (ذمہ داری سے فراغت) کی کیا صورت ہو سکتی ہے، اس لئے اس کا مسئلہ بتلایا جاتا ہے کہ اس صورت میں اگر شوہر مال مہر کا زوجہ کے سامنے اس طرح رکھدے کہ وہ اس کے قبضہ پر قادر ہو اور رکھکر یہ کہدے کہ یہ تمہارا مہر ہے، اور یہ کہکر اس مجلس سے اٹھ جائے تو مہر ادا ہو گیا، خواہ عورت اٹھالے یا نہ اٹھائے، اگر اس نے نہ اٹھایا اور دوسرا کوئی لے گیا تو زوجہ کا گیا اور اگر بخیال ضائع ہونے کے خاوند اٹھالے گا تو وہ اس کے پاس زوجہ کی امانت رہے گا، شوہر کی ملک نہ ہوگا۔

دَین مہر مانع وجوب زکوٰۃ نہیں

ایک کوتاہی کہ وہ بھی علمی غلطی ہے کہ بعضے لوگ دَین مہر کو مانع وجوب زکوٰۃ (زکوٰۃ کے واجب ہونے کو روکنے والا) سمجھتے ہیں، یعنی جس شخص کے ذمہ مہر واجب ہو وہ یوں سمجھتا ہے کہ چونکہ میں اتنے کا قرضدار ہوں اس لئے مجھ پر اتنے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں، اگر اس مسئلہ میں کسی قدر

اختلاف بھی ہوا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ مانع نہیں، یعنی مہر کے لازم ہونے ہوئے بھی کل مال میں زکوٰۃ واجب ہوگی چنانچہ شامی نے بعد نقل اقوال کے کہا ہے :-

زاد القہستانی عن الجواہر	قہستانی نے جواہر سے یہ اضافہ کیا ہے اور
والصحیح انہ غیر مانع (رد المحتار)	صحیح یہی ہے کہ وہ مانع نہیں۔

خصوص جبکہ ادا کی نیت بھی نہ ہو تو پھر مانع ہونے کے کوئی معنی نہیں، کیونکہ عازم ادا (ادا کرنے کا ارادہ رکھنے والا) جب کسی بار کا التزام ہی نہیں کرتا پھر اس کی رعایت بے وجہ ہے،

ایک اور کوتاہی کہ وہ بھی علمی غلطی ہے، اور وہ عوام کا تو ملتفت الیہ بھی نہیں (یعنی عوام اس طرف توجہ نہیں دیتے) اُن سے گذر کر

مہر کے وصول ہونے تک شوہر کے ذمہ زکوٰۃ واجب نہیں

خواص کو پیش آئی ہے وہ یہ کہ جس طرح اموال تجارت میں تاجر کے ذمہ مثل عین یعنی نقد موجود مال کے دَین (جو روپیہ دوسروں کے ذمہ ہے اس) میں بھی (یعنی اُن حقوق میں جو کہ لوگوں کے ذمہ واجب ہیں مثلاً اس کا قرض چاہتا ہے یا اُدھار سودا بیچنے والوں کے ذمہ دام چاہتے ہیں) زکوٰۃ فرض ہے، اسی طرح عورت کا جو دَین مہر زوج کے ذمہ ہے اس میں بھی زوجہ کے ذمہ زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ سو عوام کو اس طرف التفات ہی نہیں ہوا جس کی وجہ عدم اہتمام دین کی طرف توجہ کا نہ ہونا ہے، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے کبھی یہ مسئلہ ہی نہیں پوچھا حالانکہ تردد کی اور پوچھنے کی بات تھی، کیونکہ آخر یہ بھی تو ایک قرض ہے، البتہ خواص کو تردد ہوا سو اُن میں جو غیر محقق تھے وہ قیاس سے وجوب زکوٰۃ جب ہونے کے معتقد ہو بیٹھے، اور پھر یہ فکر ہوئی کہ اس وجوب میں تو تمام مہر زکوٰۃ ہی کی نذر ہو جائے گا، اس لئے انھوں نے اپنے نزدیک ایک دانائی سے کام لیا کہ مہر میں بجائے روپیوں کے تانبے کے ٹکڑوں کی رسم تجویز کی کہ یہ اموال زکوٰۃ سے نہیں ہیں، چنانچہ ہمارے قصبات میں اس رسم کی یہی اصل ہے اگرچہ حضرت استاذی مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایسا ہی خیال تھا (جیسا کہ میں نے اپنے استاذ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ سے سنا ہے) اور جو محقق تھے انھوں نے فقہ سے رجوع کیا، سو تحقیق سے ثابت ہوا کہ جو دَین بدل تجارت ہے یا قرض ہے وہ دَین قوی ہے اور مہر دَین ضعیف ہے، اس کا قیاس اس پر جائز نہیں، دَین قوی میں زکوٰۃ فرض ہے، اور دَین ضعیف میں نہیں ہے، جب تک وصول نہ ہو جائے، اور وصول ہونے کے بعد بھی زمانہ گذشتہ کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، تازہ زکوٰۃ ہوگی، کذا فی الدر المختار، خلاصہ خیر کے دو مسئلوں کا یہ ہوا کہ مہر نہ مانع زکوٰۃ ہے اور نہ موجب زکوٰۃ

نظام حضرتی الآن فی باب المہر

ٹکوں میں جو مہر مقرر کرتے وقت چند غور طلب باتیں

کہ اس میں بھی کوتاہی کی جاتی ہے، اس کے سمجھنے کے لئے ایک تمہید کی حاجت ہے جو مرکب ہے چند مقدمات سے۔

ایک مقدمہ یہ ہے کہ ہمارے قصبات میں عرف عام وہ دستور رواج ہے رسم ہے کہ مہر ٹکوں کے ٹھہرانے میں جس کی بنا اور اس بنا کا ضعیف ہونا او پر لکھ چکا ہوں۔

دوسرا مقدمہ یہ کہ ان نواحی میں ٹکے دو قسم کے پائے جاتے ہیں۔ ایک منصوری جو موٹے موٹے پیسے ہوتے ہیں، دوسرے ڈبل یعنی انگریزی سکہ کے پیسے۔

تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ مسئلہ فقہیہ ہے کہ اگر کسی وقت ایک نام کے کئی سکے چلتے ہوں اور معاملہ میں اس سکہ کا نام لیا جائے تو اگر یہ رواج میں سب برابر ہیں تو ان میں قید لگانے کی ضرورت ہوگی، بدون اس کے محض نام لینا کافی نہ ہوگا، اور اگر کوئی زیادہ چلتا ہے کوئی کم تو اطلاق (مطلق ذکر کرنے کے وقت وہی زیادہ چلنے والا مراد ہوگا، جیسے پہلے زمانہ میں منصوری پیسے زیادہ چلتے تھے اور اب ڈبل پیسے زیادہ چلتے ہیں، پس پہلے زمانہ میں جب مہر ٹکوں سے ٹھہرایا جاتا تھا، منصوری ٹکے مراد ہوتے تھے، اور اب جب اس عنوان سے مہر ٹھہرایا جائے گا ڈبل پیسے مراد ہوں گے۔

چوتھا مقدمہ یہ مسئلہ ہے کہ اگر معاملہ کے وقت کسی قسم کے پیسوں کا رواج تھا اور قرض ادا کرنے سے پہلے ان کا رواج جاتا رہا تو اب صاحب حق اسی مقررہ شدہ کا مطالبہ کر سکتا ہے، رائج حال یعنی اس موجودہ وقت چلنے والے پیسوں کا مطالبہ نہیں کر سکتا، کذا فی رد المحتار کتاب البیوع، فصل القرض من قوله استقرض من الفلوس الرائجۃ۔

پانچواں مقدمہ یہ ہے جو پیسے واجب ہیں تو قرض جاتیں دونوں فریقوں کی باہمی رضامندی سے اس کی قیمت بھی لینا جائز ہے، مگر صاحب حق زمانہ وجوب واجب ہونے کے زمانہ کی قیمت جبراً نہیں لے سکتا، جب یہ پانچوں مقدمے ممہد (مکمل) ہوگئے تو۔

ٹکوں سے مقرر کردہ مہروں کی وصولی میں چند کوتاہیاں

اب سمجھئے کہ وہ غلطی یہ ہے کہ جن عورتوں کے نکاح ان منصوری اسی ہزار ٹکوں پر ہوئے جن کی قیمت اس وقت ڈبل پیسے سے تقریباً دو چند تھی، اور اب تو ان کا صاف چلن بھی بند ہو گیا ہے، بعض جگہ دیکھا ہے کہ عورت یا اس کے اولیا یا وارث زوج سے اسی ہزار کے ڈبل پیسے یا انہی ڈبل ٹکوں کی قیمت لگا کر ان منصوری ٹکوں کی جو قیمت اب ہے یعنی قریباً ایک پیسہ کے ڈبل، اس سے زیادہ مطالبہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس میں زیادہ نزاع

کرے تو زرِ رائج کو شرعاً جائز ہے کہ اسی منصوری پیسے کے اسی بازار کے نرخ خرید کر جو ادا کرے، صاحب حق اس کے لینے سے انکار نہیں کرسکتا، یہ ہے وہ غلطی، البتہ جو نکالا ہے اب ہوں گے جس وقت کہ زرِ رائج ڈبل پیسوں کا ہے اس وقت بھی ڈبل پیسے واجب ہوں گے، پس اس کی قیمت سے روپیوں کا حساب ہوگا، یہ بیان تو غلطی کا تھا،

ہر جنس دوسری جنس کی قیمت لگانے کا طریقہ

اب ایک دوسرا مسئلہ اس قیمت لگانے کے متعلق معلوم کرنا ضروری ہے، وہ یہ کہ اگر واجب ایک چیز ہو اور لینے کے وقت اس کی قیمت لگا کر لی جائے دوسری چیز، تو یاد رکھنا چاہیے کہ جس قدر حق اس وقت وصول کیا جاتا ہے، اسی حساب کا کرنا چاہیے، یہ جائز نہیں کہ پورے کا حساب دوسری جنس سے کر لیا جائے، پھر اس دوسری جنس سے کچھ اب لیا جائے کچھ دوسرے وقت، بلکہ بقایا حق کا حساب اگر دوسرے وقت اسی جنس سے کیا جاوے، تو اس دوسرے وقت کے نرخ وغیرہ کا اعتبار ہوگا، وقت سابق کے نرخ پر صاحب حق مجبور نہیں کر سکتا، مثلاً ایک شخص نے منصوری پیسہ کے رواج کے وقت چالیس پیسے قرض لئے تھے، جو اس وقت آٹھ آنے کے تھے اور اب پانچ آنے کے ہیں، اور ان میں سے نصف اب وصول کرتا ہے، تو یہ جائز نہیں کہ اب حساب کرکے اس کے ذمہ پانچ آنے ٹھیرا دے، اور ڈھائی آنے اب لے لے، اور ڈھائی آنے پھر، بلکہ اس وقت بیس ہی پیسوں کا حساب کیا جاوے، پھر بیس کا دوسرے وقت کرے،

اگر فرض کیجئے اس وقت نرخ منصوری کا ڈبل کے چار ہوگیا، تو اس دوسرے وقت میں پانچ ڈبل لے سکتا ہے، پہلے حساب سے دس نہیں لے سکتا، اسی طرح غلہ کے عوض روپیہ لینے میں اس کا خیال رکھنا واجب ہے،

مثال: ایک کاشتکار کے ذمہ فصل کا غلہ گندم چالیس سیر چاہئے، پھر اس سے یہ اقرار پایا کہ اچھا اس کے دام نقد سے لگا کر حساب کر لیا جاوے، اور حساب کے وقت نرخ گندم کا روپیہ کا دس سیر ہے، اور اس حساب سے چالیس سیر غلہ چار روپیہ کا ہوا، سو اگر اسی جلسہ میں چاروں روپے وصول ہو جاویں، تب تو پورے غلہ کا حساب کر لینا جائز ہے، اور اگر فرض کیجئے کہ اس کو دو روپے وصول ہوں گے تو اس وقت یہ چاہئے کہ صرف بیس ہی سیر غلہ کا حساب کرے، اور اس کے دام اسی وقت وصول کر لے، اب اس کاشتکار کے ذمہ بیس سیر غلہ باقی واجب رہے گا، اس وقت عموماً زمینداروں کی عادت ہے کہ پورے چالیس سیر غلہ کا حساب روپیوں سے کر کے کاشتکار کے ذمہ مثلاً چار روپے کر دیتے ہیں، پھر اگر اس وقت دو روپے وصول ہوئے تو آئندہ اس کے ذمہ دو روپے باقی

سمجھ کر روز روپے کا مطالبہ کرتے ہیں، سو یہ جائز نہیں، حدیث میں صریح الکالی بالکالی کی ممانعت آئی ہے، اس کا یہی مطلب ہے، پھر جب موافق مسئلہ مذکورہ کے جس قدر اس کے ذمہ واجب ہے، سو جب اس کا حساب ہوگا اس وقت پہلے حساب کا اعتبار ہوگا، البتہ نیا حساب ان دونوں کی رضامندی سے ہوگا، مثلاً اس وقت نرخ سولہ سیر کا ہوا تو باقی غلہ ڈھائی روپیہ کا ہوگا، پس پہلی صورت میں زمیندار دو روپیہ جبراً نہیں لے سکتا اور دوسری صورت میں کاشتکار دو روپیہ جبراً نہیں دے سکتا۔

اسی طرح اگر گیہوں واجب تھے اور تراضی جانبین سے وصول کرنے سے نخود (چنا) تو جس قدر نخود اس وقت دیتا ہے اتنے ہی گندم کا اس وقت حساب کیا جائے، بقیہ اس کے ذمہ گندم رہیں گے، آئندہ وصولی کے وقت اُن کا حساب، باہمی رضامندی سے جس طرح بھی ہو جائے۔ یہ نہیں کہ آئندہ اس کے ذمہ نخود (چنے) کا بقایا نکالا جائے، خوب سمجھ لینا چاہئے۔

اصلاحِ انقلاب

متعلق بعدل بین الزوجتین:

دو بیویوں میں عدل وانصاف نہ کرنے کی کوتاہی کا بیان

اس باب میں مختصر کوتاہی کا بیان ہے جس کی تفصیل دوسرے ابواب کے ان کی بھی فہرست بتلائی جاتی، یہاں تو بالکل کوتاہی ہی کوتاہی ہے، عدل کا نام و نشان بھی نہیں اور اس کی طرف التفات ہی نہیں، الا نادر کالمعدوم، یعنی ایسا عدل بہت کم پایا جاتا ہے کہ نہ ہونے کے برابر ہے، اور بڑا سبب اس بے التفاتی کا اس کے متعلق احکام نہ جاننا ہے اس لئے بجائے بے شمار کوتاہیوں کے اس باب کے احکام بتلا دینا کافی ہے،

عدل نہ کرسکنے کی امید ہو تو دوسرا نکاح کرنا بھی گناہ ہے

مسئلہ نمبر ۱: سب سے اول یہ ہے کہ بلا ضرورت دوسری زوجہ سے نکاح نہ کرے، گو عدل کی امید ہو، اگر اس خیال سے ترک کردے گا کہ پہلی کو غم نہ ہو تو ثواب ہوگا (۱)، اور اگر عدل کی امید نہ ہو تب تو دوسرا نکاح کرنا بالکل گناہ ہے، بقولہ تعالیٰ:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً	پس اگر تم کو اندیشہ اس کا ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر اکتفا کرو (۲)

نفقات اور شب باشی میں عدل واجب ہے

مسئلہ نمبر ۲: نفقات (اخراجات) میں اور بغرض تحصیل دلجوئی و انس کے شب باشی میں عدل واجب ہے اور ہمبستری میں نہیں،

۱؎ یہاں سے یہ وہم نہ ہو کہ باوجود قدرت کے اگر کسی ایک منکوحہ سے ہمیشہ ترک ہمبستری کئے رہے، اور اس منکوحہ کو حاجت بھی ہمبستری کی ہو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ یہ خیال بالکل غلط ہے، اور نہ اس عبارت کا مقصود ہے، عبارت کا مقصود تو یہ ہے کہ عورت کے ساتھ ہمبستری کے باب میں (برابری ضروری نہیں)

رغبت اور نشاط غیر اختیاری ہیں

مسئلہ نمبر ۲: لیکن اگر جمیع امکانات میں مثلاً ہمبستری کی دفعات اور بوس وکنار وغیرہ میں برابری کرے تو مستحب ہے گو واجب نہیں۔

مسئلہ نمبر ۳: اور یہ عدم وجوب اس وقت متفق علیہ ہے کہ جب رغبت اور نشاط نہ ہو، اس صورت میں معذور ہوگا، لیکن اگر رغبت اور نشاط ہے مگر دوسری کی طرف زیادہ ہے اور اس کی طرف کم مگر ہے تو اس صورت میں ایک قول یہ ہے کہ یہ داخل تحت القدرۃ (قدرت میں داخل) ہے، اس لئے اس میں برابری واجب ہے، اور غالباً یہ غیر حنفیہ کا مذہب ہے (ش)۔

تبرعات اور تحائف میں بھی عدل واجب ہے

مسئلہ نمبر ۴: باقی تبرعات وتحائف (عطیات اور تحفے) جو کہ غیر لازم ہیں، ان میں عدل واجب ہے یا نہیں، ظاہر اطلاق اقوال حنفیہ کا وجوب ہے، اور ابن بطال مالکی نے بعض (کلی طور پر) غیر واجب کہا ہے، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہدایا بھیجنے سے نوبت میں عائشہ رضی اللہ عنہا میں یعنی حضرت عائشہ کی باری میں حضور اکرم کو ہدیہ بھیجنے سے استدلال کیا ہے (ف، ج ۵ ص ۱۷۰)، لیکن یہ استدلال چند وجوہ مخدوش (دلیل چند وجوہ سے صحیح نہیں) ہے۔

اول ممکن ہے کہ وہ حضرت عائشہ کی ملک کی جاتی ہو اور اس کا یہ جواب دینا اگر ایسا ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیتے کہ میں اس ہدیہ کا مالک نہیں۔ اس لئے ضعیف ہے کہ ازواج کی رعایت تقسیم پر لازم تھی، بلکہ بھیجنے والوں (ہدیہ بھیجنے والوں) کو یہ فرما دینا کہ تخصیص کسی کے لئے خاص نہ کرو۔

ثانیاً ممکن ہے کہ آپ کی ملک ہو، مگر آپ تقسیم فرما دیتے ہوں، اور اس پر یہ شبہ ہو کہ اگر ایسا ہوتا تو شکایت کیوں ہوتی؟ اس طرح مدفوع ہے کہ ایسے موقع پر بھی تو ناگوار ہو جاتا ہے کہ ایک کے گھر سب جگہ پہنچے۔

ثالثاً حنفیہ کے نزدیک آپ پر یہ عدل واجب ہی نہ تھا تو اس پر دوسروں کا قیاس نہیں ہوسکتا، اور اس پر یہ شبہ ہو کہ پھر آپ نے کیوں نہ فرما دیا، اس لئے معتد بہ (قابل ذکر) نہیں کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دیانۃً مقرر ہے کہ عورت کی حاجت اور ضرورت کے موافق ہر زوجہ سے ہمبستری کرنا مرد پر واجب ہے اگر اس کو باوجود قدرت اور خواہش عورت کے ترک کرے گا تو گناہگار ہوگا، ہاں اگر کسی وجہ سے خود مجبور ہو یا عورت اپنا حق معاف کر دے یا عورت کی خواہش ہی نہ ہو تو پھر گناہ نہ ہوگا اور اگر یہ شخص معذور ہو اور عورت اپنا حق معاف نہ کرے اور اسے خواہش جماع کی ہو اور طلاق چاہے تو دیانۃً زوج کو طلاق دینا واجب ہوگا۔ (تحفہ ...)

آپ باوجود عدم وجوب کے اس کے ساتھ معاملہ وجوب کا سا فرماتے تھے،

پھر حدیث ابی بطال کا استدلال محدوش ہے، اور ظاہر اطلاق دلائل سے وجوب ہی ہے،

ازواج میں سے سفر میں کسی کو ساتھ لے جانے کے لئے قرعہ اندازی افضل ہے،

مسئلہ نمبر۷: برابری شب باشی (رات گذارنے) میں حضر (گھر میں رہنے) میں ہے، اور سفر میں اختیار ہے جس کو چاہے ساتھ لے جائے، لیکن رفع شکایت (شکایت دور کرنے) کے لئے قرعہ ڈال لینا افضل ہے، اور ظاہر یہ اس صورت میں ہے جب تک استقرار (سکون) سے قیام نہ ہو ورنہ حالت قیام کا حکم مثل حکم حضر کے ہوگا، دوسرے علماء سے بھی تحقیق کر لیا جائے،

مسئلہ نمبر۸: یہ برابری شب باشی میں اس شخص کے لئے ہے جو شب میں فارغ ہو، اور جس کی رات ہی کی نوکری ہو جیسے چوکیدار تو اس کا دن مثل شب کے ہے (د)

دونوں بیویوں کی رہائش گاہ میں برابری واجب ہے،

مسئلہ نمبر۹: مسکن (رہائش گاہ) میں جو برابری واجب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو جدا گھر دینا چاہئے، جبراً دونوں کو ایک گھر میں رکھنا جائز نہیں، البتہ اگر دونوں رضامند ہوں تو ان کے رضامند ہونے تک جائز ہے،

ایک شب میں دوسری کو شریک کرنا صحیح نہیں:

مسئلہ نمبر۱۰: جس شخص پر شب میں عدل واجب ہو ایک کی شب میں دوسری کو شریک کرنا درست نہیں، یعنی ایک کی شب میں دوسری کے پاس نہ جائے،

مسئلہ نمبر۱۱: اسی طرح یہ بھی درست نہیں کہ ایک کے پاس بعد مغرب جائے اور دوسری کے پاس بعد عشاء، بلکہ اس میں بھی برابری ہونا چاہئے، (ش)

مسئلہ نمبر۱۲: اسی طرح ایک شب میں دونوں جگہ تھوڑا تھوڑا رہنا درست نہیں (ل)

مسئلہ نمبر۱۳: لیکن التیجہ اخیرکے مسئلہ میں یعنی ۹، ۱۰، ۱۱ میں اگر ازواج رضامندی ہو تو درست ہو،

مسئلہ نمبر۱۴: اور جس طرح رضامندی سے تھوڑی تھوڑی رات رہنا دونوں کے پاس درست ہے، اسی طرح اگر دونوں کی باری کا دور ختم کرکے ایسا کرے اور پھر جس طرح چاہے باری درست کرلے، یہ بھی درست ہے (ش)

اور ان اخیر کے مسائل میں صاحب نیل الاوطار نے یہ مذہب بھی لکھا ہے کہ شب کو بھی ایک کی باری میں دوسری کو عارضی طور پر بلا لینا یا خود اس کے گھر چلا جانا اور اس سے بات چیت کرنا اور اس کے پاس بیٹھنا اور اس کو لمس کرنا (چھونا) سب درست ہے، صرف شب بھر رہنا اور

ہمبستری دوسری کے ساتھ درست نہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کے جمع ہونے سے استدلال کیا ہے، مگر یہاں احتمال اذن و اجازت میں شک، یا عدم وجوب قسم کا ہے،

دن کے وقت باری کا حکم

مسئلہ نمبر ۱۴: دن کے آنے جانے میں برابری واجب نہیں، بلکہ تھوڑی دیر کے لئے ہو آنا بھی کافی ہے،

مسئلہ نمبر ۱۵: یا کسی ضرورت سے ایک ہی جگہ جائے تب بھی درست ہے،

مسئلہ نمبر ۱۶: البتہ اس روز جس کی باری نہ ہو اس سے دن کو صحبت درست نہیں، اور ظاہراً قواعد سے یہاں بھی رات تابع دن کی ہوگی، البتہ تصالح زوجین اور دونوں بیبیوں کی صلاح یا اصلاح زوج سے اس میں تبدیل درست ہوگی، اس کو بھی دیگر علماء سے تحقیق کر لیا جاوے (ش)

باری کی مقدار اور تعیین کے چند مسائل

مسئلہ نمبر ۱۷: باری کی مقدار معین کرنا رائے پر ہے لیکن وہ مقدار اتنی طویل نہ ہو کہ دوسری کو انتظار سے کلفت ہونے لگے، مثلاً ایک ایک سال اور یہ خلاصہ ہے بحث طویل کا (ش)

مسئلہ نمبر ۱۸: اور اگر بیماری کے سبب ایک کے گھر زیادہ مقیم رہا تو بعد صحت کے اتنے ہی روز دوسری کے گھر رہنا چاہئے (ش)

مسئلہ نمبر ۱۹: اسی طرح اگر ایک بی بی بہت سخت بیمار ہو گئی تو اس ضرورت سے اس کے گھر مقیم رہنے میں مضائقہ نہیں (ع) اور ظاہر اطلاق قول در مختار وغیرہ سے ان ایام کی قضا بھی ضروری معلوم ہوتی ہے،

مسئلہ نمبر ۲۰: ایک منکوحہ کو اپنی باری دوسری کو ہبہ کر دینا درست ہے، پھر جب چاہے اس کو واپس لے سکتی ہے،

مسئلہ نمبر ۲۱: اگر کسی شخص کے مثلاً چار بیبیاں ہیں، الف، ب، ج، د، ان میں سے الف نے اپنی باری ج کو ہبہ کر دی، اور ان دونوں کی باری کے دن متصل نہ تھے، تو شوہر کو ان دونوں کا متصل کرنا درست نہیں، بلکہ وہی پہلی ترتیب رہے گی، اور اس موہوب لہا (جس کو باری ہبہ کی گئی ہے) اس کے پاس دو شبوں میں متصل رہے گا (ش) لیکن قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد ختم دورہ کے پھر ترتیب بدل سکتا ہے،

عدل قائم کرنے کی اہمیت

یہ اکیس مسائل ہیں مختلف کتب سے جن کے یہ رموز ہیں، (ع) عالمگیریہ (ق) قاضی خاں، (ش) شامی (ف) فتح الباری (د) در مختار (ل) اشد اللمعات، اگر ان مسائل کو

مستحضر کر کے ان کو دستور العمل بنا لے ، ان شاء اللہ اس باب میں کبھی خلافِ عدل کا وقوع ہی نہ ہو
مگر افسوس لوگوں نے بجائے عدل کے اس وقت عدول (ترکِ عدل) کو شیوہ (طریقہ) بنا رکھا ہے ،
حتیٰ کہ اکثر عدول نے بھی فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (یعنی
خواہشِ نفسانی کی پیروی نہ کرو اگر انصاف کرو اور ، تمہارا انصاف تقویٰ کے زیادہ قریب ہے ۔ انصاف)

مضمون بالا العدل بین الزوجین کا ضمیمہ

ملقب بہ

خیر الانتہاء فی معاشرۃ النساء

مضمونِ مذکور جور بر زوج کا انسداد (شوہر کے ظلم کو روکنا) تھا ، جو تعدد ازدواج (کئی بیویوں) کے وقت میں ہوتا ہے ، کبھی یہ جور ان زوجاتِ متعددہ (یعنی متعدد بیویوں) کی طرف سے بھی ہوتا ہے جس کا سبب باہمی تنافس و تحاسد (آپس میں ایک دوسری پر برتری کا اظہار اور حسد) اور کبھی غیظ علی الزوج (خاوند پر غصہ) ہوتا ہے ، اور اس باہمی تنافس و تحاسد کے اثر کا بھی اکثر حصہ اسی زوج پر واقع ہوتا ہے ، تو ہر حال میں تختۂ مشق یہی ٹھہرا ، اس ضمیمہ میں اس جور کا انسداد ہے ، اور ہر چند کہ قرآن مجید میں جو اصلاحِ معاشرت بین الزوجین (شوہر بیوی کے باہمی تعلقات کی اصلاح) کے متعلق مختلف تعلیمات وارد ہیں ، جن میں بعض میں خطاب عام ہے ، بعض میں خطاب خاص بقصد تعمیم حکم (باوجود کہ حکم عام ہونے کا قصد ہے) ۔ ان کا مجموعہ سب حالتوں کو شامل ہے یعنی خواہ زوجہ میں تعدد نہ ہو یا کہ تعدد ہو ، پھر جور زوج کی جانب سے ہو یا زوجہ کی جانب سے ہو ، مگر ظاہر ہے کہ تعدد کی حالت میں ان کی اس لئے زیادہ حاجت ہوگی کہ اس حالت میں ایسے جور کا وقوع زیادہ ہوتا ہے ، کبھی بزوج کی طرف سے (جس کا انسداد آیت وجوب عدل بین النساء (بیویوں کے درمیان عدل کے واجب کرنے والی آیت) سے فرما دیا گیا ہے ، اور مضمون بالا اسی کی تفصیل تھی) اور کبھی زوجہ کی طرف سے جس کا بیان اب کیا جاتا ہے ، اور گو اس باب میں جن نصوص کا حوالہ ہے وہ صورت تعدد کے ساتھ خاص نہیں ، مگر چونکہ صورت تعدد میں ان کی سب سے زیادہ حاجت ہے جیسا ابھی اوپر ذکر کیا گیا ہے اس لئے تعدد ہی کے ذیل میں وہ مذکور ہوتی ہیں ،

وہ تعلیمات یہ ہیں :-

(۱) فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (النساء آیت ۳)

(پس اگر تم کو احتمال اس کا ہو کہ عدل نہ کرو گے تو پھر ایک ہی بی بی پر بس کرو)

(۲) وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ (الیٰ قولہ) فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ (النساء آیت ۱۹)

(اور عورتوں کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ جو کچھ تم لوگوں نے ان کو دیا ہے اس میں کا کوئی حصہ وصول کر لو)

(۳) وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (النساء آیت ۱۲۹)

(اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو گو تمہارا جی چاہے مگر اس کا خیال رکھو کہ بالکل ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ جس سے دوسری کو ایسا کر دو جیسے کوئی درمیان میں لٹکی ہو)

---

(۴) وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ (الیٰ قولہ) اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ( )

(اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بددماغی کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصیحت کرو اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو اگر ان دونوں کو اصلاح کرنا منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ میاں بی بی میں اتفاق فرما دیں گے)

(۵) وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (النساء آیت ۱۲۸)

(اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بددماغی یا بے پروائی کا ہو سو دونوں کو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کر لیں اور یہ صلح بہتر ہے)

(۶) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (الاحزاب آیت ۲۸)

(اے نبی آپ اپنی بیبیوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو)

(۷) فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ (البقرہ آیت ۲۲۹)

(سو اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی کو قائم نہ کر سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس مال کے لینے دینے ... الخ)

جن کے مجموعہ کا حاصل امور ذیل کا مجموعہ ہے، اور گو ان میں کوئی خاص ترتیب منصوص نہیں اور نیز باختلاف حالات و خصوصیات مقاصد اپنے اپنے مخصوص حالات کے ان میں دوسرا بھی کوئی خاص ترتیب لازم و رائج نہیں، خاص ترتیب عام طور پر ضروری نہیں، لیکن اور حالات میں آیات کے حقائق و آثار کے اعتبار سے آیات میں جو ترتیب مرعی ہے (یعنی اس کی رعایت کی گئی ہے) اسی ترتیب سے اس فہرست کو ذکر کرتا ہوں،

نمبر۱ صبر زوجہ کی حماقت دیکھ کر ہی غلط روش اختیار کرنے پر قولہ تعالیٰ ——
وَاللّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ الخ

نمبر۲ اگر پھر بھی باز نہ آئے یا مرد اس پر قادر نہ ہو تو اس کو نصیحت و فہمائش،

نمبر۳ پھر اس سے الگ دوسرے بستر پر سونا،

نمبر۴ قاضی ہو تو خفیف ضرب یعنی ضرب غیر مبرح (سخت بدنی نہیں)،

نمبر۵ یہ بھی نافع نہ ہو تو دو شخص فیصلے کے لئے تجویز کرنا ایک مرد کی جانب سے ایک عورت کی جانب سے جو دونوں کے اظہارات لے کر رفع نزاع و جھگڑے کو ختم کر دیں، مصداق قولہ تعالیٰ وَاللّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ، اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بددماغی کا احتمال ہو،

نمبر۶ زوجہ سے کہہ دینا کہ اگر تم کو ہمارے نکاح میں رہنا منظور ہے تو فلاں فلاں شرطیں منظور کرنی پڑیں گی یا اپنے سب حقوق معاف کر دینے ہوں گے تاکہ اس کے بعد جتنے حقوق ہم ادا کریں ان کو غنیمت سمجھو اور کوتاہی کے گمان کے وقت بھی شکایت نہ کرسکو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب وحی (اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق) بیبیوں سے فرما دیا تھا، مصداق عموم قولہ تعالیٰ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا الخ وقولہ: الذی هو اعظم افراد الصلح الذی ذکر فیما قبلہ تاثیرا، یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ الخ (اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بددماغی کا ہو) (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی بیبیوں سے کہہ دیں)۔

نمبر۷ اس پر بھی سبیل نہ ہو تو رخصت، مصداق عموم قولہ تعالیٰ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا الخ دوسرا اگر تم کو اس کا اندیشہ ہو کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔

یہ ہے فہرست جن کے مجموعہ میں یہ ترتیب اثری ہے، اور اتفاق سے اسی ترتیب سے یہ آیات بھی لکھی گئی ہیں اس دستور میں سے جو حسن الزوجات (عورتوں کی عزت سے خطرا کا بھی پورا انسداد ہو جاتا ہے جیسا تجربہ سے مشاہدہ ہو سکتا ہے، اب اس تمہید کو ایک حکایت پر ختم کرتا ایک

مفید دستور العمل پر مشتمل ہے ختم کرتا ہوں اور اس حکایت کے اس تجربہ سے تیقن و یقین ہونے میں قوت بڑھ جاتی ہے۔

حکایت ایک صاحب قوم شیخ حاجی عبدالغنی ساکن محلہ پور کا بیان ہے جو کہ دو زوجہ والے تھے جن کی دونوں زوجہ کے اجتماع سے ہمیشہ رنجش رہتی تھی، اور جو کہ تمام تدبیرات ختم کر چکے تھے اور وہ تدبیریں نافع بھی ہوتی تھیں مگر نزاع قطع اور خلجان رفع نہ ہوتا تھا، ہر دم رنج اور رشک دل میں رہتا تھا۔ آخر انھوں نے تجویز نمبر ۲ کے بوجہ اس کے کہ واجب نہیں اور بعض مواقع پر مناسب نہیں، اس ترتیب پر عمل شروع کیا، نمبر ۳ تک پہنچے تھے بفضلہ تعالیٰ تمام خرخشے (جھگڑے) ختم ہوگئے اور تلخی عیش مبدل بہ حلاوت ہوگئی (زندگی کی تلخی خوشگواری میں بدل گئی) نہ صرف زوج کی بلکہ دونوں زوجہ کی بھی، اس نمبر کے استعمال (بجالانے) کی عمل صورت ان صاحب نے یہ اختیار کی کہ اپنی دونوں زوجہ سے ایک یادداشت کی صورت میں لکھ کر صلح کی جو عظیم النفع تدبیر ہے، اور غالباً اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تجویز کی گئی، چند امور کا عہد لیا اور صاف کہہ دیا کہ ہمارے پاس رہنے کی یہ شرطیں ہیں اب اختیار ہے جس شق (صورت) کو چاہے اختیار کیا جائے، چونکہ دونوں صالحہ اور سعیدہ تھیں اس لئے انھوں نے نہایت خوشی سے سب شرطیں منظور کر لیں، اور سب کدورات و رنجشیں صاف ہوگئیں، چونکہ اس یادداشت کے مضمون کا نافع ہونا تجربہ سے ثابت ہوا لہٰذا ان سے حاصل کر کے اس مقام پر نقل کرتا ہوں کہ دوسرے اہل تعلق پریشان حال بھی اس سے منتفع ہوں (یعنی نفع حاصل کر سکیں) جس سے مجوزہ و ناقل دونوں کو حسب موعود اجر ملے۔

نقل مضمون مذکورہ والصلح خیر

یادداشت متعلقہ ہر دو اہل خانہ حاجی عبدالغنی:

ہم دونوں اہل خانہ حاجی عبدالغنی امور ذیل کا وعدہ کرتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کی پابندی رکھیں گے

نمبر ۱: ہم دونوں نے اپنے تمام حقوق واجب اور غیر واجب ہمیشہ کے لئے حاجی صاحب کو معاف کئے، ہم کسی حق کا مطالبہ نہیں کریں گے، وہ خود اپنی خوشی سے جتنا حق ادا کر دیں گے ہم احسان سمجھیں گے البتہ ادب کے ساتھ ہم کو درخواست

ؔ اس میں اشارہ ہے کہ مضمون صلح ایک فرد ہے الصلح خیر منصوص کا ۱۲ (منہ)

کرنے کی اجازت ہے، لیکن اس کو پورا کرنے کا ان کو اختیار ہے، اگر وہ پورا کریں گے نہ ہم اصرار کریں گے نہ ہم کو ناگواری ہوگی۔

نمبر ۲: اس بنا پر ان کو اختیار ہوگا رات کو جس کے پاس چاہیں رہیں، اور خواہ کسی کے پاس بھی نہ رہیں، مردانہ میں رہیں، خواہ ایک کے پاس دوسری کی باری میں رہیں۔

نمبر ۳: کھانا کھانے میں ان کو اختیار ہوگا جس وقت جس جگہ جی چاہے کھائیں، خواہ کسی کے پاس بھی نہ کھائیں، بازار وغیرہ میں انتظام کرلیں، ہم کو کوئی شکایت نہ ہوگی، خواہ ایک کے ہفتہ میں دوسری کے گھر جائیں، پھر خواہ گھر آکر کھائیں خواہ مردانہ میں منگائیں، خواہ ایک کے گھر سے کھانا منگا کر دوسری کے گھر میں کھائیں ہم کسی امر کے متعلق کوئی حرف زبان پر نہ لائیں گے۔

نمبر ۴: علیٰ ہذا دن میں یا شام میں گھر میں آنے کے متعلق ان کو اختیار ہے، خواہ وہ ایک جگہ آئیں خواہ دونوں جگہ، پھر خواہ ایک جگہ زیادہ دیر تک ٹھہریں اور ایک جگہ کم ٹھہریں، خواہ ایک جگہ بالکل نہ آئیں، خواہ دونوں جگہ نہ آئیں۔

نمبر ۵: علیٰ ہذا خرچ پیسے نیز دوسری اشیاء از قسم سوغات و تحفے تحفہ دینے میں خواہ دونوں جگہ برابر دیں یا کم و بیش، پھر خواہ مردانہ سے بھیجیں خواہ کسی اجنبی کے ہاتھ سے بھجوائیں، ہر طرح ان کو اختیار ہے ہم ہر طرح خوش رہیں گے۔

نمبر ۶: ہم کسی چغلخور کی بات کو نہ سنیں گے، بلکہ جب وہ کچھ بات کرے گا ہم منع کر دیں گے، اور جس قدر کان میں پڑ جائے گا اس کو سچ نہ سمجھیں گے، اور نہ کسی کے سامنے اس کا ذکر کریں گے، نہ حاجی صاحب سے نہ اور کسی سے۔

نمبر ۷: ہم ہر امر میں جو کہ شریعت کے خلاف نہ ہو حاجی صاحب کی اطاعت کریں گے، وہ جو کہیں گے ہم فوراً بجا لاویں گے، ان کی کسی بات کو رد نہ کریں گے نہ اس کو جھٹلائیں گے۔

نوٹ (۱): اگر ہم کبھی جان بوجھ کر یا بھول کر اس کے خلاف کریں گے اسی یادداشت سے ہم کو لاجواب کر دیا جائے۔

نوٹ (۲): شرعاً اس معاملے سے رجوع کرنے کا جس طرح ہم دونوں زوجہ کو

تعقب رکھو۔ اسی طرح حاجی صاحب کو اختیار ہے کہ ہمارے رجسٹر کے رقمات خواہ وہ حقوق واجبہ کے متعلق ہوں یا اپنی آزادی و سبکدوشی کا کوئی شرعی طریقہ اختیار کریں۔"

۲۹ ذوالحجہ ۱۳۳۲ھ (انتہی)

حقوق سے بری ہونے کا یقین کرنے کے باوجود بیویوں میں عدل کرنا چاہئے

اسی کے ساتھ یہ امر بھی قابل اطلاع ہے جس کی شہادت یہ احقر بھی اپنے مشاہدے سے دیتا ہے کہ حاجی صاحب نے باوجود ہر قسم کے مطالبات سے برأت حاصل کر لینے کے اس کے بعد بھی کسی قسم کے حق میں خواہ فی نفسہ واجب تھا یا غیر واجب کسی بی بی کی کمی نہیں کی، اصل غرض اُن کی بے جا الزام و شکایات کا انسداد و کف لسان (خواہ مخواہ کے الزامات و شکایات کو روکنا اور زبان بند کرنا) تھا جو حاصل ہو گیا مگر حقوق سے سبکدوشی، اور اس کف لسان کا اثر طبعاً بشرط سلامت یہ ہوتا ہے کہ صاحب معاملہ میں زیادہ رفق اور شفقت (نرمی اور مہربانی) پیدا ہوتی ہے، چنانچہ وہاں ایسا ہی ہوا، اور ایسی صورت میں لطف زندگی کیوں نہ ہو کہ زوجہ یہ سمجھے کہ میرا کوئی حق شوہر کے ذمہ نہیں، اور شوہر باوجود اس کے یوں سمجھے کہ میرے ذمہ اور حقوق بڑھ گئے، پس ایسی حالت میں اگر شوہر کچھ حق ادا کرے تب بھی زوجہ غنیمت سمجھتی ہے چہ جائیکہ حقوق سے بھی زیادہ ادا کرے تو زوجہ کو کس قدر راحت اور فرحت ہوگی، اور دراصل اس صورت کی قرآن و حدیث میں ہے، قال اللہ تعالیٰ:

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا (الدہر آیت ۹)

"ہم تم کو محض اللہ کی رضامندی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں، نہ ہم تم سے بدلہ چاہیں اور نہ شکریہ۔"

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَنَعَ اِلَيْكُمْ مَعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَا تُكَافِئُوْهُ فَاَثْنُوْا عَلَيْهِ خَيْرًا

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے تمہارے ساتھ بھلائی کی پس تم اس کو اچھا بدلہ دو اور اگر بدلہ نہ دے سکو تو اس کی اچھی تعریف ہی کر دو"

سبحان اللہ! کیا تعلیم ہے کہ محسن کو تو یہ سکھلایا کہ تم عوض یا شکریہ کی توقع مت رکھو اور محسن الیہ (جس پر احسان کیا جائے) کو یہ بتلایا کہ تم عوض اور شکریہ کو اپنے ذمہ سمجھو اور جیسا یہ ایک کلی تعلیم محسن و محسن الیہ (احسان کرنے والا اور جس پر احسان کیا گیا ہو) کو کی گئی ہے، اسی طرح خاص معاشرت زوجین کے باب میں یہ خصوصیت کے ساتھ وارد ہے تو اللہ تعالیٰ کی بھی حق

تا الی قولہ ذٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن تَقَرَّ أَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ (عن تفسیر الحقانیۃ)

اس آیت میں ازواج مطہرات کو یہ عدم التزام حقوق از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بر ازواج پر حقوق لازم نہ ہونے کا حکم سنا کر اس کا یہ اثر تصریحاً وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا، ذٰلِكَ أَدْنَىٰ، پس اس دستور العمل کی صحیح تعلیم یہ ہے کہ زوجہ تو اپنے کسی حق کی شکایت نہ کرے، اور زوج اس کے حقوق سے زیادہ اس کی دلجوئی کرے، پھر انشاء اللہ غبار یا کدورت کا کبھی نام بھی نہ آئے گا، اور سب کی زندگی اس شعر کا مصداق ہو جائے گی ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد   کسے را با کسے کارے نباشد

(بہشت وہ جگہ ہو جہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں اور نہ کسی کو کسی سے کام ہے۔)

غرض اگر یہ برداشت خصوصیت کے ساتھ عورتوں کا دستور العمل ہے اور مضمون بالا عدل کا مردوں کا دستور العمل ہے تو جانبین کو حیات طیبہ و پاکیزہ زندگی نصیب ہو جائے۔

اصلاحِ انقلاب

متعلق رضاع

اس باب میں ناواقفی کے سبب متعدد کوتاہیاں اور مختلف غلطیاں کی جاتی ہیں:

دودھ شریک بہن بھائی ہونے کے لئے ایک ہی زمانہ ہونا ضروری نہیں

منجملہ ان کے ایک غلطی یہ ہے کہ بعضے عوام یہ سمجھتے ہیں کہ دودھ شریک بہن بھائی جب ہی ہوتے ہیں جب کہ ایک زمانہ میں کسی عورت کا دودھ پئیں، اور اگر ایک کے دودھ چھڑانے کے بعد دوسرا دودھ پئے تو دودھ شریک بہن بھائی نہیں ہوتے، سو یہ بالکل غلط ہے، بلکہ خواہ دونوں کے دودھ پینے کا زمانہ ایک ہو یا مختلف ہو دونوں حالتوں کا ایک ہی حکم ہے یعنی دونوں حالتوں میں دودھ شریک بھائی بہن ہو جائیں گے،

حرمت رضاعت دو سال عمر کے بعد کسی عورت کا دودھ پینے پر ثابت نہیں ہوتی

منجملہ ان کے ایک غلطی یہ ہے کہ حرمت رضاع کے ثبوت کے لئے کسی عمر کی قید نہیں سمجھتے، حتیٰ کہ اگر غلطی سے کسی عورت کا دودھ آٹے میں چلا گیا اور اس آٹے کی روٹی خاوند نے کھالی تو سمجھتے ہیں کہ حرمت رضاع ثابت ہو گئی، اور بی بی اس پر حرام ہو گئی، سو یہ بھی بالکل غلط ہے، بلکہ جو زمانہ بچے کے دودھ پینے کا... شریعت نے مقرر کیا ہے، یعنی دو سال جمہور کے نزدیک اور ڈھائی سال امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، اور اکثر حنفیہ نے بھی فتویٰ پہلے ہی قول پر دیا ہے، اس زمانہ کے اندر دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے، پس صورت مذکورہ میں یہ بی بی اپنے شوہر پر حرام نہیں ہوئی، البتہ خود عورت کا دودھ پینا مدت رضاع اور بچے کے دودھ پینے کی صورت کے ایک حرام فعل ہے، مگر اس سے رشتہ ثابت نہیں ہوگا،

مدت رضاع کے اندر دودھ پینے سے حرمت رضاع ثابت ہو جاتی ہے

منجملہ ان کے ایک غلطی اس غلطی کے مقابلہ میں

دی جاتی ہے کہ مدت رضاعت کے اندر اگر اس مدت کی تکمیل سے قبل بچہ کا دودھ چھڑا دیا جائے اور پھر کسی اتفاق سے یہ بچہ دودھ پی لے تو بعضے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ اس صورت میں بھی حرمت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ یوں سمجھتے ہیں کہ خود یہ دودھ پلانا بھی حرام ہے، سو دونوں باتیں غلط ہیں، بلکہ اس صورت میں حرمت رضاع بھی ثابت ہو جاوے گی، (فی الدر المختار ولو بعد الفطام) اور دودھ پلانا بھی حلال ہوگا۔

گائے، بھیڑ، بکری کا دودھ ایک ساتھ پینے سے حرمت رضاع ثابت نہیں ہوتی

منجملہ ان کے ایک غلطی یہ ہے کہ بعضے لوگ حرمت رضاع کو عورت کے دودھ کے ساتھ خاص نہیں سمجھتے، بلکہ یوں سمجھتے ہیں کہ اگر میاں بی بی گائے وغیرہ کا دودھ بھی ایک دوسرے کا جھوٹا پی لے تو وہ بھائی بہن ہو جاتے ہیں، سو یہ بھی بالکل لغو ہے، اس سے کچھ نہیں ہوتا (فی الدر المختار من ثدی آدمیۃ)

بچہ کے دودھ پی کر قے کر دینے سے حرمت رضاع زائل نہیں ہوتی

منجملہ ان کے ایک غلطی یہ ہے کہ بعضے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر بچہ دودھ پی کر فوراً قے کر ڈالے تو حرمت رضاع بھی زائل ہو جاتی ہے، مجھ کو اس غلطی عوام کی پہلے اطلاع نہ تھی، مگر مجھ سے ایک واقعہ میں استفتاء کیا گیا (فتویٰ پوچھا گیا) تو میرے حرمت رضاع کا حکم بتلانے پر سائل نے یہ معارضہ کیا کہ صاحب اس بچے نے اول تو پیا تھا بہت قلیل اور پھر وہ اگل دیا تھا، تو گویا وہ پینا باطل ہو گیا، تو حکم بھی ثابت نہ ہوگا، اس وقت معلوم ہوا کہ بعض کا یہ بھی خیال ہے، سو خوب سمجھ لیا جائے کہ اس باب میں قلیل و کثیر (کم زیادہ) کا ایک حکم ہے، اگر ایک قطرہ بھی حلق کے اندر چلا جائے گا تو حکم رضاع ثابت ہو جائے گا (فی الدر المختار وان قل) اسی طرح اگر حلق میں جانے کے بعد قے بھی ہو جائے تب بھی حکم رضاع بدستور باقی رہے گا (وقد مر ایضاً حیث مرت المسئلۃ الاولیٰ من ہذا الباب)

حرمت رضاع جن جن صورتوں میں واجب ہوگی

اور خواہ منہ کے راستے سے جائے یا ناک کے راستے سے اور خواہ خالص دودھ جائے یا کسی دوا یا پانی میں ملا ہوا جائے اور ملنے کی صورت میں خواہ غالب ہو یا دوسری چیز کے ساتھ مساوی (برابر) ہو، سب کا ایک حکم ہے، (کذا فی الدر المختار) یہ تو علمی غلطیاں تھیں

بچوں کو دودھ پلانے سے متعلق عملی کوتاہیاں:

شوہر کی اجازت کے بغیر کسی کو دودھ نہیں پلانا چاہئے۔

اور اس باب میں عملی کوتاہیاں بھی ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ کہ بعضی عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جس بچہ پر رحم آیا اس کو دودھ پلا دیا، حالانکہ

بلا اذن شوہر کے کسی کو دودھ پلانا مکروہ ہے، البتہ اگر بچہ کے ہلاک ہوجانے کا اندیشہ ہو وہ حالت اس سے مستثنیٰ ہے، (کذا فی البحر عن الخانیہ، شامی، ج ۲، ص ۶۶۳)

رضاعی بہن کے پاس تخلیہ میں بیٹھنا جائز نہیں

منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اکثر مرد و عورت رضاع کے رشتے سے باہم نسبی محارم (نسب کے اعتبار سے جن سے نکاح حرام ہے) ان لوگوں کی طرح خلا ملا رکھتے ہیں جس سے بڑے بڑے فساد واقع ہوگئے ہیں، فقہاء نے یہی رنگ دیکھ کر تصریح کی ہے کہ رضاعی بہن کے پاس تخلیہ (تنہائی) میں بیٹھنا ناجائز ہے، اسی طرح مصاہرت (دامادی) کے رشتے میں گو وہ رشتہ حرمت ہی کا ہو جیسے جوان ساس یا سوتیلی ماں، ان سب مواقع میں حسب فتویٰ علماء نامحرموں کا سا برتاؤ کرنا چاہئے یعنی پردہ وغیرہ کیا کریں،

رشتہ نکاح کے وقت دودھ پلانے کی تحقیق کرنا ضروری ہے

منجملہ ان کے ایک کوتاہی یہ ہے کہ رضاع کے باب میں یہ احتیاط کوئی نہیں کرتا کہ دودھ پلانے والے سے تحقیق کرلیں کہ اس نے کس کس کو دودھ پلایا ہے؟ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات ایسی ہی لڑکی سے اس کا رشتہ کردیا جاتا ہے کہ اس نے بھی اس عورت کا دودھ پیا تھا، اسی واسطے فقہاء نے فرمایا ہے کہ عورتوں پر واجب ہے کہ بلا ضرورت ہر بچہ کو دودھ نہ پلا دیا کریں، اور جب پلائیں تو خوب یاد رکھیں اور خوب شہرت دے دیا کریں، بلکہ احتیاطاً لکھ بھی لیا کریں، (شامی عن البحر، ج ۲ ص ۶۶۳)

ہر کس و ناکس کا دودھ بچے کو پلانا درست نہیں

منجملہ ان کے ایک کوتاہی جو اولاد کے آداب و حقوق کے متعلق ہے، حرمت سے متعلق نہیں ہے، کہ ہر کس و ناکس کا دودھ بچہ کو پلا دیا جاتا ہے جس سے اس کے اخلاق پر اثر پڑتا ہے، مناسب ہے کہ صحیح المزاج، سلیم الطبع، عاقل، صالح عورت کا دودھ پلوایا کریں،

اپنے دودھ پلانے والی کا احترام اور ادب کرنا ضروری ہے

منجملہ ان کے ایک غلطی یہ ہے کہ اکثر لوگ دودھ پلانے والی کا اگر وہ چھوٹی قوم سے ہو کچھ حق نہیں سمجھتے، اور اس کا کچھ احترام نہیں کرتے حالانکہ حدیث قولی ہے جس میں غلام یا لونڈی اس کی خدمت میں پیش کرنے کی ترغیب ہے اس کا حق معلوم ہوتا ہے، اور حدیث فعلی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرضعہ (دودھ پلانے والی) یعنی حلیمہ سعدیہؓ کا ان کے آنے کے وقت اکرام (عزت و احترام) فرمایا، اس کا احترام ثابت ہوتا ہے

نسبی ماں کا حق رضاعی ماں کے مقدم ہے

منجملہ ان کے ایک غلطی جو اس کے مقابل جانب میں ہے یہ ہے کہ بعضے آدمی اس کا اتنا بڑا حق سمجھتے ہیں کہ خود نسبی (حقیقی) ماں کا حق بھی اس کی

ماں ہونے کے سبب اتنا نہیں سمجھتے جتنا دودھ پلانے کے سبب سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ خود ماں بھی اپنے بچے بعض مواقع پر یہ کہتی ہیں کہ میں نے دودھ نہ بخشوں گی اور غضب ڈھاتی ہے۔ بلکہ بعض کو اس فکر میں مبتلا دیکھا گیا ہے کہ کیا کریں ہماری ماں مرگئی اور ہم دودھ نہیں بخشوا سکے۔ سو یہ اصلاً و فرعاً ہر طرح باطل ہے۔ اصلاً تو ظاہر ہے کہ ماں کا ہر حال میں حق منصوص ہے اور فرعاً اس لئے کہ دودھ پینا بچے کے لئے کوئی گناہ تھوڑا ہی ہے جس کے ارتکاب کے بعد بخشوانے کی ضرورت ہو اور اگر گناہ ہے تو بچہ اس وقت غیر مکلف (احکام شریعت کا شرعی اصطلاح میں پابند) تھا۔ ماں البتہ مکلف (احکام شریعت کی پابند) تھی۔ اس کو پلانا بھی گناہ ہوگا، وہ خود بھی گنہگار ہوئی، حرام چیز بچہ کو پلائی، خود اس کو اولاد سے معاف کرانا چاہئے۔ غرض یہ خرافات ہے۔

فعل ناجائز کی کسی کی اولاد کو اجازت نہیں

ایک غلطی یہ ہے کہ بعض لوگ اس دودھ پلانے کے سبب حضرت حلیمہؓ کو اتنا بڑا حق سمجھتے ہیں کہ ان کی اولاد واسطے ایسے کہ ان کے لئے وہ بات جو کہ فعل حرام ہے حلال سمجھتے ہیں۔ بہت بڑی سخت بد عقیدگی ہے جب خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے لئے کسی فعل ناجائز کی اجازت نہیں تو آپ کی مرضعہ (دودھ پلانے والی) کی اولاد کا تو ان کی نسبت بعید ہی تعلق ہے۔ پھر سب بدوؤں کا ان کی اولاد میں ہونا یہ بھی مہمل حکایت ہے۔

فرع قانونی توجہ اہل علم

فقہاء نے رضاع کی تعریف میں آدمیت کی قید لگائی ہے اور اس کو عزیز بہیمیت (جیسے) جانور اور آدمی کے دودھ سے بچے نکالا ہے، مگر جنیہ سے اشتباہ یا اختلاف وہاں پائے میں تعریف (بعض) نہیں دیکھی گئی کہ آیا وہ اس باب میں بہیمہ (جانور) کے مثل ہے، جیسے نکاح کے باب میں یہی ہے کہ جنیہ سے انسان کا نکاح جائز نہیں، یا مثل آدمی کے ہے کہ اگر کوئی لڑکا یا لڑکی کسی جنیہ کا دودھ پئیں تو وہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہو جائیں گے، جب تک مسئلہ کی تحقیق نہ ہو احوط موقع اشتباہ (شک کے موقع پر زیادہ احتیاط پر عمل کرنے) میں عملاً یہی ہوگا کہ حرمت رضاع کا فتویٰ دیا جائے، جیسے اڑھائی سال پر گو فتویٰ نہیں مگر احتیاطاً وہاں بھی یہی ہے کہ بعد مدت رضاعت کے اگر اس مدت کے اندر رضاع واقع ہو تو حرمت پر عمل کریں۔

تنبیہ: رضاع کے مسائل نہایت دقیق (باریک) ہیں، ان میں بدون محقق متیقظ عالم (بیدار مغز محقق سے کام لینے والے عالم) کے کسی نیم آموز (کم علم) کے قول کو معتبر نہ سمجھیں، اور سوال کے سمجھنے سمجھانے میں بھی بہت ہی احتیاط و ہوشیاری و بیداری سے کام لیں۔ فقط

ابواب الطلاق

وما یتعلق بہ

طلاق سے متعلق کوتاہیوں کا بیان

ابواب احکام میں سے یہ باب بھی ایک وسیع باب ہے، اس لئے اس کی کوتاہیاں اور غلطیاں بھی اہتمام کے ساتھ ظاہر کرنے کے قابل ہیں۔

مصلحت اور ضرورت کے موقع پر طلاق موجب عار نہیں

منجملہ ان کے ایک غلطی یہ ہے کہ اس کے ایقاع (یعنی طلاق دینے) کے متعلق بہت افراط و تفریط ہو رہا ہے، چنانچہ بعضے لوگ تو طلاق دینے کو اس قدر عار و عیب سمجھتے ہیں کہ خواہ کیسی ہی مصلحت و ضرورت ہو اور خواہ باہم زوجین (میاں بیوی) میں کتنی ہی نااتفاقی ہو جس سے ایک یا دونوں حقوق زوجیت ادا کرنے سے قاصر ہوں، اور خواہ زوجہ میں کسی درجہ کی بددینی ہو جس کی اصلاح شوہر کی قدرت سے خارج ہو گئی ہو (چنانچہ یہی اسباب ہیں مشروعیت طلاق (طلاق کے مشروع ہونے) کے (چنانچہ عورت کے موذی ہونے یا بالکل تارک صلوٰۃ ہونے کی صورت میں فقہاء نے طلاق کو مستحب اور مرد کی طرف سے عورت کے حقوق ادا نہ ہو سکنے کی صورت میں واجب کہا ہے کما فی رد المحتار) مگر پھر بھی خلاف شان خاندانی ہونے کے خیال سے اس کو گوارا نہیں کرتے، اور عمر بھر اپنی زندگی یا زوجہ کی زندگی تلخ کرتے ہیں اور اس ناگواری کا سبب اس کا ابغض المباحات (جائز چیزوں میں سب سے ناپسندیدہ) ہونا نہیں ہے کیونکہ وہاں مصالح و ضرورت کے وقت وہ مباح مطلق ہے، بلا مبغوضیت کے (بالکل جائز، بغیر ناپسندیدگی کے) اور جب اس کا استحباب یا وجوب (مستحب یا واجب ہونا) بعض صورتوں میں ثابت ہے اور استحباب و وجوب کا مبغوضیت (مستحب اور واجب کا ناپسندیدگی) کے ساتھ جمع ہونا محال ہے (جمع ہونا ناممکن ہے) اور قرآن مجید میں نص ہے لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ، اور حدیث رزین میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تھا، پھر ان کے عرض کرنے پر طلاق نہیں دی (کذا فی المشکوٰۃ) اسی طرح صحابہؓ

سے بجزئیت منقول ہے (کذا فی رد المحتار) تو پھر علی الاطلاق اس کو مبغوض کیسے کہہ سکتے ہیں؟ البتہ مبغوضیت اسی صورت میں ہے جبکہ کوئی داعی معتد بہ (قابل اعتبار محرک) نہ ہو اس وقت بے شک مکروہ ہے، (ونقلہ فی الدر المختار عن الکمال) اور حلال ہونا مبغوضیت کے منافی نہیں کیونکہ حلال مکروہ کو بھی شامل ہے، تو حلال کی تفسیر یہ ہوگی۔

مالیس فعلہ بلازم الشامل المباح والمندوب والواجب والمکروہ کما قال الشمنی ونقلہ فی رد المحتار عن البحر	(ایسا فعل جس کا کرنا ہی لازم نہ ہو اس کو مباح، مستحب، واجب اور مکروہ سب ہی شامل ہیں، جیسا شمنی نے کہا اور اسے رد المحتار نے بحر الرائق سے نقل کیا ہے)

طلاق کو بدرجہ معیوب سمجھنے کی عملی خرابیاں

اس درجہ میں معیوب سمجھنے پر مفاسد عملیہ متفرع ہوتے ہیں (یعنی عملی زندگی میں خرابیاں پیدا ہوتی ہیں) کہ ایسے لوگ اگر کبھی جوش غضب میں مغلوب ہو کے بے قابو ہو کر طلاق دے گزرتے ہیں، تب بھی طرفین عار و شرمندگی اسے بچنے کے لئے اس کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں، اور خواہ شرعاً اس کا تدارک ممکن ہو یا نہ ہو مگر یہ اس کا عمل کرتے ہیں چنانچہ اکثر باوجود تین طلاق واقع ہو جانے کے اس کو پھر اپنے گھر والی بنا کر رکھتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ چھوڑنے میں ذلت و بدنامی ہے، اور افسوس ہے کہ بدکاری میں ذلت و بدنامی نہیں سمجھتے، حالانکہ اس میں طلاق سے زیادہ ذلت و بدنامی ہے دنیا میں بھی اور آخرت کی رسوائی و عقوبت (سزا) کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں کہ کس قدر ہوگی، پھر ان میں جو بد دین ہیں وہ بے باک (نڈر) ہیں ان کو تو حرام و حلال کی کچھ پرواہ ہی نہیں، کھلم کھلا حرام کرتے ہیں پھر اگر عورت بھی ایسی ہی ہوئی تب تو خوشی خوشی حرام کا کارخانہ قائم رہتا ہے۔ اور اولاد حرام کی ہوتی چلی جاتی ہے، اور اگر عورت خدا ترس ہوئی اور اس نے کچھ عذر و انکار کیا تو اس پر ظلم کیا جاتا ہے اور دو مرے گناہ ہوں کا ارتکاب ہوتا ہے، زنا بھی اور ظلم بھی، مگر عورت پر واجب ہے کہ جس قدر قدرت ہو اس سے بچے، اور جب جان کا اندیشہ نہ ہو اس سے موافقت نہ کرے، اور جو ذرا دین کا دعوی رکھتے ہیں وہ (ذلت) تدارک کے لئے طرح طرح کی تدبیریں سوچتے ہیں، خواہ چلیں یا نہ چلیں مثلاً کسی مجتہد جدید (موجودہ زمانہ میں اجتہاد کا دعوی کرنے والے) سے سن لیا کہ تین طلاقیں ایک دم سے دینے سے ایک ہی طلاق ہوتی ہے جس میں رجعت[1] یا تجدید نکاح بلا حلالہ جائز ہے، بس اس قول کو لے لیا، اور کہتے ہیں کہ غیر

---

[1] ایک یا دو طلاق کے بعد شوہر کو حق حاصل ہو کہ عدت پوری ہونے سے پہلے طلاق سے رجوع کر سکتا ہے جس سے اس کی بیوی نکاح سے نہیں نکلتی اس میں عورت کی رضامندی ضروری نہیں ۱۲ مجیب　[2] مقلد کہ زمرے کے

رہ گئی تو عام ہے، ان کے قول پر بھی عمل جائز ہے، حالانکہ اپنے محل پر ثابت ہو چکا ہے کہ یہ قول بالکل صحیح نہیں اور مذاہب پر عمل جائز ہے، والتفصیل فی رد محتار عن الفتح فی قول الکنز الطلاق رجعی۔

مفتی کے سامنے حیلے لے کے جانا — اشکالات

یہ تو عوام بے علم کا ذکر تھا، بعض لکھے پڑھے کا ذکر ہے کہ وہ ایسے حیلے تراشتے ہیں، اور بعض جاہلانہ باتیں نکال کر اپنی خوشی سے مزاحمت و جھگڑا کرتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ صاحب نیت تھوڑا ہی تھی طلاق دینے کی، حالانکہ طلاق صریح میں نیت شرط ہی نہیں، کوئی کہتا ہے کہ صاحب ویسے ہی غصہ میں نکل گیا تھا خوشی سے نہیں کہا، حالانکہ طلاق کا غصہ میں بھی وقوع ہو جاتا ہے، غایت ما فی الباب (زیادہ سے زیادہ اس معاملہ کی) ایسی طلاق کو مکروہ کہیں گے، مگر وقوع میں کوئی شبہ نہیں، اور جب سب تدبیریں ناکامی ہوتی ہے بس آخر فیصلہ ان لوگوں کے یہاں یہ ہوتا ہے اور بعض جگہ خود عورتیں اس کی درخواست کرتی ہیں کہ گو میاں بیوی کی طرح نہ رہیں گے مگر گھر ہی میں رکھا جائے، اور نان و نفقہ دیا جایا کرے تاکہ طلاق کا نام نہ ہو اور دوسرے نکاح کی حاجت نہ ہو۔

طلاق کے بعد عورت کا حکم مثل اجنبیہ کے ہے

سو اس عمل میں بھی طرح طرح کے مفاسد ہیں، مثلاً ایک مکان میں رہنے کی صورت میں کچھ بعید نہیں کہ کسی وقت ایسی خلوت ہو کہ اس مکان میں بجز اس مرد و عورت کے کوئی نہ رہے، تو خلوت بالاجنبیہ (اجنبی عورت سے تنہائی میں ملاقات) لازم آتی ہے جو کہ حرام ہے، پھر چونکہ ان مرد و عورت میں ایک زمانہ تک بے تکلفی رہ چکی ہے اس لئے دوسری اجنبیات (اجنبی عورتوں) کی نسبت اس میں زیادہ احتمال ہے کہ یہ دونوں کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائیں، نیز اپنی بچی بھرنے کے لئے مرد کو تمام عمر کے لئے نان و نفقہ کا مقید کیا جاتا ہے اور عورت کو تمام عمر کے لئے نکاح سے محبوس (مقید) کیا جاتا ہے، پہلا فعل گویا مباح کا ایجاب (قبول کرنا) اور دوسرا فعل گویا مباح کی تحریم (حرام کرنا) ہے، اور دونوں میں علاوہ اعتداء فی الحدود (حدود سے تجاوز کرنا) ہے، جو کہ نصاً مذموم ہے۔

طلاق میں افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں

اور اسے نہ سمجھنے کی وجہ سے کہ بعض اوقات زوجیت شرعاً جمع ہو ہی نہیں رہتا، مگر اس کو طلاق نہیں دیا جاتا۔ پس وہ نہ اس کے کام کی نہ دوسرے کے کام کی، مثلاً یہ عورت زوج پر حرمت مصاہرت کے سبب حرام ہوگئی، اور حرمت مصاہرت سے نکاح مرتفع (ختم) نہیں ہوتا، صرح الفقہاء (فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے) مگر تمتع بھی اس سے درست نہیں رہتا، ایسی صورت میں بجز طلاق کے دینے کے اور کوئی صورت نہیں، مگر

مگر اس عار و شرم کے سبب طلاق نہیں دیتے، پھر یا تو اس سے متمتع ہوتے رہتے ہیں، اور یا اس کو معلقہ کرکے گھر میں ڈالے رکھتے ہیں یہ تو ابتلاء الشر کی حالت ہے، بعضے لوگ اس کے مقابلہ میں یہ تفریط کرتے ہیں کہ طلاق دینے سے ذرا نہیں رکتے اُن کے لیے ادنیٰ معمولی بہانہ کافی ہو جاتا ہے، حالانکہ بلا سبب قوی اس کی اجازت نہیں، حدیث،

أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللهِ الطَّلَاقُ
(رواہ ابوداؤد)

(یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسند چیز طلاق ہے)

اسی صورت میں ہے، اور ایسی ہی طلاق سے اس آیت میں منع فرمایا ہے،

فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا (النساء، آیت ۳۴)
ای لا تطلبوا الفرق قتبہ الشامی۔

(پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کردیں تو ان پر بہانہ مت ڈھونڈو) شامی نے اس کی تفسیر جدائی کا طریقہ اختیار کرنے سے کی ہے۔

اور ایسی طلاق بلا وجہ میں اتنے ممنوعات و برائیوں کا ارتکاب ہے، حماقت و سفاہت رائے و کفرانِ نعمت نکاح و ایذاء رسانی بزوجہ و بخاندانِ زوجہ و باولادِ زوجہ[عہ] کذا فی رد المختار، اور زوجہ کا ذلیل اور بدنام کرنا علاوہ برآں (اس کے علاوہ) کیونکہ اس پر کوئی شبہ بدکاری کا کرے گا، کوئی بد خلقی و بُرے اخلاق کا کرے گا اور دوسری جگہ اس کو نکاح مشکل ہوگا تو تمام عمر اس کی مصیبت میں گذرے گی، اس مقام پر مجھ کو ایک عبارت یاد آئی جو میرے ایک دوست نے میرے پاس اس مضمون کے متعلق لکھ کر بھیجی تھی، اس کو نقل کرتا ہوں:۔

فی فتح القدیر ومن المبیحۃ ان یلقی الیہ عدم اشتہائہا بحیث یعجز او یتضرر باکراہہ نفسہ علی جماعہا فہذا اذا وقع فان کان قادرا علی طول غیرہا مع استبقائہا ورضیت باقامتہا

(فتح القدیر میں ہے کہ طلاق کو مباح قرار دینے والی صورتوں میں سے ایک یہ بات ہے کہ شوہر کے دل میں بیوی سے متعلق عدم اشتہاء ڈال دیا جائے اس طرح کہ وہ اپنے آپ کو عورت کے ساتھ جماع کرنے پر مجبور کرنے کے باوجود عاجز ہو یا ایسا کرنے

عہ یعنی بلا ضرورت طلاق دینے سے اتنے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے، مگر مذکورہ حالت میں طلاق مکروہ ہوگی ۱۲ حضرت قریشی

في عصمته بلا وطئ او بلا قسم فيكره طلاقها كما كان بين رسول الله صلى الله عليه وسلم وسودة وان لم يكن قادرا على طولها او لم ترض في بقائها بلا وطئ وحقها فهو مباح لان مقلب القلوب رب العالمين ۱۲

ہے اسے ضرر پہنچے اگرچہ معاملہ جب واقع ہو کہ اس وقت وہ دوسری عورت پر جماع کے لئے قادر ہو اور اگر وہ عورت بغیر وطی یا بغیر باری کے اس کے نکاح میں رہنے پر راضی ہو تو پھر اس عورت کو طلاق دینا مکروہ ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت سودہؓ کے درمیان ایسا تھا، اور اگر وہ اپنے حق کو چھوڑنے کے لئے راضی نہ ہو تو طلاق مباح ہے، اس لئے کہ دلوں کو پھیرنے والے رب العالمین ہیں ۱۲

بلا ضرورت شرعیہ طلاق مانگنا سخت ممنوع ہے

اسی تفریط کے قبیل سے ایک کوتاہی بعض عورتوں کی طرف سے یہ ہوتی ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ بات پر شوہر سے طلاق مانگتی ہیں، اس باب میں حدیث میں سخت وعید آئی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عورت بدون کسی ضرورت شرعیہ کے اپنے شوہر سے طلاق کی درخواست کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے، روایت کیا اس کو احمد اور ترمذی اور ابوداؤد اور ابن ماجہ اور دارمی نے (کذا فی المشکوٰۃ)

کسی دوسری عورت کے لئے طلاق کی درخواست بھی ممنوع ہے

اور جس طرح اپنے لئے طلاق مانگنا ممنوع ہے اسی طرح دوسری عورت کے لئے طلاق کی درخواست کرنا، مثلاً کسی مرد نے اس سے نکاح کی درخواست کی جس کے نکاح میں ایک عورت ہے، اور یہ اس سے یہ کہے کہ پہلی بی بی کو طلاق دیدے تب نکاح کروں گی، اس سے بھی حدیث میں ممانعت آئی ہے، اور اپنی قسمت پر راضی رہنے کا حکم آیا ہے، اس حدیث کے الفاظ اس وقت یاد نہیں، ایسے الفاظ ہیں،

لا تسأل طلاق اختها لتكفئ ما في انائها ۱

(یعنی بہن کے لئے طلاق کا سوال مت کر اس غرض سے کہ تو اس برتن کی چیز بھی سمیٹ لے)

تین طلاق ایک دم دینا گناہ ہے

ایک کوتاہی طلاق کے باب میں یہ شائع ہے کہ جب طلاق دیتے ہیں تین دیتے ہیں، اس طرف توجہ نہیں، سو ایسا کرنا اول تو گناہ ہے، کما فی الدر المختار۔

ويحرم لو بدعيا الى ان قال والبدعي ثلث متفرقة او ثنتان بمرة او مرتين في طهر واحد

(اگر طلاق بدعت ہو تو حرام ہے، اور .... طلاق بدعی تین طلاقیں ہیں، الگ الگ یا دو طلاقیں ایک ہی دفعہ

لا رجعة فيه او واحدة في طهر وطئت فيه او واحدة في حيض موطوءة في رد المحتار قوله ثلث متفرقة وكذا بكلمة واحدة بالاولى اھ	یا دو مرتبہ ایک طہر میں جس میں رجوع نہ کیا ہو یا ایک طلاق ایسے طہر میں جس میں وطی کی گئی ہو یا ایک طلاق ہے موطوءۃ کے ایام حیض میں، رد المحتار میں ہے مصنف کا قول تین طلاق الگ الگ اور اسی طرح ایک لفظ سے تین طلاق دینا بدرجۂ اولیٰ بدعت ہوگا)

تین طلاق ایک ساتھ دینے کے دنیوی مفاسد

اور علاوہ گناہ کے یہ دنیوی مصلحت کے بھی اس لئے خلاف ہے کہ بعض اوقات بعد طلاق کے آدمی نادم ہوتا ہے، تو اگر ایک طلاق دیا ہو تو اگر وہ رجعی ہے تب تو رجعت کر کے اس کا تدارک کر سکتا ہے، اور اگر بائنہ ہے تو گو رجعت نہیں ہو سکتی لیکن زوجہ کی رضامندی سے نکاح جدید تو ہو سکتا ہے، بہرحال تدارک تو آسانی سے ممکن ہے، ایک صورت میں محض ارادۂ زوج سے ایک صورت میں ارادۂ زوجین سے اور تین میں تو دونوں کے ارادہ سے بھی کوئی تدارک ممکن نہیں، جب تک کہ تیسرا آدمی حلالہ کرنے والا نہ ہو، پھر اس حلالہ کا تدارک ہونا بھی مشکوک و مشتبہ ہے، کیونکہ اگر حلالہ کرنے والے سے یہ شرط ٹھیرائی جائے کہ صحبت کر کے اس کو طلاق دیدینا تب تو اس فعل سے حدیث میں لعنت آئی ہے محلِّل (حلالہ کرنے والے) پر بھی اور محلَّل لہ (جس کے لئے حلالہ کیا جائے) اس پر بھی، اور فقہاء نے اس کو مکروہ تحریمی کہا ہے کذا فی الدر المختار، اور پھر شرط کے بعد بھی طلاق دینا اس کے اختیار میں ہے، زوجین کے اختیار سے خارج ہے، اور اگر یہ شرط نہ ٹھیرائی تو اس صورت میں تدارک کا بعید تر ہونا اور بھی ظاہر ہے، سو تین طلاق میں یہ خرابی ہے۔

ایک طلاق بائن دینا بھی بدعت ہے

بلکہ بعض فقہاء نے واحدہ بائنہ (ایک طلاق بائن) کو بھی بدعی کہا ہے جو کہ حرام ہے، کما فی رد المحتار:

فالواحدة البائنة بدعية في ظاهر الرواية (ص ۶۵۵ ج ۲)	(یعنی ایک بائن طلاق بھی ظاہر روایت کے اعتبار سے بدعی طلاق ہے)

کیونکہ جو مصلحت تھی توسیع عدد (تعداد طلاق کے زیادہ ہونے) میں کہ شوہر کو اگر ندامت ہو تو تدارک اس کے قبضہ میں ہو، یہ مصلحت واحدہ بائنہ میں بھی فوت ہو گئی، اس مصلحت کا اس عبارت میں ذکر ہے،

ومنها الشرع ثلثا لان النفس	(اور اسی قبیل سے تین طلاق کی مشروعیت ہے کیونکہ

كذريعة بما تظهر عدم الحاجة إليها ثم يحسن الندم فشرع ثلثا ليجرب نفسه وثانيا ثم (رد المحتار عن فتح القدير ص ۴۸۳ ج ۲)

نفس بھڑکتا ہے اس کی ضرورت نہ ہونے کا اظہار کرتا ہے پھر نادم ہوتا ہے اس لئے شریعت نے تین طلاقیں مشروع کیں تاکہ اپنے نفس کو سوچنے سمجھنے کا اچھی طرح موقع مل جائے۔

حیض اور نفاس کی حالت میں طلاق دینا گناہ ہے

اسی طرح طلاق دینے کے وقت اس کا خیال نہیں رہتا کہ یہ اس وقت حائضہ (حیض والی) تو نہیں یا اگر غیر حائضہ ہے تو اس طہر میں اس سے ہمبستری تو نہیں ہوئی، حالانکہ حالت حیض میں یا ایسے طہر میں جس میں ہمبستری ہو گئی ہو طلاق دینا گناہ ہے۔ (کما مر عن الدر المختار) اور نفاس میں طلاق دینا ایسا ہی ہے جیسے حیض میں طلاق دینا (شامی ج ۲ ص ۲۹۰)

غصہ یا ہنسی میں طلاق دینے سے طلاق ہو جاتی ہے

ایک غلطی طلاق کے باب میں بعض جہلاء میں یہ ہے کہ ہنسی میں یا غصہ میں بی بی کو طلاق کہہ کر پکارتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ اس سے طلاق نہیں ہوئی، حالانکہ اس سے بھی طلاق واقع ہو جاتا ہے۔

طلاق کی تعداد مقرر ہے

ایک غلطی یہ ہے کہ بعض لوگوں نے یہ مسئلہ سن لیا کہ اگر ایک طلاق دے کر رجوع کر لے تو نکاح بدستور قائم رہتا ہے، تو اس مسئلہ کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ خواہ کتنی ہی بار ایسی حرکت کرے ہمیشہ رجعت جائز ہے، سو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے، طلاق کی حد ہی تین ہے، خواہ ایک بار یا دو دو یا تین بار میں، اور خواہ درمیان میں رجعت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، پس اگر کسی نے ایک طلاق رجعی دے کر رجعت کر لی، یہ رجعت درست ہے کیونکہ ایک طلاق کے بعد ہوئی، پھر اگر دوسری طلاق رجعی دے کر پھر رجعت کر لی یہ رجعت بھی درست ہے، کیونکہ یہ رجعت دو طلاق کے بعد ہوئی، اور اس کو دو طلاق کے بعد اس لئے کہا جائے گا کہ اس دوسری طلاق کے ساتھ اس پہلی طلاق کو بھی شمار کیا جائے گا اگرچہ رجعت ہو چکی تھی، سو رجعت سے طلاق

لہ مشکوٰۃ میں بروایت ترمذی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے ثلث جدهن جد وهزلهن جد النكاح والطلاق والرجعة یعنی تین چیزیں ایسی ہیں جو ارادہ کرنے سے بھی واقع ہو جاتی ہیں، اور ہنسی دل لگی سے بھی واقع ہو جاتی ہیں، ایک نکاح (طلاق) اور رجعت (یعنی طلاق دے کر پھر رجوع کر لینا)

(بندہ احقر محمد شفیع غفرلہ)

کا اثر جاتا رہا، مگر طلاق کی ذات موجود ہے، پھر اگر اس نے تیسری طلاق دی اب رجعت درست نہیں، کیونکہ حسب تقریر مذکور تین طلاق کے بعد رجعت ہوئی، اور تین طلاق کے بعد رجعت درست نہیں، اسی طرح اگر ایک یا دو طلاق کے بعد رجعت نہ کی ہو اور عدت گزرنے سے وہ نکاح زائل ختم ہو گیا پھر اور پھر دونوں نے راضی ہو کر باہم نکاح کر لیا ہو اور پھر اتفاق طلاق دینے کا ہو تو اس طلاق کے وقت پھر سابق طلاقوں کو جمع کیا جائے گا، جب جمع ہو کر مجموعہ تین ہو جاوے گا پھر رجعت جائز نہ رہے گی البتہ صرف ایک صورت ہے پہلی طلاق کے کالعدم ہو جانے کی، اور وہ صورت یہ ہے کہ اس شوہر کے بعد عدت گزار کر اس عورت نے دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا اور اس نے ہمبستری کے بعد طلاق دیدی یا ہمبستری کے بعد مر گیا، اور پھر یہ شوہر اول کے نکاح میں آگئی، اب البتہ پہلی طلاقوں کا کچھ اعتبار نہ ہوگا، یعنی یہ از سر نو تین طلاقوں کا مالک ہو جاوے گا جس طرح اپنے نکاح اول میں تین طلاقوں کا مالک تھا، مگر یہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ نے اس میں خلاف کیا ہے، اور دونوں کی ترجیح میں علماء نے اختلاف کیا ہے، (الدر المختار ورد المحتار ج ۲ ص ۸۹۳)

تنبیہ: یہ دربارہ رجعت طلاق رجعی ہے، باقی میں بھی تفصیل اس کی فقہ میں ہے، اور بقدر ضرورت بہشتی زیور میں بھی ہے، ملاحظہ کر لیا جائے۔ فقط

وسط ماہ شعبان ۱۳۴۲ھ

شوہر کی تنہائی میں طلاق کا مسئلہ

ایک عام غلطی باب طلاق میں یہ ہے کہ بعض اوقات منکوحہ دعویٰ کرتی ہے کہ شوہر نے مجھ کو طلاق دیدی ہے، مگر کوئی گواہ پیش نہیں کر سکتی، تنہائی میں طلاق دینا بیان کرتی ہے، اس موقع میں لوگ دو قسم کی غلطیاں کرتے ہیں، اکثر تو اس صورت میں طلاق واقع نہ ہونے کا حکم کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اگر بدون گواہوں کے عورت کے قول کا اعتبار کر لیا جاوے تو بس عورتیں تو خوب آزاد ہو جاویں گی، ذرا شوہر سے ان بن ہوئی اور طلاق کا دعویٰ دھر دیا، اور بعضے عورت کی بیکسی پر ترحم کر کے اور قرائن عادیہ سے کام لے کر (کہ عورت کی مقابلہ شوہر کے جھوٹ بولنے کی ہمت کم ہوتی ہے) یا یہ کہ عورت شوہر سے جدا ہونے کو کب گوارا کرتی ہے، اگر وہ طلاق نہ دیتا تو بھلا عورت کو ایسے دعوے کی کیا ضرورت تھی، طلاق واقع ہونے کا حکم کر دیتے ہیں، حالانکہ دونوں فریق کے استدلالات لچر ہیں، فریق ثانی کا تو ظاہر ہے کہ اس کے خلاف کا کثرت سے مشاہدہ کیا جاتا ہے، بہت عورتیں بیباک بھی ہوتی ہیں، اور جھوٹ بھی بولتی ہیں، اور شوہر سے نفرت رکھنے والیاں بھی بہت ہیں، اور فریق اول کا اس لئے کہ کوئی اس کے مقابلہ میں یوں کہہ سکتا ہے کہ اگر عورت کی علی الاطلاق

تکذیب کردی جاوے تو تینوں صورتوں میں شوہر قصداً تنہائی میں اس نے طلاق دے کر دعوے کے وقت انکار کر سکوں ورنہ پھر اس کو پریشان کروں تو عورتیں سخت قید میں اور ظلم میں گرفتار ہو جاویں گی یہ تو معارضہ ہے، اور اس فریق کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ اس وقت کیا جا سکتا ہے جب کہ ہم یہ حکم دیں کہ طلاق واقع ہو گئی۔ سو اس حکم کے لئے بے شک گواہوں کی ضرورت ہے بدون گواہوں کے ایسا حکم نہیں دیا جا سکتا، لیکن اگر یہ حکم نہ دیا جاوے کیونکہ غیب کی خبر تو اللہ تعالیٰ کو ہے بلکہ عورت کو یہ مسئلہ بتلایا جاوے کہ اگر واقعی اس نے تیرے سامنے طلاق دی ہے تو تجھ کو اس سے علیحدہ رہنا چاہئے جس صورت میں رجعت ناجائز ہو اس سے ہمبستر نہ ہونا چاہئے، تو اس حکم میں کیا حرج واقع ہوگا، غرض حکم بالطلاق اور چیز ہے اور حکم بعمل بنفس الامر طلاق اور چیز ہے،

غصہ اور مذاق میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے

ایک غلطی یہ ہے کہ بعضے لوگ ایسے ہی بطور ہزل (مذاق) کے کہہ کر لفظ طلاق نکال دیتے ہیں، مگر ان کا قصد طلاق دینے کا نہیں ہوتا، تو بعضے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی، سو سمجھ لینا چاہئے کہ اس صورت میں طلاق واقع ہو جاوے گی، کیونکہ تکلم تو بالقصد (بات کرنا تو ارادہ کے ساتھ) ہوا ہے، گو اس کے ساتھ اس کے معنی کے واقع ہونے کا قصد نہیں ہوا، بلکہ اس کے عدم وقوع (واقع نہ ہونے) کا قصد ہوا ہو، سو یہ شریعت میں معتبر نہیں، بعضے لوگ اس غلطی میں ہیں کہ یوں سمجھے ہوئے ہیں کہ غصہ میں طلاق واقع نہیں ہوتی، یہ بھی غلط مسئلہ ہے طلاق غصہ میں بھی واقع ہو جاتی ہے، اور طلاق تو اکثر غصہ میں ہی دی جاتی ہے،

زبردستی سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے،

بعضے لوگ اس غلطی میں ہیں کہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی زبردستی کسی سے طلاق دلوادے تو طلاق واقع نہیں ہوتی، سو یہ بات بھی صحیح نہیں، اکراہ (زبردستی) میں بھی طلاق واقع ہوتی ہے، گو اکراہ کرنے والے پر مواخذہ ہو، جیسے کوئی زبردستی کسی کو کسی سے پٹوا دے تو کیا اس ضرب کا اثر نہ ہوگا یعنی چوٹ نہ لگے گی؟!

طلاق کا لفظ منہ سے نکل جانے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے،

اسی طرح تلفظ بالطلاق (طلاق کا لفظ زبان سے نکالنے) کا اثر وقوع طلاق (طلاق کا واقع ہونا) ہے وہ بھی واقع ہو جاوے گی، اسی طرح اگر منہ سے لفظ طلاق قصداً نہ کہے، بلکہ ویسے ہی منہ سے بلا ارادہ نکل گیا، یا کوئی شخص الفاظ طلاق سے نہ جانتا ہو کچھ اور مطلب سمجھ کر منہ سے کہہ دیا تو ان دونوں صورتوں میں قضاءً (دنیاوی فیصلہ کے اعتبار سے) تو طلاق کا وقوع ہو گیا یعنی عورت کو جائز نہیں کہ اس سے تعلق زوجیت کا

سکے بلکہ مہر کو بقدر ضرورت دے سکے اور اگر دینے پر قدرت نہ ہو یا ظلم کا اندیشہ جانبین کے تلف و ضائع ہونے کا ہو یا ظلم شدید کا ہو جس کا تحمل نہ ہو سکے تو پھر اس عورت پر گناہ نہ ہوگا لیکن اگر خود عورت کو اس واقعہ کی اطلاع نہ ہو تو مرد پر یہ واجب نہیں کہ اس کو اطلاع کرے، بعضے یہ سمجھتے ہیں کہ طلاق واقع نہیں ہوتی

بلا قصد بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے ایک غلطی یہ ہے کہ بعضے لوگ کہتے ہیں کہ بے قصد طلاق دینے سے طلاق نہیں ہوتی یا بلا رضامندی عورت کے طلاق نہیں ہوتی، سو یہ دونوں باتیں بھی غلط ہیں، دونوں حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے، گو بلا قصد دینا گناہ ضرور ہے۔

نشہ کی حالت میں طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے بعضے لوگ سمجھتے ہیں کہ نشہ کی حالت میں مثل مجنون کے غیر مکلف ہو جاتا ہے، اس حالت میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، سو یہ بھی غلط ہے، اس کا حکم مجنون کا سا نہیں ہے، البتہ اگر کسی حلال چیز کے کھانے سے ضعف مزاج ... و طبیعت کی کمزوری کے سبب نشہ ہو گیا ہو تو اس کا حکم مثل مجنون کے ہے کہ اس حالت میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

کلمہ کفر زبان سے نکل جانے پر تجدید نکاح ضروری ہے۔ بعض لوگ صرف طلاق ہی کو موجب زوال نکاح کا سمجھتے ہیں یعنی زوال نکاح کو صرف طلاق میں منحصر سمجھتے ہیں، چنانچہ اسی بنا پر اگر کسی سے کلمہ کفر صادر ہو جائے تو تجدید ایمان کی تو ضرورت سمجھی جاتی ہے مگر تجدید نکاح کی ضرورت نہیں سمجھتے، حالانکہ مرتد ہو جانا بھی سبب زوال نکاح ہے، بعد تجدید ایمان کے تجدید نکاح بھی واجب ہے۔

شوہر کو باپ یا بھائی کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی ایک غلطی اس کے مقابل یہ ہے کہ بعض ایسے اسباب کو موجب حرمت سمجھتے ہیں جو واقع میں موجب حرمت و حلال ہونے کے نہیں، جیسے عورت اپنے شوہر کو باپ یا بھائی کہہ دے تو اس سے نہ طلاق ہو، نہ وہ اس پر حرام ہو، بلکہ ظہار بھی نہیں ہوتا، بلکہ اگر مرد بھی عورت کو یہ کہہ دے کہ تو میری ماں ہے یا بہن ہے تب بھی ایک لغو بات تو ہے لیکن اس کا اثر نکاح پر اصلاً کچھ بھی نہیں ہوا، البتہ بعض الفاظ سے ظہار ہو جاتا ہے تو وہ خاص الفاظ ہیں جو مع اپنے حکم کے کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

ایلاء اور اس کا حکم ایک غلطی اس کے مقابل یہ ہے کہ بعض اسباب طلاق کو سبب طلاق نہیں سمجھتے، بیان اس کا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ میں اپنی بی بی کے پاس نہیں جاؤں گا، اور وہ مدت چار مہینے یا چار مہینے سے زائد ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر چار مہینے سے پہلے اس نے قسم

توڑ دی اور بیوی کے پاس چلا گیا تب تو نکاح باقی رہا اور صرف کفارہ قسم کا دینا پڑے گا، اور اگر چار مہینے اپنی قسم پر رہا تو چار مہینے گزرنے پر اس عورت پر طلاق بائن واقع ہو گئی، اس کو ایلاء کہتے ہیں، اور اگر وہ مدت چار مہینے سے کم ہے تو اس میں طلاق تو کسی حال میں واقع نہیں ہوتی مگر تفصیل یہ ہے کہ اگر قسم پوری کر دی تو خیر اور اگر قسم توڑ دی تو صرف کفارہ[عـــه] قسم کا دینا پڑے گا۔

فسخ نکاح بدون قضاء مسلم کے فیصلہ کے نہیں ہو سکتا

بعضے لوگ اس غلطی میں ہیں کہ انھوں نے یہ مسئلہ سنا کہ اگر بجز باپ دادا کے کوئی دوسرا ولی نابالغ عورت کا نکاح کر دے تو گو اس وقت نکاح تو ہو جاتا ہے مگر بالغ ہو کر اس کو فسخ کرا سکتی ہے، اور اس کو سن کر یہ سمجھے کہ صرف اس عورت کا فسخ کر دینا کافی ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس مسئلہ میں اول تو متعدد شرائط ہیں، دوسرے ان شرائط کے بعد بھی فسخ بدون حکم قاضی یعنی حاکم مسلم کے نہیں ہو سکتا، اور غیر مسلم عدالت کا فسخ یا تفریق کوئی چیز نہیں، جب تک ایسا نہ ہو نکاح صحیح اور مکمل ہے۔

خسر کے باپ کو اپنی بہو کو طلاق دینے کا کوئی اختیار نہیں

بعضے لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ نابالغ کی یا مجنون دیوانہ کی بیوی کو اس نابالغ یا مجنون کا باپ طلاق دے سکتا ہے، سو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ بجز شوہر کے یا شوہر جس کو مختار کر دے یعنی تفویض بالطلاق کے اور کسی کو طلاق دینے کا اختیار نہیں۔

کسی کا خط بغیر اجازت کھولنے سے بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوتی

بعضے لوگ ایسا کرتے ہیں کہ کسی خط کے لفافہ پر مثلاً یہ لکھ دیتے ہیں کہ اگر کوئی یہ خط کھولے تو اس کی بیوی پر طلاق، مذکورہ لکھنے والے بھی اور بہت سے دیکھنے والے بھی یوں سمجھتے ہیں کہ جو کوئی کھولے گا اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی، سو سمجھ لینا چاہئے کہ اسی قاعدہ مذکورہ مسئلہ متصلہ (جو مسئلہ اس سے پہلے مذکور ہے) کی بنا پر یہ سمجھنا بھی محض غلط ہے اس کے خلاف کرنے سے طلاق واقع نہ ہو گی، اگرچہ کسی کا خط بلا اذن بغیر اجازت دیکھنا یا اسی طرح کسی چیز میں تصرف بلا اجازت کرنا مستقل دلیل سے حرام ہے، مگر طلاق واقع ہونا اور بات ہے۔

تعلیق میں محض نیت کافی نہیں

ایک غلطی در باب فیصلہ باہمی زوجین متعلق طلاق و معافی مہر و میاں بیوی

عـــه قسم توڑنے کا کفارہ تین مسلسل روزے یا دس محتاجوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے، اگر اناج دینا چاہے تو ہر ایک کو اتنا اتنا دے جتنا صدقہ فطر یا چار سیر جو یا ان کی قیمت بھی دے سکتے ہیں۔ منہ

کے درمیان طلاق اور معافیٔ مہر کے بارے میں فیصلہ ہوتا ہے) کے یہ ہوتی ہے کہ بنا بر مصالح (مصلحتوں کی بنا پر) یہ قرار داد (تجویز) ہوتی ہے کہ شوہر طلاق لکھ دے اور عورت مہر کا معافی نامہ لکھ دے، اب اس کی ترتیب کے متعلق دو غلطیاں ہوتی ہیں، کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ مرد نے پہلے طلاق نامہ لکھ دیا اور طلاق واقع ہو گئی، اور عورت کے حوالہ کر دیا گیا ہو، اب عورت نے مہر معاف کرنے سے انکار کر دیا، تو مرد کا نقصان ہوا، اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ عورت نے مہر کا معافی نامہ لکھ دیا اور مہر معاف ہو گیا، اور مرد کو حوالہ کر دیا گیا ہو، اب مرد طلاق دینے سے انکار کرتا ہے، تو اس میں عورت کا خسارہ ہوا، کیونکہ مہر کی معافی میں بھی اور طلاق میں بھی نیت تعلیق کی ہے، مگر تعلیق میں محض نیت کافی نہیں، لفظوں میں اس کی تصریح ضروری ہے، اس لئے اس کا ایسا طریقہ بتلایا جاتا ہے کہ دونوں کا مقصود حاصل ہو جائے اور کسی کو افسوس نہ ہو، وہ طریقہ یہ ہے کہ مرد جو طلاق نامہ لکھے تو اس طرح لکھے کہ اگر عورت مجھ کو مہر معاف کر دے تو میری طرف سے اس کو طلاق بائن ہو جاوے، اس کے بعد عورت نے اگر معافی نامہ مہر کا نہ لکھا تو عورت پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور مرد خسارہ سے بچ گیا، اور اگر معافی نامہ لکھ دیا تو طلاق ہو گئی، مگر ایسے وقت میں کہ مہر بھی معاف ہو گیا، غرض دونوں میں سے کسی کو دھوکا نہ ہوا۔

طلاق کے بارے میں اہل علم کا ایک مغالطہ

ایک غلطی بعض اہل علم کو یہ ہو جاتی ہے کہ فقہا نے اختاری (مجھے طلاق کا اختیار ہے) کو کنایات طلاق (طلاق کے لئے استعمال ہونے والے الفاظ) میں لکھا ہے، تو بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ لفظ بہ نیت طلاق کہہ دیا تو طلاق بائن ہو جاتی ہے، حالانکہ یہ غلط ہے، اس لفظ سے یا اس کے ہم معنی مثل امرک بیدک وغیرہ (تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے یا تیرے قبضہ میں ہے) سے وقوع طلاق کی یہ بھی شرط ہے کہ اس کہنے کے بعد عورت اپنی طلاق کو اختیار کر لے، اس صورت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مرد نے اس لفظ کے کہنے میں نیت طلاق کی کی تھی تو طلاق ہو گی ورنہ نہیں، اور اگر عورت خاموش رہی تو صرف مرد کے اختاری کہنے سے اگرچہ اس میں نیت طلاق کی بھی کی ہو طلاق واقع نہ ہوگی، درمختار میں تصریح ہے:۔

ولا تقع به (ای بقوله اختاری) ولا بامرک بیدک مالم تطلق المرأة نفسها کما یأتی۔	(یعنی خاوند نے بیوی سے اختاری (مجھے اختیار ہے) یا تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تو اس کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی جب تک کہ عورت نے اپنے آپ کو معلق نہ کیا ہو جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

ردالمحتار میں ہے:۔

قوله ما لم تعلق أي معيته الزوج الطلاق أو دلالة الحال لأن ذلك كناية تفويض لا كناية ايقاع كما يأتي في الباب الآتي. قلت ما ألطف تعليله بقوله لأن ذلك كناية تفويض الخ.

جب تک عورت نے خود زبان سے ساتھ طلاق کو معلق نہ کیا ہو یا دلالت حال کے ساتھ کیونکہ یہ سپرد کرنے کا کنایہ ہے واقع کرنے کا کنایہ نہیں، جیسا آگے آتا ہے، میں کہتا ہوں کہ کس قدر طلاق کی وجہ بیان کرنے میں لطف پیدا کردی ہے۔

غائبانہ طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے ایک غلطی یہ ہے کہ بعضے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک عورت سامنے نہ ہو طلاق واقع نہیں ہوتی، سو یہ بھی غلط ہے، غائبانہ طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے۔

غلط طلاق صحیح مخرج سے ادا نہ ہو تب بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے بعضے لکھے پڑھے لوگوں نے ایک جاہل کی کہ طلاق دینے والے کو یہ فتویٰ دیا کہ تو نے طلاق میں حرف طاء کو مخرج سے ادا نہیں کیا بلکہ بجائے اس کے حرف تاء فوقانیہ سے کہا، اس لئے طلاق واقع نہیں ہوئی، سو فقہاء نے تصریحاً غلط حرف سے طلاق واقع ہو جانے کو لکھا ہے۔

رنجش کی بنا پر بیوی کے ناجائز جگہ پر بیٹھنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی ایک غلطی اس باب میں یہ ہے کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر میاں بی بی میں بہت مدت تک رنجش کے سبب بے تعلقی رہی خصوص جب کہ وہ دوسری جگہ ناجائز طور پر بیٹھ رہی تو خود بخود طلاق ہو جاتی ہے، سو یہ بھی غلط ہے، گو اس فعل سے معصیت (گناہ) ہے، مگر طلاق واقع نہیں ہوتی، مرد کو اختیار ہے جب چاہے اس عورت کو زوجیت کے طور پر قبضہ کرے۔

شوہر کے مرض الوفات میں طلاق پانے والی عورت کو میراث سے حصہ ملے گا ایک غلطی باب طلاق میں بہت دقیق ہے جو ایک مسئلہ نہ جاننے سے واقع ہوتی ہے جو کہ بہت کم معلوم ہے، بخصوص اس کے بعض جزئیات سے، تو بعض طالب علم بھی بے خبر ہیں، اول وہ مسئلہ سمجھ لیا جائے پھر اس غلطی پر متنبہ کیا جائے گا، مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرض وفات میں اپنی مدخولہ بی بی (جس سے ہمبستری ہو چکی ہو) کو بدون اس کی رضامندی کے طلاق بائن[1] دیدے، اور وہ شخص عدت گذرنے کے قبل مر جائے (تو ظاہراً تو شبہ ہوتا ہے کہ جب طلاق بائن سے نکاح کا علاقہ قطع ہو گیا تو اس کو

---

[1] طلاق بائن وہ ایسی ایک طلاق جس میں نکاح بالکل ٹوٹ جاتا ہو اور اب بغیر نکاح کئے اس مرد کے پاس رہنا جائز نہیں، اگر پھر اسی کے پاس رہنا چاہے اور مرد بھی اس کو رکھنے پر راضی ہو تو پھر سے نکاح کرنا پڑے گا، ایسی طلاق کو

شوہر سے میراث نہ ملے گی، مگر حکم شرعی یہ ہے کہ اس صورت میں وہ عورت میراث پاوے گی، گویا شریعت نے اس کا انتظام کیا ہے کہ کوئی شخص ایسی حالت میں اپنی بی بی کو اس کے حصہ میراث سے محروم نہ کر سکے نیز ایسی حالت میں اگر طلاق دی تو احتمال ہو سکتا تھا کہ شاید دوسرے وارثوں کے مقابلہ میں بی بی کو محروم کرنے کے واسطے طلاق بائن دی ہوگی تاکہ وہ زوجہ نہ رہے اور اس لئے زوجیت کی میراث نہ پائے اس لئے شریعت نے عدت کو قائم مقام نکاح کے قرار دے کر اس عورت کو میراث دلائی ہے، اور ایسے طلاق دینے والے کو فارٌ بالطلاق (طلاق دے کر میراث سے بھاگنے والا) کہتے ہیں اور وہ غلطی یہی ہے کہ لوگ اس عورت کے استحقاقِ میراث (میراث کے مستحق ہونے) کو نہیں جانتے، اور اس مسئلہ کی جس جزئی سے بعض طلبہ بھی بے خبر ہیں وہ جزئی بدون مرض کے غلبۂ احتمالِ ہلاک (ہلاکت کا غالب گمان) ہونے کی ہے، مثلاً شہر میں (وبائی) طاعون کا زور ہو رہا ہے، مگر مطلقاً نہیں، بلکہ خود اس شخص کے محلہ میں اس قدر زور شور ہو کہ ہر وقت خود اس کے مبتلائے طاعون ہونے کا خطرہ لگا رہتا ہو اسی طرح جس کے لئے سزائے موت کا حکم ہو چکا ہو یا وہ لام پر گیا ہوا ہو یا غالب قرائن سے اندیشہ موت کا ہو سو چونکہ یہ حالتیں مرض کی نہیں، اس لئے ان حالتوں کا حکم بعض کو معلوم نہیں مگر چونکہ غلبۂ ہلاک ان میں اور حالتِ مرض موت میں مشترک ہے اس لئے ان کا حکم بھی مثل مرض موت ہی کے ہے حتیٰ کہ ایسے شخص کے وصایا بھی صرف ثلث (ایک تہائی) میں جاری ہوں گے،

طلاق بائن اور طلاق رجعی میں شوہر سے پردہ کے احکام

ایک غلطی بعض آثار طلاق کے متعلق یہ ہوتی ہے کہ بعضے تو طلاق بائن میں بھی شوہر سے پردہ نہیں کراتے، حالانکہ اس وقت ضروری ہے، اور بعضے رجعی میں بھی پردہ کو ضروری سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ ضروری نہیں بلکہ اگر اس سے امید رجعت کی ہو تو زینت بھی کرنا جائز ہے بلکہ مستحسن ہے،

طلاق کے بعد عدت میں نفقہ دینا واجب ہے

اور بعض آثار کے متعلق غلطی یہ ہے کہ بعضے لوگ طلاق کے بعد عدت میں نفقہ نہیں دیتے، حالانکہ واجب ہے، اس کی کچھ تفصیل آگے بھی آتی ہے،

بقیہ احکام بعد الطلاق

عدت کے متعلق چند کوتاہیاں

منجملہ احکام بعد الطلاق کے ایک عدت ہے، لوگ اس میں طرح طرح کی غلطیاں کرتے ہیں

چنانچہ ایک غلطی یہ ہے کہ اکثر عوام عدت مطلقاً تین مہینے اور بعضے چار مہینے دس دن سمجھتے ہیں حالانکہ عدت کی کئی قسمیں ہیں

عدت کی قسمیں حاملہ کی عدت وضع حمل ہے، خواہ مطلقہ ہو یا اس کا شوہر وفات پا گیا ہو، اور غیر حاملہ میں تفصیل ہے کہ اگر اس کا شوہر وفات پا گیا ہے تو اس کی عدت چار مہینے دس دن ہیں، اور اگر وہ مطلقہ ہے تو اگر اس کو حیض آتا ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے اور اگر کم سنی کے سبب ہنوز (ابھی) حیض نہیں آتا یا بڑھاپے کے سبب حیض موقوف ہو گیا، تو ان دونوں کی عدت تین مہینے ہیں، پس علی الاطلاق سب صورتوں میں ایک ہی قسم کی عدت کا حکم کرنا یہ غلط ہے۔

عدت کے اندر نکاح جائز نہیں ایک غلطی یہ ہے کہ بعضے لوگ بیوہ سے نکاح کرتے ہیں، اور انقضاء عدت (عدت پوری ہونے کا) بھی انتظار نہیں کرتے، اور عدت کے اندر نکاح کر لیتے ہیں، بعضے اپنے نزدیک بڑی احتیاط کرتے ہیں، کہ نکاح کو تو جائز سمجھتے ہیں مگر اس سے قربت نہیں کرتے، سو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ عدت کے اندر بالکل نکاح جائز نہیں ہوتا۔

زنا سے حمل رہ جانے کی صورت میں نکاح فوراً جائز ہے بعضے لوگ اس کے مقابلہ میں دوسرا غلو کرتے ہیں کہ اگر کسی غیر منکوحہ و غیر معتدہ (ایسی عورت جس کا نکاح نہ ہوا ہو اور نہ وہ عدت میں ہو) کو زنا سے حمل رہ جائے تو اس کے لئے بھی وضع حمل کو عدت تجویز کرتے ہیں، سو یہ بھی غلط ہے، اس پر عدت نہیں، اس سے نکاح فوراً جائز ہے، البتہ صحبت اور اس کے مقدمات بوس وکنار وغیرہ جائز نہیں جب تک کہ وضع حمل نہ ہو جائے۔

عدت میں پورے تیس دن کا مہینہ شمار کیا جائے ایک غلطی عام یہ ہے کہ جن صورتوں میں مہینوں سے عدت ہے خواہ تین مہینے یا چار مہینے دس دن، اس میں اگر ایک یا دو مہینے انتیس کے ہوں تو اس کمی کے عوض دس دن عدت میں بڑھا لیتے ہیں، مثلاً ایک عورت کے شوہر کی وفات دوسری شوال کو ہوئی تو بیسویں صفر کو علی الاطلاق اس کی عدت کو ختم سمجھتے ہیں، اگرچہ ذیقعدہ، ذی الحجہ و محرم وصفر میں سے دو یا تین مہینوں کا چاند انتیس کا ہوا ہو حالانکہ ہمارے ائمہ میں سے یہ کسی کا قول نہیں، صاحبین کے نزدیک درمیان کے مہینے چاند سے لیں گے، اور اول کا مہینہ انتیس کا ہو تو اس کی تکمیل اخیر میں دنوں سے کر لیں گے، تو اس صورت میں بھی بیسویں صفر کو اس کی عدت ختم نہ ہوگی، اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سب مہینے دنوں سے شمار کریں گے، یعنی اس صورت میں ایک سو تیس دن گزرنے سے عدت ختم ہوگی، پس اگر درمیان میں تین مہینے انتیس کے

کے ہوتے تو بیسویں صفر کے بعد تین دن بڑھ جائیں گے، اور تئیسویں صفر کو عدت ختم ہونے کا حکم کریں گے، خوب یاد رکھنا چاہئے۔

عدت کا شمار طلاق یا وفات کے وقت سے شروع ہوتا ہے

بعضے لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ اگر کسی عورت کو طلاق ہو گئی یا اس کے شوہر کی وفات ہو گئی اور اس کو ایک مہینہ بعد خبر ہوئی تو بعضے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ابتداء عدت کی خبر پہنچنے کے وقت سے ہوگی، حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ طلاق یا وفات ہی کے وقت سے عدت کا شمار ہوگا۔

نابالغ کا شوہر فوت ہونے کی صورت میں عدت کا حکم

ایک غلطی یہ ہے کہ بعضے لوگ سمجھتے ہیں کہ نابالغ کا شوہر اگر مر جائے تو اس پر عدت نہیں، سو یہ بھی غلط ہے، ان لوگوں کو غلط ہو گیا ہے: یہ حکم طلاق میں ہے، کہ اگر منکوحہ سے ہمبستری یا خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو اور طلاق ہو جائے تو اس میں عدت لازم نہیں، تو طلاق کو موت پر قیاس کر کے جو حکم طلاق قبل الدخول و ہمبستری سے پہلے حکم طلاق کا تھا، وہ موت قبل دخول کا سمجھ لیا، یہ قیاس غلط ہے، اور دونوں کا حکم جدا جدا ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ عدت طلاق میں اصالۃً تعرف براءۃ رحم (رحم کے خالی ہونے کو ثابت کرنے) کے لئے ہے، اور قبل الدخول میں احتمال شغل رحم (ہمبستری سے پہلے رحم کے بھرے ہونے کا) نہیں، اس لئے وہاں عدت نہیں اور عدت موت میں اصالۃً قضائے حق نکاح (حق نکاح پورا کرنے) کے لئے ہے، اور اسی وجہ سے عدت اشہر (مہینوں) سے ہے، اس لئے یہاں عدت ہے۔

معتدہ عدت کے اندر نفقہ واجب ہے

ایک غلطی نفقہ کے متعلق ہے کہ اکثر لوگ طلاق بائن کے بعد مہر کو تو واجب الادا سمجھتے ہیں، مگر مدت عدت کے اندر نفقہ (کھانے پینے وغیرہ کے اخراجات) کو واجب نہیں سمجھتے، حالانکہ عدت کے اندر نفقہ بھی واجب ہے، البتہ عدت وفات کا نفقہ کسی کے ذمہ واجب نہیں ہے، اور اسی طرح خلع میں عورت اگر نفقہ عدت کو بھی ساقط (ختم) کر دے تو اس میں بھی ساقط ہو جاتا ہے، (کذا فی الدر المختار)

عدت کے اندر عورت کا بلا عذر گھر سے نکلنا جائز نہیں

ایک غلطی یہ ہے کہ بعضے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر عدت کے اندر گھر سے نکل آئے تو اس پر پھر از سر نو عدت واجب ہوگی، اور پہلی عدت ٹوٹ گئی، سو یہ بالکل غلط ہے، یہ تو ضرور ہے کہ بلا عذر گھر سے نکلنا معتدہ (عدت گزارنے والی) کو جائز نہیں، اسی واسطے معتدۃ الطلاق (طلاق کی عدت گزارنے والی) کو کسی وقت نکلنے کی اجازت نہیں دی گئی، کیونکہ اس کا نفقہ زوج پر واجب ہے، اور خلع میں اگر زوج سے ساقط ہوا ہے تو عورت کے ساتھ

کرنے سے ہوا ہے، تو اس نے اپنے نفقہ کا باختیار خود التزام کیا ہے، اس لئے اس کا بھی وہی حکم ہے، اور معتدۃ الوفات (شوہر کی وفات کی عدت گزارنے والی عورت) کا نفقہ کسی پر ابتداء ہی سے واجب نہیں، اس لئے اس کو دن کو بضرورت انتظام معاش کے اور تھوڑے سے حصہ شب میں بھی نکلنا جائز ہے، لیکن زیادہ حصہ رات کا اپنے گھر میں گزارنا واجب ہے، پس فرق دونوں میں اسی ضرورت معاش و عدم ضرورت سے ہوا، سو اگر کوئی معتدۃ الوفات ہی معاش سے مستغنی ہو یعنی محتاج نہ ہو، تو اس کا نکلنا جائز نہ ہوگا (در مختار مع الفتح)

عدت کی مدت گزرنے کے بعد کوئی پابندی نہیں

ایک غلطی یہ ہے کہ بعض خصوصاً عورتیں یوں سمجھتی ہیں کہ عدت گزرنے کے بعد عدت سے نکلنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس گھر سے دوسرے گھر جائے، اور اس کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے، سو یہ بالکل غلط ہے جب وہ مدت گزر گئی بس عورت عدت سے نکل گئی، گو اسی گھر میں رہے۔

مطلقہ کو حقیر سمجھنا صحیح نہیں

ایک غلطی جس کو ایک رسم جہالت کہنا بجا ہے یہ ہے کہ مطلقہ کو مطلقاً (بالکل) حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں، اور گو زیادتی شوہر ہی کی ہو مگر بلا وجہ یہ حکم لگا دیتے ہیں کہ اس میں کچھ تو عیب کیا ہوگا، تب تو اس کو طلاق ہوئی، اور پھر اس عیب کو بھی عفت (پاکدامنی) ہی کے متعلق سمجھ لیتے ہیں، اور اسی بناء پر حتی الامکان اس سے نکاح نہیں کرتے، سو ظاہر بات ہے کہ جب واقعات دونوں طرح کے ہیں کہیں عورت کی زیادتی ہوتی ہے کہیں مرد کی، پھر یہ کیسے سمجھ لیا کہ عورت ہی خطاوار ہے، اور اگر خطاوار ہے تو یہ کیا ضروری ہے کہ وہ خطا عفت ہی کے متعلق ہے، ایسے قرائن پر کسی پر شبہ کرنا سخت گناہ اور حرام ہے۔

بلا تحقیق محض وقوع طلاق سے شوہر یا بیوی پر کوئی حکم لگانا گناہ ہے

ایک غلطی اس کے مقابل میں کہ وہ بھی رسم جہالت ہی ہے یہ ہے کہ بعض لوگ طلاق دینے والے کو بلا دلیل ظالم قرار دے لیتے ہیں، اور اسی بناء پر پھر اس کو نکاح دشوار ہوجاتا ہے، سو یہ بھی پہلے کی طرح رجم بالغیب (اٹکل پچو) ہے، کہیں کہیں عورتیں بھی سرکشی و نافرمانی و ایذا رسانی کرتی ہیں، تو اس صورت میں مرد بجز طلاق کے کیا کرے؛ حاصل یہ کہ محض وقوع طلاق سے بلا تحقیق نہ شوہر پر الزام لگا دے نہ عورت پر، بلکہ جن لوگوں کا اس قصہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، ان کو تو اس سے تعرض ہی کی ضرورت نہیں، اور جن کا کچھ ضروری تعلق ہے وہ بھی بدون تحقیق کے کوئی حکم نہ لگائیں، کیونکہ بدون دلیل شرعی کوئی حکم لگا دینا محض لغت ہے، نص وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (بنی اسرائیل آیۃ ۳۶)

اور جس بات کی تحقیق ہو اس پر عمل درآمد مت کیا کرو کی اور قاضی شریح نے اس کی شفاعت بالحق ولا شیخ الثوری اس آیت (۲۶) اور سوالوں میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا اور آئندہ بھی نفسانی خواہش نہ کرنا۔ ال۔

چھوٹے بچوں کی پرورش میں کوتاہیاں

یہاں تک اس تفسیر میں اکثر احکام متعلق عورت کے تھے، طلاق کے بعد علاوہ عدت کے حصانت یعنی چھوٹے بچوں کی پرورش کا بھی آتا ہے اسی طرح وفات شوہر کے بعد بھی خلاصہ یہ کہ افتراق بین الزوجین (میاں بیوی میں تفریق) کے بعد کبھی نابالغ اولاد بھی ہوتی ہے بعض (وفات زوجین اور کبھی زوجہ اور وفات زوج) میں ان بچوں کے متعلق جھگڑا آتا ہے، اور اکثر تو یہ کشاکش اس صورت سے ہوتی ہے کہ فریقین میں سے ہر شخص ان بچوں کا اپنا ہی استحقاق کا دعویٰ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اور سب اپنے اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں اور کبھی اس کا عکس بھی ہوتا ہے یعنی ہر ایک دوسرے پر ڈالتا ہے، اول صورت میں اکثر یہی ہے کہ جس کا زور ہوا وہ غالب آ گیا۔ اور بچہ پر قبضہ کر لیا خواہ حق ہو یا ناحق ہو یعنی اگر باپ یا باپ والے زوردار ہوئے تو دودھ پیتے ہی کی حالت میں یا اس کے ذرا بعد ماں سے چھین لیتے ہیں، اور اگر ماں والے زوردار ہوئے تو وہ عمر بھر بھی باپ کو قبضہ نہیں دیتے، سو یہ دونوں غلطیاں ہیں۔

چھوٹے بچوں کی پرورش کا کون زیادہ مستحق ہے!

اس کا قانون شرعی یہ ہے کہ اگر ماں کو قرار و قاعدہ ہوا اور اس نے کسی ایسے مرد سے نکاح نہ کیا ہو جو بچہ کے ساتھ ذی رحم محرم (یعنی رشتہ ولایت) ہونے کا علاقہ (تعلق) نہ رکھتا ہو تو ماں اس بچہ کو اپنے پاس رکھنے کے استحقاق میں سب سے مقدم ہے، اور اس استحقاق کی مدت یہ ہے کہ لڑکا سات برس کا ہو جائے اور لڑکی ایسی ہو جائے کہ مرد اس کی طرف رغبت ہونے لگے، اس کے بعد اس کو باپ کی طرف واپس کر دیا جائے گا اور دادا بھی بجائے باپ کے ہے، (یعنی باپ کے حکم میں ہے) جبکہ باپ موجود نہ ہو، اگر باپ اور دادا نہ ہوں تو پھر عصبات جو کہ ذی رحم محرم ہوں، وہ زیادہ مستحق ہیں بشرطیکہ معتبر (قابل اعتماد) ہوں، اور جو ایسے عصبات نہ ہوں تو حاکم کسی اہل کے سپرد کر دے، اور لڑکی کو کسی امین دیندار عورت کے سپرد کرے اور لڑکا اگر بالغ ہو کر خود اپنی نگرانی کر سکے، پھر اس پر قبضہ کرنے کا کسی کو حق نہیں، اور اگر ماں کا فرد فاجر ہو تو اس کو کچھ حق نہیں، اسی طرح اگر کسی ایسے مرد سے نکاح کر لیا ہو جو بچہ کا ذی رحم محرم نہیں، اس کی تین صورتیں ہیں!

ایک یہ کہ نہ ذی رحم ہے...... نہ محرم ہے جیسے بالکل اجنبی شخص، دوسری یہ کہ ذی رحم تو ہے

محرم نہیں جیسے چچا زاد بھائی رشتہ دار تو ہے مگر محرم نہیں، تیسرے یہ کہ محرم تو ہو مگر ذی رحم نہ ہو جیسے رضاعی ابا یا چچا کہ اس سے نکاح تو حرام ہے اس لئے محرم تو ہے مگر ان کی کچھ قرابت نہیں، تو غرض ان تینوں قسموں میں سے جس کسی سے عورت نے نکاح کر لیا تو ان سب صورتوں میں عورت کا یہ حق جاتا رہے گا۔

اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ علی الاطلاق باپ کا قبضہ بھی غلط ہے اور علی الاطلاق ماں کا قبضہ بھی، بلکہ دونوں کے قبضوں میں یہ تفصیل ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

ایک دوسرے پر ٹالنے کی صورت میں بچہ کو کس کے ذمہ ڈالا جائے گا!

اب رہا اس کا عکس کہ ہر ایک دوسرے پر ڈالتا ہے، اس کا قانون یہ ہے کہ اگر کوئی دوسری عورت دودھ پلانے والی اور پرورش کرنے والی مل سکے خواہ بلا عوض یا بالعوض (بغیر معاوضے کے یا معاوضے کے ساتھ) اور باپ یا بچہ اتنے مال کا مالک ہو کہ اس عوض کو ادا کر سکے تب تو ماں پر جبر نہ کیا جائے گا، ورنہ جبر کیا جاوے گا۔

اس قانون سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ علی الاطلاق بچہ نہ عورت پر ڈالا جا سکتا ہے اور نہ باپ پر اور یاد رکھنا چاہئے کہ جب تک بچہ ماں کی حضانت (پرورش) میں رہے گا، دونوں کا خرچ باپ کے ذمہ ہوگا۔ باقی تفاصیل کتب فقہ میں ہیں۔

طلاق یا موت کے بعد گھریلو سامان کے احکام

ایک معاملہ بعد الطلاق یا بعد الموت جس میں غلطیاں ہوتی ہیں اثاث البیت (گھریلو سامان) کے متعلق ہے کہ ہر ایک زوجین میں سے یا ایک کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء اور دوسرا زندہ اس میں دعویٰ ملک کا کرتے ہیں، سو اس کا فیصلہ یہ ہے کہ جو چیزیں عورتوں کے لائق ہیں جیسے زنانہ کپڑے وہ عورت کے ہیں، لیکن مرد اس کے خلاف پر شرعی گواہ قائم کر دے تو گواہوں پر حکم ہوگا، اور جو چیزیں مردوں کے لائق ہیں جیسے مردانہ کپڑے، یا ہتھیار وغیرہ وہ مرد کی ہیں، لیکن اگر عورت اس کے خلاف پر گواہ قائم کر دے تو گواہوں کے موافق حکم ہوگا، اور جو دونوں کے کام کی چیزیں ہیں وہ بھی مرد کو دی جاویں گی لیکن اگر عورت گواہوں سے اس کے خلاف ثابت کر دے تو پھر گواہوں پر فیصلہ ہوگا، یہ تو جب ہے کہ زوجین میں اختلاف ہو، اور اگر ایک مر گیا اور دوسرا زندہ ہے اور اس میت کے ورثہ میں اختلاف ہو تو اس صورت میں جو چیز صرف مردوں کے یا صرف عورتوں کے کام کی ہوں اس میں تو یہی تفصیل ہے، اور جو چیزیں دونوں کے کام کی ہوں اس میں اختلاف ہے، امام محمد رحمہ اللہ تو وہ چیزیں مردوں کو دلاتے ہیں خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو، اور گواہ ہونے کی حالت میں گواہوں پر فیصلہ ہوگا، یہ سب تفصیل برتنے کی چیزوں میں ہے، اور اگر سوداگری کا مال ہو تو اسباب (سامان) کا زائد ہونا دلیل نہ ہوگا عورت کے مالک

ہونے کی یہ سب دراحکام و مسائل عالمگیریہ کے باب مسائل کی تفصیل ما یو عنس میں ہے، اور احقر کے نزدیک جہاں یہ عرف ہو کہ مرد اپنے مال جمع کرنے کی غرض سے زنانہ زیور بنا کر عورت کو عاریۃً پہنا دیتے ہوں تو وہاں یہ زیور بھی مثل دیگر مال تجارت کے سمجھا جانے گا جس کا حکم ابھی معلوم ہوا، مگر دوسرے علماء سے بھی احتیاطاً مراجعت کر لی جائے۔

زوجین میں جدائی کے فوراً بعد بچہ کی ولادت ہونے پر ثبوت نسب کے احکام

ایک غلطی جو معصیت کے شدید درجہ تک سبب ہے بعد مفارقت الزوجین (میاں بیوی کی جدائی کی صورت) میں یہ ہوتی ہے کہ اگر زمانۂ طلاق یا بیوگی سے نو مہینے کے اندر بچہ پیدا نہ ہوا بلکہ بعد میں ہوا تو عورت کو زنا کی تہمت لگاتے ہیں، حالانکہ شریعت میں جو قانون ثبوت نسب کا ہے یہ اس کے بالکل خلاف ہے، فقہاء نے اس کو بہت مفصل لکھا ہے، یہاں نمونہ کے طور پر ایک جزئیہ طلاق کا اور ایک وفات زوج کا لکھا جاتا ہے۔

پہلا جزئیہ: اگر کسی کو طلاق بائن ہو جائے اور وقت طلاق سے دو برس کے اندر اس کے بچہ پیدا ہو تو وہ اسی شوہر کا سمجھا جائے گا۔

دوسرا جزئیہ: اگر کسی کا شوہر مر جائے، اور وقت وفات سے دو برس نہ گزرے ہوں کہ بچہ پیدا ہو تو اسی شوہر کا سمجھا جائے گا۔

اور یہ اس وقت ہے جب دونوں صورتوں میں معتدہ (عدت گزارنے والی) نے اس کے قبل عدت گزرنے کا اقرار نہ کیا ہو اور اگر عدت گزرنے کا اقرار کر چکی تھی پھر اس کے بچہ پیدا ہوا تو اس میں تفصیل ہے کہ اگر وقت اقرار سے چھ مہینے سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو اس اقرار انقضائے عدت (عدت گزرنے) کو غلط سمجھا جائے گا اور نسب ثابت ہوگا، اور اگر وقت اقرار سے چھ مہینے گزر گئے تھے تو نسب ثابت نہ ہوگا۔ یہ سب مسائل ہدایہ میں ہیں، لیکن نسب ثابت نہ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اس عورت کو یقیناً زانیہ کہا جائے گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ قانوناً وہ بچہ مرد کے ذمہ لازم نہ ہوگا، مثلاً اس کے مال میں وارث نہ ہوگا، اور اس کے ذمہ اس کا نفقہ واجب نہ ہوگا، باقی زانیہ نہ ہونے کی صورت بعض صورتوں میں یہ ہو سکتی ہے کہ اس کا اقرار انقضائے عدت کا خود غلط ہو اور بعض صورتوں میں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی ظالم نے اس پر ظلم کیا ہو، خواہ شوہر نے عدت طلاق میں یا کسی نے بعد وفات شوہر میں، باقی اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر واقع میں بھی عورت کی کوئی شرارت ہو تب بھی اس قانون کے سبب وہ عند اللہ بری ہوگی، ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ پر قانون حاکم نہیں، مطلب یہ ہے کہ ہم لوگوں کو

اس پر تہمت رکھنے کا کوئی حق نہیں، یا ان جانے اور اس کا فعل جانے، جیسا کرے گی عند اللہ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کیا جائے گا۔ اب اس میں یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اس قانون سے بری عورتوں کی جرأت بڑھ جاوے گی، ایسی جرأت سے کہاں تک بچا جائے گا، آخر یہ بھی تو قانون ہے کہ جس کا شوہر ہو اس کا بچہ ثابت النسب ہوگا، تو اس سے شوہر کے پاس رہنے والیوں کی جرأت بڑھے گی کہ اگر ہم بدکاری کرلیں ہم کو کون کچھ کہے گا، خاوند کے ماتھے جائے گی، اور اگر جرأت کا انسداد ضروری ہے تو کیا ظلم کا انسداد ضروری نہیں؟! اگر واقع میں وہ بری ہو اور اس قانون سے کام نہ لیا جائے تو اس پر جو بہتان کا ظلم ہوگا اس کا کیا علاج ہوگا؟

عدت شوہر کی روح نکلتے ہی فوراً سے شروع ہو جاتی ہے۔

ایک اعتقادی غلطی عدت وفات کے متعلق جہلاء میں یہ ہے کہ یوں سمجھتے ہیں کہ اگر مردہ شوہر کا جنازہ لے جانے سے پہلے بیوی کو اس گھر سے دوسرے گھر میں لے جائیں تب تو جائز ہے، ورنہ پھر جائز نہیں، منشا اس جہل کا یہ ہے کہ عدت کی ابتدا جنازہ لے جانے کے بعد سے سمجھتے ہیں، حالانکہ عدت شوہر کے دم نکلنے کے وقت ہی سے شروع ہو جاتی ہے، اور جنازہ لے جانے کے قبل اور بعد دونوں حال میں ایک ہی حکم ہے کہ بلا عذر قوی (جس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے) عدت کے اندر دوسرے گھر کی طرف منتقل ہونا حرام ہے، یہ مسئلہ استطراداً مسائل بعد الطلاق میں ذکر کر دیا گیا۔

عورت کی بدچلنی کے باعث طلاق ہو جانے سے بھی مہر ساقط نہیں ہوتا

ایک عملی غلطی مہر کے باب میں طلاق کے بعد یہ واقع ہوتی ہے کہ بعضے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ اگر عورت کے کسی قصور پر طلاق دی گئی ہو تو مہر ساقط ہو جاتا ہے، مثلاً عورت کی بدچلنی ثابت ہو گئی یا وہ نعوذ باللہ مرتد ہو گئی، سو سمجھ لینا چاہئے کہ مہر ہمبستری یا خلوت صحیحہ سے مؤکد ہو جاتا ہے، اس کے بعد وہ کسی طرح ساقط نہیں ہوتا، خواہ طلاق ہو یا نہ ہو، پھر خواہ طلاق کا سبب مرد کی زیادتی ہو یا عورت کی، البتہ اگر عورت معاف کر دے یا مہر پر خلع کر لے، اس صورت میں بیشک مہر ساقط ہو جاتا ہے۔

مہر کے متعلق ایک کوتاہی جس سے نکاح ہی منعقد نہیں ہوتا

ایک غلطی مہر کے متعلق اگرچہ اس کا تعلق بعد الطلاق کے ساتھ نہیں ہے مگر یہاں استطراداً ذکر کی جاتی ہے، یہ ہے کہ بعضے دیندار تقلیل مہر کی ترغیب و فضائل سن کر ہر جگہ اس پر عمل کرتے ہیں، حالانکہ بعضے مواقع اس سے مستثنیٰ ہیں، اور وہ موقع ایک مسئلہ ہے وہ یہ کہ اگر نابالغ لڑکی کا نکاح کرنے والا بجز اس کے باپ یا دادا کے کوئی اور ولی ہو جیسے بھائی یا چچا تو اس صورت میں اس کا مہر اگر مہر مثل سے بہت کم ہو

تو حسب تصریح درمختار یہ نکاح ہی صحیح نہ ہوگا اور صاحب درمختار نے صدر الشریعۃ کے حکم صحت کو وہم کہا ہے، پس ایسے موقع پر یا تو مہر مثل مقرر کرے یا اس صغیرہ کو بالغ ہونے دے، پھر اس کی رضا سے مہر قلیل کیا جائے۔

طلاق یا موت ہوجانے پر مہر مؤجل کا حکم

ایک اور مسئلہ کے متعلق استطراداً ذکر کیا جاتا ہے، وہ یہ کہ مہر مؤجل میں اگر اجل مجہول بجہالت فاحشہ ہو تو حسب تصریح فقہاء وہ تاجیل صحیح نہ ہوگی، مہر معجل واجب ہوگا، لیکن اگر یہ اجل طلاق یا موت ہو گو جہالت فاحشہ ہے مگر اس کی صحت میں اختلاف ہے، بعض نے اس کو جائز کہا ہے، مگر احقر کو اس میں تردد ہے، علماء محققین سے مراجعت کی جائے۔ اور اگر اس قول کو کوئی شخص لیتا ہے تو اسی کے ساتھ ایک اور قول بھی مفتی بہ کہا گیا ہے، وہ یہ کہ اگر مہر مؤجل ہو تو عورت کو اس اجل کے قبل انکار کرنا تسلیم نفس (خود کو مرد کے سپرد کرنے) سے جائز ہے، اور اگر ایک بار صحبت ہوجاوے دوسری بار میں بھی یہ انکار جائز ہے اور تاجیل کے اس حکم میں گو اختلاف ہے، مگر درمختار میں اس کو مفتی بہ اور استحسان کہا ہے، سو اگر مؤجل بالطلاق و بالموت میں مرد اس فتویٰ کو لیگا، تو عورت اس فتوے کو لے سکتی ہے۔

عورت ایک بار مہر معاف کرکے تو پھر وصول نہیں کرسکتی

ایک غلطی مہر کے متعلق کہ وہ بھی استطراداً مذکور ہوتی ہے یہ ہے کہ بعضی عورتیں کسی وقت خوش ہو کر بلا کسی شرط یا قید کے مہر معاف کردیتی ہیں پھر دوسرے وقت ناخوش ہو کر کہہ دیتی ہیں کہ میں اپنی معافی کو واپس لیتی ہوں، سو اس صورت میں مہر معاف ہوجاوے گا، اور اس کہنے سے وہ عود نہ کرے گا، البتہ اگر معافی میں کوئی شرط ہو اور مرد نے اس شرط کے خلاف کیا تب البتہ وہ معافی نہ رہے گی۔

معافی مہر کو اگر شوہر تسلیم نہ کرے تو مہر معاف نہیں ہوگا

ایک غلطی یہ ہوتی ہے کہ عورت کے معاف کرنے کے وقت مرد اس کو قبول نہیں کرتا، اور جب دوسرے وقت عورت مطالبہ کرتی ہے تو اس پچھلی معافی کو یاد دلا کر اس سے تمسک کرتا یعنی دلیل پکڑتا ہے، سو سمجھ لینا چاہیے کہ معافی کو اگر مخاطب رد کردے تو وہ معافی کالعدم ہوجاتی ہے، یہ آخر کی دو غلطیاں اسی وقت ایک پیش شدہ واقعہ سے ذہن میں آگئیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

اب مضمون طلاق کے متعلق ایک مضمون بعنوان "رفع اشتباہ" لکھ کر اس باب کو طلاق کو ختم کرتا ہوں، وہ یہ کہ اوپر جو حکمت طلاق کا مضمون ذکر کیا گیا ہے اس پر ایک شبہ وارد ہوتا ہے، وہ یہ کہ اہل تاریخ نے بالاتفاق نقل کیا ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

عورتوں کو کثرت سے طلاق دیتے تھے تو ایسے امام جلیل الشان ہو کر اس فعل نامستحسن کا کیوں ارتکاب فرماتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مبغوضیت اس وقت ہے جب ضرورت نہ ہو اور ان کو ضرورت تھی، وہ ضرورت یہ تھی کہ ان کو طبعی طور پر جدید عورتوں کی رغبت تھی، اور جدید رہنے کے وقت اُن سے بے رغبتی ہو جاتی تھی، اور چار سے زیادہ جمع نہ کر سکتے تھے تو بجز طلاق قدیمہ و نکاح جدیدہ کے کیا صورت ہو سکتی ہے! نیز مبغوضیت طلاق میں وحشت زوجہ (بیوی) کی پریشانی کو بھی دخل ہے، اور ان کے اس فعل سے منکوحات کو وحشت نہ ہوتی تھی، چنانچہ احقر نے کسی مقام پر اس کی تعیین تو نہیں رہی لکھا دیکھا ہے کہ عورتیں یہ خیال کرکے کہ "آپ کے بدن پر بچپن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بچا پیار کیا ہے تو ہم کو ان کے بدن کو مس کرنے سے برکت نصیب ہوگی" باوجود ان کے کثرت طلاق کے پھر اُن کے نکاح سے انکار نہ کرتی تھیں، اور ان عورتوں کے ماں باپ اور اولیاء بھی اس کو ناگوار نہ سمجھتے تھے، یہاں تک کہ ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "اے اہل کوفہ حسنؓ سے عورتوں کو مت بیاہو کہ یہ کثرت سے طلاق دیتے ہیں، قبیلہ ہمدان میں سے ایک شخص بولا واللہ ہم ان سے ضرور نکاح کریں گے وہ جس کو پسند کریں رکھیں اور جس کو ناپسند کریں طلاق دے دیں" (اوردہ فی تاریخ الخلفاء عن ابن سعد)۔

اور میں نے احیاء العلوم میں دیکھا ہے کہ حضرت علیؓ اس جواب سے خوش ہوئے، اور قبیلہ ہمدان کے لئے اس ارشاد سے شفاعت کا وعدہ فرمایا۔

لَوْ كُنْتُ بَوَّابًا عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ لَقُلْتُ لِهَمْدَانَ ادْخُلُوْا بِسَلَامٍ	"اگر میں جنت کے دروازہ کا دربان ہوتا تو میں قبیلہ ہمدان کو کہتا کہ سلامتی کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ"

تمّ ما يتعلّق بأبواب الطلاق

نفقہ کے احکام

اس میں بھی متعدد و مختلف غلطیاں اور کوتاہیاں ہوتی ہیں، غلطی سے مراد علمی اغلاط (علمی خرابی) اور کوتاہی سے مراد عملی اغلاط (عملی خرابی) ہے، دونوں مختلف طور پر مذکور ہوتی ہیں۔

بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے

ایک غلطی یہ ہے کہ بعض لوگ بیوی کا نفقہ اس وقت واجب سمجھتے ہیں کہ وہ نادار ہو، اور اگر وہ مالدار ہو تو اس صورت میں اس کا نفقہ واجب نہیں سمجھتے، سو یہ بالکل غلط ہے، بیوی کا نفقہ دونوں مذکورہ حالتوں میں واجب ہوتا ہے، صرف اتنی شرط ہے کہ بیوی کی طرف سے تسلیم نفس میں بلا عذر کوتاہی نہ ہو اور اگر عذر ہے ایسا ہو جیسے مہر معجل کے لینے کے لئے اپنے نفس کو تسلیم نہ کرے، اس میں نفقہ واجب رہے گا۔

کم سن عورت کو اگر شوہر اپنے گھر رکھے تو اس کا نفقہ بھی واجب ہے

البتہ اگر بیوی سرکشی سے شوہر کے گھر سے چلی گئی اس صورت میں نفقہ واجب نہ رہے گا جب تک کہ واپس نہ آجائے، اسی طرح اگر بیوی بہت کمسن ہو کہ قابل ہمبستری کے نہ ہو لیکن اس قابل ہو کہ مرد کے پاس رہنے سے مرد کا اس سے جی بہلے یا معمولی خدمت کر سکے تو تسلیم نفس کے بعد اس کا نفقہ بھی واجب ہے، البتہ اگر اس قابل بھی نہ ہو جیسے بعض قوموں میں بہت ہی کم عمری میں شادی کر دیتے ہیں اس کا نفقہ واجب نہ ہوگا (کذا فی الدر المختار) لیکن جو قابل تمتع کے نہ ہو محض انس اور خدمت کے لائق ہو تو خود شوہر اس کو اپنے گھر رکھنے پر مجبور نہیں ہے، اگر رکھے گا نفقہ دے گا، اگر نہ رکھے گا نہ دے گا (کذا فی الدر المختار)

جوان عورت کا نکاح کمسن لڑکے سے ہو تب بھی اس کے ذمہ بیوی کا نفقہ واجب ہے

اور بعض قوموں میں یہ بھی عادت ہے کہ جوان عورت کا کم عمر لڑکے سے عقد کر دیتے ہیں، اس عورت کا نفقہ زوج کے مال سے اگر وہ صاحب جائداد یا مالک نقد ہو واجب ہوگا کیونکہ مانع تمتع مرد کی طرف سے ہے، عورت کی طرف سے نہیں۔

شوہر کی اجازت کے بغیر میکے چلے جانے سے شوہر کے ذمہ نفقہ واجب نہیں

ایک غلطی بعض عورتوں کی جانب سے یہ ہے کہ شوہر سے مخالفت کر کے اپنے میکے جا بیٹھتی ہیں اور نفقہ کا مطالبہ کرتی ہیں، سو ابھی مذکور ہوا ہے کہ اس صورت میں نفقہ واجب نہ ہوگا۔

ذی وسعت مرد کے ذمہ ماما کا خرچ بھی واجب ہے

ایک کوتاہی بعض مردوں کی طرف سے یہ ہوتی ہے کہ باوجود فارغ البالی کے بی بی کے خرچ میں تنگی کرتے ہیں اور اتنا کم دیتے ہیں کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے پکائے تو کافی ہو سکتا ہے، ورنہ ماما (نوکرانی) رکھنے کی گنجائش نہیں ہوتی، حالانکہ مرد اگر ذی وسعت ہو تو اس کے ذمہ خادمہ کا خرچ بھی واجب ہے۔

تنگدست شوہر ماما رکھنے پر مجبور نہیں

اور ایک کوتاہی بعض عورتوں کی طرف سے یہ ہوتی ہے کہ باوجود شوہر کے تنگدست ہونے کے اس کو مجبور کرتی ہیں کہ ماما لا دے، حالانکہ شوہر کی تنگدستی کی صورت میں مرد اس پر مجبور نہیں ہے، بلکہ دیکھا جائے گا کہ عورت اپنے کام پر قادر ہے یا نہیں، اگر قادر ہے تو اپنا کھانا بھی پکائے اور شوہر کا بھی پکائے، اور اگر قادر نہیں خواہ کسی مرض کے سبب، خواہ امیر کبیر ہونے کے سبب، تو شوہر ماما لانے پر مجبور ہے اور عورت کھانا پکانے پر، بلکہ شوہر سے کہا جائے گا کہ تیار شدہ کھانا عورت کو لا دیجئے خواہ بازار سے یا کہیں اور پکوا کر (کذا فی الدر المختار)

تنگدستی کی حالت میں عورت کو تفریق کا مطالبہ کرنا جائز نہیں

ایک کوتاہی بعض عورتوں کی طرف سے یہ ہوتی ہے کہ جب نان و نفقہ میں تنگی ہوئی انہوں نے تفریق کی درخواست شروع کی، سو سمجھ لینا چاہیے کہ محض تنگی کی حالت میں گو بعض ائمہ کے نزدیک قاضی کو تفریق جائز ہے لیکن اول تو یہاں شرعی قاضی نہیں، اور بدون قاضی شرعی کے کسی کے نزدیک بھی تفریق صحیح نہیں، دوسرے ہمارے مذہب حنفی میں خود قاضی کے ہوتے ہوئے بھی اس خاص وجہ سے تفریق جائز نہیں، بلکہ قاضی عورت کو حکم دے گا کہ قرض لے کر خرچ کرتی رہ اور وہ قرض بذمہ شوہر ہوگا۔

روشن خیال حضرات کی حقیقی ہمدردی کی نشاندہی

بعض روشن خیال ایسی صورتوں میں بزعم خود عورت کی ہمدردی میں درحقیقت شریعت پر اعتراض کیا کرتے ہیں کہ تفریق کا جائز نہ ہونا عورت کے حقوق کا تلف کرنا ہے، کیونکہ ہمارے دیار میں شرعی قاضی تو ہے نہیں تو خود عورت کو ایسی مجبوری میں تفریق کے اختیارات ہونے چاہئیں، ورنہ اگر اس کو قرض بھی نہ ملے تو پھر کہاں سے کھائے؟

میں کہتا ہوں کہ آپ صاحبوں کو تو یہ آسان ہے کہ عورت کی ہمدردی میں شریعت پر اعتراض کر کے اپنا دین برباد کرنے لگے، اس سے زیادہ آسان تو یہ تھا کہ اس کی ہمدردی میں اپنا کچھ مال صرف کرتے اور ایسی ستم دیدہ عمر رسیدہ کی مدد کرتے، اور یہ تو خیال کرنا چاہیے کہ آپ کی اس رائے میں عورت کی تو ہمدردی ہو گئی، لیکن کیا ایسا مجبور مرد قابل ہمدردی کے نہیں، کیا اس کی بیچارگی

ہے کہ اس کی بیوی کو جو اس کے لئے کسی قدر مایۂ انس و تسلی تھی اس سے جدا کر دیا جائے، اور جو طریقہ ہمدردی کا ہم نے بتلایا ہے اس میں دونوں کی امداد ہے، مرد کی بھی عورت کی بھی، اور دونوں اپنے گھر پر آباد رہیں گے۔ انصاف کیجئے ہمدردی کہنے کے لائق کونسی صورت ہے۔

قہوہ، حقہ، اور میوے پھل شوہر کے ذمہ واجب نہیں۔
ایک کوتاہی بعض عورتوں کی طرف سے یہ ہے کہ شوہر کے مال کو بے دریغ اڑاتی ہیں اور سب فضول اخراجات اور تمام متعلقات کا خرچ ذمہ شوہر سمجھتی ہیں، خصوصاً پان چھالیہ، بعض جگہ چائے و کافی میں اس قدر زیادتی کرتی ہیں کہ خود بھی کھاتی پیتی ہیں اور آنے جانے والیوں کو تقسیم کرتی ہیں، اور یہ شوہر کے ذمہ واجب سمجھتی ہیں حالانکہ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ قہوہ اور حقہ اور میوے پھل بھی شوہر کے ذمہ نہیں، اگرچہ قہوہ اور حقہ کی عادت بھی ہو کہ اس کے چھوڑنے سے تکلیف ہو، تب بھی شوہر کے مال میں یہ صرف نہ ڈالا جائے۔

قلت علم مما ذكرته أنه لا يلزمه لها القهوة والدخان وإن تضررت بتركهما لأن ذلك إن كان من قبيل الدواء أو من قبيل التفكه لا يلزمه كما علمت رد المحتار ج۲ ص۶۴۸	ظاہر ہو گیا جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ قہوہ اور حقہ اس کے ذمہ لازم نہیں، خواہ اس کے چھوڑنے سے نقصان پہنچے، کیونکہ یہ دوا یا پھلوں کی قسم سے ہے، جو اس کے ذمہ لازم نہیں جیسا کہ تو نے سمجھ لیا۔

شوہر ان مصارف میں سے جتنے کا تحمل ہو جائے اس کا احسان ہے، اور شوہر کی شان کے لائق بھی یہی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ وسعت دے تو بیوی کو جو اس کے لئے سرمایۂ راحت ہے راحت پہنچانے میں دریغ نہ کرے، مگر عورت کو بھی مناسب نہیں کہ اس راحت پہنچانے کا یہ صلہ دے کہ اس کو کلفت پہنچائے۔

مردوں کے رشوت لینے کی زیادہ تر ذمہ دار عورتیں ہیں۔
واقعی ان عورتوں کی فضول خرچیوں کی بدولت بالخصوص پان اور زیب و آرائش اور رسوم و تقریبات میں مسلمان پنپنے نہیں پاتے، اور ان کے گھر کی جائداد کو اور تجارت کو گھن سا لگ رہا ہے، کہ آہستہ آہستہ بالکل خاتمہ ہو جاتا ہے، بلکہ ان اخراجات کی بدولت دنیا کے علاوہ دین تک برباد ہوتا ہے، ملازم مردوں کی رشوت کے زیادہ حصہ کی ذمہ دار یہی فضول خرچیاں ہیں، ورنہ اگر گھروں میں دین کی بھی رونق ہے اور مردوں کا تقویٰ بھی محفوظ رہے۔

عورتیں چاہیں تو مرد کو متقی بنا سکتی ہیں
بلکہ اگر ذرا عورت صبر و قناعت اختیار کرے تو مرد کو مجبوری متقی بننا پڑے، بہت قصے ایسے موجود ہیں کہ عورتوں نے مردوں سے کہہ دیا کہ اگر تم رشوت نہ چھوڑو گے تو ہم تمہاری کمائی کا کھانا نہیں کھائیں گے، غرض مرد و عورت کا تعلق ادھر اس

غلامی کی برکت مجموعہ کا اثر یہ ہوا کہ مردوں کو رشوت سے توبہ کرنا پڑی۔

بری کے جوڑوں کی موجودگی میں شوہر کے ذمہ نیا جوڑا بنانا واجب نہیں۔

ایک کوتاہی عورتوں کی طرف سے یہ ہے کہ بری کے جوڑے اتنا بڑا انبار ان کے صندوقوں میں ذخیرہ رہتا ہے، پھر بھی روز نئے شوہر سے جوڑے بنوانے کی فرمائش کی جاتی ہے، سو سمجھ لینا چاہئے کہ شوہر کے گھر کے جوڑے جب تک موجود ہیں اس وقت تک شوہر کے ذمہ نیا جوڑا بنانا واجب نہیں، اور یوں وہ بنا دے اس کا احسان ہے۔

خاوند کے مال کو ضائع کرنے کی قیامت کے روز بازپرس ہوگی

اسی طرح اکثر عورتیں کو بیکار چیزوں کی بے حد حرص ہے، اور وہ سامنے کی چیز کو گو خواہ ضرورت بھی نہ ہو لیکن پسند آنے کی وجہ سے فوراً ہی خرید لیتی ہیں اور ذخیرہ کرتی چلی جاتی ہیں، پھر لطف یہ کہ نہ وہ کام میں آتی ہیں نہ ان کی حفاظت کرتی ہیں، یونہی ضائع ہو جاتی ہیں۔ تو اس طرح سے خاوند کے مال کو اڑانا قیامت میں موجب بازپرس ہے، حدیث اَلْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا الخ میں اس کی تصریح ہے۔

عید بقرعید اور شادیوں پر مستقل جوڑا بنانا شوہر کے ذمے ضروری نہیں۔

علیٰ ہذا عید بقرعید کے لئے یا شادیوں میں شرکت کے لئے مستقل جوڑا بنانا شوہر کے ذمہ نہیں تو اس کے مال میں سے بلا اس کی رضا کے بنانا بھی عورت کے لئے جائز نہ ہوگا، یہ تو دنیوی مصارف ہیں، ان میں تو بلا رضائے شوہر اس کا مال صرف کرنا کہاں جائز ہوتا،

شوہر کی اجازت کے بغیر دینی مصارف میں بھی چندہ دینا جائز نہیں۔

دینی مصارف میں بھی مثلاً کسی سائل کو دینا یا کسی مدرسہ وغیرہ کے چندہ میں دینا یا کسی عالم یا واعظ یا یتیم و مسکین و بیوہ و محتاج کی خدمت کرنا بھی بلا رضائے شوہر اس کے مال میں سے جائز نہیں، نہ ایسا دیا ہوا چندہ خدا تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے، حدیث میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا الطَّيِّبَ

(یعنی اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ صرف پاک چیز کو ہی قبول فرماتا ہے۔)

عورتوں کو اخراجات کے لئے مال دینے کے بارے میں مردوں کو ایک مشورہ

چونکہ ایسے مصارف دینیہ و دنیویہ کی اکثر حاجت واقع ہوتی ہے، اور اکثر عورتوں کے پاس جداگانہ مال نہیں ہوتا، اس لئے مردوں کو مناسب ہے کہ نفقہ واجبہ کے علاوہ حسب وسعت کچھ خرچ ایسے مواقع کے لئے جداگانہ بھی دے دیا کریں، پھر اس کا حساب نہ لیا کریں، تاکہ وہ اپنی مرضی کے موافق آزادی کے ساتھ

بے تکلف اپنے مصارف میں صرف کر سکیں۔

شوہر کے ذمہ عورت کا صدقہ فطر قربانی اور اس کے لیے زیور کی زکوٰۃ واجب نہیں۔

نیز شوہر کے ذمہ عورت کے زیور کی زکوٰۃ یا اس کی طرف سے صدقۂ فطر یا قربانی واجب نہیں، سو اگر ایسی رقم ان کو مل جایا کرے گی تو ان واجبات کی ادائیگی میں ان کو سہولت ہوگی لیکن چونکہ شوہر پر یہ واجب تو ہے نہیں، اگر شوہر نے نہ دیا تو عورت اپنا زیور بیچ کر یہ سب حقوق اس سے ادا کرے، شوہر کے مال سے بلا اس کی رضا کے اپنی ضرورت میں صرف کرنا جائز نہ ہوگا، خوب سمجھ لینا چاہئے۔ عورتیں اس میں بہت بے احتیاطی کرتی ہیں، اور اس کے ناجائز ہونے کا ان کو وسوسہ تک بھی نہیں آتا، گویا شوہر کے مال کا اپنے کو بالکل مالک سمجھتی ہیں، سو یہ بنا ہی باطل ہے۔

شوہر اور بیوی کی ملک جدا جدا ہے

ان دونوں کی ملک جدا جدا ہے۔ پس شوہر کے لئے بھی ظلم ہوگا اگر عورت کے مال میں بلا اس کی رضا کے تصرف کرے، اور عورت کے لئے بھی خیانت ہوگی اگر مرد کے مال میں بلا اس کی رضا کے تصرف کرے۔

رضا کا مفہوم و مطلب

اور رضا سے مراد سکوت کرنا یا انکار نہ کرنا یا اس کا اظہار نہ کرنا یا پوچھنے پر رضا ظاہر کرنا نہیں، تجربہ سے ثابت ہے کہ اکثر اوقات باوجود گرانی اور کراہت کے لحاظ و شرم و مروت کے سبب بھی ایسا کیا جاتا ہے، رضا وہ ہے کہ قرائن قویہ غیر مشتبہ سے مالک کا طیب خاطر جزم و یقینی طور پر دلی رضامندی کے ساتھ معلوم ہو جاتے، قرآن و حدیث میں اسی مادہ کا استعمال بشرط جواز مال میں کیا گیا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا۔	فرمایا اللہ تعالیٰ نے پس اگر وہ بیبیاں خوش دلی سے چھوڑ دیں تم کو اس مہر کا کوئی جزو تو تم اس کو کھاؤ مزہ دار و خوشگوار کرکے۔
وَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ إِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ	اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ خبردار کسی مسلمان کا مال بغیر اس کی رضا مندی کے حلال نہیں۔

چندہ دینے اور وراثت کی معافی میں رضامندی کی شرط

اور یہی حکم ہے چندوں اور میراث کے متعلق کہ دباؤ سے دے دینا یا معاف کر دینا کافی نہیں بلکہ طیب خاطر شرط ہے، اور میراث میں طیب خاطر سے معاف کرنا بھی کافی نہیں کیونکہ اعیان میں ابراء صحیح نہیں۔

بہنوں کو میراث میں شریک کرنے کا سہل طریق

جیسا ہندوستان میں عام رسم ہے کہ بہنیں بھائیوں کو اپنا حصہ معاف کر دیتی ہیں بلکہ دوسرے ورثوں میں بھی یہ ایک صورت کی ضرورت ہے وہ یہ تو ترکہ میں جو چیزیں قابل تقسیم ہیں ان کو حصے تقسیم کر کے پھر جس وارث کا دل چاہے دوسرے وارث کو ہبہ مع القبض کر دے، اور اگر اس میں جھگڑا معلوم ہو تو دوسرے وارث کے ہاتھ اپنا حصہ بیچ کر دے، پھر زر ثمن (مقررہ قیمت) خواہ معاف کر دے اور یہ بہت سہل ہے، شرعاً تو اس طرح سے معاملہ صحیح ہو جاوے گا، پھر قانونی احکام جس طریق سے چاہے کر لے، یہ مسئلہ کتاب المیراث کا تھا یہاں استطراداً ذکر کر دیا گیا۔

مہر لینے سے نفقہ ساقط نہیں ہوتا

ایک غلطی نفقہ کے باب میں یہ ہے کہ بہت عورتوں کا گمان ہے اور مرد بھی اس غلطی میں عورتوں سے مبتلا ہیں کہ غنیمت سمجھتے ہیں کہ اگر ہم مہر لے لیں گے تو پھر نفقہ میں ہمارا کچھ حق نہ رہے گا، اس وجہ سے خود مانگنا تو درکنار بعض خدا کی بندیاں تو مرد کے دینے پر بھی اس ڈر کے مارے نہیں لیتیں، یہ امر بالکل غلط اور باطل ہے، وہ جدا حق ہے یہ جدا حق ہے، ایک کے لینے سے دوسرا ساقط نہ ہوگا۔

شوہر پر بیوی کو رہنے کے لئے جداگانہ گھر یا کمرہ دینا واجب ہے

اور نفقہ ہی کا ایک جزو بیوی کو رہنے کے لئے گھر دینا ہے، اس کے متعلق ایک عام غلطی ہے، اکثر مرد اس مسئلہ میں کہ جداگانہ گھر دینا اپنے ذمہ واجب نہیں سمجھتے، بلکہ اپنے عزیزوں میں عورت کو لا ڈالتے ہیں، سو اس میں حکم یہ ہے کہ اگر شامل رہنے پر عورت بخوشی راضی ہو تب تو خیر ورنہ اگر وہ الگ جدا رہنا چاہے تو مرد پر اس کا انتظام واجب ہے، اور یہاں بھی راضی ہونے کے معنی وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے، یعنی طیب خاطر سے راضی ہو، حتی کہ اگر مرد کو قرائن قویہ سے معلوم ہو جاوے کہ وہ جدا رہنا چاہتی ہے، مگر زبان سے اس کی درخواست نہ کر سکے تب بھی مرد کو شامل رکھنا جائز نہیں، البتہ اتنی گنجائش ہے کہ اگر پورا گھر جدا نہ دے سکے تو بڑے گھر میں ایک کوٹھڑی یا کمرہ ایسا دیدے کہ اس کی ضروریات کو کافی ہو سکے اور اس میں اپنا مال و اسباب مقفل کر کے (تالا وغیرہ لگا کر) رکھ سکے، اور آزادی کے ساتھ اپنے میاں کے ساتھ تنہائی میں بیٹھ اٹھ سکے، بات چیت کر سکے، یہ واجب کے ادا کرنے کے لئے کافی ہوگا۔

عورت کو اپنے عزیزوں سے جدا رکھنے ہی میں مصلحت ہے۔

اور آجکل کے طبائع اور واقعات کا مقتضا تو یہ ہے کہ اگر عورت شامل رہنے پر راضی بھی ہو اور جدا رہنے سے سب اعزہ و رشتہ دار ناخوش بھی ہوں تب بھی مصلحت یہی ہے کہ جدا ہی رکھے، اس میں ہزاروں مفاسد کا انسداد اور ہزاروں خرابیوں کی روک تھام ہے، اور گو اس میں چند روز کے لئے عزیزوں کا ناک منہ چڑھے گا، مگر اس کی مصلحتیں

جب مشاہد ہوں کی سب خرابی ہو جاتی ہیں گے، خصوص جب علاوہ تفریق کی علت ہو جانا چاہئے زیادہ تر لوگ اس جھگڑے ہی سے بچ سکتی ہے، فقہا نے یہاں تک فرمایا ہے کہ مرد کی اگر پہلی بی بی سے کچھ اولاد ہو دوسری بی بی کو اس کے ساتھ بھی شامل رہنے پر مجبور نہیں کر سکتا، اور تجربہ واقعات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بالخصوص دوسری اولاد کے ساتھ شامل رہنا بڑے بڑے فسادوں کی جڑ ہے، اور دوسرے عزیزوں کے ساتھ اتنا فساد نہیں ہوتا۔

بیوی پر اپنی ساس کی خدمت کرنا فرض نہیں ہے۔

بعضے آدمی اس کو بڑی سعادتمندی سمجھتے ہیں کہ بی بی کو اپنی ماں کا محکوم مغلوب بنا کر رکھیں، اور اس کی بدولت بیبیوں پر بڑے بڑے ظلم ہوتے ہیں، سو سمجھ لینا چاہئے کہ بی بی پر فرض نہیں کہ ساس کی خدمت کیا کرے، تم سعادتمند ہو خود خدمت کرو یا خدمت کے لئے نوکر لاؤ۔

حرمت مصاہرت میں طلاق سے اور ارتداد میں بلا طلاق نفقہ ساقط ہے۔

ایک غلطی نفقہ کے متعلق وہ ہے جو اس کے قبل سرخی تغیر احکام بعد الطلاق کے تحت میں مذکور ہو چکی ہے، کہ بعض لوگ طلاق بائن کے بعد نفقہ عدت کا واجب نہیں سمجھتے، سو اس کی تفصیل اسی مقام میں مذکور ہو چکی، پھر اعادہ کی حاجت نہیں، صرف ایک جزئیہ جو کہیں جگہ مذکور نہ تھا ذکر کیا جاتا ہے، وہ یہ کہ اگر افتراق بین الزوجین (میاں بیوی میں جدائی) کا سبب عورت کا کوئی فعل معصیت ہوا ہے تب اس کا نفقہ واجب نہیں، مثلاً عورت کی رضامندی سے حرمت مصاہرت ہو گئی، یا نعوذ باللہ عورت مرتد ہو گئی، اور اس لئے تفریق واقع ہوئی، حرمت مصاہرت میں طلاق سے اور ارتداد میں بلا طلاق، ان صورتوں میں نفقہ ساقط ہے البتہ مہر ساقط نہ ہوگا جب خلوت صحیحہ سے مؤکد ہو چکا ہو ———

یہ سب کلام تھا بی بی کے نفقہ کے متعلق ———

نابالغ اولاد کا نفقہ بھی باپ پر واجب ہے

اب سمجھئے کہ بی بی کی طرح نابالغ اولاد کا بھی نفقہ باپ پر واجب ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ بی بی تو اگر مالدار بھی ہو تب بھی شوہر پر اس کا نفقہ واجب ہے، اور اولاد کا اس وقت واجب ہے جب وہ مالدار نہ ہوں، ورنہ خود ان کے مال میں سے صرف کیا جائے گا، باپ کے مال میں واجب نہ ہوگا،

میراث کے مالک بچہ کا نفقہ باپ پر واجب نہیں۔

مثلاً ایک بچہ کی ماں مر گئی، اور اس نے زیور جائداد وغیرہ چھوڑا جس میں اس بچہ کو بھی میراث پہنچی، سو جب تک یہ میراث کا حصہ باقی ہے اس وقت تک اس بچہ کا خرچ باپ کے ذمہ نہیں، اگر تقویٰ ہو باپ کو اجازت ہے کہ اس کو بچہ کے

ان کی ضروریات میں خرچ کرتا رہے، البتہ اگر فضولیات میں صرف کریگا اپنے پاس سے بھرنا پڑیگا، اور یہ مسئلہ بہت مشکلوں کا حل کرنے والا اور بہت سی بے احتیاطیوں کا بند کرنے والا ہے، مثلاً بہت لوگ ایسے موقع پر بچوں کا حصہ تقسیم کر کے جدا نہیں کرتے، اور یوں سمجھتے ہیں کہ اس تقسیم سے ہمارا نقصان ہے، کہ خرچ ان بچوں کا ہمارے ذمہ ہے اور پھر اتنا مال اور الگ کر دو تو ہر طرح ہم ہی خسارہ میں رہے، اور اس لئے اس کو بار سمجھتے ہیں، تو اب اس مسئلہ سے یہ اشکال رفع ہو گیا کہ تمہارا اس میں کوئی نقصان نہیں، جب تک ان کا حصہ خرچ نہ ہو جائے تمہارے ذمہ ان کا نفقہ ہی واجب نہیں، البتہ ان کا حساب رکھنے میں بہت احتیاط رکھنا چاہئے، سو یہ کوئی مشکل بات نہیں،

یہ تفصیل تو نابالغ ہونے تک ہے، اور بالغ ہونے کے بعد پھر نفقہ واجب نہیں رہتا، البتہ اگر یہ خود محتاج ہے اور لڑکی کی شادی نہیں ہوئی گو بالغ ہے، یا لڑکا کسی مرض وغیرہ کے سبب کمانے سے عاجز ہے گو بالغ ہے، تب اس کا نفقہ بھی واجب ہوگا،

محتاج والدین کا نفقہ مالدار اولاد پر واجب ہے،

ایک غلطی یا کوتاہی یہ ہے کہ بجز بیبی اور اولاد کے اور کسی کا نفقہ اپنے ذمہ نہیں سمجھتے، حالانکہ ایک تو محتاج والدین کا نفقہ مالدار اولاد پر واجب ہے، اور دوسرے جتنے اقارب (قریبی رشتہ دار) اس کے ذی رحم محرم ہوں، اور وہ حاجت مند ہوں، اور کسب سے بھی عاجز ہوں ان سب کا بھی نفقہ واجب ہے، مگر صرف تنہا یہ نہیں بلکہ والدین کا تو تمام اولاد پر اور ان اقارب کا ایسے رشتہ داروں پر کہ اگر وہ ذی رحم محرم مرجائے تو ان رشتہ داروں کو ان کی میراث میں سے حصہ پہنچے، بقدر اس حصہ کے ہر شخص پر واجب ہوگا،

ذی رحم محرم کا نفقہ بھی حصہ میراث کی طرح تقسیم ہوگا،

مثلاً ایک آدمی کے تین بھائی ہیں ایک عینی ایک علاتی (باپ شریک) ایک اخیافی (ماں شریک)، تو اب دیکھنا چاہئے کہ اگر یہ شخص مرجائے تو ان تینوں میں میراث کس طرح بٹے؟ سو حکم یہ ہے کہ اخیافی کو تو ذی فرض ہونے کے سبب چھٹا حصہ ملے، اور عینی کو عصبہ ہونے کے سبب پانچ باقی مل جائیں اور علاتی کو کچھ بھی نہ ملے، پس اس شخص کا نفقہ بھی انہی دونوں پر واجب ہوگا، اس طرح سے اگر چھ روپے مہینہ تجویز کیا جائے، تو ایک روپیہ اخیافی بھائی پر اور پانچ روپیہ عینی بھائی پر، اور یہ نسبت میراث کی اس وقت دیکھینگے جب سب ذی رحم محرم ہوں، ورنہ ایک اگر ذی رحم محرم ہو دوسرا نہ ہو تو نفقہ صرف ذی رحم محرم پر ہوگا، اگرچہ اس شخص کے مرنے پر وارث وہ دوسرا غیر ذی رحم محرم ہو جاتے، مثلاً ایک شخص کا ایک چچا زاد بھائی ہے اور ایک ماموں، تو نفقہ صرف ماموں پر ہوگا، اور میراث چچا زاد بھائی کو ملیگی، یہ سب نفقات تھے علاوہ

قرابت و رشتہ داری کے تعلق کے سبب۔

کام سے عاجز ہر شخص انسان یا جانور کا نفقہ سب پر واجب ہے ایک فرد نفقہ واجبہ کی مطلق احتیاج کے سبب ہے اور اس میں کسی کی تخصیص نہیں جو شخص بھی محتاج اور کسب سے عاجز ہو خواہ وہ قریب ہو یا اجنبی اور خواہ مسلم ہو یا کافر بلکہ خواہ آدمی ہو یا جانور سب کی خبرگیری سب پر واجب ہے۔ البتہ اگر جانور کسی کا مملوک ہو تو صرف اس کے مالک پر نفقہ کے لئے جبر کیا جائے گا اور اگر پھر بھی کوتاہی کرے تو حاکم اس کو بیع پر مجبور کرے گا (کذا فی الدر المختار) اور اگر وہ جانور کسی کا مملوک نہ ہو تو اگر وہ خود چل پھر کر اپنا پیٹ بھر لیتا ہے تو خیر اور اگر وہ اس سے معذور ہے تو سب پر اس کا نفقہ واجب ہوگا اور موذی جانور درندے وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں (تحقیق یہ حکم دو جانوروں کے حقوق ایک میں رسالہ ارشاد الہائم فی حقوق البہائم ملاحظہ ہو)۔

بے جان چیزوں پر نفقہ کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا البتہ بے جان چیزوں پر نفقہ کرنا اگر وہ بدون نفقہ کے ضائع ہوتی ہوں جیسے گھر یا کھیتی وغیرہ پھر بھی اس نفقہ پر مجبور نہ کریں گے گو مال کے ضائع کرنے کی کراہت اس شخص پر ہوگی مگر نفقہ پر مجبور نہ کریں گے لیکن یہ چیز اگر مشترک ہو اور ایک شریک اپنے حصہ کے خرچ کرنے کو تیار ہے تو دوسرے شریک کو بھی حاکم جبر کرے گا کہ بقدر اپنے حصہ کے خرچ کرے کیونکہ اس کو اپنے مال کے ضائع ہونے پر راضی ہونے کا حق ہے مگر یہاں تو خرچ نہ کرنے سے دوسرے کا مال بھی ضائع ہوتا ہے جس کا اس کو حق نہیں اس لئے جبر کیا جائے گا۔

علماء، مشائخ اور مبلغین کا نفقہ تمام مسلمانوں پر واجب ہے ایک فرد نفقہ واجبہ کی ایسی نامعلوم و پوشیدہ ہے کہ کسی کا ذہن بھی اس کی طرف منتقل نہ ہوا ہوگا، اور عوام کا تو کیا ہوتا خواص کا بھی نہ ہوا ہوگا، اور اس فرد کے بتلانے سے پہلے ایک مقدمہ معروض ہے پھر اس فرد کو بتلایا جائے گا۔

اور وہ مقدمہ یہ ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ نفقہ احتباس کی جزا بھی ہوتا ہے یعنی جو شخص کسی کی مصلحت یا خدمت کے لئے محبوس و مقید ہو اور اس احتباس کے سبب وہ اپنی معیشت کا انتظام نہ کر سکتا ہو تو اس شخص کا نفقہ اس پر واجب ہوگا جس کی مصلحت و منفعت کیلئے محبوس ہو۔

چنانچہ اس کی مشہور نظیر جو فقہاء نے ذکر کی ہے رزق قاضی ہے یعنی قاضی مسلمین چونکہ عامہ مسلمین کی منفعت کے لئے خدمت قضا میں محبوس و مشغول ہے اس لئے اس کا گزارہ جس کو رزق و قوت کہتے ہیں عامۂ مسلمین پر واجب ہے جس کی شکل یہ ہے کہ بیت المال میں سے دیا جاتا ہے کہ حقیقت اس کی مجمع اموال مسلمین ہے اور اس لئے اس میں دیئے جانے کی حقیقت یہی ہے کہ عامۂ مسلمین سے دلوایا جاتا ہے۔

اسی کی مثال ہے قاضیوں کی تنخواہ، اس کا حاصل بھی یہی ہے کیونکہ وہ ایک خاص وقت تک وہ مثل المحبوس ہے جس شخص کے لئے کوئی بھی دینی کام رہا ہو اس کے کام میں مشغول ہے اس لئے اس کو اس سے خوراک دلوائی جاتی ہے، حکام وقت نے بھی شریعت کے اس مسئلہ کو برقرار رکھا ہے اور یہ مثال خصوصیت کے ساتھ اس لئے بھی وارد کی گئی ہے کہ اس فرد مقصود کے متعلق بعض اعتراض کرنے والوں کو حجت و دلیل ہو اور فقہاء نے زوجہ کے نفقہ کو بھی جزاء احتباس ہی کہا ہے۔

جب یہ مقدمہ بقدر ضرورت بیان ہو چکا تو اب اس فرد خاص کو بتلایا جاتا ہے۔ وہ علماء و طلباء و مشائخ کی خدمت ہے، جس کی حقیقت یہی ہے کہ یہ حضرات قوم کی دینی مصلحت میں محبوس ہیں چنانچہ علم دین کی تحصیل و تعلیم کا دینی خدمت ہونا تو ظاہر ہے۔ باقی اس مصلحت کا قوم کی طرف راجع ہونا وہ اس طرح ہے کہ علوم دینیہ میں تبحر مجموعہ مسلمین پر فرض کفایہ ہے، یعنی قوم میں اتنے جامع علوم اہل علم کے موجود رہنے کا انتظام رکھنا ضروری ہے جس سے عام مسلمین کی دینی حاجتیں تبلیغ احکام و جواب استفتاء وغیرہ پوری ہو سکیں، اگر ایسا انتظام نہ کیا جاوے گا تو تمام قوم عاصی و آثم و گنہگار ہوگی۔

علماء و طلباء کا نفقہ سب مسلمانوں پر واجب ہونے کی وجہ

اس مسئلہ کی علماء نے تصریح بھی کی ہے اور عقل سے بھی سمجھ میں آتا ہے اور اس کی نقلی نظیر طبیب کامل کی سی ہے کہ ہر شخص کو طبیب کی حاجت پیش آتی ہے، لیکن اگر ہر شخص طبیب کامل بنے تو امر معاش بالکل مختل و درہم برہم ہو جاوے اور اگر کوئی بھی نہ بنے تو حاجت طبیہ کسی کی بھی پوری نہ ہو، اس لئے صورت مجوزہ عقل و نقل کی تجویز کردہ صورت یہ ہے کہ قوم میں سے چند افراد ایسے کامل ہوں جو تمام قوم کی حوائج و ضروریات کو کافی ہو سکیں اور یہ صورت اسی ضروری ہے کہ اگر خود کوئی تکمیل کی طرف توجہ نہ کرے تو قوم کو متفق ہو کر ان کے مصارف برداشت کرکے اس کا اہتمام ضروری ہے کہ چند آدمیوں کو اس طرف متوجہ کریں، اور ان کے خورد و نوش کھانے پینے کے ذمہ دار ہوں، اور جب وہ طبیب ہو جائیں تو ان کے گذارہ کے ذمہ دار ہو کر ان کو شہر میں رکھیں، اور وقتاً فوقتاً اپنے علاج کی حاجتیں ان کے سامنے پیش کریں، بس اسی طرح طبیب روحانی کے اہتمام کو کہ عبارت ہے دینی حاجتوں کے انتظام سے اس طبیب جسمانی پر قیاس کر لیا جاوے، اور یوں اگر کوئی اس طبیب روحانی ہی کو فضول سمجھے وہ ہمارے نزدیک قوم سے خارج ہے، وہ ہمارا مخاطب ہی نہیں، خطاب مسلمانوں کو ہے، جس طرح کوئی وحشی جنگلی طبیب جسمانی ہی کو فضول بتلاوے تو وہ طبیب جسمانی کی مثال اس پر حجت نہیں۔

غرض اس تقریر سے اس مصلحت کا قوم کی طرف راجع ہونا ظاہر ہو گیا، جب یہ مصلحت عام قوم

گی ہے تو مثال طبیب کی طرح ان صاحبوں کے نفقات جو کہ اس مصلحت کی تکمیل میں مشغول ہیں یعنی دین کے علماء وطلباء مجموعہ قوم کے ذمہ واجب ہوں گے۔

مذکورہ صاحبان کے نفقہ کے لئے مہتمم مدرسہ کو چندہ دینا

پھر جس وقت تک بیت المال منتظم تھا بیت المال سے وصول ہو جانا عامہ مسلمین سے وصول ہو جانے کی صورت تھی چنانچہ فقہاء نے قضاۃ وعلماء ومفتیین واشباہہم کی کفایت کا بیت المال میں سے ہونا تصریحاً لکھا ہے، اور جب سے بیت المال منتظم نہیں رہا اب اس کی صورت صرف یہی ہے کہ سب مسلمان متفق ومجتمع ہو کر تھوڑا تھوڑا سب ان حضرات کی خدمت بقدر کفایت کریں، خواہ مدرسہ کی شکل میں ہو جس میں ضوابط وقواعد مقرر ہوتے ہیں، اور ان صاحبوں کی تنخواہیں اور وظیفے مقرر ہوتے ہیں، اور یہ سہل اور اقرب الی الضبط وآسان اور اشتغال کے لحاظ سے بہتر ہے اور خواہ توکل کی صورت میں ہو جس میں کوئی مقدار معین نہیں جو کسی کو توفیق ہوئی بلا واسطہ کسی مہتمم وغیرہ کے خود ان کی نذر کر دے، اور یہ اقرب الی الخلوص وسلوک کے قریب ہے۔

اور یہ مسئلہ قرآنی منصوص بھی ہے، قال اللہ تعالیٰ:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ (البقرہ، آیت ۲۷۳)	اس میں حق اُن حاجتمندوں کا بھی ہے جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ میں اس لئے کہ وہ زمین میں محنت مشقت نہیں کر سکتے۔

اس آیت میں اگر ان امور پر نظر کی جاوے کہ لام استحقاق کا ہے، لفظ فقراء احتیاج کو بتلا رہا ہے، اُحْصِرُوْا احتباس پر دلالت کر رہا ہے، اور فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کی تفسیر طالب علم کے ساتھ منقول ہے، اور لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا عدم تفرغ لاسباب المعاش (اسباب معاش کی فرصت نہ ہونے) کی طرف اشارہ کر رہا ہے، تو تقریر مذکور کی صریح دلیل ہے۔

پس علماء وطلباء سے جو سوال کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ جو علم دین میں مشغول ہیں آخر انہوں نے معاش کا کیا انتظام کیا ہے، تو عجیب بات ہے کہ سوال کا حق تو ان کو تھا بالعکس (اُلٹا) وہ ان سے پوچھنے لگے۔

اب معلوم ہو گیا ہو گا کہ جب اس کا انتظام قوم پر واجب ہے تو اگر ان کی خدمت میں کوتاہی کریں گے تو قیامت میں اُن سے بازپرس ہو گی اور اس تقریر سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تعلیم دین پر جو تنخواہ لی جاتی ہے اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کے قول جواز اخذ الاجرت علی الطاعات

دینیات پر معاوضہ حاصل کرنے کے جواز ہونے پر فتویٰ دینے کی حاجت نہیں، اس کو اجرت ہی کیوں کہا جائے (کفایت جزاء الحبس یا پابندی کے بدلے کے لئے کفالت) کہا جائے، تو خود امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر اس کا جواز ثابت رہے گا۔

اگر یہ شبہ کیا جائے کہ یہ سب موقوف اس پر ہے کہ یہ لوگ اپنی معاش کے لئے فارغ نہیں ہیں اور ہم یہ نہیں مانتے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات تجربہ سے معلوم ہوتی ہے کہ اگر یہ لوگ معاش میں مشغول ہوں۔۔۔ تو ان خدمات دینیہ کا ایسا حق ادا نہیں کرسکتے جیسا کہ بالکل اس کے لئے فارغ ہوں اس وقت ادا کرسکتے ہیں، اور تجارب میں منازعت (تجربہ شدہ معاملہ میں بحث) نہیں ہوسکتی، حق تعالیٰ نے جن کی نسبت لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ فرمایا ہے وہ اپاہج نہ تھے، بلکہ غایت درجہ مشغول فی سبیل اللہ تھے۔

علماء کی دینی خدمات معلوم کرنے کا معیار

البتہ اس تقریر سے وہ علماء مستثنیٰ ہوسکتے ہیں جن کی نسبت محض دینی خدمت سے مطلب اوّل نہیں ہے، اور اس کا معیار یہ ہے کہ اگر ایک جگہ تنخواہ میں توسط کے ساتھ گذر ہو رہا ہے اور دوسری جگہ سے زیادہ تنخواہ کا پیام آئے اور دوسری جگہ جانے میں کوئی دینی مصلحت زیادہ نہ ہو تو یہ شخص وہاں جانے سے انکار کردے، بس یہ معیار ہے ورنہ بے شک یہ اجیر (مزدور) ہے، اور ایسے شخص کی تنخواہ کا تعیین اس کو رزق کفایت ہونے سے نہ نکالے گا، بلکہ تعیین بمصلحت قطع نزاع (جھگڑے کو ختم کرنا) کہا جائے گا جس سے وہ اجرت نہ ہوگی۔

مادّی نفقہ کے احکام ختم ہوئے

باب النفقات الروحانیة

نفقاتِ روحانیہ کا مفہوم: نفقاتِ روحانیہ سے مراد دینی تعلیم و تربیت ہے، اوپر اہل و عیال کے حقوق متعلقہ انفاق رزق حسّی یعنی مادی رزق کے بیان کئے گئے تھے، ایک قسم انفاق اور رزق کی معنوی بھی ہے، یعنی دینی تعلیم و تربیت کے متعلق جو اہل و عیال کے حقوق ہیں۔

چنانچہ سورۂ بقرہ میں ہے:-

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۔ (البقرۃ، آیت ۳)	(اور جو کچھ رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں)۔
كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ ۔ (البقرۃ، آیت ۲۵)	(جب کبھی دیئے جائیں گے وہ لوگ ان جنتوں میں سے کسی پھل کی غذا ۔۔)

کی تفسیر البذل من النعم الظاهرة والباطنة کے ساتھ مع اس کی توجیہ علم لایعمل به (ولا ینفق منه) کے اور مرزوق کی تفسیر العلومات والمعارف التی یستلزمها اصحاب الفطرة والعقول السلیمة کے ساتھ کرنا (کما فی الروح) اور دلیل ہے اس کی کہ رزق عام ہے معنوی کو بھی اور انفاق عام ہے رزق معنوی کو بھی، تو ایک نوع کے نفقات و ارزاق کے بعد دوسری نوع کے نفقات و ارزاق کے احکام کا بیان کیا جانا اولیٰ و احریٰ ہے، (بہتر اور موزوں ترین ہے) اس لئے اب دینی تعلیم و تربیت کے متعلق جو اہل و عیال کے حقوق ہیں وہ مذکور ہوتے ہیں:-

بیوی اور اولاد کی روحانی تربیت جسمانی پرورش سے زیادہ ضروری ہے: جاننا چاہئے کہ جس طرح نفقاتِ حسیّہ (مادی اخراجات) سے اپنی اور اولاد و اہل متعلقین کی جسمی تربیت ضروری ہے جس کا اوپر بیان کیا گیا ہے، اسی طرح علوم و طرقِ اصلاح (علوم اور اصلاح کے طریقوں) سے ان کی روحی تربیت اس سے زیادہ ضروری ہے، اس میں بھی انواع انواع (قسم قسم) کی کوتاہیاں اختیار کی جاتی ہیں۔

دین کی بات بتلانا اور امر منکر پر روکنا والدین پر بچوں کے حقوق میں داخل ہے۔

چنانچہ سب سے اول اور اعظم کرنا بھی ترتیب ہے کہ بہت لوگ اس کو ضروری ہی نہیں سمجھتے یعنی اپنے گھر والوں کو نہ کبھی دین کی بات بتلاتے ہیں، نہ کسی امر منکر پر جو کہ ان سے ہو اس پر روک ٹوک کرتے ہیں، بس ان کا حق اتنا ہی سمجھتے ہیں کہ ان کو ضروریات کے لائق خرچ دے دیا اور سکھا دیا روزی روٹی، بس ہو گئے حالانکہ قرآن مجید میں نص صریح ہے:

قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

(اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ)

اور سنت میں حدیث ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ

(تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور قیامت کے روز تم میں سے ہر ایک سے اس کے محکوموں کے بارے میں سوال ہوگا)

اس کے وجوب کو صاف بتلا رہے ہیں، نیز اس میں متعدد مرفوع حدیثیں ہیں:

أخفهم في الله ولا ترفع عنهم عصاك ورجل كانت عنده أمة يطأها فأدبها فأحسن تأديبها وعلمها فأحسن تعليمها (متفق عليه عن أبي موسى، كتاب الإيمان)

(یعنی ان کو اللہ سے ڈراؤ اور ان سے لکڑی نہ ہٹاؤ ترجمہ: یعنی ایک شخص جس کے پاس باندی ہے وہ اس سے وطی بھی کرتا ہے اور اسے اچھی طرح ادب سکھائے اور اچھی طرح تعلیم دے)

ومن عال ثلاث بنات أو مثلهن من الأخوات فأدبهن (رواه في شرح السنة عن ابن عباس)

(جس نے تین بیٹیوں یا اسی طرح تین بہنوں کی پرورش کی اور انہیں ادب سکھایا)

لأن يؤدب الرجل ولده خير من أن يتصدق بصاع، ترمذي عن جابر بن سمرة

(یعنی آدمی اپنے لڑکے کو ادب سکھائے اس سے بہتر ہے کہ ایک صاع صدقہ کرے)

ما نحل والد ولده من نحل أفضل من أدب حسن (ترمذي عن أيوب بن موسى)

(کسی والد نے اپنی اولاد کو اچھے ادب سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں دی)

مُرُوا صِبْيَانَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعٍ وَإِذَا بَلَغُوا عَشْرًا فَاضْرِبُوهُمْ	بچے لڑکوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات برس کے ہو جائیں اور جب وہ دس برس کی عمر کو پہنچ جائیں تو مار کر نماز پڑھواؤ۔

یہ سب نصوص دلالت کرتی ہیں تعلیم و تربیت دونوں کی مطلوبیت پر،

لڑکیوں کو دینی تعلیم دینا ضروری ہے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ لڑکوں کی تعلیم کو تو ضروری سمجھتے ہیں، مگر بیٹیوں کی اور لڑکیوں کی تعلیم کو ضروری نہیں سمجھتے، بلکہ تعلیم نسواں کو مضر سمجھتے ہیں، جیسا کہ اس کے مقابلہ میں بعض لوگ نسواں (عورتوں) کے لئے تعلیم جدید[1] کو یا تعلیم قدیم کو بطرز جدید بھی ضروری سمجھتے ہیں، سو اس کی کافی بحث تعلیم نسواں کی تحقیق میں اسی رسالہ میں گزر چکی ہے[2]، ضرور ملاحظہ فرمائی جائے، اس سے ان کوتاہیوں کا اور ان کے تدارک کا ایک طرح علم ہو جائے گا،

تربیت کی ضرورت تعلیم سے بھی اہم ہے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ تعلیم کو تو سب کے لئے ضروری سمجھتے ہیں مگر تربیت کو ضروری نہیں سمجھتے حالانکہ تربیت کی ضرورت تعلیم سے بھی اہم ہے، تعلیم درسی سے تو من کل الوجوہ (ہر اعتبار سے) اور مطلق تعلیم سے من وجہ (بعض وجوہ سے)، تعلیم درسی سے تو اس لئے کہ وہ فرض عین نہیں، بہت صحابہ علوم درسیہ سے خالی تھے مگر ان پر کسی نے اس کو لازم نہیں کیا گیا، اور تربیت یعنی تہذیب نفس ہر شخص پر فرض عین ہے، اور مطلق تعلیم سے اس لئے کہ مقصود تعلیم سے تربیت ہی ہوتی ہے، کیونکہ تعلیم علم دیتی ہے، اور تربیت عمل کراتی ہے اور علم سے مقصود عمل ہی ہے، اور مقصود کا اہم ہونا ظاہر ہے، اور اس سے اعمال جوارح (انسانی اعضاء سے متعلق اعمال صالحہ) کا عقائد سے اہم ہونے کا اشکال لازم نہیں آتا، کیونکہ عقائد تو خود علوم مقصودہ بالذات ہیں، اور گفتگو ان علوم میں ہے جو عمل کے لئے مقصود ہیں، اور من وجہ (ایک طرح) اس لئے کہا گیا کہ بعض حیثیتوں سے یہ علوم افضل ہیں اعمال سے کہ علم اصل اور مبنا ہے اور عمل اس کی

---

[1] جس کا مہلک ہونا ظاہر ہے بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن ۔ اسی علم کو کہتے ہیں ارباب نظر موت

[2] ملاحظہ ہو اصلاح معاملات متعلقہ بہ تعلیم نسواں اس عبارت تک "یہی فیصلہ ہے عقلاء کے اختلاف کا" اصلاح انقلاب امت جلد اول ص ، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۴،

فرع اور اس پر مبنی، بہرحال تربیت یا تعلیم سے اہم ہے یا اس کے برابر مہتم بالشان ہی سہی، مگر اس سے قطع نظر کرنے کی اور ضروری نہ سمجھنے کی تو کسی حال میں گنجائش نہیں،

تربیت آجکل کی تہذیب کا نام نہیں۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ تربیت کو بمعنی تہذیب سمجھتے ہیں مگر اس کی حقیقت تہذیب عرفی سمجھتے ہیں، چنانچہ اسی کا اہتمام بھی کرتے ہیں، گو وہ شریعت مقدسہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، حتی کہ میں نے ایک معزز تعلیم یافتہ کا جو کہ طبیب بھی تھے بچشم خود یہ واقعہ دیکھا کہ ان کی گود میں ایک بچہ تھا، ایک صاحب ان سے ملنے آئے، تو انہوں نے اس بچے کو حکم دیا کہ ان کو سلام کرو، یہاں تک تو نہایت خوبی کی بات تھی، اس بچے نے کہا السلام علیکم، تو حکیم صاحب کیا فرماتے ہیں یوں نہیں کہتے اس طرح کہو آداب عرض، وہ ملاقاتی صاحب بڑے آدمی تھے بہت بگڑے، اور کہا افسوس! بچہ تو سنت کے موافق عمل کرے اور آپ اس کو بدعت کی تعلیم دیں، تو وجہ اس کی یہی ہے کہ تہذیب شرعی ان کی نظر میں کوئی چیز نہیں حالانکہ مسلمان کو جس تہذیب کا امر ہے وہ تہذیب شرعی ہے،

آجکل کی تہذیب کو تعذیب کہنا چاہئے

بلکہ دونوں تہذیبوں کی حقیقت اور ان کے آثار میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب عرفی جو کہ تہذیب شرعی کے منافی ہو اس قابل بھی نہیں کہ اس کو تہذیب کہا جاسکے، بلکہ احقر تو اس کو تعذیب (عذاب) کہا کرتا ہے، کیونکہ حقیقت اس کی تکلف ہے، اور تکلف سے جو کلفتیں ہوتی ہیں وہ ظاہر ہیں، بلکہ تکلف کو تکلف کہتے ہی اس لئے ہیں کہ اس میں کلفتوں کو برداشت کرنا ہوتا ہے، امراء کی مجالس میں اس کا مشاہدہ ہو سکتا ہے،

حقیقی تہذیب، تہذیب شرعی کا نام ہے،

حقیقی تہذیب، تہذیب شرعی ہی ہے، چنانچہ متبعین سنت جو اس تہذیب کے عامل ہیں وہ جس راحت میں ہیں اس کا مشاہدہ محققین علماء و مشائخ کی مجالس میں کر لیا جاوے، اور آخری بات یہ ہے کہ اگر تہذیب غیر شرعی میں کلفت بھی نہ ہو اور تہذیب شرعی میں راحت بھی نہ ہو تب بھی جب مسلمان کے لئے ایک منہی عنہ (ممنوع) ہے اور دوسری مامور بہ (جس کا حکم دیا گیا ہے) تو مسلمان پر مسلمان ہونے کی حیثیت سے ایک کا ترک دوسرے کا فعل لازم ہوگا، جیسے اگر نماز کے لئے اٹھنے میں مشقت ہو اور گرم بستر میں لیٹے رہنے سے راحت ہو مگر اس مشقت کو اس راحت پر ترجیح ہوگی، پھر اس کا بھی مشاہدہ عمل آنکھوں سے ہر عامل کرے گا کہ یہ مشقت اور یہ راحت چند روزہ ہے پھر تو ایسا ذوق صحیح حاصل ہوگا کہ موافقت شرع کے بعد کسی چیز میں کلفت نہ معلوم ہوگی اور خلاف شرع کرکے کسی چیز میں راحت نہ معلوم ہوگی، جیسی کہ چند روز سے جھوٹی باتیں ... چند روز کو شش کر کے دیکھ لو، ہمت رہ بھی جنت کر۔

خوش ترتیب جو تہذیب شرعی کا نام ہے اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

تہذیب شرعی کے اپنانے میں عملی کوتاہی

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ ضرورت بھی اس تہذیب شرعی کی سمجھتے ہیں اور اس کا تصدیق بھی کرتے ہیں، مگر اس کی حقیقت نہیں سمجھتے اس لئے اس میں عملاً و رشداً فرو گذاشتیں کرتے ہیں، اور اس اخیر کوتاہی میں دیندار بکثرت مبتلا ہیں، ان میں بعضے اہل علم بھی بلکہ بعض اہل طریقت بھی ہیں کہ بہت سے شعبے ان کے ذہن میں بھی نہیں آتے، اور اس وجہ سے خود ان سے ایسی حرکات صادر ہوتی ہیں جو سراسر عقل اور دین کے خلاف ہوتی ہیں اور ان بزرگوں کو ان کا احساس تک نہیں ہوتا، جب خود یہ حالت ہو تو دوسروں کی تو کیا اصلاح کریں گے! اور وجہ اس کی یہی ہے کہ ان کو تہذیب شرعی کی حقیقت نہیں معلوم ہوئی، اور باوجود اس کے کہ ان میں سے بعض نے دیانات بھی پوری کر لی ہیں اور بعضے خدمت تدریس پر بھی مصروف ہیں، اور شب و روز قرآن و حدیث زبان پر جاری ہیں، پھر بھی بے خبری ہے، اس کی وجہ یہ نہیں کہ قرآن و حدیث میں اس کی تعلیم نہیں، بلکہ وجہ صرف یہ ہے کہ ان صاحبوں کو اس طرف التفات نہیں، قرآن مجید میں

أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۔	(نماز کی پابندی کرتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو)

کو دیکھتے ہیں مگر

لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۔ (المدثر آیت ۶)	(اور کسی کو اس غرض سے مت دو کہ دوسرے وقت زیادہ معاوضہ چاہو)

کو نہیں دیکھتے،

لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۔ (النور آیت ۲۷)	(تم اپنے خاص رہنے کے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کر لو اور اجازت لینے کے قبل ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو)

کے مجموعہ پر نظر نہیں کرتے، مجھ کو خود ایک ذی علم کے ساتھ اس باب میں مکالمت و گفتگو کا اتفاق ہوا، جو شب کے وقت میرے مردانہ مکان کے پھاٹک پر پہنچے، وقت ایسا تھا کہ سب سو گئے تھے اور وہاں کوئی شناسا بھی نہ تھا، آواز دی، ملازم جاگا اور پوچھا، پھاٹک کھولنے کا حکم دیا کہ ہم تحریر ہیں تھے، اس کو بوجہ بے وقت ہو جانے کے اور ان کو نہ پہچاننے کے بلا اطمینان ہوئے اس لئے

اس نے ادب کے ساتھ کچھ عذر بھی کیا، مگر جب تاکیدی حکم ملا تو اس نے مروت کے سبب پھاٹک کھول دیا، اور وہ دیوان خانہ میں آکر مقیم ہو گئے، صبح کو مجھ کو واقعہ معلوم ہوا، میں نے اُن سے یہ آیت پڑھ کر بلا اذن (بغیر اجازت) ٹھہرنے کی وجہ پوچھی، انھوں نے فرمایا یہ آیت خاص زنانخانے کے متعلق ہے، میں نے اس تخصیص کی دلیل پوچھی، جواب ندارد۔

اسی طرح ان آیتوں پر ان کی نظر نہیں پڑتی،

فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا (النساء، آیت ۴)	(ترجمہ: ہاں اگر وہ بیبیاں خوش دلی سے چھوڑ دیں تم کو اس مہر میں کا کوئی جزء تو تم اس کو کھاؤ مزہ دار خوشگوار سمجھ کر۔
وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ، (البقرة، آیت ۲۳۷)	(ترجمہ: اور تمہارا معاف کرنا تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔)

کہ حق تعالیٰ نے مہر کی معافی کی صحت کے لئے طیب نفس کی شرط لگائی، اور پھر اقرب الی التقویٰ عالی ہمتی کو فرمایا کہ بجائے ان سے معاف کرانے کے اُن کے حق سے زائد ان کو دیدو،

لوگوں کو مجبور کرکے چندہ وصول کرنا جائز نہیں

چنانچہ اس لغزش میں پڑنے کا ثمرہ یہ ہو کہ ایسے لوگوں سے جن کے ساتھ بیوی جیسی بے تکلفی بھی نہیں، یہ لوگ مسجد یا مدارس کے لئے خطاب خاص کرکے چندہ کا سوال کرتے ہیں، اور بوجہ بے تکلفی نہ ہونے کے وہ لوگ اُن کی وجاہت دنیویہ یا دینیہ سے مرعوب اور مغلوب ہو کر آزادی کے ساتھ اپنی رائے ظاہر نہیں کر سکتے، اور کراہت کے ساتھ اس سوال کو پورا کرتے ہیں، موٹی بات یہ ہے کہ بیوی جس سے نہایت درجہ بے تکلفی ہے اور جہاں غالب طیب خاطر ہے جب اس سے معافی قبول کرنے میں طیب خاطر کو شرط قرار دیا گیا ہے جو تکلف کے موقع پر جہاں ایسا تعلق بھی نہیں اس طیب خاطر کا اہتمام کیوں نہ شرط ہوگا، چنانچہ ایک حدیث میں اس کی غایت درجہ کی تصریح فرمائی ہے

أَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا بِطِيبِ نَفْسٍ مِنْهُ،	(ترجمہ: یاد رکھو کسی مسلمان کا مال بدون اس کی مرضی کے حلال نہیں۔)

بلکہ عالی ہمتی و عالی حوصلگی و نیز بقاء عزت دین کا مقتضا تو یہ تھا کہ اس باب میں بالکل ہی یکسوئی اختیار کرتے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی سنت پر رہتے، جیسے قالوا لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا (نہیں تم سے اس پر مال کا سوال نہیں کرتا) نظر نہ ہونے نے اس غلو (آفت) میں مبتلا کیا،

اباحت تصرف اذن میں کوتاہ نظری اباحت تصرف مال کی مثال کے متعلق کوتاہ نظری کے ضمن میں ہے ایک اور واقعہ ہے کہ میرے یہاں ایک مولانا مہمان آئے، گھر سے اُن کے لئے کھانا آیا تو آپ نے ایک دوست ہم وطن کو اصرار کرکے کھانے میں شریک کرلیا میرے ملازم نے کہا کہ بلا اجازت مالک کے یہ تصرف جائز نہیں معلوم ہوتا فرمانے لگے ہم تحقیق کرلیں گے، مگر ان کے نزدیک یہ امر تنا مہتم بالشان ہی نہ تھا جو تحقیق کو ضروری سمجھتے، چنانچہ تحقیق نہیں فرمایا، اسی طرح کئی روز گذر گئے، آخر میں نے ہی ایک روز ان سے تذکرہ کیا تو فرماتے ہیں میں نے یہ سمجھا کہ یہ سب میرے ہی لئے ہے اور تھا بھی یہی، میں نے دوست کو شریک کرلیا، میں نے کہا حیرت ہے، آپ کے پاس اس کی کیا دلیل تھی کہ یہ تملیکاً آیا ہے؟ بلکہ ظاہر تو یہی تھا کہ اباحۃً آیا ہے، اور وہ اباحت مقید ہے تصرف خاص کے ساتھ کہ وہ آپ کا نوش فرمانا ہے، اور زیادہ اس لئے بھیجا جاتا ہے کہ مہمان کو کمی نہ ہو، اور شاید وہ روٹی رہ جاتا جو اسی وقت بچ جاتے تو آپ نے یہ دوسرا تصرف کس بنا پر کیا؟

ترتیب اخلاق کی نظر سے قرآن و حدیث نہ دیکھنے والے علماء کی چند کوتاہیاں

غرض ان باتوں کی پرواہ ہی نہیں، سب کی وجہ یہی ہے کہ ترتیب اخلاق کی نظر سے قرآن و حدیث کو نہیں دیکھا۔ اسی طرح بعض اہل علم و اہل مشیخت میں ایک بلا یہ عام شائع ہے، الا ماشاء اللہ، کہ اپنے ساتھ دعوت میں دو چار کو اور اگر بڑے مقتدا ہوتے ہیں تو بیس پچیس کو اگر غیر محتاط ہوتے ہیں لے جاتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ صاحب دعوت کی اجازت ہو ہی گی، حالانکہ کثرت سے مشاہدہ ہوتا ہے کہ صاحب دعوت کو گراں گزرتا ہے، مگر ان کو کچھ بحث نہیں، ان میں بعضے اجازت کی ضرورت بھی سمجھتے ہیں مگر خود اجازت کی حقیقت نہیں سمجھتے۔ اجازت لینا وہ ہے جہاں اجازت دینے والا آزادی سے انکار بھی کر سکے جس طرح حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر دعوت میں ایک زائد شخص کی اجازت لی۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ حالت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثار خادموں کو اس قدر بے تکلف کر رکھا تھا کہ جب ان کی رائے نہ ہوتی تو صاف انکار بھی کر دیتے، چنانچہ ایک فارسی کا شوربا پکانا اور آپ کی دعوت کرنا اور آپ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے پوچھنا اور اس کا انکار کر دینا، اور آپ کا برا نہ ماننا اور اسی طرح حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے مغیثؓ کی سفارش فرمانا اور اس کا انکار کر دینا حدیثوں میں مشہور ہے، کیا آج کسی مرید کی ہمت ہے کہ وہ اس طرح پیر کی اجازت لینے پر انکار کر سکے، یا کسی پیر کی ہمت ہے کہ مرید کے ایسے انکار کو بشاشت کے ساتھ قبول کرلے، حضرت قیامت قائم ہو جائے، تو ایسی اجازت کا تو لینا معتبر نہ دینا معتبر، سو ان صاحبوں کو اجازت کی حقیقت سے ہی

آگاہی نہیں، غرض یہ وہ جماعت ہے کہ ضرورت تو تہذیب شرعی کی سمجھتے ہیں، مگر اس کی حقیقت سے بے خبر ہیں، یہ مختصر نمونہ ہے تعلیم و تربیت کے متعلق کوتاہیوں کا، اور ضرورت دونوں امر کی عام ہوئی۔

تعلیم و تربیت کا اثر ابتداء ہی میں مستحکم ہوسکتا ہے۔

اور تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ ابتداء ہی سے جو تعلیم و تربیت ہو اس کا جو اثر ہوتا ہے کہ علوم و اعمال مثل امور نظریہ و طبعیہ کے ہو جاتے ہیں، وہ بات بعد میں نہیں ہوتی، اور یہ کام ماں باپ اور مربی ہستیوں کا ہے، اور وہ عموماً اس میں کوتاہی کرتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب طبیعتیں اور بداخلاقیاں طبیعت ثانیہ بن جاتی ہیں، پھر بعد میں جو شخص اس کا اہتمام کرنا چاہے، مثلاً عورت کے لئے شوہر اور مردوں کے لئے استاد و پیر ان کو سخت دقت کا سامنا ہوتا ہے، اور بعض ناگواری درجۂ منافرت تک پہنچ جاتی ہے، دوسرے مصلحین سے تو یہ منافرت صرف مباعدت (دوری) کی صورت پیدا کرلیتی ہے،

عورتوں کی اصلاح کی طرف پوری توجہ دینی چاہئے!

مگر زوجین کا تعلق ایسا ہے کہ ہر وقت کا سابقہ رہتا ہے، اور مرد اپنی مصلحتوں سے قطع تعلق کو پسند نہیں کرتا، اور نہ عورت کی بے التفاتی کی برداشت کرتا ہے تو یہاں ہمیشہ کے لئے منازعت و مناقشت (لڑائی جھگڑے) کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے، جس کے نتائج جانبین کے حق میں بُرے بُرے پیدا ہوتے رہتے ہیں، اور دونوں کی زندگی موت سے بھی تلخ تر ہو جاتی ہے، اور ان سب کا سبب اکثر وہی ابتداء میں اصلاح کی طرف توجہ نہ کرنا ہے، لیکن اگر ایسا اتفاق ہو گیا تو یہ بھی نہیں کہ ان لوگوں کو مہمل چھوڑ دیا جائے بلکہ جب قدرت ہو تب بھی اس کی سعی کرنا ضروری ہے؛

تہذیب شرعی پر عمل درآمد کا طریقہ

اور قدرت دو قسم کی ہے، ایک دینی اور ایک قہری، سو اول دینی تو پیر اور استاد کی ہے، اور قہری حاکم کی ہے خواہ بحکومت عامہ ہو جیسے سلطان و نائب سلطان، خواہ بحکومت خاصہ جیسے عورت کے لئے شوہر یا غلام کے لئے آقا، سو مردوں کے لئے تو تہذیب شرعی کے لئے حکومت قہریہ کے اسباب بہت کم مجتمع ہوتے ہیں، کیونکہ سلاطین کو تو اس طرف توجہ ہی نہیں، اور غلام کسی کے ہیں نہیں، اب رہ گئی حکومت ارادیہ سو اس کے اثر سے نکل جانا ہر وقت ان کے اختیار میں ہے، اس لئے مردوں کی اصلاح کے اسباب بے شک ضعیف ہیں، البتہ عورتوں کے لئے مادۂ شوہر کا ہونا لازم ہے، اور گو کبھی اس کی مدت قصیر (کم) بھی ہوتی ہے مگر اکثر طویل ہی ہوتی ہے، سو عورتوں کی اصلاح کا طریق بہت سہل ہے،

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ماں باپ یا پرورش کنندہ کے ذمہ بچوں کی تعلیم و تربیت ضروری ہوئی

اور شوہر کے ذمہ بیبیوں کی اصلاح ہے اس لئے اسی مضمون کو بیان کرنا مقصود ہے، باقی جس کو جس پر قدرت ہو اور جس قسم کی ہو وہ اسی پر قیاس کر لی جائے. ممکن ہے کہ استطراداً اس کے بھی کچھ مضامین مذکور ہو جائیں پس سنئے:

عورتوں کی تعلیم و تربیت کے مختصر اور ضروری قواعد

تعلیم و تربیت کے مختصر و ضروری قواعد مختصر طور پر لکھے جاتے ہیں۔

(۱) جب گھر میں بی بی کو نکاح کر کے لائے اوّل اس کو اپنے سے بے تکلف کرے، اس کے بعد عقائد ضروریہ میں سے اس کا امتحان لے یعنی بہشتی زیور کے اوّل حصہ میں جو عقائد ضروریہ لکھے ہیں ان کو سنا کر اور سمجھا کر اس سے پوچھے کہ کیا تیرا یہی عقیدہ ہے، جس کا وہ اقرار کرلے اس اقرار پر اکتفا کرے، اس کی ضرورت نہیں کہ وہ اپنی زبان سے پوری تقریر کر سکے، بعض عوام اس پر قادر نہیں ہوتے تو ایسے لوگوں کو اس کی تکلیف نہ دی جائے، اور جس میں وہ تردد و شک ظاہر کرے اس کو خوب سمجھا کر بتلادے کہ یہ عقیدہ ضروری ہے، اسی کے موافق اپنا اعتقاد رکھے،

(۲) اس کی پوری نماز سن لے یعنی جو کچھ نماز میں پڑھا جاتا ہے وہ بھی اور رکعات کی تعداد بھی فرض اور واجب اور سنتوں کی، اور ہر ایک کی جس طرح نیت کی جاتی ہے، اور رکوع و سجدہ و قعدہ کی ہیئت سب پوچھ لے، اور دیکھ لے، جہاں کوئی غلطی ہو اس کو درست کردے، اور درست کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ بس ایک دفعہ زبان سے کہہ دیا، ممکن ہے کہ وہ بھول جائے، اور ممکن ہے کہ بہت سی غلطیوں پر ایک دم سے تنبیہ کیا، وہ سب کو ضبط نہ کر سکی۔ اس لئے ایک ایک غلطی کی اصلاح کر کے اس پر بار بار عمل کرا کر دیکھ لے، اس طرح سے تمام نماز کو درست کر دے،

(۳) اس کو پردہ کے سب احکام و مسائل بتلادے، کہ کس کس سے پردہ کرنا ضروری ہے، اور کون کون محرم ہیں، اور اس کی بہت تاکید کر دے، یہ سب مسائل بہشتی زیور میں ملیں گے، ان کو دیکھ دیکھ کر بتلادے،

(۴) اس کو اہل حقوق کے حقوق خصوصاً جن سے ہر وقت سابقہ و واسطہ پڑے گا بتادے، رسالہ حقوق الاسلام میں یہ حقوق مذکور ہیں، خواہ اس کو پڑھ کر سنادے یا سمجھادے،

(۵) رسوم جاہلیت کی قباحت اس کے دل میں بٹھلادے، اور ان سے ایسی نفرت دلادے کہ وہ ان کے پاس نہ پھٹکے، اصلاح الرسوم اس کے لئے کافی ہے، نیز اس کے دیگر اعمال و اخلاق و عادات کی اصلاح کی بھی کوشش جاری رکھے، جس کے لئے آسان طریقہ یہ ہے کہ کتب ذیل اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے سنادے:

بہشتی زیور تمام، فروع الایمان، جزاء الاعمال، قصد السبیل، تعلیم الدین، اصلاح الرسوم، تبلیغ دین، آداب المعاشرت، احقر کے مواعظ[1]، جو کہ تخمیناً سو کی تعداد میں کچھ کم و بیش چھپ چکے ہیں، یہ رسالہ اصلاح انقلاب... جتنا چھپ جائے، ترجمہ روح تحقیق الرباعیین اگر چھپ جائے۔ اور جو کوئی حرکت ان کتابوں کے خلاف ہو نرمی سے مطلع کرے، اور بار بار مطلع کرنے سے اکتائے نہیں، انشاء اللہ ضرور اثر اور نفع ہوگا،

قال اللہ تعالیٰ وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ (الذاریات آیت ۵۵) | (اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور سمجھاتے رہئے کیونکہ سمجھانا ایمان والوں کو (بھی) نفع دے گا)

(۶) خرچ کرنے کے آداب اس کو بتا دے کہ فضولیات میں خرچ نہ کرے،

(۷) زیور اور زینت میں حد سے زیادہ .... اہتمام کرنے سے اس کو نفرت دلائے،

(۸) تھوڑا سا ذکر و شغل اس کو قصد السبیل سے بتلا دے، اگر کوئی شیخ متبع سنت محقق میسر ہو اس کی برکات و کمالات اس کے سامنے بیان کرکے جب اس کو اعتقاد ہو جائے اس کو بیعت کرا دے کہ اس کو اتباع کی سہولت میں دخل عظیم ہے،

(۹) اگر تھوڑا وقت فرصت کا نکال کر کچھ لکھ پڑھ لے اس قدر کہ کتب مذکورہ کو پڑھ کر سمجھ سکے تو زیادہ بہتر ہے، اس سے اس کی نظر دین پر وسیع ہو جاتی ہے، اور جس قدر نظر وسیع ہوگی اسی قدر اصلاح میں ترقی کی امید ہے،

بچوں کی تربیت کا طریقہ

(۱۰) پھر خدا تعالیٰ جب اولاد دے اور وہ سیانی ہونے لگے تو سب سے اول اس کو کلمہ توحید سکھلا دے، پھر اس کو ضروری آداب کی تعلیم کرے،

(۱۱) جب سامنے آئے سلام کرے،

(۱۲) کسی کے پاس کوئی چیز دیکھے تو حرص نہ کرے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی وسعت و حیثیت کے موافق اس کی مرغوب (پسندیدہ) چیزیں خود منگا کر اس کو کھلاتا پلاتا رہے، اور جب وہ ضد کرے ہرگز اس کی ضد پوری نہ کرے، تاکہ ضد کرنے کی عادت چھوٹ جائے،

(۱۳) اس کو یہ عادت ڈالے کہ کوئی چیز تنہا نہ کھائے، بلکہ دوسرے بچوں کو تقسیم کرکے کھائے، اور اس کے لئے یہ رعایت رکھنا ضروری ہے کہ جو چیز اس کو دے خواہ نقد یا غیر نقد اس کی ملک نہ کرے

---

[1] حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز کے مواعظ کا مطالعہ اصلاح نفس کے لئے تریاق کا حکم رکھتا ہے ان کی تعداد ۳۰۰ کے قریب ہے ۱۲

کیونکہ ملک ہو جانے کے بعد نابالغ کو تبرع کرنا جائز نہیں، بلکہ اباحت کے طور پر بھی نہ تو دوسروں کو دینا اور نہ ان سے دوسروں کو لینا جائز ہے۔

(۱۴) جھوٹ بولنے سے اس کو نفرت دلائے۔

(۱۵) پردہ اور حیا کی اس کو تعلیم کرے۔

(۱۶) اس کو یہ عادت ڈالے کہ اگر اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس کا اقرار کر لیا کرے، اور اگر وہ غلطی متعدی ہو تو صاحب حق سے معاف کرا لے۔ اس کی عادت ڈالنا بہت ضروری ہے کہ اس میں اس کے دین کی سلامتی اور دنیا میں موجب عزت و راحت ہے، اور اس میں اینچ پینچ کرنا تکبر اور ہیٹھی کے لئے موجب نفرت و ذلت ہے۔

(۱۷) اس کو بھی عادت ڈالے کہ حق کی پاسداری کبھی نہ کرے، حق واضح ہو جانے کے بعد گو اپنے سے کم درجہ کا آدمی اس پر مطلع کرے فوراً اس کا اتباع کرے، اور برابر والوں میں اس کو تواضع اور خاکساری کی عادت ڈالے۔

(۱۸) لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک جگہ نہ کھیلنے دے اگر وہ نامحرم ہیں تو آئندہ کے مفاسد کا اس میں انسداد ہے، اور اگر وہ محرم ہیں تو لڑکیوں میں قلت حیا پیدا ہونے کا اور لڑکوں میں نفس پرستی کا احتمال ہے۔

(۱۹) اس کی عادت ڈالے کہ وہ چھپ کر کوئی کام نہ کریں، چھپ کر جو بری کام کرے گا جس کو برا سمجھے گا، تو گویا ابتداء ہی سے وہ برا کام کرنے کا خوگر و عادی ہو جائے گا۔

(۲۰) خود بھی بچوں کے سامنے کوئی نامناسب کام یا بے حیائی کا کام نہ کرے، گو بچہ اتنا چھوٹا ہو کہ بول بھی نہ سکتا ہو کیونکہ اس فعل کا عکس اس کے دماغ میں مرتسم و منقوش یعنی نقش ہو جاتا ہے، پھر اس کا اثر بڑے ہو جانے کے بعد ظاہر ہوگا۔

(۲۱) بعضی دل لگی کی عادت اس میں نہ پیدا ہونے دے کہ اس سے مادہ بے باکی کا پیدا ہوگا، کیونکہ محل بے محل کی سمجھ و تمیز نہیں ہوگی۔

(۲۲) اس کا اہتمام رکھیں کہ سیانے بچوں میں دوستی نہ پیدا ہونے پائے کہ اس کے مفاسد بے شمار ہیں، اور اگر ان کو باہم کھیلنے میں کوئی مصلحت ہو تو ان کے کھیل کے وقت خود حاضر رہیں، بعد میں اختلاط و میل جول نہ ہونے دے۔

(۲۳) سیانے لڑکوں کو علماء محققین اور مشائخ محققین کی مجالس میں اپنے ساتھ لے جایا کرے۔

کہ ان حضرات کی صحبت و توجہ موجب برکات و تقویت علی الدین والطاعات ہے۔

(۲۴) جب بچہ سیانا ہو جائے اس کو نماز کی سورتیں اور دعائیں زبانی یاد کرائے اور نماز پڑھتا اور لڑکی ہو تو اس کو پردہ میں بٹھلادے۔

(۲۵) اور جب پڑھنے کا قابل ہو تو اس کو کسی ایسے مکتب میں جس کا معلم شفیق اور دیندار ہو بٹھلادے اور لڑکی ہو تو زنانہ مکتب میں بٹھلادے مگر آجکل جو زنانہ اسکول ایجاد ہوتے ہیں ان کی آب و ہوا اچھی نہیں ان سے بچائے۔

(۲۶) سب سے اول قرآن شریف پڑھوائے اگر دماغ متحمل ہو تو حفظ کرانا افضل ہے ورنہ ناظرہ ہی مگر صحیح خوان و صحیح پڑھانے والے سے پڑھوائے۔

(۲۷) اگر قرآن حفظ کرائے تو بعد ختم قرآن اور اگر ناظرہ پڑھوائے تو بعد نصف قرآن ایک سبق ان کتابوں کا شروع کرائے جو نمبر ۵ میں مذکور ہوئیں۔

(۲۸) اور خواہ ان سبقوں کے ساتھ تھوڑا سا وقت نکال کر یا ان کتابوں کے بعد بقدر ضرورت کچھ حساب اور املاء و انشاء کی مشق بھی ضرور کرا دی جائے کہ ان چیزوں سے دین میں بھی مدد پہنچتی ہے لڑکیوں کے لئے لکھنے نہ لکھنے کے مناسب یا نامناسب کی تحقیق اسی رسالہ کے بحث تعلیم نسواں میں گذر چکی ہے۔

(۲۹) ان کتابوں کے بعد اگر اللہ تعالیٰ فراغ دے تو عربی کی تعلیم بھی کرا دے کہ اس زمانے میں اس کی بڑی سخت ضرورت ہے، رہ گئی فکر حلال اور طیب جز و کسب معاش کے لئے سکھلا دینے کی پیشہ سے بیشتر مختلف ہے، بلکہ اگر علوم عربیہ کے ساتھ کوئی پیشہ مناسب حال طلبہ سکھلا دیا جائے تو علم دین کو ذریعہ معاش بنانے سے وہ بچ سکتے ہیں۔

(۳۰) اہل و عیال کی اصلاح و تادیب میں مضامین ذیل سے بہت اعانت ملے گی، ضرور دیکھ کر اس کے موافق عمل کریں۔

رسالہ ہٰذا کی سرخی طریق اصلاح انقلاب طالبان احکام کے دستور العمل کے ختم تک۔

رسالہ ہٰذا کی سرخی سوم دفع انقلاب امر ہفتم کے ختم تک۔

حصہ دہم بہشتی زیور اول سے آخر اور چھٹے کے بیان تک۔

رسالہ اور مواعظ مضمون حقوق العیال جو اب تک حسب بیان مہتمم رسالہ الہادی پرچوں میں شائع ہوا ہے جلد اول کے سب باستثناء ۱۰، جلد دوم کے نمبر ۱، ۵، ۶، ۹۔ جلد سوم کے نمبر ۲، ۳، ۵، ۶، ۸، ۱۰، جلد چہارم

کا نمبر ۳۰ یہاں تک مضمون لکھنے کے بعد یاد آیا کہ بہشتی زیور کے چوتھے حصہ میں بذیل سرخی "اولاد کی پرورش کرنے کا طریقہ" اس کے متعلق کچھ تحریر کی دستور العمل ہے، دیکھنے سے اس مقام پر اس کا بعینہ نقل کر دینا مناسب معلوم ہوا، گو اس میں بعض مباحث کا تکرار بھی ہے، مگر اس کے بہتم بالشان ہونے کے سبب تکرار کو گوارا کر کے اس میں تصرف گوارا نہیں کیا گیا، وہو ہذا۔

اولاد کے پرورش کرنے کا طریقہ جاننا چاہئے کہ یہ امر بہت ہی خیال رکھنے کے قابل ہے، کیونکہ بچپن میں جو عادت بھلی یا بری پختہ ہو جاتی ہے وہ عمر بھر نہیں جاتی، اس لئے بچپن سے جوان ہونے تک ان باتوں کا ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) نیک بخت دیندار عورت کا دودھ پلائیں۔ دودھ کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

(۲) عورتوں کی عادت ہے کہ بچے کو کہیں سپاہی سے ڈراتی ہیں کہیں اور ڈراونی چیزوں سے، یہ بری بات ہے، اس سے بچے کا دل کمزور ہو جاتا ہے۔

(۳) اس کے دودھ پلانے کے لئے اور کھلانے کے لئے وقت مقرر رکھو کہ وہ تندرست رہے۔

(۴) اس کو صاف ستھرا رکھو کہ اس سے تندرستی رہتی ہے۔

(۵) اس کا بہت سا بناؤ سنگار مت کرو۔

(۶) اگر لڑکا ہو اس کے سر پر بال مت بڑھاؤ۔

(۷) اگر لڑکی ہے اس کو جب تک پردہ میں بیٹھنے کے لائق نہ ہو جائے زیور مت پہناؤ، اس سے ایک تو جان کا خطرہ ہے، دوسرے بچپن ہی سے زیور کا شوق دل میں پیدا ہونا اچھا نہیں۔

(۸) بچوں کے ہاتھ سے غریبوں کو کھانا کپڑا پیسہ غرض ایسی چیزیں دلوایا کرو، اسی طرح کھانے پینے کی چیزیں اس کے بھائی بہنوں کو یا اور بچوں کو تقسیم کرایا کرو تاکہ ان کو سخاوت کی عادت ہو، مگر یہ یاد رکھو کہ تم اپنی چیزیں اس کے ہاتھ دلوایا کرو، خود جو چیز خریدنا ہے ابھی کی ہو اس کا دلوانا کسی کو درست نہیں۔

(۹) زیادہ کھانے والوں کی برائی اس کے سامنے کیا کرو، مگر کسی کا نام لے کر نہیں، بلکہ اس طرح کہ جو کوئی بہت کھاتا ہے لوگ اس کو حبشی کہتے ہیں، اس کو بیل جانتے ہیں۔

(۱۰) اگر لڑکا ہو سفید کپڑے کی رغبت اس کے دل میں پیدا کرو، اور رنگین اور تکلف کے لباس سے اس کو نفرت دلاؤ کہ ایسے کپڑے لڑکیاں پہنتی ہیں، تم ماشاء اللہ مرد ہو، ہمیشہ اس کے سامنے ایسی باتیں کیا کرو۔

(۱۱) اگر لڑکی ہو جب بھی زیادہ مانگ چوٹی بہت تکلف کے کپڑوں کی اس کی عادت مت ڈالو

(۱۲) اس کی سب ضدیں پوری مت کرو کہ اس سے مزاج بگڑ جاتا ہے۔

(۱۳) چلّا کر بولنے سے روکو خاص کر اگر لڑکی ہو تو چلانے پر خوب ڈانٹو، ورنہ بڑی ہو کر بھی عادت ہو جاوے گی۔

(۱۴) جن بچوں کی عادتیں خراب ہیں یا پڑھنے لکھنے سے بھاگتے ہیں یا تکلف کے کپڑے یا کھانے کے عادی ہیں ان کے پاس بیٹھنے سے، ان کے پاس کھیلنے سے ان کو بچاؤ۔

(۱۵) ان باتوں سے ان کو نفرت دلاتے رہو، غصہ، جھوٹ بولنا، کسی کو دیکھ کر جلنا، یا حرص کرنا، چوری، چغلی، اپنی بات کی پچ کرنا، خواہ مخواہ اس کو بنانا، بے فائدہ بہت باتیں کرنا، بے بات ہنسنا یا زیادہ ہنسنا، دھوکہ دینا، بھلی بری بات کا نہ سوچنا، اور جب ان باتوں میں سے کوئی بات ہو جاوے فوراً اس کو روکو اس پر تنبیہ کرو۔

(۱۶) اگر کوئی چیز توڑ پھوڑ دے یا کسی کو مار بیٹھے، مناسب سزا دو تاکہ پھر ایسا نہ کرے، ایسی باتوں میں پیار دلار ہمیشہ بچوں کو کھو دیتا ہے۔

(۱۷) بہت سویرے مت سونے دو۔

(۱۸) سویرے جاگنے کی عادت ڈالو۔

(۱۹) جب سات برس کی عمر ہو جاوے نماز کی عادت ڈالو۔

(۲۰) جب مکتب میں جانے کے قابل ہو جاوے اول قرآن مجید پڑھواؤ۔

(۲۱) مکتب میں جانے میں کبھی رعایت مت کرو۔

(۲۲) جہاں تک ہو سکے دیندار استاد سے پڑھواؤ۔

(۲۳) کسی کسی وقت ان کو نیک لوگوں کی حکایتیں سنایا کرو۔

(۲۴) ان کو ایسی کتابیں مت دو جن میں عاشق معشوق کی باتیں یا شرع کے خلاف مضمون ہو اور بیہودہ قصے یا غزلیں وغیرہ ہوں۔

(۲۵) ایسی کتابیں پڑھواؤ جن میں دین کی باتیں اور دنیا کی ضروری کارروائی آجاوے۔

(۲۶) مکتب سے آنے کے بعد کسی قدر دل بہلانے کے لئے اس کو کھیلنے کی اجازت دو تاکہ اس کی طبیعت کند نہ ہو جاوے، لیکن کھیل ایسا ہو جس میں کوئی گناہ نہ ہو، چوٹ لگنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۲۷) آتشبازی یا باجہ یا فضول چیزیں مول لینے کے لئے پیسے مت دو۔

(۲۸) کھیل تماشے دکھلانے کی عادت مت ڈالو۔

(۲۹) اولاد کو ضرور کوئی ایسا ہنر سکھلاؤ جس سے ضرورت اور مصیبت کے وقت چار پیسے حاصل کر کے اپنا اور اپنے بچوں کا گزارہ کر سکے۔

(۳۰) لڑکیوں کو اتنا لکھنا سکھلا دو کہ ضروری خط اور گھر کا حساب کتاب لکھ سکیں۔

(۳۱) بچوں کو عادت ڈالو کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا کریں، اپاہج اور سست نہ ہو جائیں، ان کو کہو کہ رات کا بچھونا اپنے ہاتھ سے بچھائیں، صبح کو سویرے اٹھ کر تہہ کر کے احتیاط سے رکھ دیں، کپڑوں کی گٹھڑی اپنے انتظام میں رکھیں، ادھڑا پھٹا خود سی لیا کریں، کپڑے خواہ میلے ہوں خواہ اجلے ہوں ایسی جگہ رکھیں جہاں کیڑے کا چوہے کا اندیشہ نہ ہو، دھوبن کو خود گن کر دیں اور لکھ لیں اور گن کر پڑتال کر کے لیں۔

(۳۲) لڑکیوں کو تاکید کرو کہ جو زیور تمہارے بدن پر ہے رات کو سونے سے پہلے اور صبح کو جب اٹھو دیکھ بھال لیا کرو۔

(۳۳) لڑکیوں سے کہو کہ جو کام کھانے پکانے، سینے پرونے، کپڑے رنگنے، چیز بننے کا گھر میں ہوا کرے اس میں غور کر کے دیکھا کرو کہ کیونکر ہو رہا ہے۔

(۳۴) جب بچے سے کوئی بات خوبی کی ظاہر ہو اس پر خوب شاباش دو، پیار کرو بلکہ اس کو کچھ انعام دو تاکہ اس کا دل بڑھے، اور جب اس کی بری بات دیکھو اول تنہائی میں اس کو سمجھاؤ اور دیکھو بڑی بات ہے، دیکھنے والے دل میں کیا کہتے ہوں گے، اور جس جس کو خبر ہوگی وہ دل میں کیا کہے گا، خبردار پھر مت کرنا، نیک بخت لڑکے ایسا نہیں کیا کرتے، اور اگر پھر وہی کام کرے مناسب سزا دو۔

(۳۵) ماں کو چاہیے کہ بچے کو باپ سے ڈراتی رہے۔

(۳۶) بچے کو کوئی کام چھپا کر مت کرنے دو، کھیل ہو یا کھانا اور کوئی شغل ہو، جو کام چھپا کر کرے گا سمجھ جاؤ کہ وہ اس کو برا سمجھتا ہے، سو اگر وہ برا ہے تو اسے چھڑاؤ اور اگر اچھا ہے جیسے کھانا پینا تو اس سے کہو سب کے سامنے کھائے پیئے۔

(۳۷) کوئی کام محنت کا اس کے ذمہ مقرر کرو جس سے صحت اور ہمت رہے سستی نہ آنے پائے، مثلاً لڑکوں کے لئے ڈنڈ مگدر کرنا، ایک آدھ میل چلنا، اور لڑکیوں کے لئے چکی یا چرخہ چلانا ضرور کریں، اس میں یہ بھی فائدہ ہے کہ ان کاموں کو عیب نہ سمجھیں گی۔

(۳۸) چلنے میں تاکید کرو کہ بہت جلدی نہ چلے۔ نگاہ اوپر اٹھا کر نہ چلے۔

(۳۹) اس کو عاجزی اختیار کرنے کی عادت ڈالو، زبان سے بھی، برتاؤ سے بھی۔ شیخی نہ بگھارنے پائے یہاں تک کہ اپنے ہم عمر بچوں میں بیٹھ کر اپنے کپڑے یا مکان یا خاندان یا کتاب و قلم دوات تختی تک کی تعریف نہ کرنے پائے۔

(۴۰) کبھی کبھی اس کو دو چار پیسے دے دیا کرو کہ اپنی مرضی کے موافق خرچ کیا کرے، مگر اس کو یہ عادت ڈالو کہ کوئی چیز تم سے چھپا کر نہ خریدے۔

(۴۱) اس کو کھانے کا طریقہ اور محفل میں اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ سکھاؤ۔ تھوڑا تھوڑا ہم لکھے دیتے ہیں۔

<u>کھانے کا طریقہ</u> (۱) داہنے ہاتھ سے کھاؤ (۲) شروع میں بسم اللہ کہو (۳) اپنے سامنے سے کھاؤ (۴) اوروں سے پہلے مت کھاؤ (۵) کھانے کو گھور کر مت دیکھو (۶) کھانے والوں کی طرف مت دیکھو (۷) بہت جلدی جلدی مت کھاؤ (۸) خوب چبا کر کھاؤ (۹) جب تک لقمہ نگل نہ لو دوسرا لقمہ منہ میں مت رکھو (۱۰) شوربا وغیرہ کپڑے پر نہ ٹپکنے پائے (۱۱) انگلیاں ضرورت سے زیادہ سننے نہ پائیں۔

<u>محفل میں اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ</u> (۱) جس سے ملو ادب سے ملو (۲) نرمی سے بولو (۳) محفل میں تھوکو نہیں (۴) وہاں ناک صاف مت کرو، اگر ایسی ضرورت ہو وہاں سے الگ چلے جاؤ (۵) وہاں اگر جماہی یا چھینک آئے منہ پر ہاتھ رکھو (۶) آواز پست کرو (۷) کسی کی طرف پشت مت کرو نہ کسی کی طرف پاؤں مت کرو (۸) ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ دے کر مت بیٹھو (۱۰) انگلیاں مت چٹخاؤ (۱۱) بلا ضرورت بار بار کسی کی طرف مت دیکھو (۱۲) ادب سے بیٹھے رہو (۱۳) بہت مت بولو (۱۴) بات بات میں قسم مت کھاؤ (۱۵) جہاں تک ممکن ہو خود کلام مت کرو (۱۶) جب دوسرا شخص بات کرے خوب توجہ سے سنو کہ اس کا دل نہ بجھے البتہ اگر گناہ کی بات ہو مت سنو، یا تو منع کر دو یا وہاں سے اٹھ جاؤ (۱۷) جب تک کوئی شخص بات پوری نہ کر لے بیچ میں مت بولو (۱۸) جب کوئی آئے اور محفل میں جگہ نہ ہو ذرا اپنی جگہ سے کھسک جاؤ مل کر بیٹھ جاؤ کہ جگہ ہو جائے (۱۹) جب کسی سے ملو یا رخصت ہونے لگو السلام علیکم کہو اور جواب میں وعلیکم السلام کہو اور طرح طرح کے الفاظ مت کہو۔

ختم ہوا مضمون بہشتی زیور کا۔

امید ہے کہ ان مذکورہ خیال کی تعلیم و تربیت کے متعلق مضمون مذکور کافی ہو جائے گا۔ اسی طرح اور بھی جس جس پر قدرت ہو جیسے شاگرد و مرید و نوکر و جماعت وغیرہم سب کی تعلیم و تربیت میں یہی طریقہ مشترک ہے:

انتہت عبارت رسالہ بہشتی زیور

و بہ تمت

تمت احکام الصفات الروحانیة

اصلاحِ انقلاب متعلق لقطہ

لقطہ کا مفہوم اور مختلف صورتیں اوپر کے باب میں زمین یا مال کے ترتیب کرنے کے احکام تھے۔ اس میں دوسرے کے مال کے بعض افراد کے احکام ہیں، کیونکہ لقطہ ایسی پڑی ہوئی چیز کو کہتے ہیں جس کا مالک معلوم نہ ہو، اس میں بھی مختلف و متعدد کوتاہیاں واقع ہوتی ہیں۔

جس چیز کے ضائع ہونے کا گمان غالب ہو اس کا اٹھانا واجب ہے چنانچہ ایک کوتاہی اس باب میں یہ ہے کہ بعضے لوگ ایسی چیز کو بالکل اٹھاتے ہی نہیں، اور سمجھتے ہیں یہی نہ اٹھانا ہی افضل ہے حالانکہ جہاں گمان غالب ہو کہ نہ اٹھانے سے وہ چیز ضائع ہو جاوے گی وہاں اٹھا لینا واجب ہے، اگر نہ اٹھاوے گا گنہگار ہوگا (در مختار) اور یہی حکم ہے پڑے ہوئے بچے کا (در مختار)

اور اگر اٹھا کر پھر وہیں کی وہیں رکھ دیا تو گناہ تو ہے ہی، مگر بعض کے نزدیک اس کے ذمے ضمان بھی لازم ہے۔ (رد المحتار)

اپنے کام میں لانے کی نیت سے کسی چیز کو اٹھانا گناہ ہے ایک کوتاہی اس کے مقابل یہ ہے کہ بعضے لوگ اس نیت سے اٹھا لیتے ہیں کہ اس کو اپنے کام میں لاویں گے، تو اس نیت سے اٹھانا گناہ بھی ہے اور اس اٹھانے سے وہ ضامن بھی ہو جاوے گا، جب تک مالک کے پاس نہ پہنچا دے (رد المحتار عن نور العین عن الخانیہ)

اٹھانے والے پر لقطہ کی تشہیر واجب ہے ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے اٹھاتے تو اسی نیت سے ہیں کہ ہم مالک کو پہنچا دیں گے، مگر مالک کو پہنچانے میں تلاش نہیں کرتے ہیں، گھر میں لے کر بیٹھ رہتے ہیں کہ کوئی ڈھونڈھتا ہوا آئے گا، وہ کون مشقت کرے، سو ایسا کرنا جائز نہیں بلکہ اس کی تشہیر واجب ہے یعنی جس جگہ وہ ملی ہے وہاں بھی اعلان کرے اور مواقع اجتماع پر بھی جیسے بازاروں اور مساجد کے دروازوں پر اور جہاں جہاں احتمال مالک کے ملنے کا ہو، اور مدت اس تشہیر کی یہ ہے کہ گمان غالب یہ ہو جاوے کہ اب مالک نے اس کی تلاش چھوڑ دی ہوگی

یا اس چیز کے بگڑنے کا اندیشہ ہونے لگے، جیسے پھل وغیرہ (درمختار)

چیز اٹھانے کے بعد دو اختیار

پھر اس کے بعد اس کو دو اختیار ہیں، ایک یہ کہ اس کو بعینہٖ محفوظ رکھے اور دوسرے یہ کہ اس کو خیرات کر دے، پھر اگر خود مسکین ہے، تو اپنے نفس پر بھی خیرات کر سکتا ہے، اور مسکین نہیں ہے تو مساکین پر تصدق کر دے، اور یہ بھی اختیار ہے خواہ بعینہٖ تصدق کر دے، خواہ فروخت کر کے دام تصدق (صدقہ) کر دے، اور اگر اس کو یا اس کے داموں کو محفوظ رکھا تو وصیت کر جانا واجب ہے (ردالمحتار)

مسئلہ: اگر کسی وجہ سے خود تشہیر نہ کر سکے تو دوسرے شخص کو بشرطیکہ امانتدار ہو تشہیر کے لئے دے سکتا ہے (ردالمحتار)

نامعلوم اہل حقوق کے حقوق کی ادائیگی کا طریقہ

مسئلہ: جس کے ذمہ کچھ حقوق العباد ہوں اور اہل حقوق معلوم نہیں یا معلوم ہیں مگر مر گئے، اور ان کے وارث بھی نہیں تو ایسے حقوق بمنزلہ لقطہ کے ہیں، کہ مالک کے نہ ملنے کے وقت خیرات کر دینا چاہئے، اور یہ خیرات ایسے حقوق کی ادا اسی طرح لقطہ کی مالک کی نیت سے ہونا چاہئے۔

صدقہ کرنے کے بعد مالک آنے کا حکم

مسئلہ: اگر بعد تصدق کے مالک آ گیا تو اس کو اختیار ہے خواہ اس تصدق کو جائز رکھے اور خواہ اس سے تاوان لے، اور ثواب اس لاقط یا محتاج والے کو ملے گا (ردالمحتار)

بروز قیامت ظلم کا دعویٰ مورث اور حق کا دعویٰ وارث کرے گا

مسئلہ: اگر کسی کا قرض یا کوئی حق اس کے ذمہ آتا ہے اور اس نے وہ نہ دیا اور نہ اس کے ورثاء کو تو قیامت میں اس پر دعویٰ کون کرے گا؟ اس میں قول مختار یہ ہے کہ ظلم کا دعویٰ تو مورث کرے گا کہ اس کا حق دبا رکھا تھا، اور حق کا دعویٰ وارث کرے گا، کیونکہ وہ مال میت سے اس وارث کی طرف منتقل ہو گیا، اور اگر وارث کو دیدیا تو وارث کا دعویٰ تو جاتا رہا مورث کا رہے گا، اس کے لئے دعا و استغفار کیا جائے (ردالمحتار)

مسافر کا ترکہ بحکم لقطہ کے ہے

مسئلہ: تمہارے گھر کوئی مسافر مر گیا اور اس کے ورثاء معلوم نہیں تو اس کا ترکہ بحکم لقطہ ہے (درمختار)

دفینہ کا حکم لقطہ کا ہوگا

مسئلہ: تم نے کوئی گھر خریدا اور اس میں کچھ دفینہ (دفن شدہ مال) نکلا تو وہ بحکم لقطہ ہے (ردالمحتار)

اصلاحِ انقلاب
متعلق گم شدہ انسان

(مفقود وہ انسان تھا جس کا اس کے اہل کو پتہ نہیں، یہ انسان ہے جس کا اس کے اہل کو پتہ نہیں) اس میں بھی کچھ غلطیاں کی جاتی ہیں:

مفقود اپنے نفس کے حق میں زندہ ہے

اور اس کے سمجھنے سے پہلے ایک قاعدہ کلیہ سمجھ لینا چاہئے، اس سے ان غلطیوں کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

مفقود اپنے غیر کے حق میں مُردہ ہے

وہ قاعدہ یہ ہے کہ مفقود چونکہ وقت مفقود ہونے کے زندہ تھا اور اب تک اس کی موت کی کوئی دلیل نہیں، تو اس کا ظاہر حال یہ ہے کہ وہ زندہ ہے، اور ظاہر حالت جس کو استصحاب بھی کہتے ہیں حجت دافعہ ہے حجت مثبتہ نہیں، پس یہ حیات ظاہری اس کا حق تو دوسرے کے مال میں ثابت نہ کرے گی، لیکن اس کے مال میں دوسرے کا حق ثابت نہ ہونے دے گی یعنی اگر اس کے زمانہ فقدان و گمشدگی میں اس کا کوئی مورث مثلاً اس کا باپ مرا اور اس کے دو بیٹے تھے ایک یہی مفقود، دوسرا موجود، تو اس کے ترکہ میں اس مفقود کا یقینی حق نہیں ہوگا، بلکہ احتمالِ حیات کے سبب اس کا حصہ بطور امانت کے رکھیں گے، اگر آ گیا تو لے لے گا، اور اگر نہ آیا یہاں تک کہ انتظار کی مدت شرعیہ کے بعد (جس کی مقدار آگے آتی ہے) اس کی موت کا حکم کیا گیا تو وہ امانت رکھا ہوا حصہ اسی موجود کا سمجھا جائے گا، اگر وہ زندہ ہوا تو وہ لے گا ورنہ اس کے شرعی ورثہ لیں گے یوں نہ سمجھا جائے گا کہ وہ اس مفقود کا حق ہے، تاکہ اس کے مال سے متروکہ بھی اس کے ورثہ کو دیا جائے، اور یہی مطلب ہے حجت مثبتہ نہ ہونے کا، اور یہی مطلب ہے حجت دافعہ ہونے کا، اور یہی مطلب ہے فقہاء کے اس قول کا کہ وہ اپنے نفس کے حق میں زندہ ہے۔

مفقود کے بارے میں چند کوتاہیوں کا بیان

اس قاعدہ کلیہ کے بعد اب ان غلطیوں کو سمجھنا چاہیے۔

مفقود کا حصہ وراثت رکھنا چاہیے

سو ایک غلطی یہ کی جاتی ہے کہ اس کے مفقود ہونے کے زمانہ میں جو اس کا مورث مر جاتا ہے اس کے ترکہ میں سے اس مفقود کا حصہ کوئی شخص نہیں رکھتا، ورثاء حاضرین باہم تقسیم کر لیتے ہیں، حالانکہ گو اس کا استحقاق یقینی نہیں مگر محتمل تو ہے، اس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ صحیح سالم آگیا، اگر اس کو اپنے استحقاق کا علم ہوا اور اس کے وصول کی نوبت بھی ہوئی تب تو نزاع و جھگڑا ہوگا اور اگر علم نہ ہوا یا قدرت نہ ہوئی تو دوسرے ورثہ حق العباد کے وبال میں مبتلا ہوں گے۔

مفقود کے مال اور اس کے حصہ امانت کا حکم یکساں نہیں۔

اور ایک غلطی یہ ہو سکتی ہے اگرچہ دیکھی نہیں گئی کہ اگر اس کا حصہ امانت کے طور پر محفوظ رکھا جائے تو جس وقت اس کی موت کا حکم شرعاً کیا جائے گا اور خود اس کا ترکہ اس کے ورثہ موجودین وقت الحکم بالموت میں تقسیم کیا جائے گا، تو ممکن ہے کہ اس حصہ امانت کو بھی اس کی ملک سمجھ کر اس کو بھی اس کے ترکہ کے ساتھ تقسیم کر دیا جائے، حالانکہ اوپر کے قاعدے سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس صورت میں وہ حصہ امانت کا ان ورثہ کا حق ہے، جن کے حصہ میں سے یہ امانت منتقل کر کے رکھی گئی تھی، خلاصہ یہ کہ اس امانت کا حکم اور خود جو اس مفقود کا مال بلا واسطہ ہے ان دونوں کا حکم یکساں نہیں ہے۔

مفقود کے مال کو دوسرے کے مال پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

ایک غلطی اس دوسرے مسئلہ سے کہ اگر وہ نہ آیا تو وہ امانت ان ورثہ کا حق ہے جن کا حق کم کر کے یہ امانت رکھی گئی ہے، یہ ہو سکتی ہے کہ اس کو وقت فقدان (گم ہونے کے وقت) سے میت سمجھ کر جب اس کا ترکہ تقسیم کرنے لگیں تو انہی ورثہ کو دینے لگیں جو اس کے فقدان کے وقت تھے، حالانکہ وہ اپنے مال کے اعتبار سے زندہ ہے، حاصل یہ کہ بعضی غلطی تو منشاء مفقود کے مال کو دوسرے کے مال پر قیاس کرنا ہے اور بعض کا منشاء دوسرے کے مال کو مفقود کے مال پر قیاس کرنا ہے، یہ دونوں قیاس باطل ہیں، ان دونوں کا حکم جدا جدا ہے، جیسا کہ مفصل بیان کیا گیا۔

مفقود کے متعلق امام مالکؒ کے فتوے پر عمل کے لئے قضاء قاضی شرط ہے۔

ایک غلطی عام یہ ہو رہی ہے کہ علماء سے یہ سن لیا کہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک انتظار مفقود کی مدت چار سال ہے اور یہ بھی سن لیا کہ ضرورت میں دوسرے مذہب پر عمل درست ہے،

اس کو مطلق سمجھ کر بلا کسی قید کے اس پر عمل شروع کر دیا، چار سال کے بعد اس کی بیوی کا نکاح بھی کرانے لگے، عدت کی بھی ضرورت نہ سمجھی، اگر قدرت ہوئی اس کا ترکہ بھی تقسیم کر لیا، پھر ضرورت کو بھی نہیں دیکھا اور بعد تحقق ضرورت کے اس پر عمل کی شرط بھی نہ دیکھی حالانکہ امام مالکؒ کے نزدیک چار سال جواز نکاح کی مدت نہیں، بلکہ موت کے حکم بالموت کی مدت ہے، پھر اس کے بعد عدت وفات ہوگی اور شافعیؒ کا مذہب قدیم اس کو قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا قول جدید اس کے خلاف ہے، اور مفتی بہ قول جدید ہوتا ہے، پھر یہ قول ان دونوں حضرات کا صرف نکاح کے بارے میں ہے، میراث میں ان کا مذہب ہمارے ہی مذہب کے مثل ہے،

اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک تفصیل ہے کہ اگر ایسی حالت میں غائب ہوا ہے کہ غالب حال اس کا ہلاک ہے، جیسے صف قتال یا کشتی شکستہ میں تھا، تب تو چار سال کی مدت ہے ورنہ ان کا مذہب بھی ہمارے ہی مذہب کے مثل ہے،

یہ سب اقوال شامیؒ نے نقل کئے ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کا مذہب اس میں ایسا قوی ہے کہ دوسرے ائمہ بھی کسی نہ کسی صورت میں اس کو معتبر لیتے ہیں؛

اسی طرح جس عورت کے پاس نفقہ موجود ہو وہاں ضرورت بھی متحقق نہیں، یا کسی دیندار معتبر گھرانے میں نوکری کر سکے وہاں بھی ضرورت نہیں، اسی طرح جہاں مالکی یا شافعی حاکم مل سکے وہاں بھی حنفی کو اس قول پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں، اور جہاں ضرورت بھی ہو تب بھی اس پر عمل کرنے کی اکثر علماء کے نزدیک ایک شرط یہ بھی ہے، وہ یہ کہ اس عمل کے لئے صرف فتویٰ کافی نہیں، قضاء قاضی ہونا چاہئے، چنانچہ در مختار میں واقعات مفتیین سے اس کی نسبت قنیہ کی طرف کی ہے، اور گو اس میں دوسرا قول بھی ہے جو حضرت الاستاذ کی طرف نسبت کیا گیا ہے مگر بحر الائمہ قاضی عبد الرحیم نے اشتراط کو ترجیح دی ہے، اور واقعات کی عبارت سے امام صاحبؒ کا اس میں نص ہونا ثابت کیا ہے،

مفقود کی مدت انتظار طویل کا اصل مقصد احتیاط ہے

اور احقر کہتا ہے کہ قواعد سے بھی ایسے امور مجتہد فیہا میں قضاء قاضی کے اشتراط سے اس اشتراط ہی کو ترجیح ہوتی ہے، اور احقر اس کے خلاف پر فتویٰ دینے کو صحیح نہیں سمجھتا خصوصاً جبکہ اصل فروج و شرمگاہوں میں حرمت ہے اور یہ لزوم قضاء قاضی کسی خاص قول کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ اس باب میں حنفیہ کے نزدیک جو مدت انتظار ہے جس میں سب سے زیادہ احتیاط ہے اس میں بھی قضاء قاضی شرط ہے یعنی

تک نہ لوٹے کہ میرے نزدیک اب وہ مرگیا ہے، اس لئے میں اس کی موت کا حکم کرتا ہوں (الاظہار ما فی الدر والمختار) انما یحکم بموته بقضاء لانه امر محتمل فما لم ینضم الیه القضاء لا یکون حجة، اور یہ مدت احتیاطی اس لئے ہے کہ بہت طویل ہے۔ اصل مذہب تو اس کا یہ ہے باقی اس کے تعینات میں اقوال مختلف ہیں،

(۱) موت اقران فی بلدہ (۲) موت اقران فی جمیع البلاد (۳) نوّے سال وقت ولادت سے تک وقت فقدان سے (۴) سو سال (۵) ایک سو بیس سال (۶) ساٹھ سال (۷) ستر سال۔
(۸) تفویض الی رائی الامام (امام کی رائے کے سپرد کردینا) اور شامی نے اس قول اخیر میں یہ شرح نقل کی ہے،

لا بد من مضی مدة طویلة حتی یغلب علی الظن موته لا بمجرد فقد به عند ملاقاة العدو او سفر البحر ونحوه،	اتنی طویل مدت کا گذرنا ضروری ہے کہ اس کی موت واقع ہونے پر گمان غالب ہو جائے دشمن سے ملاقات یا مطلق سفر دریا کی صورت میں صرف گمشدگی کافی نہیں ؎

ہندوستان میں سلطنت کی طرف سے کسی ایسے قاضی کے تقرر کا انتظام نہیں ہے اس لئے اس شرط کی تحقیق یہاں دشوار ہے، پس اس صورت میں مفقود کے احکام میں بجز صبر کے کوئی علاج نہیں، البتہ اگر کوئی مسلمان حاکم جس کو سلطنت کی طرف سے ایسے اختیارات دیئے گئے ہوں کسی عالم سے فتویٰ لے کر مفقود کی موت کا حکم کردے، وہ حکم صحیح ہو جائے گا، اس لئے کہ قاضی مسلم کا تقرر سلطنت غیر مسلم کی طرف سے بھی صحیح ہے، صرح به الفقهاء، دیار یاستوں میں جو قضاۃ مسلمان مقرر ہیں ان سے حکم حاصل کرلیا جائے، مگر اس میں یہ شبہ ہے کہ اس قاضی کی حدود شرعیہ سے باہر جو شخص ہو اس پر بھی اس کا حکم نافذ ہوگا یا نہیں اس کی تحقیق علماء سے کرلی جائے،

احکام مفقود سے متعلق چند شبہات اور ان کے جوابات

یہ تھیں ضروری تنبیہات احکام مفقود کے متعلق اب بعض اور شبہات کے جواب لکھتا ہوں جو ان احکام کے متعلق بطور معارضہ پیش کئے جاتے ہیں،

زیادہ عمر مانع نکاح نہیں | ایک شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ: اتنی مدت انتظار کے بعد تو نوّے برس کی یا اس سے زیادہ، جب موت کا حکم کیا گیا تو اس حکم سے کیا فائدہ ہوا؟ اتنی عمر کی عورت تو نکاح کے

قابل ہی نہیں رہتی۔

جواب اس کا یہ ہے کہ معترض مسئلہ ہی نہیں سمجھا۔ اس مدت کی ابتداء مفقود ہونے کے حکم سے نہیں ہے تاکہ عورت کا اتنا سن رسیدہ ہونا لازم آئے، بلکہ اس کی ابتداء مفقود کے یوم ولادت سے ہے یعنی وہ نوّے برس کا ہو جائے، مثلاً، اور مرد کے سن رسیدہ ہونے سے عورت کا سن رسیدہ ہونا لازم نہیں آتا، مثلاً کسی اسّی برس کے بڈھے نے دس برس کی لڑکی سے نکاح کیا اور مفقود ہو گیا، تو جب یہ نوّے سال کا ہوگا عورت بیس برس کی ہوگی، وعلیٰ ہذا دوسرے حکم بالموت کا ثمرہ محض حرمت نکاح نہ ہی بھی تو نہیں ہے بلکہ مال کی تقسیم بھی تو ہوگی اور اس میں یہ ستم ظریفی نہیں کہ بہت پہلے ہی ایسی عمر پر کیونکہ شوہر کے اتنی عمر تک زندہ رہنے کی اگر اس مقام پر نقصان کی نوبت ہی تسلیم کر لیا جائے تب بھی نکاح میں اور مصالح بھی تو ہیں، مثلاً کوئی مستطیع عمر رسیدہ بیوہ عورت حج کو جاتی ہے اور محرم کوئی موجود نہیں، اس نے اس لئے کسی سے نکاح کر لیا کہ اس کے ساتھ سفر جائز ہو، اور مرد نے اعانت فی الدین دونوں میں مفید سمجھ کر قبول کر لیا، تو دیکھئے اتنی عمر مانع نکاح نہ ہوئی۔

قانون مفقود کے سخت ہونے کا شبہ صحیح نہیں

ایک شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ یہ قانون بڑا سخت ہے، اگر عورت کو نان نفقہ کی حاجت ہو یا اس پر نفس کا غلبہ ہو تو وہ کیا کرے؟

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ اشکال اس صورت کے ساتھ خاص نہیں، اگر کسی عورت کا شوہر موجود ہو، مگر بے توجہی کرے نہ نان نفقہ دیتا ہے نہ اس کا حق تحصین (زوجیت) ادا کرتا ہو تو اس صورت میں عورت کیا کرے؟ اگر کہا جائے کہ دعوے کرے، ہم بھی یہی کہیں گے کہ یہاں بھی دعویٰ کرے، اگر حاکم کی رائے میں ضرورت متحقق ہوگی وہ شافعی یا مالک کے مذہب پر حکم بالموت جاری کر دے گا، اگر کہا جائے کہ ایسا حاکم کہاں ہے، ہم کہیں گے اگر ہماری مفروضہ صورت میں بھی ایسا حاکم نہ ملے یا ملے مگر وہ حکم نہ کرے تو عورت کیا کرے گی؟ اگر کہا جائے کہ صبر کرے، ہم کہیں گے یہاں بھی صبر کرے، یا اگر بے توجہ نہ ہو مگر نادار یا بیمار ہو اور کوئی بالفعل کسی مال کا مالک ہو نہ کسب پر قادر ہو، اور یہ عورت بھی نادار ہو تو اس کی عورت کیا کرے؟ اگر کہا جائے کہ عنین اور اس کی زوجہ میں قاضی تفریق کر دے گا .... تو ہم کہیں گے کہ اگر ایک بار قادر ہو چکا ہو اور اس وجہ سے اب تفریق ممکن نہ ہو، چنانچہ مسئلہ فقہیہ باب عنین میں یہی ہے، تو عورت کیا کرے؟ اسی طرح اگر زوجہ مفقود کی فکر کرنے کے کھلانے میں شبہ فتنہ کے سبب کسی کو اعتراض ہو تو صورت مفروضہ میں بھی ایسا احتمال ہو سکتا ہے، غرض کچھ بلا اسی میں منحصر نہیں، دوسری صورتوں میں بھی ایسا ہو سکتا ہے کہ

اور بکثرت ہوتا بھی ہے ایسا بجز صبر و تحمل شان کے کوئی چارہ نہیں۔

مفقود کے بارے میں ایک ضروری مسئلہ

اب ایک ضروری فرع لکھ کر اس بحث کو ختم کرتا ہوں، وہ یہ کہ اگر بعد حکم بالموت کے اس کی بی بی نے نکاح کرلیا اور اس کا مال ورثہ میں تقسیم کردیا گیا اور وہ پھر صحیح سالم آگیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ سو وہ حکم یہ ہے کہ اس کی بی بی کا نکاح ثانی فاسد ہوجائے گا اور عدت گزرنے کے بعد وہ بی بی اسی کو مل جائے گی، البتہ اگر کچھ اولاد ہوگئی ہو تو وہ دوسرے شوہر کو ملے گی۔ کذا فی رد المحتار و عبارتہ۔

أن زوجته له والاولاد للثاني	(یعنی بیوی اس کی ہوگی اور اولاد دوسرے کی ہوگی)

اور مال میں یہ تفصیل ہے کہ جو وارثوں کے ہاتھ میں خرچ ہوچکا وہ گیا گزرا، اور جو خرچ نہیں ہوا وہ اس مفقود کو دلایا جائے گا، کذا فی رد المحتار و عبارتہ

في الباقي في يد ورثته له ولا يطالب بما ذهب۔	(یعنی جو اس کے ورثہ کے ہاتھ میں باقی موجود ہے اس کو مل جائے گا اور جو ختم ہوچکا اس کا مطالبہ نہیں ہوسکتا)

مرنے کے بعد جو شخص بحال زندہ ہوجائے کا حکم

اور یہی حکم ہے مال میں اس شخص کا جو مرنے کے بعد زندہ ہوجائے البتہ اس کی بی بی اب اس کو نہ ملے گی کیونکہ موت سے خود اس کا نکاح یقیناً باطل ہوگیا تھا، اور مفقود کا یقیناً باطل نہ ہوا تھا، ظناً باطل ہوا تھا، وہ ظن کاذب نکلا جیتا ثابت ہوا۔ فقط۔

اصلاح انقلاب

متعلق بہ تعزیر و تعییر و تکفیر

تعزیر و تعییر اور تکفیر کا مفہوم تفسیر ان الفاظ کی یہ ہے :۔

تعزیر: وہ سزا ہے جو تادیب کے لئے دی جاتی ہے، اور حد کے درجہ سے کم ہو اور اس کے طرق (طریقے) مختلف ہیں، ملامت کرنا، ڈانٹنا، مارنا ہاتھ یا کوڑی وغیرہ سے، کان کھینچنا، سخت لفظ کہنا، محبوس کر دینا (رد المحتار) مالی سزا دینا جس کا طریقہ بعد میں آتا ہے۔

تعییر: کسی کا عیب نکالنا، اس میں غیبت و بہتان بھی داخل ہو گیا۔

تکفیر: کسی کو کافر کہنا۔

اوپر کے قریب ابواب میں غیر کے مال میں تصرف کرنے کی بحث تھی، ان تینوں امور میں غیر کی آبرو میں تصرف کرنے کا بیان ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے کہ ان تینوں امر سے دوسرے کی آبروریزی ہوتی ہے، گو بعض میں تصرف فی النفس و تصرف فی المال ہے، اور چونکہ آبروریزی ان تینوں میں امر مشترک ہے، اور اس مابہ الاشتراک کی وحدت سے یہ تینوں امر گویا امر واحد ہیں، اس لئے ان تینوں کے متعلق مضامین مخلوط طور پر بیان ہوں گے، جیسے تینوں کے عنوان کو جمع کر دیا گیا، (یعنی ترتیب کا قصد نہ ہو گا)

حقوق العباد کی ایک کوتاہی کی علمی غلطی پس ان کے متعلق ایک کوتاہی جو بوجہ علمی غلطی ہونے کے سب سے اشد ہے کہ ان میں حق العباد ہونے کا احتمال ہی کسی کو نہیں ہوتا، الا ما شاء اللہ: اور اس وجہ سے ان کو بالکل خفیف و سرسری سمجھا جاتا ہے، سو یہ بڑی سخت غلطی ہے اور سخت ہونا اس کا اس لئے ہے کہ یہ اعتقادی غلطی ہے، حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صریح ہے :۔

اَلَا اِنَّ دِمَاءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا	خبردار! تمہاری جانیں، مال اور تمہاری آبروئیں باہم ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے آج کے دن کی حرمت اس شہر اور اس مہینہ کی حرمت ہے۔

حقوق العباد کی تین قسمیں جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حقوق العباد کی تین قسمیں ہیں:

(۱) کسی کی جان یا بدن کو ضرر پہنچانا، (۲) کسی کے مال کو ضرر پہنچانا، (۳) کسی کی آبرو کو ضرر پہنچانا یعنی بدون کسی استحقاق کے۔ اس وقت اکثر لوگوں نے حق العبد کو صرف قسم دوم ہی میں منحصر سمجھ رکھا ہے اور اگر کسی کی نظر بڑھی ہے تو قسم اول کو بھی اس میں داخل کر لیتے ہیں، باقی قسم ثالث تک تو اکثر خواص کا ذہن بھی نہیں جاتا۔

تعزیر کے متعلق اساتذہ کی ایک عظیم غلطی ایک کوتاہی تعزیر کے متعلق یہ ہے کہ جفا کاروں کے نزدیک اس کی کوئی حد ہی نہیں، جب تک اپنے غصہ کو تسکین نہ ہو جائے سزا دیتے ہی چلے جاتے ہیں، اور اس میں اہل حکومت عموماً مبتلا ہیں، الا ماشاء اللہ خواہ دنیا کی حکومت ہو جیسے اہل عدالت و اہل پولیس، یا شوہر یا باپ یا خواہ دین کی حکومت ہو جیسے استاد کہ یہ حضرات گویا ان سب سے اس باب میں بڑھے ہوئے ہیں، عدالت اور پولیس کو تو پھر بھی ڈر ہے کہ کبھی مظلوم حکام بالا سے استغاثہ نہ کر بیٹھے۔ شوہر کو محبت ہوتی ہے، باپ کو شفقت بھی ہوتی ہے، یہ اسباب ظلم کے مقتضی پر کم کرنے والے ہو جاتے ہیں، اور ان حضرات کو نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ محبت و شفقت، اگر کچھ اندیشہ ہو سکتا تھا تو والدین سے ہوتا، مگر والدین خواہ حسن اعتقاد سے خواہ اپنی مطلب برآری کی خوشامد میں کوئی تک نہیں ہلاتے، اور بعضے اپنے اعتقاد میں شاگرد کے گوشت پوست کا استاد کو مالک سمجھتے ہیں، تو ان سے کب احتمال ہے کہ ان حضرت کو ظلم سے روکیں گے، اس لئے یہ سب سے بڑھ کر ہو گئے ہیں، بہر حال باوجود کچھ تفاوت کے ان تمام سب میں مشترک ہے کہ ان کے یہاں تعزیر (سزا دینے) کی کوئی حد نہیں، حالانکہ ضرب فاحش (سخت مارنے) سے فقہاء نے مطلقاً منع فرمایا ہے، اور جس ضرب سے جلد پر نشان پڑ جائے اس کو بھی ضرب فاحش میں داخل کیا ہے، اور جس سے ہڈی ٹوٹ جائے یا کھال پھٹ جائے وہ تو بدرجہ اولیٰ (ردالمحتار عن التاتارخانیہ ص ۲۹۳ ج ۳) بلکہ ضرب فاحش سے خود استاد کو تعزیر دی جائے گی (در مختار)

تعزیر کی بعض سزاؤں کے لیے ثبوت ضروری نہیں

اسی طرح یہ بات کہ ایسی سزاؤں کے لیے ثبوت شرعی کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، مشتبہ لوگوں پر محض قرائن پر سزا دینے کو مباح سمجھتے ہیں، قرآن مجید میں نص ہے:

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (الشوریٰ آیت ۴۲)

(الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق دنیا میں سرکشی اور ظلم کرتے ہیں)

اور حق یا ثبوت دلیل شرعی کے کسی کو سزا دینا ناحق کا ظلم ہے جس پر وعید ہے۔ البتہ ایسے لوگوں کا جن کو سزائیں دینا پڑتی ہیں یہ ہے کہ جو صورتیں اکثر پیش آتی ہیں ان کو علماء محققین کے روبرو پیش کر کے ان کے احکام شرعیہ دریافت کر لیں کہ کونسا طریق ثبوت کا معتبر ہے اور کونسا غیر معتبر، اور کس صورت میں کتنی سزا جائز ہے۔ اور اس مقام پر کسی کتاب میں کہنے سے کوئی دھوکا نہ ہو کہ فقہاء نے مشتبہ آدمی کو تعزیر دینا جائز لکھا ہے اگرچہ ثبوت باقاعدہ نہ ہوا کما فی الدر المختار:

لِلْقَاضِي تَعْزِيرُ الْمُتَّهَمِ وَإِنْ لَمْ يَثْبُتْ عَلَيْهِ۔

(تہمت والے پر تعزیر کرنے کا قاضی کو اختیار ہے اگرچہ وہ تہمت اس پر ثابت نہ ہوئی ہو)

بات یہ ہے کہ یہ حکم صحیح ہے، مگر خود مشتبہ ہونا بھی محتاج ثبوت ہے، یہ نہیں کہ سزا دینے والا جس کو چاہے مشتبہ سمجھ لیا کرے، چنانچہ قول مذکور وان لم یثبت کے تحت میں رد المحتار کا قول ہے:

اي ما اتهم به بعدما ثبت كونه متهمًا او كونه من اهلها فلا بد من ثبوت ذلك كما علمت۔

(یعنی مطلقاً تہمت ثابت ہو یا نہ ہو، اصل ہونا تو اس کے لئے ثبوت ضروری ہے جیسا کہ تجھے معلوم ہو چکا ہے)

شہادت شرعی کے ثبوت کی ضرورت اور طریقہ اس کے ثبوت کا یہ ہے کہ دو مستور الحال یا ایک عادل کسی جنایت (شرارت) کی شہادت دے دیں، ہم نے اس قدر وضاحت کی ہو یا اس کا مفسد ہونا مشہور ہو گیا ہو تو ایسے شخص کو حاکم محبوس کر سکتا ہے، پس یہ حقیقت ہے تعزیر متہم کی، اور فاسق کی شہادت سے اسی طرح ایک مستور کی شہادت سے مشتبہ بھی نہیں ہوتا، یہ سب رد المحتار میں ہے تحت قول مذکور قاضی کو تعزیر المتہم اور بحریہ بھی مطلق نہیں بلکہ بعض حقوق الشرعیہ

(در مختار)

مالی جرمانہ ہمارے مذہب میں درست نہیں

ایک کوتاہی اور بعض برادریوں میں بھی شائع ہے وہ یہ ہے کہ خطاؤں پر جرمانہ کرتے ہیں، پھر بعضے تو کسی کسی موقع پر کھانا پکا کر تمام برادری جمع ہو کر کھا پی لیتے ہیں، اور بعضے اپنے زعم میں اس کو ثواب کے کاموں میں صرف کرتے ہیں جیسے کوئی مسجد یا مجلس ہو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ تعزیر بالمال یعنی مالی جرمانہ ہے جو کہ ہمارے مذہب میں درست نہیں، اور بعض روایات میں جو وارد ہے وہ منسوخ ہے، اور بعض جو اس کے قائل ہوئے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ چند روز تک اس مال کو اپنے پاس رکھے، جب وہ شخص توبہ کر لے وہ مال اس کو واپس کر دیا جائے، نہ خود رکھے نہ بیت المال میں داخل کرے، کذا فی الدر المختار ورد المحتار ص ۲۴۵ ج ۳۔

اور مجوزین (جائز کہنے والوں میں) کے نزدیک بھی جو اس کے خرچ کا ہیں ان فاعلین ذکر کرنے والوں کو خبر ان کی رعایت، گو اختلافی جواز بھی متحقق نہیں، اور جب یہ جائز نہیں تو وہ رقم حلال نہ ہوگی تو اس کا کھانا بھی ناجائز اور نیک کاموں میں صرف کرنا اور بھی زیادہ ناجائز ہے۔

حدیث میں ہے،

اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا الطَّیِّبَ	اللہ تعالیٰ پاک ہیں سوائے پاک چیز کے کسی کو قبول نہیں کرتے۔

اور ابھی رد المحتار سے بیت المال میں داخل کرنے کا عدم جواز مذکور ہو چکا ہے،

اور یہی حکم ہے ان رقوم کا جو دباؤ ڈال کر یا طرح ڈال کر چندہ کے نام سے جمع کی جاتی ہیں یا خاص طور پر دعوت والوں سے اپنے کمیٹیوں کے یا مسجد وغیرہ کے لئے لیتے ہیں، کیونکہ عدم طیب خاطر ان سب میں امر مشترک ہے، اور اس سے اس کا حکم بھی معلوم ہو گیا جو بعض جگہ کمیٹی یا جماعت معاہدہ سے اس پر متفق ہو جاتی ہے کہ جو شخص نماز نہ پڑھے اس پر اس قدر جرمانہ، سو یہ بھی جائز نہیں، اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہاں تو طیب خاطر سے معاہدہ ہو چکا ہے، بات یہ ہے کہ معاہدہ کے وقت طیب خاطر ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ رقم کے مطالبہ کے وقت بھی طیب خاطر ہو، اور جہاں معاہدہ بھی نہ ہو بلکہ دو چار ذی اثر شخصیتوں نے متفق ہو کر اس جرمانہ کو بے تارکین پر عام کر دیا ہو تو بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا۔

صاحب معصیت اپنے نفس پر خود جرمانہ کرے تو گناہ نہیں

اور بعض احادیث میں جو بعض معاصی کا کفارہ تصدق بدینار یا نصف دینار یا مطلق تصدق وارد ہوا ہے، اور بعض مشائخ اہل حدیث سے اس طریقہ پر مریدین کی تربیت بھی فرماتے ہیں تو ان احادیث یا اس طرح تربیت کا محمل یہ ہو

کو صاحب معصیت خود اپنے نفس کی علاج کرے نہ کہ کوئی دوسرا اس سے جبراً وصول کرے، یہ امر اول کے متعلق ضروری بیان تھا۔

بدگمانی سنانی بات پر عمل کرنا صحیح نہیں

اور امر ثانی کے متعلق ایک کوتاہی جو بہت ہی عام ہے، حتیٰ کہ علماء و مشائخ و ثقات تک بھی باستثناء من شاء اللہ اس سے محفوظ نہیں، یہ ہے کہ جس کی نسبت جو کچھ کسی سے سنا یا اخبار و رقعات نظر سے گزرے بجز تحقیق ہوئے محض قرائن بلکہ قرائن بھی کیسے جو ضعیف الدلالت بھی نہیں محض غیر دال، اعتماد کرکے زبان سے بانٹ دیا خود ہی تفسیر و حدیث میں ظن کے متعلق احکام پڑھتے ہیں وعظ میں دوسروں کو سناتے ہیں۔ مگر جب عمل کا موقع ہوا سب بھول جائیں گویا ظن کے متعلق کبھی حکم شرعی کان میں پڑا ہی نہیں، بس بلفظ دیگر گویا قرآن و حدیث صرف درس و وعظ کے لئے ہے عمل کے لئے ہرگز نہیں یا اگر عمل کے لئے بھی ہے تو صرف عوام کے لئے اور خواص اس سے بری ہیں، یہ تو بعینہٖ علماء یہود کا طرز ہے اللّٰہم احفظنا۔

بہرحال کوئی خاص ہو یا عام احکام تو سب ہی کے لئے عام ہیں۔ اور حدیث:-

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ۔ | آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے کافی ہے کہ ہر بات بلا تحقیق بیان کردے جو کچھ کسی سے سنے۔

اور حدیث:

اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ | (بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی زیادہ جھوٹی بات ہے)

ان ابواب میں نصوص بہت کثیر ہیں۔ پھر ان احادیث کا مدلول خود روز مشاہدہ میں بھی آتا ہے کہ سنی ہوئی حکایت و اس سے بڑھ کر قرائن پر بنائی ہوئی روایات اس کثرت سے غلط نکلتی ہیں کہ گویا قریب قریب سب ہی غلط ہوتی ہیں، اور اگر اتفاقاً شاذ و نادر کوئی صحیح بھی ہوتی ہے تو اس میں جھوٹ کی آمیزش (ملاوٹ) اس نسبت سے ہوتی ہے جو نمک اور آٹے میں نسبت ہے، یعنی نمک کے برابر سچ ہوتا ہے اور آٹے کے برابر جھوٹ۔

پھر اس بے بنیاد روایت اور بے اصل حکایت پر کسی سے عداوت، کسی پر بدگمانی، کسی کی نسبت بدزبانی بے تکلف جائز رکھی جاتی ہے، اور عجیب بات ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کی نسبت کوئی دوسرا شخص ایسی ہی بیہودہ بنیاد پر کچھ کہتا ہو اور خود اس شخص کو اس مقولہ کا باطل ہونا معلوم ہوتا ہے، اور اس مقولہ سے ناگواری بھی محسوس کرتا ہے، اور اس وقت خود بھی اسی قاعدہ شرعیہ سے تمسک کرتا ہے، اور اس قائل کو اس قاعدہ کی مخالفت پر جاہل سمجھتا ہے، مگر خود کسی کی

نسبت کچھ کہتے بیٹھتا ہے اسی وقت یہ سب اصول گویا کالعدم ہو جاتے ہیں تو گویا معنی اس کے یہ ہوئے کہ لوگ تو ہمارے معاملہ میں ان اصول کے پابند رہیں، مگر ہم دوسروں کے معاملہ میں ان اصول سے آزاد رہیں ایسا ہی اللہ وکیل! انصاف کی مروّجہ کسی بات ہے کہ یہ اصول قابل تمسک ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو ہم بھی اس پر عمل کر وانے اگر نہیں تو دوسروں سے بھی عمل کے منتظر و متوقع نہ رہو یہ زبردستی کا فرق کیسا کہ ہم دوسروں کے لئے تو عمل نہ کریں اور دوسرے ہمارے لئے عمل کریں۔ اس فرق کا منشا، اگر جہل و نخوت و کبر نہیں تو اور کیا ہیں؟ اگر یہ ہے تو کیا ان اخلاق کی اصلاح واجب نہیں، اور بالخصوص کسی مرد و عورت کی عفت و پاک دامنی کے متعلق معاملات میں تو بے احتیاطی حد سے گزری ہوئی ہے جس کی نسبت نصوص سے سب سے زیادہ احتیاط کی ضرورت معلوم ہوتی ہے،

کسی بچے کو ولد الزنا کہنے کا حکم اور احتیاط

حتیٰ کہ فقہاء نے انہی نصوص کی بنا پر تصریح فرمائی ہے کہ اگر ایک مشرقی کا نکاح ایک مغربیہ سے توکیلاً (وکیل کے ذریعہ) ہوا ہو کسی نے دونوں کو مجتمع نہیں دیکھا، اور پھر ولد پیدا ہوئی تو باوجود اس کے بھی اس عورت کو زانیہ کہنا یا اس بچہ کو ولد الزنا کہنا جائز نہیں بلکہ اس بچے کو اسی مشرقی مرد کا کہیں گے،

(بہشتی زیور میں یہی مسئلہ تو لکھ دیا تھا جس پر بعض بانوں نے بہت شور و غل مچایا، اور اس کے قبل تمام کتب فقہ میں (جن میں بہت کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے) موجود ہے، مگر کسی کو اس طرف التفات نہیں ہوا، بس بہشتی زیور میں اس کا آجانا غضب ہو گیا، رسالہ رفع الارتیاب[1] اور رسالہ حکایات الشکایات، شکایت اول کے ذیل میں ان سب شبہات کا جواب نقلی و عقلی موجود ہے)۔ واقعی بات یہ ہے کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے باب میں وحی قطعی نازل نہ ہوئی ہوتی تو لوگوں کی اس بے احتیاطی پر نظر رکھتے ہوئے قوی شبہ ہوتا ہے کہ اس زمانے کے بہت سے مسلمان بھی ان پر بدگمانی سے محفوظ نہ رہتے، مگر ہم لوگوں کی قسمت اچھی تھی جو اس باب میں وحی نازل فرمائی گئی مگر عجیب بات ہے کہ باوجود اس حکم کے عام ہونے کے دوسرے موقع پر جہاں تصریح نہ ہو وحی ..... نہ ہو اس حکم پر عمل نہیں ہوتا، حالانکہ اس حکم کے ضمن میں جو اصول بیان فرمائے گئے ہیں وہ کسی کے ساتھ مخصوص نہیں، گو یہ فرق ضرور ہے کہ محل نص کی برأت و نزاہت قطعی ہے، کیونکہ

---

[1] یہ دونوں رسائل حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کے تالیف فرمودہ ہیں، جو آجکل نایاب ہیں، کاش کسی ناشر کو ان کی اشاعت کی توفیق ہو جائے، آمین۔ (محمد تقی عفی عنہ)

وہ صرف ان اصول ہی پر مبنی نہیں، اگر وہ اصول نہ بھی ہوتے تب بھی برأت کا اعتقاد قطعاً فرض تھا اور خلاف کا احتمال بھی واقع نہیں تھا۔

کسی پر زنا کا حکم لگانے کے لئے کشف، الہام، خواب کا اعتبار حجت نہیں۔

اور غیر محل نص کی برأت ظنی ہے، کیونکہ وہ ان اصول پر مبنی ہے جن کا حاصل دلیل شرعی نہ ہو، اس کے ساتھ ظن کا اور اس میں سوء ظن جائز نہیں، گو واقع میں اس کے خلاف کا احتمال ہو کما قال تعالیٰ:

إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ۝ (النور آیت ۱۵)

(یعنی جب کہ تم اس کو اپنی زبانوں سے نقل در نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کی تم کو مطلق خبر نہیں اور تم اس کو ہلکی بات سمجھ رہے تھے، حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بھاری بات تھی۔)

مگر اس فرق میں اس بے احتیاطی کی اجازت کہاں ہوئی، کف لسان و حسن ظن تو دونوں کا امر مشترک ہے۔

اور میں نے جو ان اصول وارده فی تبرئة الفريقين کا حاصل بیان کیا ہے اس میں ایک طالب علمانہ شبہ کا بھی جواب ہو گیا۔

لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ۝ (النور آیت ۱۳)

(یعنی یہ لوگ اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے، جس حالت میں یہ لوگ گواہ نہیں لائے تو بس اللہ کے نزدیک یہ جھوٹے ہیں۔)

یعنی اس دعوے پر جب چار گواہ نہ لائے تو وہ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کا علم خلاف واقع ہونا محال (نا ممکن) ہے، تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹا وہی ہوگا جو واقع میں جھوٹا ہو، تو اس مقدمہ کے بعد معنی آیت کے یہ ہوئے کہ اگر کوئی کسی کو زانی کہے اور اس پر چار گواہ قائم نہ کرسکے تو وہ شخص واقع میں جھوٹا ہے، اور جب کسی کو زانی کہنے والا واقع میں جھوٹا ہوا تو یہ شخص جس کو زانی کہا گیا ہے واقع میں زانی نہیں، تو لازم یہ آیا کہ جہاں چار گواہ نہ ہوں وہاں واقع میں کوئی زانی نہیں ہوتا، اور یہ مشاہدہ سے باطل ہے، کیونکہ ہزاروں آدمی واقع میں زانی ہوتے ہیں اور ان کے زنا پر ایک بھی گواہ نہیں ہوا چہ جائیکہ چار، تو پھر آیت کا مضمون کیسے صحیح ہوا؟ یہ ہے اشکال

مگر میں نے جو حاصل بیان کیا ہے اس سے یہ اشکال جاتا رہا۔

تقریر اس کی یہ ہے کہ عنداللہ کے معنی فی علم اللہ و فی الواقع نہیں بلکہ فی حکم اللہ وشرعنا توضیح اس کی یہ ہے یعنی گواہ نہ لانے کی صورت میں واقع میں اس مدعی علیہ کے زانی ہونے کا احتمال ہو مگر قانون الٰہی میں اس مدعی کو کاذب کہا جائے گا، یعنی اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے گا جو کاذب کے ساتھ کیا جاتا ہے، یعنی اس کو اس تہمت لگانے کی سزا دی جاوے گی، اور اس کے دعوے کی بنا پر کسی کو اس مدعی علیہ پر بدگمانی یا اس کے ساتھ بدزبانی جائز نہ ہوگی۔

اسی طرح ایسی ہی ضعیف یا باطل بناؤں پر کسی کو چور سمجھنا اور کسی طرح کا شبہ کرنا جائز نہیں، اور سب کا قاعدہ مشترکہ یہی ہے کہ جس امر کے اثبات کا شرع میں جو طریق ہے جب تک اس طریق سے وہ امر ثابت نہ ہو اس کا کسی کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں، اور اپنے محل میں ثابت ہو چکا ہے۔ ان طریق اثبات میں شریعت نے الہام یا خواب یا کشف کو معتبر و حجت قرار نہیں دیا، تو ان کی بنا پر کسی کو چور یا مجرم سمجھنا حرام اور سخت معصیت ہے۔

مسمریزم، حاضرات، لوٹا گھمانا وغیرہ سب مہمل اور خرافات ہیں

اور جب ان ذرائع کا شرع میں کوئی اعتبار نہیں جو کہ بعض امور غیر لازمہ میں کسی درجہ میں معتبر بھی ہیں بشرط عدم تخالف شرع، تو جو ذرائع شریعت کے نزدیک کوئی درجہ بھی نہیں رکھتے ان پر حکم لگانا تو کس درجہ سخت گناہ ہوگا جیسے حاضرات کرنا، چور کا نام نکالنے کے لئے لوٹا گھمانا، یا آجکل جو عمل مسمریزم کا شائع ہوا ہے یہ تو بالکل مہمل اور خرافات ہی ہیں جن میں اکثر جگہ تو عامل کا دھوکہ ہی ہے، اور بعض جگہ عامل دھوکہ باز تو نہیں ہوتا مگر وہ خود دھوکہ میں ہوتا ہے، اس کو ان اعمال کی حقیقت معلوم نہیں۔

سو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ سب تصرفات قوت خیالیہ کے ہیں، تو جیسے کوئی شخص کسی واقعہ میں فکر و خیال کو صرف کر کے کوئی رائے قائم کرلے بس اس سے زیادہ ان اعمال کی حقیقت نہیں، اور اس سے دھوکہ نہ ہو کہ بعض اعمال میں آیات قرآنیہ پڑھی جاتی ہیں، بات یہ ہے کہ ان آیات کی تلاوت محض حیلہ ہے توجہ خیالیہ کے یکسو کرنے کا ورنہ اصل فعل قوت خیالیہ کا ہے، گو آیات بھی نہ پڑھی جائیں جب بھی وہ تصرفات ظاہر ہوتے ہیں، اور اگر صرف آیات پڑھی جائیں اور خیال کو دوسری طرف منصرف کر دیا جائے تو ہرگز یہ تصرفات ظاہر نہ ہوں۔

قرآن مجید، دیوان حافظ، مثنوی سے فال نکالنے کا حکم

اور یہی حکم ہے قرآن مجید کا، دیوان حافظ یا مثنوی سے فال لے کر کسی پر حکم لگا دینے کا، جیسے ایک حکایت مشہور ہے کہ کسی بادشاہ کی

بیگم کا بڑا قیمتی ہار گم ہو گیا تھا، اس نے کنیزک سے بوقت شب چراغ منگا کر اس کی روشنی میں دیوان حافظ سے فال لی تو یہ مصرعہ نکلا۔ ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

(چور کتنا دلیر ہے کہ اپنی ہتھیلی پر چراغ رکھتا ہے)

پس اس نے اس کنیزک کو پکڑ لیا اور تلاشی لینے سے وہ ہار اس کے پاس نکلا۔ اگر ایسی حکایات ثابت بھی ہوں تو اتفاقی بات ہے، نہ اس عمل اور اس واقعہ میں کوئی وجہ تعلق، نہ کسی دلیل سے اس کی دلالت اس پر ثابت، تو حجت معتبرہ کیسے ہوگا؟

کسی جوتشی نجومی یا پنڈت کے واسطے سے کسی چیز کا یقین کر لینا قریب کفر ہے

اور اس سے بڑھ کر یہ کہ کسی کاہن یا کسی جوتشی کے واسطے یا کسی نجومی یا پنڈت کے واسطے سے کسی خبر کا یقین کر لینا خصوصاً جبکہ اس خبر سے کسی بری کا تعین کر دیا جائے ایسا شدید حرام ہے کہ قریب کفر کے ہے، اور اس سے دھوکا نہ ہو کہ فلاں دفعہ اس کے مطابق نکلا، یوں تو آدمی کچھ بھی نہ کہے، یونہی بکنا شروع کر دے کوئی نہ کوئی بات ٹھیک ہو ہی جاتی ہے، اسی طرح ان خرافات میں اگر ایک دفعہ کوئی بات سچ نکلتی ہے تو سو دفعہ جھوٹ نکلتی ہے، تو معتقدین اس ایک کا تو ذکر کرتے ہیں اور سو بار کا ذکر نہیں کرتے، اور اگر کوئی یاد دلاتا ہے تو اتفاقی ہونے سے جواب دیتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ جس طرح جھوٹ ہونے کو اتفاقی کہہ دیتے ہیں سچ ہونے کو اتفاقی کیوں نہیں کہہ دیتے، یہ سب تسویلات شیطانیہ و شیطانی حیلہ بازیاں ہیں۔

مسلمان کے لیے شریعت ہی علم و عمل کا مدار ہے

اور اگر تجربہ و مشاہدہ میں نزاع قطعی نہیں کرتے ہو تو ان کو جانے دو آخر شریعت مسلمان کے لیے اصل مدار علم و عمل کا ہے یا نہیں؟ جب ہے تو دیکھ لو جب شریعت نے ان کی دلالت کو حجت نہیں کہا تم کیسے کہتے ہو؟ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی جنتری ہے اگر ۲۹ کا چاند ثابت ہو خواہ وہ اپنے قاعدہ میں صحیح ہی ہو مگر شریعت نے اس کو حجت قرار نہیں دیا، یا کوئی بیٹا اپنے باپ کے نافع معاملہ میں گواہی دے گو وہ بیٹا کتنا ہی بڑا متقی اور سچا ہو مگر اس گواہی میں اس کے قول کو حجت قرار نہیں دیا گیا، مگر اسی اجلاس پر اگر دوسرے شخص کے معاملہ میں وہ شہادت دے فوراً قبول کر لی جائے گی۔

تار کے ذریعہ گواہی معتبر نہیں

یا اہل سلطنت نے باوجودیکہ تار کو بعض امور میں حجت ٹھہرایا ہے، لیکن اگر کوئی شخص عدالت میں اپنی شہادت تار کے ذریعہ بھیج دے گو پورا یقین ہو کہ اسی شخص کا ہے مگر

مگر قبول نہ کیا جائے گا،

قانونِ شریعت کی حکمتوں کا اظہار ضروری نہیں

آخر شریعت ایک قانون ہے، کیا اس کو حق نہیں کہ جن دفعات کو اپنے حکموں کے لئے قرینِ حکمت سمجھے تجویز کرلے، باقی یہ اس کے ذمہ نہیں کہ ان حکمتوں کا بھی سب کے سامنے اظہار کرے، گو بعض خاص عباد کو بعض حکمتوں کی اطلاع بھی ہوجاتی ہے، مگر ان کے ذمہ بھی ضروری نہیں کہ ان کا اظہار کیا کریں، کیونکہ اصل مقصود عمل ہے ان حکمتوں کے ظہور پر موقوف نہیں، اور اصول ہی پر ان کا انکشاف بھی ہوتا ہے جو بدوں عمل میں اطلاعِ حکمت کا انتظار نہیں کرتے، اور یہ مشرب رکھتے ہیں ؎

زبان تازہ کردن باقرارِ تو نینگیختن علت از کارِ تو

کفر کا فتویٰ دینے میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے،

ارتداد کے متعلق بھی ضروری بیان ہوچکا۔ اب ارتداد ہی کے متعلق عرض ہے کہ اس میں بھی یہ بڑی کوتاہی ہے کہ ذرا ذرا سی بات میں کفر کا حکم لگا دیتے ہیں، قائل کے قول کو کوئی محمل صحیح نہیں سوچتے، بس مفتی صاحب کو جہاں ذرا سی بات ملی فوراً کفر کا فتویٰ لگا دیا، بلکہ بعض اوقات محمل صحیح سمجھ میں بھی آجاتا ہے پھر بھی اس کو ذہن سے دفع کرکے اپنا غیظ نکالتے ہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ بیچارہ قائل وجہِ کفر کا خود انکار کر رہا ہے اور محمل صحیح کی تصریح کر رہا ہے، مگر جب بھی اس کو معافی نہیں دی جاتی، تکفیر ہی کی سزا اس کے لئے بحال رہتی ہے، حالانکہ حدیث میں تصریح ہے، لا تکفروہ بذنب ولا تخرجوہ من الاسلام، اور فقہاء نے فرمایا ہے کما فی رد المحتار عن الخلاصۃ

اذا کان فی المسئلۃ وجوہ توجب التکفیر ووجہ واحد یمنعہ فعلی المفتی ان یمیل الی الوجہ الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم [1]	(جب کسی مسئلہ میں بہت سی وجوہ ہوں جو کفر ثابت کرتی ہیں اور ایک وجہ کفر کی نفی کی ہو تو مفتی پر واجب ہوجاتا ہے کہ اس وجہ کی طرف میلان اختیار کرے جو کفر کی نفی کرتی ہے مسلمان کے ساتھ حسن ظن اختیار

[1] اس موضوع پر حضرت مفتی اعظم سیدی ومرشدی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی قدس سرہ العزیز نے "وصول الافکار الی اصول الاکفار" کے نام سے جامع مختصر اور مدلل رسالہ لکھا ہے جو قابل دید ہے، اس کے علاوہ حضرت موصوف قدس سرہ کا دوسرا رسالہ "ایمان اور کفر قرآن کی روشنی میں" بھی قابل ملاحظہ ہے جو ادارۃ المعارف کراچی نمبر ۱۴ سے مل سکتا ہے۔ (احقر قریشی)

زاد في البزازية الا اذا صرح بارادة موجب الكفر فلا ينفعه التاويل وفي ذلك تعزيرا ستہ لا يفتى بكفر مسلم امكن حمل كلامه على محمل حسن او كان في كفره اختلاف ولو رواية ضعيفة من البحر ج ۳ ص ۱۲۰

کرتے ہوئے بزازیہ میں یہ عبارت زیادہ کی ہو کہ مگر جب اس شخص نے اپنے ارادے کی صراحت کردی جو کفر ثابت ہی کر دیتا ہے تو اس وقت اسے تاویل نفع نہ دے گی، اور جو شخص اس بات سے بچا کہ کسی مسلمان کے کفر کا فتویٰ نہیں دے گا اس کے کلام کا محمل بہتر چل جانا ممکن ہے یا اس کے کفر میں اختلاف ہے اگرچہ ضعیف روایت کے اعتبار سے ہے جیسا کہ بحر الرائق ج ۳ ص ۱۳۴ پر ہے؟

بلا تحقیق کفر کے فتووں کا انجام

اور ان مکفرین کی جرأت یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ عوام سے گزر کر خواص یعنی علماء تک کو اپنی تکفیر کا نشانہ بناتے ہیں اور ان سے گزر کر اخص الخواص یعنی عارفین تک بھی پہنچتے ہیں اور ہاں ماشاء اللہ جن اقوال کی بناء پر تکفیر کرتے ہیں وہ ایسے دقیق ہوتے ہیں کہ ان مکفرین کا طائر ذہن بھی وہاں نہیں پہنچتا، یا دقیق نہیں ہوتے مگر ناشی ایسے احوال سے ہوتے ہیں جن کی ہوا تک بھی ان مجرسان الفاظ و رسوم کو نہیں لگی تو ان کی تکفیر کرنا بالکل اس آیت کا مصداق ہوتا ہے۔

قال تعالى: بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ .

(یونس، آیت ۳۹)

بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کے صحیح و مقصد ہونے کو اپنے احاطۂ علمی میں نہیں لائے اور ہنوز ان کو اس قرآن کی تکذیب کا آخری نتیجہ نہیں ملا

وقال تعالى:

وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ فَسَيَقُولُونَ هَٰذَا إِفْكٌ قَدِيمٌ ۝

(الاحقاف، آیت ۱۱)

اور جب ان لوگوں کو قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہی کہیں گے کہ یہ قدیم جھوٹ ہے۔

ونعم ما قيل ؎

وكم من عائب قولاً صحيحاً ۞ وآفته من الفهم السقيم

(اور کتنے لوگ ہیں جو درست بات کا عیب نکالنے والے ہیں، اور اس کی مصیبت سمجھ کی بیماری سے۔)

کیا یہ غضب اور ستم نہیں ہے کہ ہر زمانہ میں ایسوں کی تکفیر ہوئی جن کی برکت سے علوم
اسلامیہ کا احیاء ہوا، اور جن کے فیض سے برکات دینیہ کا القاء ہوا۔

اور اگر کسی بزرگ کا کلام ماوّل نہ ہو سکے، تو اس کی تکفیر سے بچ | کفر کا فتویٰ دینے کے لئے
بعض شرائط ___ جو اسہل و اسلم ہے کہ اس کلام ہی کی نسبت کا انکار کر دیا جائے
اور غلبہ حال کی تاویل کے رد کرنے کے لئے بعض متقشفین عذر کی ان چند عذروں میں لکھتے ہیں جن کو
اصولیین نے بوجہ کثرت وقوع ذکر کر دیا ہے، اور اس تخصیص ذکری کو تخصیص واقعی سمجھ کر دوسرے عذروں
کی نفی ہی کر دی، حالانکہ ان میں عذر منحصر نہ ہونا خود فقہاء ہی کے کلام میں مصرح ہے۔

في العالمگیریة احکام المرتدین من اصابه برسام او اطعم شیئاً فذهب عقله فهذی فارتد لم یکن ذلك ارتداداً وكذا لو كان معتوهاً او موسوساً او مغلوباً على عقله بوجه من الوجوه فهو على هذا كذا في السراج الوهاج۔

(عالمگیری احکام المرتدین میں ہے جسے سرسام کی بیماری ہو یا اس نے کسی چیز کو کھا لیا جس کے بعد اس کی عقل چلی گئی پھر اس نے کچھ بکا اس کی، پھر وہ مرتد ہوا یہ اس کا ارتداد نہیں ہوگا، اور اسی طرح اگر کوئی شخص کم عقل (پاگل) ہے یا کسی وجہ سے مغلوب العقل یا وسوسہ والا ہے تو وہ بھی اسی حکم میں ہے جیسا کہ سراج وہاج میں ہے۔)

اس عبارت میں بوجہ من الوجوہ قابل نظر ہے:-

وفي مدارج السالكين لابن القيم ج ۱ ص ۱۲۲، تحت حديث قصة القائل انا عبدك وانت ربي، وفي الحديث من قواعد العلم ان اللفظ الذي يجري على لسان العبد خطأ من فرح شديد او غيظ شديد ونحوه لا يؤاخذ به ولهذا لم يكن

(ابن قیم سے مدارج السالکین ج ۱ ص ۱۲۲ "انا عبدک وانت ربی" کے قائل کے قصہ میں مروی ہے کہ قواعد علم سے یہ بات ہے کہ بندہ کی زبان پر جو لفظ سخت غصہ کی وجہ سے یا غیر معمولی خوشی یا اور کسی وجہ سے خطاءً نکل جائے اس کا مواخذہ نہیں ہوگا اس واسطے وہ شخص کافر نہیں ہوگا، جس نے انت عبدی وانا ربک (سیاق) کہا)

کافراً بقولہ انت عندی کافر وتقبح ومعنوہ ان ماذیر التعصب فی عدم القصد یصل الی ہذا الحال او اعظم منہ اھ	کہہ دیا اور معلوم ہے کہ غصہ کی تاثیر سے اس حالت تک یا اس سے بڑھ کر پہنچ جاتی ہے عدم قصد سے۔

اس عبارت میں لفظ "غصہ" قابل غور ہے، اور اس دوسری عبارت کے نقل کرنے میں یہ بھی مصلحت ہے کہ بعض جامدین علی الظاہر غیر متبعین للفقہاء پر بھی گو وہ امر تکفیر میں اور بھی شدید ہیں، حجت ہو کہ ان کے معتبر مسلم کا فتویٰ ہے، اور ہم نے جو امر تکفیر میں احتیاط کرنے کو کہا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر کوئی صریح کفر کا کام کرے یا صریح کفر کی بات کرے جس میں تاویل نہ ہو سکے یا ہو سکے مگر خود وہ فاعل یا قائل اس کا انکار کرے تب بھی اس کی تکفیر نہ کی جائے۔

ہر امر میں حدود شرعیہ کا پاس واجب ہے

چنانچہ ایک کوتاہی اس اول کوتاہی کے مقابل اس باب میں یہ بھی ہے کہ علماء پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ ذرا ذرا سی بات میں تکفیر کرتے ہیں، ان معترضین کے نزدیک وہ بات ذرا سی ہوتی ہے، ان صاحبوں کو یہ آیت پیش نظر رکھنا چاہیے۔

وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ۔ (التوبۃ، آیت ۶۵، ۶۶)	اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض مشغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے، تم اب یہ بیہودہ عذر مت کرو، تم اپنے کو مومن کہہ کر کفر کرنے لگے۔

اور اوپر یہ عبارت گزر چکی ہے الا اذا صرح بارادۃ الکفر فلا ینفعہ التاویل۔

ہر امر میں حدود شرعیہ کی رعایت ضروری ہے

خلاصہ یہ کہ ہر امر میں حدود شرعیہ کا پاس واجب ہے، نہ ان کا تنازع ہو اور نہ ان سے تجاوز ہو۔

ثبوت کفر کے بعد تجدید ایمان کے ساتھ تجدید نکاح اور اعادۂ حج بھی واجب ہے

ایک سخت بے احتیاطی اس باب میں یہ ہوتی ہے کہ ثبوت کفر کے بعد اسلام کی تو تجدید کرلی جاتی ہے، نہ نکاح کی تجدید ہوتی ہے حالانکہ یہ بھی ضروری ہے اور نہ حج کا اعادہ ہوتا ہے حالانکہ کفر سے حج سابق بھی باطل ہوجاتا ہے، تو بعد تجدید ایمان اگر شرائط وجوب حج کے پائے جائیں تو حج پھر کرنا چاہئے۔

وھذا آخر ما اردنا ایرادہ فی ھذہ الفصول

حصہ دوم تمام شد

یکم شعبان ۱۳۳۳ھ

ناشر

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴